

WWW.PAKSOCIETY.COM

نوائین کے لیے صاف ستھرا انگریزی ادب

انچل

aanchalnovel.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

قیمت = 60 روپے

انچل

قیمت = 60 روپے

مثلاً لاہور سے 2015

رجسٹریشن نمبر - ایس ایس 6









سرورق: ایشا نور، آراستی: سہیلہ بیوی یار، عکاسی: سہیلہ رضا

## مستقل سلسلے

293	حافظ شبیر احمد	277	دوست کا پیغام	بہا احمد
300	میمونہ رومان	279	یادگار لمحے	نورینہ سالک
305	طلعت آغاز	281	آئینہ	شہلا عامر
313	روبین احمد	285	ہم سے پوچھئے	شانہ کاشف
317	ایمان وقار	287	آپ کی صحت	بومیو اکثر ہاشم مرزا
	کام کی باتیں	321	حنا احمد	

خدمت کتابت: ملک شاہ، جامعہ اسلامیہ پوسٹ بک سروس، 75، ایچ 74200، فون نمبر: 021-35620771/2

فیس: 021-35620773، نیٹ ایڈریس: info@aznchal.com.pk، پتہ: قسطنطنیہ، قسطنطنیہ

WWW.PAKSOCIETY.COM



”حضرت جریر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ رب العزت اس شخص پر رحم نہیں کرتے جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔“  
(متفق علیہ)

## سکھیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مارچ ۲۰۱۵ء کا پہلا آچل حاضر مطالعہ ہے۔

اللہ جبارک و تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ رب کریم نے ہمیں آپ کی دل بستگی و فرحت کے لیے آچل کو سجانے سنوارنے کی توفیق عطا فرمائی۔ الحمد للہ آپ کا آچل مارچ ۲۰۱۵ء کے شمارے کے ساتھ ہی اپنے ازمیں (۲۸)۔ ال میں داخل ہو رہا ہے۔ آچل کی اشاعت کے (۳۷) سال مکمل ہو گئے۔ اللہ کا جتنا شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے۔ ان ۳۷ برسوں میں ملک میں کیسے کیسے انقلابات رونما ہوئے کیسے کیسے حالات سے سامنا ہوا۔ ان زمینی آفات کے باوجود الحمد للہ آچل کی اشاعت میں کوئی تاخیر کوئی وقفہ اللہ نے آئے نہیں دیا۔ مارچ کے اس شمارے کے ساتھ آچل کے ۳۳ شمارے آپ کے ذوق کی زینت بن چکے ہیں۔ آٹھ ماہ اپریل ۲۰۱۵ء کا شمار وہاں شام اللہ سا لکھنؤ نمبر ہوگا۔

آچل کی تمام قاری بہنوں کو میں دلی مبارکباد پیش کرتی ہوں اور دعا کی درخواست کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کی خدمت کی مزید توفیق عطا فرمائے اور آپ کی دل بستگی کا یوں ہی بندوبست کرتے رہیں۔ ہو سکتا ہے کہ سالگرہ نمبر میں آپ نئے ناہنارے کی خوشخبری پڑھ سکیں۔ آپ کے مشوروں اور راہ کا انتظار رہے گا۔

﴿اس ماہ کے ستارے﴾

- ☆ محبت ابراہیمؑ ہے
- ☆ نسل نو کی جدت پسندی کا احوال اقر الصغیر کے خوب صورت شمارے میں۔
- ☆ تمناؤں کا دل
- ☆ ہجر و فریق میں جلنے والوں کا فسانہ ادیبہ فاطمہ کھلواناں کے سنگم۔ حاضر جیر۔
- ☆ خدا، عشق، عبادت
- ☆ لفظ لفظ، دلی، بھیرتی بیٹا عابدی کی ایک خوب صورت تحریر۔
- ☆ آپ اپنے دام میں
- ☆ ”آپ اپنے دام میں حیات کیا“ کی عملی تفسیر، نسلی غزلی کا خوب صورت کالم۔
- ☆ محبت دل کا جھبہ ہے
- ☆ بہن سہاس گل کا خوب صورت مہرے میں لکھا سبق آموز کالم۔
- ☆ اپنا گھر
- ☆ اپنے آشیانے کی خواہش کے لیے تمثیل زہرا کا سبق آموز فسانہ۔
- ☆ چمن خسرو کا
- ☆ محبت کا جادو جب سرچڑھ کر ہوتا ہے تو محبوب اور محبت دنیا کی سی صدوں کو پھونکے لگتے ہیں از سبب اصغر مغل کی روانی سے بھر پور تحریر۔
- ☆ شب نرید و بحر
- ☆ قدموں تلے جنت رکھنے والی ایک ماں کا فسانہ درد۔ صاحبزادی کی تحریر جو آپ کی چٹکوں کو ہم کر دے گی۔
- ☆ ہیں کو اکب کچھ
- ☆ پرائیویٹ اسکولوں کے کھلے تضاد و معیار پر لکھی تحریر جو مستقبل کے معماروں کے لیے بہترین راہ کا نقشہ کرنے میں مددگار ثابت ہوگی۔
- ☆ فقر کی پیالہ
- ☆ کچھ خواب اور خواب دیکھنے والے جب مٹی میں مل جائیں تو فقر کی پیالہ تھری نہ بنتا بن جاتا ہے کیسے اور کیونکر ملاحظہ کیجیے۔
- ☆ موسیٰ کا پھول
- ☆ پھول ہمیشہ اُلی پر اچھے لگتے ہیں جب مسل ایسے جاتے ہیں تو پھول کی زینت نہیں رہتے۔
- ☆ حرف زندگی
- ☆ خود شناسی کا مرحلہ طے ہو جائے تو مقصد زندگی، بخوبی واضح ہو جاتا۔ دور رس احساس زیاں شدید رہتا ہے۔
- ☆ ہمہ رنج و بال جان
- ☆ مارنک شوز کے گریز میں جھٹلا اسکی عورت کی کہانی جو خود بھی ایک نرس کا خزانہ ہوگی۔
- ☆ کئی مہینے
- ☆ رشتوں کی تازگی اور جب محبت ہے تو بہت سی چیزیں جاتی ہیں اسکی مہینوں کی گھونٹ و ڈھانچہ کی بارش۔ محفل ہیں۔
- ☆ اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا کو

قید آ رہا

آج کا شمار مارچ ۲۰۱۵ء کا ہے



## حکمرانِ ملک

حویہ یاد رکھنا تمہیں جو بھی کچھ کہیں سے ملا  
منیث و مقسط و منان سے معیں سے ملا  
سرورِ حمد خدا خوشبوؤں کے ساتھ ہمیں  
گلاب و لالہ و نسرین و یاسمین سے ملا  
بھرا جو روح کا دامن خدا نے رحمت سے  
تو موتی چشمِ فجائت کا آستین سے ملا  
اچھی نظر جو نبی میزاب کی طرف میری  
حجابِ لطف خدا چشمِ سرگمیں سے ملا  
نبی ﷺ کی معرفت خلاق کائنات نے دی  
خدا کی ذات کا عرفان شاہِ دین ﷺ سے ملا  
میں حمد و نعت کو کہتا ہوں لازم و ملزوم  
یہ نکتہ نکتہ رس و نکتہ آفریں سے ملا

راجا رشید محمود

## نعتِ نبوی

سیرت ہو یا کردار محمد ﷺ پہ ختم ہیں  
معراج کے انوار محمد ﷺ پہ ختم ہیں  
دنیا میں آئے سب ہی نبی معتبر مگر  
نبیوں کے سب اسرار محمد ﷺ پہ ختم ہیں  
مانا کہ ہوں کے لوگ حبیب اور حبیب تر  
دنیا کے جمالات محمد ﷺ پہ ختم ہیں  
قرآن بھی دیتا ہے گواہی اگر سنو  
اخلاق کے معیار محمد ﷺ پہ ختم ہیں  
فقراء ہوں یا امراء ہوں یا سائل ہوں امتی  
رحمت کے سب اطوار محمد ﷺ پہ ختم ہیں

قادر گل





آنچل میں شرکت پر خوش آمدید۔ آپ اگر لکھنا چاہتی ہیں تو صفحہ قرطاس پر اپنے خیالات و جذبات کا اظہار مختصر پیرائے میں افسانے کی صورت میں قلم بند کر کے ارسال کر دیں۔ کہانی ایک لائن چھوڑ کر کاغذ کی ایک سائیڈ یعنی بیک پر مرت لکھیں دیگر نگارشات پر اس سلسلے کا نام بمعہ اپنا نام لکھ کر ارسال کر دیں۔ اگر آپ کی تحریر معیاری ہوئی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

**عائشہ الیاس ..... دندئی بھاؤ الدین**  
پیاری بہن عائشہ! جگ جگ جیو آپ کی تحریر "زندگی مشق" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ موضوع قدرے بہتر ہے لیکن ابھی آپ کو محنت کی ضرورت ہے اس لیے اپنا مطالعہ وسیع کریں اور کوشش جاری رکھیں۔

**کوثر ناز ..... حیدر آباد**  
ڈیر کوثر! شادوآ باد رہو سب سے پہلے تو خالہ جانی کو بھانجے کی آمد بے حد مبارک ہو۔ اب آغاز کرتے ہیں شکوہ جواب شکوہ کا۔ ہمیں آپ کے انتظار کی کلفت کا بخوبی اندازہ ہے اسی لیے مارچ کے شمارے میں پہلے سے آپ کی تحریر شامل کرنے کا ارادہ کر چکے تھے اور آپ کا شکوے سے بھرپور خط بعد میں موصول ہوا شاید دل کو دل سے راہ ایسے ہی ہوتی ہے۔ "سلسلہ محبت" کچھ خاص متاثر کرنے میں ناکام ٹھہری کسی منفرد موضوع پر طبع آزمائی کریں۔ آپ کی خواہش کے مطابق سب اس گل بھی آپ کے ہم قدم ہیں۔ امی بابا اور بھائی کو عمرے کی مبارک باد ہماری جانب سے پہنچی دیتے ہیں۔

**مریم ممتاز ..... ای میل**  
پیاری گزیا مریم! سرا خوش رہو آپ کی تحریر "اعتبار نہ کرنا" اور "قصہ نیا تھا" موصول ہوئی پڑھ

**بینا عالیہ ..... لاہور**  
پیاری بہن! شادوآ باد رہو آپ کی والدہ کی رحلت کی خبر جان کر دل بے حد رنجیدہ ہوا۔ بے شک ماں جیسی عظیم ہستی بے حد مشفق اور پیار کرنے والی ماں کا کوئی نعم البدل نہیں۔ اس مشکل گھڑی میں اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کو اور دیگر اہل خانہ کو صبر و استقامت اور آپ کی والدہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ قارئین سے بھی دعائے مغفرت کے ملتے ہیں۔

**سباس گل ..... رحیم یار خان**  
ڈیر سباس! سدا سگھی رہو سب سے پہلے تو ناولٹ کی اشاعت پر مبارک باد قبول کیجیے ان شاء اللہ کوشش کریں گے کہ آپ کی موصول ہونے والی نئی تحریر سالگرہ نمبر میں جلد بنائے لئی الحال کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

**ماریہ کنول ماہی ..... چٹ**  
**ورکان**  
بہن ماریہ! جگ جگ جیو آپ کی تحریر "نوٹے موتی والا سے اور بکھرے پھول چمن سے" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اس لیے اپنا مطالعہ اور مشاہدہ وسیع کریں ناکہ آپ بہتر لکھ سکیں۔

**عاصمہ رحمان ..... بھاؤ والا**  
ڈیر عاصمہ! جگ جگ جیو سب سے پہلے تو بزم



ہوئی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

**موجیم شاہ..... ڈیوہ اسماعیل خان**  
پیاری گڑیا مریم! جگ جگ جیو آپ کی تحریر "لوح و قلم تیرے ہیں" پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ نے ناول بنانے کے چکر میں تحریر کو بے جا طوالت کے ساتھ الجھا دیا ہے۔ ابھی آپ محنت و مطالعہ کے ساتھ مختصر تحریر پر طبع آزمائی کریں۔

**فصیحہ آصف خان..... ملتان**  
ڈیر نصیر! سدا سہاگن رہو ہمیں ہر ماہ ہی بے تحاشہ ڈاک موصول ہوتی ہے۔ اور اسی طرح بہت سی کہانیاں ابھی آنچل کے صفحات پر آنے کی منتظر ہیں۔ کوشش ہے کہ آپ کی تحریر جلد ہی آنچل کے صفحات پر اپنی جگہ بنا لے گی۔

**محسنہ عنبی..... بھکر**  
پیاری بہن محسنہ! سدا خوش رہو آپ کی تحریر "رات کے داگ" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے۔ لیکن آپ کی تحریر انجمن کا شکار ہے اس لیے کسی اور موضوع کو اپنے قلم کی قید سے آزاد کریں لیکن ساتھ مطالعہ بھی کرتی رہیں۔

**پری وش گوندال..... منڈی بھاٹو**  
الادین  
پیاری بہن پری وش! ہمیشہ خوش رہو آپ نے طویل عرصے کے بعد مختصر سا خط لکھا آپ اپنی تحریر جلد ارسال کر دیں۔ آپ کی شاعری معیاری ہوئی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

**فیصلہ ناز ش..... اوکاڑہ**  
ڈیر فیصلہ! شاد و آباد رہو آپ کی تحریر "ایمان ہے بندگی" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ نے عمیرہ احمد کے انداز تحریر سے متاثر ہو کر اپنی تحریر لکھی ہے بہت سی باتیں ان کے ناول سے مماثلت رکھتی ہیں

کر اندازہ ہوا کہ اس موضوع پر پہلے بھی بہت لکھا جا چکا ہے اور ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اس لیے اپنا مطالعہ وسیع کریں اور اپنے مطالعہ میں نام و در انٹرز کو شامل کریں۔

**شازیہ فاروق احمد..... خان نیلہ**  
ڈیر شازیہ! جتنی رہو سب سے پہلے تو ہماری جانب سے نکاح کے بندھن پر بندھنے میں ڈھیروں مبارک باد۔ گڑیا ہمارے پاس کثیر تعداد میں ڈاک موجود ہوتی ہے ہر کسی کی سوچ کا انداز اور خواہش کا معیار الگ ہوتا ہے۔ ایسے میں سب کو خوش رکھنے کی کوشش ہوتی ہے لیکن پھر بھی قارئین کی ناراضگی کا سامنا کرنا پڑ ہی جاتا ہے بہر حال ہم نے آپ کی تحریر کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ اپریل میں "اپریل فول" سے متعلقہ کہانی شاید ہی لگ سکے آپ سال گرو نمبر کے لیے اپنی مخصوص تحریر جلد ارسال کر دیں تاکہ پڑھ کر آپ کو آگاہ کیا جاسکے۔

**قروۃ العین سکندر..... لاہور**  
ڈیر قروۃ العین! جگ جگ جیو آپ کی تحریر "جنتی دھوپ میں چھاؤں جیسا" موضوع قدرے بہتر ہے لیکن ابھی آپ کو مزید مطالعہ کے ساتھ وسیع مشاہدے کی بھی ضرورت ہے جس سے آپ کے انداز تحریر میں بہتری آ سکتی ہے۔ امید ہے کہ آپ دل برداشتہ ہونے کی بجائے محنت کریں گی۔

**عرشیہ ہاشمی..... کوٹلی آزاد کشمیر**

ڈیر عرشیہ! جتنی رہو ادوی کشمیر کے حسیں مرغزار سے ارسال کر دیں آپ کا نقطہ موصول ہوا آئینہ میں تبصرہ شائع ہوتا ہے وہ آپ الگ سے تمام کہانیوں کے متعلق ارسال کر دیجیے گا۔ آپ کی پسند اور آنچل کو سراہنے کا بے حد شکریہ آپ کی شاعری اگر معیاری



موضوع کی بدولت ہمیں یقین ہے کہ آپ مزید اچھا لکھ سکتی ہیں۔ اس ناکامی کا کامیابی کا زینہ بنائیے اور کوشش جاری رکھیں۔

**حیا بنگش..... کوہاٹ**  
ڈیر حیا! شاد آ باد رہو پہلی مرتبہ شرکت پر خوش آمدید۔ آپ لکھتی ہیں یہ جان کر اچھا لگا لیکن ہمیں نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ ہمیں آپ کا افسانہ موصول نہیں ہوا صرف آپ کا خط ہم تک پہنچا ہے جبکہ آپ کی کہانی اس میں موجود نہیں ہے۔

**میمونہ نصر اللہ..... ڈیرہ غازی خان**  
پیاری بہن میمونہ! سدا خوش رہو آپ کی تحریر ”شاید کے تیرے دل میں“ موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو اور بھی محنت کی ضرورت ہے آپ کا موضوع بہتر اور انداز تحریر کمزور ہے اس لیے آپ اپنا مطالعہ وسیع کریں اور محنت جاری رکھیں۔

**شزا بلوچ..... جھنگ صدر**  
شزا! سدا خوش رہو آپ کا خط موصول ہوا پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ نٹ کھٹ ہونے کے ساتھ کتنوں بھی ہیں ورنہ تحفہ تو تھا ہی ہوتا۔ ہاں کو دیتے وقت سامنے والے کو نہیں دیکھتے خیر یہ تو مذاق کا رنگ ہے ہمیں آپ کی دعائیں چاہئے۔ ایم ایس سی فرسٹ ڈویژن سے پاس کرنے پر آنچل کی طرف سے بہت بہت مبارک ہو اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کو ہر میدان میں ہمیشہ کامیاب و کامران رکھے آمین۔

**عظمیٰ شاہین..... نوشہرہ**  
**ورکاں**  
پیاری بہن عظمیٰ! شاد آ باد رہو آپ کا انداز تحریر کمزور ہے اب بچ یا شرور کی تو بات ہی نہیں ہے۔ آپ موضوع پر ٹھیک سے رفت نہیں کر پار ہیں اس لیے اپنا مطالعہ و مشاہدہ و ذہن وسیع کریں تاکہ آپ

آپ تمام نام در رائز کو پڑھیں لیکن لکھنے کے لیے اپنا انداز اپنائیں۔

**حیا عباس کاظمی..... تلہ گنگ**  
بہن حیا! سدا خوش رہو آپ کا خط موصول ہوا پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ کو آنچل سے کس قدر وابستگی ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس ساتھ کو ہمیشہ قائم رکھے۔ آپ کے گھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت تشریف لائی جان کر خوشی ہوئی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اسے صحت کے ساتھ ہی زندگی عطا فرمائے اور نصیب بلند فرمائے آمین۔

**دیا احمد..... چکوال**  
پیاری دیا! جگ جگ جیو آپ کی تحریر ”زندگی کی نہ ٹوٹے لڑی“ موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ نے ناول لکھنے کے چکر میں کہانی کو بے جا طوالت کا شکار کر دیا ہے اور موضوع بھی اتنا خاص نہیں ہے اس لیے کسی اور موضوع اور مختصری تحریر پر طبع آزمائی کریں۔ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے اس لیے مطالعہ کے ساتھ محنت جاری رکھیں۔

**منشا یوسف..... 157 این بی**  
ڈیر منشا! جگ جگ جیو آپ کے خط کا جواب حاضر ہے بعض اوقات تاخیر سے موصول ہونے پر نگارشات شائع ہونے سے محروم ہو جاتی ہیں لیکن اب آپ کی تجویز پر انہیں ہم آئندہ ماہ لگا دیں گے اس لیے گڑیا آپ کو تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

**عائشہ اختر..... سیر گودھا**  
سویت عائشہ! ہمیشہ ہنسی مسکراتی رہو آپ کی تحریر ”گھر“ موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اس لیے مزید مطالعہ کے ساتھ محنت کرتی رہیں۔ امید رکھیں آپ کی تحریر جلد ہی آنچل کے صفحات پر جگمگائے گی آپ کے منفرد انداز و



بہتر لکھ سکیں۔  
 پیاری روٹی ہستی مسکراتی روٹی ایڈ کرنے پر بہت  
 مبارک ہو آپ کی بھیجی گئی معلومات جلد ہی یادگار لکھوں  
 میں اپنی جگہ بنا لے گی۔

**ایم ایس..... چنیوٹ**  
 پیاری بہن! جیتی رہو بزم آجکل میں شرکت پر  
 خوش آمدید۔ گزرا اس سے پہلے ہمیں آپ کا کوئی خط  
 موصول ہی نہیں ہوا تو جو ب کیسے اور کیونکر ارسال  
 کرتے غالباً آپ کی ڈاک، محکمہ ڈاک کی نااہلی کا شکار  
 ہو جاتی ہے۔ اب آپ کا خط حاضر ہے تو ہماری جانب  
 سے جواب بھی حاضر ہے اسید ہے خفگی دور ہو جائے گی  
 اگرچہ قصور وار ہم نہ تھے۔

**ایمل سیمل..... کھڈیاں قصور**  
 پیاری بہن! سیمل! سدا خوش رہو آپ کی تحریر پچھلے  
 ماہ تا قابل اشاعت میں شامل تھی شاید آپ کی نظر سے  
 نہیں گزری۔ ابھی آپ کو بہت محنت و وسیع مطالعہ کی  
 ضرورت ہے۔

**کوثر خالہ..... خانیوال**  
 ڈیر کوثر! سدا مسکراتی رہو آپ کا تفصیلی خط  
 موصول ہوا پڑھ کر آپ کے دکھ و صبر دونوں کا اندازہ ہوا  
 کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے اپنے حبیب و جہاں محمد  
 مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت آپ کے دل میں  
 اجاگر کر کے آپ کو خوش مزاج بنا دیا ورنہ جن حالات  
 سے آپ دوچار ہیں ان میں زندگی اپنے لیے مشکل ہی  
 لگتی ہے لیکن آپ نا صرف دوسروں کے لیے سوجھی  
 ہیں بلکہ ان کے کام بھی آنا چاہتی ہیں اور یہ ہی ہر  
 انسان کی زندگی کا اصل مقصد ہے۔ آپ اپنی نگاشات  
 ہمیں ارسال کرتی رہیں ہم گاہے بگاہے شریک  
 کرتے رہیں گے جس ادبی صنف پر آپ نے قلم  
 اٹھایا ہے بے شک وہ دنیا و آخرت دونوں میں آپ  
 کے لیے توشہ آخرت بن جائے گا ہمیں بھی اپنی

**شبیم کنول..... حافظ آباد**  
 پیاری گزرا! سدا خوش رہو آپ کا خط موصول ہوا  
 آنجل کے تمام سلسلوں میں شرکت کے لیے آپ  
 الگ الگ صفحے پر سلسلہ کا اور اپنا نام اور شہر کا نام لکھ کر  
 ایک ہی لفافہ میں ارسال کر سکتی ہیں۔ تحریر لکھنے کے  
 لیے آپ کا مطالعہ اور مشاہدہ وسیع ہونا بہت ضروری  
 ہے اس کے بغیر آپ اپنی تحریر و قلم کے ساتھ انصاف  
 نہیں کر سکتی اور تحریر لکھنے سے قبل اس سلسلے کے آخر میں  
 لگا تبکس ضرور پڑھ لیجیے۔

**سونیا قریشی..... ملتان**  
 ڈیر سونیا! جگ جگ جیو اگر آپ ہمارے  
 جوابات سے متاثر ہوتی ہیں تو یہ آپ کا حسن نظر ہے  
 بے شک اچھے اخلاق اور نرم روٹی کی بدولت ہر کسی کو  
 اپنا دوست بنا سکتی ہیں اسی لیے ہمارے مذہب نے  
 بھی اخلاق حسنہ کی ترغیب دی ہے۔ آنجل کی  
 پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔

**عروج مغل..... اللہ ٹاؤن**  
 ڈیر عروج! جیتی رہو آپ کے اس راز کو جان کر  
 اندازہ ہوا کہ آپ نہایت شوخ مزاج اور حاضر دماغ  
 ہیں بہر حال ہم گویا کہہ سکتے ہیں سوائے اس کے  
 مطالعہ اچھی عادت ہے اور اس میں شامل آپ کی  
 شرارت ہے یونہی زندگی میں ہستی مسکراتی اور دوسروں  
 کے لبوں پر بھی مسکراہٹ بکھیرتی رہو آمین۔

**عظمیٰ بٹ..... سمندری**  
 ڈیر عظمیٰ! جگ جگ جیو آپ کا خط موصول ہوا  
 آنجل سے آپ کی وابستگی جان کر خوشی ہوئی آپ کی  
 تجویز نوٹ کر لی ہے ان شاء اللہ جلد عمل کرنے کی  
 کوشش کریں گے۔

**روبی علی..... سید والا**



دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

علیشہ احمد..... بھاولنگر

ڈیر علیہ! سدا مسکراؤ! آنچل میں پہلی بار شرکت پر خوش آمدید تبصرہ اگر آپ کا تاریخ تک مل جائے تو ضرور شامل کر لیں گے۔ کہانی آپ کی موصول ہوگئی ہے ان شاء اللہ آنچل کے صفحات پر ہی آپ کو اس کے متعلق اپنی رائے سے مطلع کریں گے۔

نورین مسکان سرور..... ڈسکہ

ڈیر مسکان! سدا مسکراؤ! آپ سے نصف ملاقات اچھی لگی اور بے ساختہ انداز میں دل فریب مسکراہٹ عطا کر گیا۔ آپ کی نگارشات سال گرہ نمبر کے لیے محفوظ کر لی ہیں اب دل تمام کر انتظار کریں اور ہاں آپ کا اسم گرامی اب بالکل ٹھیک لکھا ہے چیک کر لیجیے گا۔

شیریں گل..... ثمن

ڈیر گل! گلوں کی طرح بہتی رہو اور اپنے لہجے کی شیرینی سے سب میں مٹھاس بانٹی رہو۔ گڑیا ہمارے پاس کافی کثیر تعداد میں تعارف موجود ہیں کوشش کریں گے کہ آپ کا تعارف جلد شامل کر لیں جہاں تک دیگر نگارشات کی بات ہے تو آپ کی ڈاک تاخیر سے موصول ہونے کے سبب شامل نہ ہو سکی۔ بہر حال ہم نے آپ کو شرکت کا موقع فراہم کرتے جواب عنایت فرمادیا ہے دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

سامعہ مالت پرویز..... خانپور

ہزارہ

ڈیر سامعہ! خوش رہو! آنچل کے متعلق آپ کے والدین جذبہات و داد تحسین کے یہ کلمات ہمارے لیے باعث فخر ہیں۔ ہماری بھرپور کوشش ہوتی ہے کہ ہر بار آپ کا آنچل آپ کے لیے متعلیٰ راہ بن جائے۔

تقبل اشاعت کہانیوں۔

پچھتاوا اعتبار نہ کرنا، قصور کیا تھا، زندگی روٹھ گئی، محبت ہمسفر میری، دل دستک اپنے بھی پرائے نکلے رات کے راگ ایمان ہے، زندگی یہ کیسی محبت تھی گمنام تیری، ہم نوا اصول ہوتم، زندگی کی نہ ٹوٹے لڑی پیمان و محبت، اعتماد بلا عنوان، گھر نفیس کا لکھلا مینا اور تاجو کی کہانی، خوب صورت اللہ، ہم جو تار یک راہوں میں مارے گئے، جنوری تیری اداسیاں، جھکی ہوئی پلکیں، ہیرا، سلجھی ہوئی آنکھوں میں ابھی محبت، صنف نازک کی فریاد تربیت اولاد اور آج کل کی مائیں، محبت مدفن میری، تجھ بن سونا آنگن، اے راہ حق کے شہیدوں، صبر کی جیت، تین تارے اڑان، چلتی دھوپ میں چھاؤں جیسا، سلسلہ محبت، سچی لگن، ٹوٹے موتی مالا سے زندگی مشق۔



مصنفین سے گزارش  
☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سرچھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرنا اپنے پاس رکھیں۔  
☆ نقطہ وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔  
☆ نئی لکھاری بہنیں پیشکش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔  
☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قائل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشاعت تحریروں کی واہی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔  
☆ کوئی بھی تحریر نیکیا سیاہ و شامی سے تحریر کریں۔  
☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔  
☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتہ پر جسر ڈاک کے ذریعے ارسال کیجئے۔ 7 فرید چیمبرز عبد اللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔





# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety1](https://twitter.com/paksociety1)



# مرکب الدین

مشتاق احمد قریشی

**سقر**۔ دوزخ کے ایک طبقے کا نام۔ سقر کے معنی جھلس دینا ہے دوزخ کے اس طبقے کو سقر اس لئے کہا گیا ہے اس کی آگ جسم و روح کو تحلیل کر ڈالتی ہے۔ علامہ سید مرتضیٰ زبیدی تاج العروہ، جواہر القاموس میں لکھتے ہیں کہ آتش کلفظ سقر رکھ دیا گیا ہے اس لفظ کے اشتقاق کا پتہ نہیں ہے۔ امام جلال الدین سیوطی نے یہی سقزل کیا ہے کہ یہ سق ہے (الانقان)

قرآن کریم میں چار مقامات پر ذکر ہوا ہے۔

ترجمہ:- بلکہ ان سے نہننے کے لئے اصل وعدے کا وقت تو قیامت ہے اور وہ بڑی سخت اور زیادہ تلخ ساعت ہے۔ بے شک یہ مجرم و حقیقت غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ جس روز یہ منہ کے بل آگ میں تھیسے جائیں گے اس روز ان سے کہا جائے گا اب چکھو جہنم کی لپٹ کا مزہ۔ (القمر۔ ۴۶-۴۸)

پہلی آیت کریمہ میں اللہ ذوالجلال ایسے تمام لوگوں کو تائید و خبر دے رہا ہے جو آخرت پر اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان نہیں لاتے اور دنیا میں اپنی من مانی کرتے ہیں اور احکام الہی تو انہیں الہی کی نہ پروا کرتے ہیں نہ فکر کرتے ہیں اور آخرت اور عذاب الہی کے بارے میں جو منہ میں آتا ہے کہتے رہتے ہیں قیامت پر یقین ہی نہیں کرتے۔ ایسے ہی لوگوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ نے جو عذاب کا وعدہ کیا ہے، اس کا وقت قیامت ہے۔ دنیا میں جتنے بھی سخت سے سخت بڑے سے بڑے عذاب جو انہوں نے بھی دیکھا ہو گا وہ قیامت کے عذاب سے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ بلکہ قیامت کا عذاب بڑا ہی سخت اور شدید ہو گا جس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔

دوسری آیت میں کہا جا رہا ہے کہ یہ حقیقت میں غلط فہمی میں مبتلا ہیں ان کی عقل ماری گئی ہے (بے ہنگم رہی اور آگ میں ہیں) جب روز محشر ان کا حساب ہو چکے گا اور انہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا تو وہاں ان کے ساتھ جو سلوک ہو گا یہاں اس آیت کریمہ میں اللہ جس شان اس کی منظر کشی فرما رہا ہے کہ جس روز یہ منہ کے بل آگ میں تھیسے جائیں گے اس روز ان سے کہا جائے گا اب چکھو جہنم کی آگ (لپٹ) کا مزہ۔ جہنم جو ہر اس مرتد الہی سزا ہے وہاں جسم و جان کے ساتھ روح کو بھی سزا ملتی ہے انہیں نہایت حقارت سے منہ کے بل آگ میں گرادیا جائے گا اس لئے کہ دنیا میں وہ غرور و تکبر کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اس لئے انہیں جسمانی و روحانی اور نفسیاتی عذابوں سے سزا دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے تمام فرمانبردارانہ فرمانوں کو تنبیہ فرما رہا ہے بتا رہا ہے کہ اب بھی موقع ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ہدایات کو اپنالو اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی راہ اپناو ورنہ تمہارا انجام یہی بتایا جا رہا ہے سمجھدار لوگوں کے لئے اللہ کی تمہنی بہت ہے۔

ترجمہ:- میں غمگین اب اسے دوزخ میں ڈالوں گا۔ اور تجھے کیا خبر کہ دوزخ کیا چیز ہے؟ نہ وہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے۔ کھال کو جھلسا دیتی ہے۔ (المدثر۔ ۲۶-۲۹)



ان آیات میں بھی اللہ ذوالجلال نے دوزخ نصیب ہونے والوں کی منظر کشی کی ہے جو لوگ دنیا میں دین کو پس پشت ڈال کر من مانی زندگی گزارینگے ان کا کیا حشر ہونے والا ہے اس سے آگاہی دی جا رہی ہے۔ جہنم کی آگ ایسی شدید ایسی تیز ہونی جو سب پہنچ نکل جائے گی۔ آیات میں دوزخ کی شدید اور خوفناک خصوصیات بتائی گئی ہیں۔ آخرت کے بعد کی زندگی دائمی زندگی ہوگی چاہے جنت میں رہے یا دوزخ میں جہنم کی آگ جلا کر خاک کر دے گی لیکن پھر بھی پیچھا نہیں چھوڑے گا بار بار زندہ کیا جائے گا بار بار جلایا جائے گا اس بات کو سورہ اعلیٰ کی آیت ۱۳ میں بھی بیان کیا گیا ہے "وہ اس میں نہ مرے گا نہ جسے گا" (اعلیٰ ۱۳)

(۶) جحیم۔ دوزخ کے ایک طبقے کا نام جس کے معنی بھرتی ہوئی آگ جحیم کے معنی آگ کے تخت بھرتے مشعل ہونے کے ہیں۔ ان جڑ تھلے مطابق یہ دوزخ کے سات طبقوں میں ہے ایک طبقہ ہے۔ قرآن کریم میں تقریباً چھبیس مقامات پر ذکر آیا ہے۔ جہنم کا یہ طبقہ مشرکوں اور بت پرستوں کے لئے ہے۔ ترجمہ۔ اور پرہیزگاروں کے لئے جنت باطل نزدیک کر دی جائے گی اور گمراہوں کے لئے جہنم حاضر کر دی جائے گی۔ (اشعرا ۹۰-۹۱)

روز آخرت جب میدان حشر میں حساب ہوگا میزان نصب ہو چکی ہوگی تب اللہ ذوالجلال کے حکم سے اہل جنت کو جنت کا اور اہل جہنم کو جہنم کا نظارہ کرادیا جائے گا۔ جس سے کافروں منکرین کے غم میں اور اہل ایمان کی خوشی و سرور میں اضافہ ہو جائے گا اور وہ جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی دیکھ لیں گے کہ جنت کی نعمتیں کیسی ہیں جہاں وہ اللہ کے فضل سے جانے والے ہیں۔ دوسری طرف گمراہ لوگ میدان حشر میں ہی جہنم کو دیکھ کر لرز رہے ہوں گے ویسے ہی میدان حشر میں جو ان کا حشر ہو رہا ہوگا وہ بھی کسی سزا سے کم نہیں ہوگا۔

ترجمہ۔ یہ وہی فیصلے کا دن ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ (حکم ہوگا) گھیر لاؤ سب ظالموں اور ان کے ساتھیوں کو اور ان معبودوں کو جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر بندگی کیا کرتے تھے۔ پھر ان سب کو جہنم کا راستہ دکھاؤ۔ (الصافات ۲۲ تا ۲۳)

آیات کریمہ میں رب ذوالجلال نے میدان حشر کی وہ منظر کشی فرمائی ہے جب مشرکین و کفار بدکاروں کو میدان حشر میں جمع کر دیا جائے گا اور ان کے اعمال نامہ کھول دیئے جائیں گے اور میدان حشر کی سختی سے وہ گھبرائے ہوئے خوف زدہ تو پہلے ہی سے ہوں گے خود اپنے پسینوں میں ڈوبے ہوں گے اس وقت انہیں بلاکت صاف نظر آ رہی ہوگی اس وقت انہیں یہ شدید احساس ہو رہا ہوگا وہ اپنی کوتاہیوں کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ندامت کا بھی اظہار کر رہے ہوں گے۔ لیکن اس وقت ہر قسم کے اعتراف کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ حساب کتاب شروع ہو چکا ہوگا۔ ندامت شرمندگی اور توبہ کا وقت گزر چکا ہوگا اب تو صرف دنیا میں کئے گئے تمام اعمال کی جزا (سزا) کا ہی دن ہوگا ان کے اظہار ندامت اور اعتراف جرم کو بن کر اہل ایمان اور میدان حشر میں موجود فرشتے ان کے جواب میں کہیں گے کہ یہ وہی فیصلے کا دن ہے جسے تم دج میں مانتے نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم صادر ہوگا کہ ان کے ساتھ ساتھ ان کے تمام شریک ساتھیوں کو جو ان کے کفر میں ان کا ساتھ دے رہے تھے جن میں ان کی بیویاں بیٹیاں شیاطین اور ہر وہ بستی جو ان کے کفر و شرک میں کسی بھی طرح ان کی مددگار اور معاون رہی ہوگی گھیر لاؤ تاکہ ایک ایک قسم کی مجرمین الگ الگ جمع کر دیئے جائیں۔



اس حکم الہی میں ان معبودانِ باطل کو چاہے وہ مورتیاں ہوں یا اللہ کے نیک بندے سب کو ان کی تذلیل کے لئے جمع کیا جائے گا تاکہ وہ دیکھ لیں کہ جن پر وہ دنیا میں بھروسہ کرتے تھے تکیہ کرتے تھے وہ تو کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر کس بھی طرح قادر نہیں ہیں ان میں سے پہلی قسم کے معبود اپنے پرستاروں کے ساتھ جہنم میں ڈالے جائیں گے تو وہ انہیں دیکھ کر شرمندگی محسوس کریں گے اور اپنی حماقتوں پر ماتم کریں گے۔ ان جہنم کی طرف دھکیلے جانے والوں میں وہ نیک و کار لوگ فرشتے انبیاء اور اولیاء کرام شامل نہیں ہوں گے جنہیں یہ شریعت اپنے طور پر پوجتے پرستش کیا کرتے تھے۔

(یے) **ہاویہ**۔ دوزخ کا ایک طبقہ جو سب سے نیچے ہے یہ فرعونوں اور منافقین کا ٹھکانہ ہے جس کے معنی گہرا آشی ٹڑھا بہت ہی گہرا کنواں۔ گرنے والی گہرائی اس میں دوزخی سر کے بل گریں گے۔ ترجمہ: اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے۔ اس کا ٹھکانا ہادیہ ہے۔ (التقارعت۔ ۸-۹) آیت کریمہ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ جس کے اعمال حسنہ وزن میں ہلکے یعنی کم ہوں گے اس کی جگہ دوزخ کا طبقہ ہادیہ ہوگا جو انتہائی گہرے کنویں کی طرح ہوگا۔

آیت مبارکہ میں لفظ موازن استعمال ہوا ہے جو موازن کی جمع بھی ہو سکتا ہے اور میزان کی جمع بھی۔ اگر اسے موازن کی جمع قرار دیا جائے تو موازن سے مراد وہ اعمال ہوں گے جن کی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کوئی وزن ہو جو اس کے ہاں کسی قدر کے مستحق ہوں اور اگر میزان کی جمع قرار دیا جائے تو ”موازنین“ سے مراد ترازو کی پلڑے ہوں گے۔ پہلی صورت میں موازن کے بھاری ہونے کا مطلب نیک اعمال کا برے اعمال کی مقابلے بھاری یا ہلکا ہونا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں صرف نیکیاں ہی وزنی اور قابل قدر ہیں۔ دوسری صورت میں ”موازنین“ کے بھاری ہونے کا مطلب اللہ جل شانہ کی میزانِ عدل میں نیکیوں کا پلڑا ابراہیموں کے پلڑے کی نسبت زیادہ بھاری ہونا۔ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں فیصلہ اعمال کی پونجی کی بنیاد پر ہوگا جو اعمال زیادہ ہوں گے نیک یا بد فیصلہ اسی مناسبت سے ہوگا۔ یہ مضمون قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے۔ سورۃ الاحراف میں بیان ہوا ہے۔ ”اور وزن اس روز حق ہوگا پھر جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاح پائیں گے اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہی اپنے آپ کو خسارے میں مبتلا کرنے والے ہوں گے۔“ (الاحراف۔ ۸-۹) اسی بات کو سورۃ کہف ۱۰۴-۱۰۵ میں سورۃ الانبیاء ۷۷ میں کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حق سے انکار اور کفر خود اتنی بڑی برائی ہے کہ وہ برائیوں کے پلڑے کو جھکا دے گی اور کافروں کی کوئی نیکی ایسی نہیں ہوگی جو ان کی بھلائیوں کے پلڑے کو بھاری کر سکے اور نیکیوں کے پلڑے کو جھکا سکے۔ جبکہ مومن اہل ایمان کے پلڑے میں ان کے ایمان کا وزن بھی ہوگا اور نیکیوں کا وزن بھی ہوگا جو اس نے دنیا میں کی ہوگی۔ اس کی جوابدہی یعنی حساب کے وقت اس کے بدی کے اعمال کو دوسری طرف بدی کے پلڑے میں رکھا جائے گا اور پھر دیکھا جائے گا کہ کونسا پلڑا بھاری ہے وہی اس کا فیصلہ ہوگا۔

دوسری آیت کے الفاظ میں ”ام ہادیہ“ یعنی اس کی ماں ہادیہ ہوگی ہادیہ صوفی ہے جس کے معنی اونچی جگہ سے گہرائی میں گرنے کے ہیں جہنم کے اس طبقہ کو ہادیہ کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ وہ بہت ہی گہرا گڑھا ہے جہاں آگ جگمگاتی ہوگی آگ سے بھرا ہوا ہے جب اہل جہنم کو اس میں پھینکا جائے گا آیت مبارکہ میں ارشاد



اٹھی ہے کہ اس کی ماں جہنم ہوگی اس کا مطلب ہے کہ جس طرح ماں کی گود بچے کا ٹھکانا ہوتی ہے ایسے ہی آخرت میں جب اہل جہنم کو فیصلہ سنا دیا جائے گا تو ان کی سزا کے طور پر ان کا ٹھکانا جہنم کا وہ طبقہ ہادیہ ہوگا۔

دوزخ کی آگ کی شدت کا اندازہ انسان دنیا میں بھی کسی قدر کر سکتا ہے۔ آئے دن دنیا کے کسی نہ کسی حصے میں آتش فشاں آگ اگتے رہتے ہیں آتش فشاں دوزخ کی آگ کے مقابلے میں ایک فی صد بھی نہیں ہوتے جبکہ یہ بھی اسے اندر موجود معدنیات اور دیگر اجزاء کو پچھا کر پانی کی طرح بنا دیتے ہیں۔

یہ تو تھی مختصر تفصیل دوزخ اور اس کے طبقات کی کیونکہ ہر مجرم کو سزا اس کے جرم کے مطابق ہی ملے گی جس کے لئے اللہ ذوالجلال نے مختلف سزائوں اور غذاؤں کے لئے دوزخ کو سات مختلف درجات میں تخلیق فرمایا ہے کہ ہر مجرم اپنے جرم کے حساب سے ہی سزا پائے کسی کے ساتھ ذرا برابر زیادتی یا کمی نہیں کی جائے گی۔ ایسے ہی نیکو کار متقی اہل ایمان کے ساتھ معاملہ ہوگا انہیں بھی ان کے نیک اعمال و اقوال کی جو جزا ملے گی اس کا حساب بھی ہوگا اور انہیں بھی جنت کے مختلف درجات میں عیش و آرام کی زندگی نصیب ہوگی۔ اب یہ بھی سمجھ لیں کہ اہل جنت کے ساتھ کیسا معاملہ فرمایا جائے گا۔

### جنت

#### جزا پانے والوں کا دائمی ٹھکانا

قرآنی آیات سے جنت کا جو تصور قائم ہوتا ہے وہ مثالی ہے۔ یعنی جنت نیکو کاروں کے اس دائمی گھر سے عبارت ہے جس سے انسان کی اعلیٰ تمنائیں اور آرزوئیں پوری ہوں گی۔ جنت کی ایک صفت خلد ہے۔ یعنی وہاں پہنچ کر لوگ ایسی مسرتوں سے بہرہ مند ہوں گے جنہیں کبھی زوال ہی نہیں ہوگا۔ جو دائمی ہوں گی۔ وہاں ہر طرح کے رنج و غم ہر قسم کے دکھ و تکالیف سے انسان آزاد ہوگا ان کا تصور تک نہیں ہوگا ہر قسم کی فکر سے پاک ہوگا جنت ایسی پاکیزہ جگہ ہوگی جہاں کینہ بغض حسد رشک اور دیگر لغویات کا ہرگز گز نہیں ہوگا۔ نہ شیطان ہوگا نہ ہی شیطانی دسواں ہوں گے۔

جنت ایسے باغ ہیں جن کے متعلق اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نیک اور اچھے کام کرنے والے اہل ایمان بندوں کو خوش خبری سنائی ہے یہ باغات ایسے حسین اور خوبصورت ہیں کہ ان کی مثال نہ تو دنیا میں کہیں ملتی ہے اور نہ ہی انسانی ذہن ان کی خوبصورتی کے متعلق پوری طرح سوچ سکتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر چیز کے جوڑے بنائے ہیں جس طرح آسمان کا جوڑ زمین سورج کا چاند انسانوں میں دیگر تمام مخلوقات میں زادہ کا جوڑ بنایا ہے جیسے دوزخ جو بدکاروں کا بدترین ٹھکانا ہے ایسے ہی جنت نیکو کاروں متقی اہل ایمان کا عیش و آرام کا ٹھکانا ہے جہاں رحمت الہی کا فضل اور انعامات ہی انعامات ملتے رہیں گے۔ قرآن حکیم میں جنت کے مختلف طبقات کا ذکر ملتا ہے جو اہل ایمان و ان کی محنتوں اور ان کے تقویٰ اور اعمال صالحہ کے لحاظ سے نصیب ہوں گے۔

دنیا میں ہم جنت پر اس باغ کو کہتے ہیں جس کی زمین درختوں کے جھنڈ کی وجہ سے نظر نہیں آتی ہو بہشت کو دنیاوی باغات سے تشبیہ اس لئے دی گئی ہے کہ انسان اس کی خوش نمائی اس کی جھنڈک و راحت کو کسی حد تک ہی سمجھ سکے کیونکہ جنت اور اس کی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے خفی رہی ہیں جو کچھ جنت کے بارے میں اظہار قرآن کریم میں ہوا ہے اسے انسانی ذہن کی قوت فہم و ادراک کو مد نظر رکھتے ہوئے ہی یہ کیا گیا ہے تاکہ انسانی عقل جو



زیادہ سے زیادہ سوچ سکتی ہے سمجھ سکتی ہے وہ اسے سمجھ لے محسوس کر لے اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کو آخرت کے اور یوم حساب کے بعد کیسی انعام یافتہ مسرور اور پر کیف زندگی جو حقیقی زندگی ہوگی جس کو کبھی فنا نہیں ہوگی بخشے والا ہے کیونکہ جنت کی اصل اور حقیقی نعمتوں اور راحتوں کے بارے میں خود رب کریم و رحیم قرآن کریم میں ارشاد فرما رہا ہے۔ سورۃ السجدہ میں اس طرح آیا ہے۔

ترجمہ:- کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے پوشیدہ کر رکھی ہے جو کچھ کرتے تھے یہ اس کا بدلہ ہے۔ (السجدہ-۱۷)

ارشاد باری تعالیٰ ایک اعلان عام کے بطور کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ان نعمتوں کو جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان متقی پر ہیزگاروں کے لئے چھپا رکھی ہیں جن سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھی کسی کان نے نہیں سنی نہ کسی انسان کے وہم و گمان میں ان کا گزر ہوا۔“ (صحیح بخاری تفسیر السجدہ)

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ کی رحمت کا مستحق بننے کے لئے اعمال صالحہ کا اہتمام بہت ضروری ہے۔

جنت کی جمع جنات ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنات لانے کی وجہ یہ ہے کہ بہشت کے سات طبقات ہیں۔

(۱) جنت الفردوس۔ (۲) جنت عدن (۳) جنت النعیم (۴) دارالخلد (۵) جنت الماویٰ (۶) دارالسلام (۷) علیین۔

کچھ اہل تحقیق نے بہشت کے آٹھ درجات قائم کئے ہیں۔ (۱) عدن (۲) جنت الماویٰ (۳) فردوس (۴) نعیم (۵) دارالقرار (۶) دارالخلد (۷) دارالسلام (۸) دارالجلال۔ محققین نے یہ بھی لکھا ہے کہ سات درجات تو انسانوں کے قیام کے لئے ہوں گے جبکہ آٹھواں درجہ دیدار حق تعالیٰ جنانہ کے لئے ہوگا۔ وہ کونسا درجہ ہوگا اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ مقام دیدار الہی علیین کا مقام ہے جبکہ بعض کے نزدیک صدق ہے۔

(جاری ہے)





## طوبی صلیبی

ملیہ احمد

عذریہ پسند ہیں۔ خوبیاں یہ ہیں کہ اساتذہ کا احترام کرتی ہوں دوسروں کا خیال رکھتی ہوں اپنی فیملی سے بہت پیار کرتی ہوں۔ خامیاں منہ پھٹ بدتمیز زبان دراز اور چیزیں رکھ کر بھول جانا۔ 2nd سسٹرز شاہ آپ کی بدولت ڈائجسٹ پڑھنے لگی میری زندگی کے سب سے اہم شخصیات میرے والدین جو بہت جلدی جلدی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ میرے والدین اور نوری بھائی کی اللہ پاک مغفرت فرمائے آمین۔ ہمارے بھتیجے شاہ میرا بڑا بھائی قرأت میں ہم سب کی جان ہے اپنی فلوٹ نیچر مس طاہرہ یوسف جی بنا چاہتی ہوں۔ اپنی بہنوں کا ذکر نہ کروں ایسا ہو نہیں سکتا سب سے بڑی صبا آپ! بڑی پیاری بہن ہے میری (بس وزن کم کر لو پینز) شاہ آپ کی تہی گریٹ ہو اللہ پاک ہر گھر میں شاہ آپ کی جیسی بہن عطا کرے آمین (بس وزن بڑھاؤ) یہ دونوں شادی شدہ ہیں اس کے بعد بہت ہی معصوم حتا آپ کی پھر سب سے آخری گھر کی کھر چن قربانی ہے بڑی سویٹ ہے۔ سب سے بڑے بھائی کی شادی ہو گئی۔ ہے بھائی شہانہ نیاز ہیں۔ اللہ پاک میرے بھائیوں کو ہمیشہ خوش رکھے اللہ حافظ۔

## شہانہ نیاز

سوٹ آنچل فرزند زور قارئین کو میرا بڑا خلوص سلام قبول ہو جی تو میرا نام شازیہ اختر ہے سب گھر والے اور دوست پیار سے شازیہ کہتے ہیں لیکن بھائیوں نے میرے عجیب سے نام رکھے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے ان سے لڑ پڑتی ہوں چھ جون کو اس دنیا میں انٹری دی اب آتے ہیں اپنی خامیوں اور خوبیوں کی طرف کچھ خاص تو نہیں لیکن جو ہیں وہ بتا دیتی ہوں مجھے دوست بنانا بہت اچھا لگتا ہے نماز پابندی سے پڑھتی ہوں اور سب کو نماز پڑھنے کے لیے بھی کہتی ہوں کسی کو ناراض نہیں دیکھ سکتی اگر کوئی ناراض ہو بھی جائے تو خود پہل کرتی ہوں اس کو منانے میں چاہے غلطی اسی کی کیوں نہ ہو اب آتے ہیں خامیوں کی طرف غصہ

تمام قارئین و آنچل اشاف کو سلام علیکم! تمام لوگ خوش و خرم مزے میں زندگی گزار رہے ہوں گے اس امید کے ساتھ اپنا تحارف آپ تمام کے گوش گزار کروں گی۔ جی جناب میں ہوں طوبی صلیبی 1st نومبر 1994ء کو اس دنیا میں رونق افروز ہوئی۔ ماشاء اللہ 12 بہن بھائی میں 11 ویں نمبر پر ہوں میرے سات بھائی تھے اب چھ ہیں۔ کیونکہ میرے 2nd برادر اگست 2012ء میں ہمارا ساتھ ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے میں آئی کام پارٹ ٹو کی اسٹوڈنٹ ہوں میری زندگی کا سب سے خوب صورت دن 2 نومبر 2009ء ہے جب ایف ایم آر بے رحمان حیدر سے بات ہوئی کیونکہ ایف ایم منٹا مجھے بے انتہا پسند ہے۔ رضوان زیدی کی بہت بڑی فین ہوں ان سے ملنے کی خواہش بھی ہے میں کھانے کے لیے زندہ ہوں (ایسا میرے بہن بھائی کہتے ہیں) ویسے آپس کی بات ہے غلط بھی نہیں کہتے کیونکہ بس ہر وقت میرا دل کچھ نہ کچھ کھانے پینے کو چاہتا ہے جیسے جیسے بریانی تنہاری برگرز شاہ میں رول سمو سے کسی اور پلاؤں کی دیوانی ہوں۔ ماشاء اللہ محنت مند ہی ہوں بقول فیملی کے دن بہ دن کافی وزن بڑھ رہا ہے دوست بہت بنائے ہوں اور دوستی بھی نبھاتی ہوں دل سے۔ زندگی انجوائے کرتی ہوں رنگوں میں بلیک اینڈ وائٹ کھر بہت پسند ہے۔ شاعری شوق سے پڑھتی ہوں موسم سردیوں کا اور مہینہ دسمبر کا پسند ہے۔ بارش کی دیوانی ہوں امداد الحق عاطف اسلم اور منم مادی بہترین سنگرز ہیں۔ کرکٹ جنون کی حد تک پسند ہے محمد حفیظ کی تو بات ہی الگ ہے۔ فلوٹ رائٹر میرا شریف طور اور ان کی کہانی ”محبت دھنک اوڑھ کر“ بیسٹ ہے۔ ہیروز شاہ زور اور عباد



بہت جلدی آ جاتا ہے لیکن جتنا جلدی آتا ہے اتنی جلدی اتر بھی جاتا ہے جو دل میں بات ہو وہ منہ پر کہہ دیتی ہوں میری تعلیم کچھ خاص نہیں ہے پڑھنے کا تو بہت شوق تھا لیکن پڑھ نہ سکی (ولہری قسمت) آؤ چل سے دانش کی کافی عرصے سے ہے پہلے مانگ کر گزارہ کرتے تھے لیکن اب اپنا منگوا لیتے ہیں اب کچھ تعارف گھر والوں کا ہو جائے ہم چھ بہن بھائی ہیں دو بہنیں اور چار بھائی۔ میں سب سے چھوٹی ہوں اور چھوٹی ہونے کا بھرپور فائدہ اٹھاتی ہوں میں جہاں جاتی ہوں ہر کسی کو دوست بنالیتی ہوں دوستوں کی لسٹ بہت لمبی ہے لیکن کچھ کے نام لکھ رہی ہوں نرگس شاہین جو کہ میری بیسٹ فرینڈ اور بہت اچھی رازداں ہے۔ عظمیٰ اختیار خفصہ شامندہ جو ریہ شمسداد جو بھابی ہونے کے ساتھ ساتھ نند بھی ہے مجھے رنگوں میں وائنٹ اور پنک کلر بہت پسند ہے۔ بارش میں بھیکنا بہت اچھا لگتا ہے میرا تعلق ضلع چکوال کے گاؤں نور پور سے ہے مجھے شاعری سے بے حد لگاؤ ہے پڑھتی بھی ہوں اور لکھتی بھی ہوں (بقول نرگس کے) تمہارا انتخاب بہت اچھا ہوتا ہے۔ شاعروں میں نازیہ کنول اور وحی شاہ بہت پسند ہیں۔ رائٹرز میں نازیہ کنول عشنا کوثر عظمیٰ افتخار سمیرا شریف طور بہت پسند ہیں کاش میں بھی رائٹر بن سکتی۔ مجھے کھانا پکانا بہت اچھا لگتا ہے لیکن پکانی کبھی کبھی ہوں کھانا جو بھی پکا ہو کھا لیتی ہوں۔ میری پسندیدہ شخصیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اپنے امی ابو سے بھی بہت پیار کرتی ہوں اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے (آمین) خصوصاً اپنے کیوٹ سے کچھ معاویہ اور نجی حسنہ احمد میں تو میری جان ہے جب وہ مجھے پھوپھو کہہ کر بلاتے ہیں تو مجھے ان پر بہت پیار آتا ہے میں چاہتی ہوں کہ دنیا میں کوئی ایسا کام کر کے جاؤں کہ زمانہ میری مثال دے۔ اللہ حافظ۔

## میری چوہدری

استقام علیکم! آؤ چل اسٹاف اور میری پیاری بہنوں کو

مابدولت کا پیار بھر اسلام قبول ہو۔ ابدولت کو ماریہ چوہدری کہتے ہیں لیکن میری فرینڈز مجھے ماریہ مسکراہٹ کہہ کر بلاتی ہیں۔ آؤ چل سے میرا ساتھ 9th کلاس سے شروع ہوا تھا اور اب تک میں نے اسے پیار سے تھا ہوا ہے۔ مابدولت نے 4 جون 1996ء کو اس دنیا میں آ کر دنیا کے حسن کو دو بالا کر دیا۔ سیکنڈ ایر کی مالابہ ہوں ہم چھ بہنیں اور ماشاء اللہ سے چار بھائی ہیں۔ میرا نمبر آخری ہے پہلے نمبر پر بھائی شوکت دوسرے نمبر پر حاجی عذرا تیسرے نمبر پر حاجی بلقیس چوتھے نمبر پر طاہرہ بھائی پانچویں نمبر پر حاجی شاہدہ چھٹے نمبر پر بھائی صغیر ساتویں نمبر پر ارشد بھائی آٹھویں نمبر پر شازیہ نویں نمبر پر نازیہ اور آخری نمبر پر مابدولت ماریہ چوہدری۔ ہماری کاسٹ راجپوت ہے اور ہماری زبان پنجابی ہے آؤ چل۔ سے میری دانش کی جس طرح ہوئی ہے نام میں جب بھی یاد کرتی ہوں خود بخود مسکراتے لگتی ہوں۔ آپ بھی سنئے میرا حوالہ! میرے 9th کے انگریز امز ہو رہے تھے ان دنوں پیپروں کی تیاری خوب چل رہی تھی ایک دن میں کمرے میں بیٹھی انگلش کے پیپر کی تیاری کر رہی تھی کہ میرے پاس آؤ چل ڈائجسٹ پڑا ہوا تھا اس وقت مجھے ڈائجسٹ پڑھنے کی اجازت بالکل نہیں تھی تو میں نے موقع غیبت سمجھ کر انگلش کی کتاب بند کر دی اور چوری چوری ڈائجسٹ پڑھنے لگی۔ میرا خیال ہے ان دنوں (جان جاں جو تو کہے) سلسلہ در ناول چل رہا تھا۔ یقیناً میرے اس دن میں نے ڈائجسٹ کا ایک لفظ بھی ایسا نہیں تھا جو میں نے چھوڑا ہو گھر والے بچھتے تھے کہ ماریہ اندر بیٹھی پیپر کی تیاری کر رہی ہے اس لیے کوئی اس کمرے میں نہیں آتا تھا۔ میرے دماغ میں یہ ہوتا تھا کہ ماریہ جتنا پڑھنا ہے پڑھ لے پیپروں کے بعد تمہیں موقع نہیں ملے والا ویسے 9th میں میرے نمبر اچھے آئے تھے فرسٹ ڈویژن لی تھی میں نے (آتم)۔ اب آپ کو اپنی خوبیوں اور خامیوں کے بارے میں بتاؤں سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ ہر بات کو عام لگتی ہوں ہر سری۔ بات کی گہرائی میں نہیں جاتی اس لیے نقصان کا سامنا کرتا پڑتا ہے۔ جذباتی



جلد ہو جاتی ہوں اور خوبی یہ ہے کہ حسد نہیں کرتی، کسی کی کمزوری کا فائدہ نہیں اٹھاتی اور ماشاء اللہ سے دوستی کے معاملے میں خوش نصیب واقع ہوئی ہوں، سب دوست اللہ کا شکر ہے قلمس ملی ہیں۔ لباس میں شلووار قمیص، کھانے میں میٹھا بہت پسند ہے اور سبزی جو بھی بنے شوق سے کھا لیتی ہوں۔ خوشبو میں ربو بہت پسند ہے، فلوئٹ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فلوئٹ رائٹر عمیرہ احمد، ماہا ملک۔ ماہا ملک کا ناول ”جو چلے تو جاں سے گزر گئے“ پڑھ کر تو میں بہت روئی تھی اس کا اینڈ تو رلا گیا تھا مجھے اور عمیرہ احمد کا ناول ہر کال گیا ہی بات سے ویسے آپ دونوں رائٹرز سے بہت متاثر ہوں۔ سیڈ سٹنگز اچھے لگتے ہیں، جیولری میں رنگز اور ٹاپس پسند ہیں اور ہاں میٹرکج بھی۔ ایکٹر لیس میں مجھے فضاء علی، صبا قر اور ایکٹر احسن خان پسند ہیں۔ آخر میں میرا پیغام آپ سب بہنوں کے لیے کبھی کسی پر اعتبار مت کیجیے گا اب دنیا پہلے جیسی نہیں رہی۔ لوگ اپنا مقصد نکالنے کے لیے دوسروں کو دھوکہ دے جاتے ہیں یہ سوچے بغیر کہ ہم جس کو دھوکہ دے رہے ہیں وہ ہم پر اندھا اعتماد کرتے ہیں۔ کبھی کسی کا اعتماد مت توڑیے گا پلیز جب دل ٹوٹا۔ پتو بے شکہ وار نہیں ہوتی پر تکلیف ضرور ہوتی ہے۔ ٹھیک ہے بہنو! مجھے اپنی رائے کے بارے میں ضرور آگاہ کیجیے گا کہ میرا تعارف آپ کو کیسا لگا اچھا کہ سوسہ دعاؤں میں ضرور یاد رکھیے گا ان شاء اللہ۔

## رابع مبارک

السلام علیکم! کیسی ہیں آپ سب لوگ؟ امید ہے خیریت سے ہوں گی۔ آپ بھی سوچ رہی ہوں گی یہ کون آگئی، غیر نہیں ہوں آنکھ کی سویت سی قاری ہوں۔ مابدوات کوراجہ مبارک کہتے ہیں میں میٹرک کی اسٹوڈنٹ ہوں، ہم لوگ سات بہن بھائی ہیں۔ گھر میں جب بھی کوئی کام خراب ہوتا ہے سب کے لبوں پر میرا نام ہوتا ہے وہ کیا کہتے ہیں نا ”بد سے بدتر“ گھر میں سب پیار

سے رابی کہتے ہیں۔ سب آتے ہیں پسندنا پسند کی طرف۔ مجھے کھانے کا بہت شوق ہے۔ ویسے تو سب کچھ کھا لیتی ہوں (تھوڑا سا خرا کر کے) مگر بھنڈی، چاول، کرھی اور ساگ بہت زیادہ پسند ہیں۔ رائٹرز میں سے ویسے تو سب ہی اچھا لگتے ہیں مگر نازیہ کنول نازیہ اقراء صغیر، سمیرا شریف طور اور ام مریم پسند ہیں۔ ناول جو سب سے زیادہ پسند ہے وہ شازیہ چوہدری (مرحومہ) کا ”اے تم مجھے قبول ہو“ جو ایک بار شعاع ڈائجسٹ میں آیا تھا، بہت زیادہ پسند ہے۔ شاعروں میں پروین شاکر، محسن نقوی، وحی شاہ اور احمد فراز کی شاعری اچھی لگتی ہے۔ نوز کا سٹریز میں پی ٹی وی کے یاسر رحمان، حمیرا رانا، رضوان روتی اور وردہ شجاع اچھے لگتے ہیں۔ اداکاروں میں کی خان، ارہم اختر، سید جبران، صبا قر آغا، علی سائرہ خان، کنور آفتاب پسند ہیں۔ میل میٹرز میں سے توفیق حیدر اور فی میل میں سے فرح سعد یہ پسند ہیں۔ ایف ایم سنٹی ہوں مگر زیادہ نہیں کبھی کبھی۔ سٹریز میں سجاد علی، علی عباس اور سائرہ رضا پسند ہیں، لباس میں شلووار قمیص، ساڑھی، فرائڈ، شرابہ پسند ہے۔ اسب آتے ہیں اچھائیوں اور برائیوں کی طرف، برائی کی بات کی جائے تو ہر ایک برائی ہی کرتا ہے اچھائی تو ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ غصہ بہت زیادہ کرتی ہوں، جلد اعتبار کر لیتی ہوں، کام کرتی ہوں مگر سلو۔ دوستیں بہت ہیں، اسکول لائف میں یاسمین اکبر، یاسمین سلیم، شاہ شہان اور ماریہ محمود اور کزنز میں فرح اور فضیلہ میری اپنی بڑی بہن عالیہ سے بہت زیادہ ہنسی ہندو سروس سے زیادہ تر لڑتی ہوتی راتی۔ جدہ بھی مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں اور اب ان کے میاں صاحب یعنی بھائی رضوان تک ہم چاند وہ بھی بہت پیار کرتے ہیں۔ موسموں میں گرمیوں کے علاوہ سب پسند ہیں اور آخر میں سب قاری بہنوں کے لیے بہت سی دعائیں، مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھیے گا میرے لیے اچھے نمبروں کی ضرور دعا کیجیے گا۔ خدا حافظ۔





کر گیا آنکھ سمندر جو کہا کرتا تھا  
ایک آنسو بھی تمہارا نہیں دیکھا جاتا

عزیز دوستو!

ہنسی مسکراتی زندگی کی ہزاروں پر غلوں دعاؤں کے ساتھ  
ہنوں کی عدالت میں اس بار خاکسار کی آخری پیشی ہے۔ پچھلے  
کئی ماہ سے جاری اس خوب صورت سلسلے میں آپ ہنوں نے  
میری تحریروں سے زیادہ میری ذات کے بارے میں سوالات  
پوچھے اور پہلی بار آپ سب کی بے توجہ شاعیت نے میرے دل کو  
جیسے جگڑ سا لیا ہے۔ میری پوری کوشش اور خواہش تھی کہ میں ہر  
بہن کا سوال ضرور شامل کروں مگر شدید خواہش اور کوشش کے  
باوجود بہت سی بہنوں کے سوالات مجھ تک نہ پہنچ سکے اور جن کے  
پہنچے وہ کھو گئے۔ میں بک ان باکس میں بھی جتنی بہنوں نے  
سوال کیے ہیں بہت زیادہ مصروفیت کی بنا پر وہ شامل کر سکی جس  
کے لیے میں ان سب بہنوں سے بے حد معذرت خواہ ہوں۔

ہنوں کی عدالت کی اس آخری پیشی میں، میرا دنیا کی تمام  
ماؤں کے لیے ایک ضروری پیغام ہے اور وہ یہ کہ خدا اپنے  
بچوں کی اچھی دوست نہیں انہیں محبت کے ساتھ ساتھ وقت اور  
اعتماد بھی دیں ان پر اتنی سختی بھی نہ کریں کہ وہ آپ کے در اور  
جھجک میں اپنی کوئی بات آپ سے شیئر نہ کریں اور چودہ راستے  
اختیار کر لیں بعد میں یہی چودہ راستے انہیں جہاں کی منزل کی  
طرف لے جائیں اور نہ ہی ان سے اتنی غافل ہوں کہ اپنے  
بچوں کو مشکل پیشیوں کی بربادی اور حرام موت ان کے نقصان کی  
خبر ہی نہ ہو۔ اگر اپنی کسی نادانی کے سبب وہ بربادی کے کسی  
راستے پر قدم چھریں تو آپ اس راستے کا سراغ پا کر انہیں کسی  
بھی اندھے کوئیں میں گرنے سے بچا سکیں اب آپ کے خوب  
صورت سوالات کے جوابات کی طرف۔

اڈہ پر مٹ خلع لودھراں سے ایک بہت پیاری  
محبت کرنے والی ماں فیضہ عبدالملک آپ کی بے لوث محبت  
اور دعائیں میری روح پر قرض ہیں۔ جتنا بھی شکر یہ ادا  
کروں کم ہے خدا آپ کو صحت و تندرستی بھری لمبی عمر نصیب  
فرمائے آمین۔

عارف والا سے رضیہ اقبال آپ کی محبت آپ کی مانتا کی  
جتنی بھی تعریف کروں کم ہے اللہ آپ کو بھی دنیا کی ہر خوشی  
نصیب فرمائے آمین۔

رحیم یار خان سے بہت پیاری بہن شازیہ انصار  
کہتی ہیں۔

☆ مجھے آپ سے کچھ پوچھنا نہیں ہے بس اتنا کہنا ہے کہ  
آپ کی کہانوں میں جو اسلام سے محبت اور اس کی طرف رغبت  
پائی جاتی ہے وہ بہت اچھی لگتی ہے میری تمام رائٹرز سے گزارش  
ہے کہ وہ اپنی کہانوں میں اسلام کے بارے میں مثبت طریقے  
سے ضرور کچھ نہ کچھ لکھا کریں۔

بہت شکریہ شازیہ آپ کا پیغام تمام رائٹرز بہنوں تک پہنچ گیا۔

☆ سرگودھا سے بہت پیاری بہن فردا سیف کا سوال۔  
☆ نازی آپ بحیثیت رائٹر بہت بہترین انسان ہیں مگر  
بحیثیت دوست بھی بہت اچھی ہیں بہت سی رائٹرز بہت اچھا  
لگتی ہیں مگر آپ کی تحریروں آپ کا اخلاق اور آپ کی انسان  
دوستی آپ کو باقی لوگوں سے جدا کرتی ہے آپ نے دبیر  
کے کمال میں اپنے لائف پارٹنر کے بارے میں جو خوبیاں اور  
خامیاں بیان کی ہیں میری بھی بالکل ویسی ہی سوچ ہے میں نے  
صرف آپ کی وجہ سے کمال پڑھنا شروع کیا مگر اب سنا ہے کہ  
آپ شعاع میں لکھ رہی ہیں ایسا کیوں؟

فردا میری جان آپ کی محبت کا بے حد شکریہ میں نے طویل  
عرصہ صرف کمال میں ہی لکھا ہے اب چند بہنوں کے اصرار پر  
طویل عرصے کے بعد شعاع کے لیے ایک تحریر "شہر خواب"  
شروع کی ہے مگر مکمل نہیں کر پا رہی۔ پچھلے چند ماہ سے فرحانہ ناز  
ملک کی وفات کے بعد کچھ بھی لکھنے کو دل نہیں چاہ رہا آپ دعا  
کریں میرے اندر کی نازی یہ کنٹرول نازی پھر سے کلم تمام لے  
پلیز، اللہ آپ کو ہمیشہ خوش اور آباد رکھے آمین۔

☆ نامعلوم مقام سے بہن اذہ لور کی التجا۔

☆ آئی آپ رائٹر لوگوں کی کہانوں میں ہیر دتتہر بہت خوب  
صورت ہی کیوں ہوتی ہیں۔ میری آپ سے التجا ہے کہ پلیز آپ  
عام شکل و صورت والی لڑکیوں کے بارے میں لکھا کریں۔ عام  
شکل و صورت والی لڑکیوں کے بچا دل ہوتے ہیں وہ بھی ایک  
پیار کرنے والے جیون سا بھی کے خواب دیکھتی ہیں۔

عزیز از جان لائبہ میں آپ کی بات سے سو فیصد اتفاق  
کرتی ہوں حقیقت میں خوب صورت لڑکیاں اسٹنر خواب نہیں  
دیکھتیں جتنے کہ عام شکل و صورت والی لڑکیاں دیکھتی ہیں۔  
کیونکہ خوب صورت لڑکیوں کو بن خواب دیکھے ہی سب کچھ مل  
جاتا ہے۔ مجھے نہیں یاد کہ میں نے اپنی کسی بھی کہانی میں اپنی  
ہیر دتتہ کی خوب صورتی کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہو اور دوسری  
بات ڈیر لائبہ کہانیاں پڑھنے والی لڑکیاں ہی عام سی شکل و  
صورت کی مالک نہیں ہوتیں بلکہ یہ خوب صورت خالوں والی  
کہانیاں تحریر کرنے والے اکثر رائٹرز بھی عام سی شکل و صورت



راحت ہی راحت نصیب ہوگی۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے لیے اللہ رب العزت نے جہنم ہونے والی اخروی زندگی کو پسند فرمایا ہے آپ زندگی کے مصائب پر رنج کی بجائے صبر کریں میری جان بے شک جو لوگ اس دنیا میں مشکلات برداشت کرنے والے ہیں ان کے لیے آخرت کے سفر میں ساری آسائشات ہیں۔

☆ آپلی برف کے آنسو کے بعد آپ کہیں گم تو نہیں ہو جائیں گی؟

دل تو چاہتا ہے یار کہیں کھو جاؤں مگر آپل اور آپ لوگ کہاں گم ہونے دیں گے مجھے۔

☆ جمعہ سے بہن بشری الملک لکھتی ہیں۔

☆ تازیانی آپ کے تاول بہت اچھے ہوتے ہیں آپ کا انٹرویو بھی بہت اچھا ہوتا ہے میری سچر آپ سے بہت متی ہے پلیز مجھے بتائیں کہ آپ کا نیا تاول کب آ رہا ہے؟

بشری ڈیر آپ نے جو سوال کیا ہے وہی سوال چکوال سے بہن علیرے کیانی، ایمان علی، مخدوم پورہ سے بہن نبیلہ نور، کھاریاں سے مول علی اور دیگر ہند بہنوں نے بھی کیا ہے آپ سب میرے حق میں دعا کریں، ان شاء اللہ میں جلد لکھنے کی کوشش کروں گی۔

☆ خان نرگس ڈوگریاں سے بہن ساجدہ بھٹی کا سوال۔

☆ آپلی کیا بھی کسی فین رل کی محبت نے مشکل سے دو چار کیا؟

اف کیا سوال پوچھ لیا یا رہا بہن چند ہی روز کی بات سے ایک فین صرف تین دن بات نہ کرنے پر اسپتال پہنچ گئیں جس پر میری ممانے مجھے ڈانٹا اور میں نے اس فین بہن کی دیوانگی کی قدر کرتے ہوئے ان سے سوا گلیاں پر بات کر لی۔ اس بہن نے مجھ سے کہا کہ وہ مجھے زندگی میں ایک بار ملنا چاہتی ہیں میں نے انہیں ان کے بے حد اصرار پر کمرہ انوائسڈ کر لیا اور وہ بہن میری محبت میں سولہ سترہ گھنٹوں کا سفر طے کر کے میرے گھر پہنچیں

میں نے بھی ان کی محبت اور غلوں کو مد نظر رکھتے ہوئے انہیں عزیز دوست کی طرح سمجھایا اور کسی وزیراعظم کی طرح ان کی آؤ بھگت کی پورا شہر گھمایا سب اپنی سب مصروفیات ترک کر کے انہیں پورا ناٹم دیا مگر اس وقت بہت مشکل ہوئی جب انہوں نے ضد کر کے ساتھ سلا یا وہ بھی پوری تین راتوں تک۔ مجھے عشاء کی نماز کے فوری بعد سونے کی عادت ہے مگر ان تین راتوں میں دیر تک کیسے میں جاگی میرا دل جانتا ہے یا میرا خدا مگر وہ بہن پھر بھی خوش نہیں تھیں۔ میرا آڈیشنل ورک، موبائل فون سب سائیڈ پر کر دیا انہوں نے تاہم سب سے بڑی جوازیت کی بات یہی وہ یہ تھی کہ انہوں نے میری سچیہ کے باوجود اللہ اور اللہ کے رسول

کی مالک ہوتی ہیں آپ کی محبت کا بے حد شکر ہے۔

☆ کراچی سے بہت پیاری بہن ہانیہ قریشی کا سوال۔

☆ تازیانی آپ کی تمام کہانیاں نہایت بہترین اور ہمیشہ یاد رہنے والی ہوتی ہیں آپ کی شاعری بھی دل کو چھونے والی ہوتی ہے کچھ کچھ میں نہیں آتا کہ آپ اتنے اچھے گہرے شعر کیسے لکھ سکتی ہیں پلیز مجھے بتائیں کہ آپل میں آپ کا نیا تاول کب آئے گا۔

ہانیہ میری جان آپ کی برخلوں محبت کے لیے بے حد شکر ہے ابھی کچھ بھی لکھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا آپ سمیت بہت سی بیٹنیں بھی سوال کر رہی ہیں بہنوں کی عدالت کے لیے بھی بہت سی بہنوں نے بھی سوال ارسال کیا آپ سب بہنیں دعا کریں میرا سوؤ بن جائے پھر سے لکھنے کا ان شاء اللہ آپل کے ساتھ گھر میں ہو سکتا ہے شب بھر شروع کر دوں۔

☆ آپلی آپ اپنے تاول میں اتنے دل چسپ خوب صورت ہیروز کہاں سے لاتی ہیں؟

اپنے خوابوں اور تخیلاتی دنیا سے آپ کی محبت کا بے حد شکر ہے۔

☆ سرگودھا سے پیاری بہن شہزاد لکھتی ہیں۔

☆ السلام علیکم تازیانی آپ کی بہت بڑی فین ہوں آپ کی لکھی ہوئی چند کہانیاں اور تاول جو میں نے پڑھے ہیں میرے دل پر نقش ہیں اللہ آپ کے علم اور کامیابی میں مزید اضافہ فرمائے آمین، میرا آپ سے سوال ہے کہ اگر انسان کو اپنے مستقبل کے بارے میں ڈھیر سارے خدشات اور ڈر لاحق ہوں تو وہ کیا کرے؟ اگر دعا کے باوجود بھی دل مطمئن نہ ہو تو پھر کیا کرنا چاہیے؟

پیاری شہزاد مجھے آپ کا نام بہت پسند آیا ہے ان شاء اللہ اگلے کسی تاول میں یہ نام ضرور استعمال کروں گی آپ کی محبت اور دعاؤں کا بے حد شکر ہے۔ اگر دعا کے باوجود کسی معاملے میں انسان کا دل مطمئن نہ ہو تو پھر سب کچھ اللہ رب العزت کے سپرد کر دینا چاہیے کیونکہ انسان خواہ کچھ بھی سوچ لے اور کر لے ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے بس آپ بھی اپنا ہر معاملہ اللہ کے سپرد کر کے بے فکر ہو جائیں ان شاء اللہ جو بھی ہوگا بہتر ہی ہوگا۔

☆ چوئیاں تھی سے بہن انصاری بہن کا سوال۔

☆ آپلی یہ زندگی کے سارے دکھ اور مشکلات صرف غریبوں کے لیے ہی کیوں ہوتی ہیں؟

عزیز از جان انصاری یہ دنیا امتحان گاہ ہے جہاں ہمیشہ اللہ رب العزت کے پیارے اور محبوب لوگوں نے تکالیف ہی اٹھائی ہیں مصائب ہی برداشت کیے ہیں کیونکہ جو اس فانی دنیا میں جتنی کھشن زندگی گزارے گا اسے آخرت کی دائمی زندگی میں



صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری ذات کی قسم کھا کر بھی میری اور میرے سارے گھر والوں کی ایک ایک لمحے کی ویڈیوز بنا لیں جب مجھے اس بات کا پتا چلا تو میں نے ان سے ریکوریسٹ کی کہ میری فیملی مجھے اس چیز کی اجازت نہیں دیتی آپ سب ویلیٹ کر دیں مگر میری التجا کے باوجود انہوں نے ایسا نہیں کیا جس پر میں ان کے سامنے ہی بے حد روئی اور میری امی، بھائی اور آئی نے مجھے خوب آڑے ہاتھوں لیا۔ امی کا قصہ دیکھ کر اس بہن کو مجھ پر ترس آیا اور اس نے مجھے اپنا موہل دے دیا تب میں نے وہ سب مواد ویلیٹ کیا اور اسی روز اس بہن کو رخصت کیا مگر وہ دن اور آج کا دن اب میں کسی کی کال پک نہیں کرتی۔

جنگ شہ سے بہت پیارنی سی بہن تھیں۔  
 نازی آپ مستقل کی تعلیم رنٹر ہیں بہت خوب صورت لکھتی ہیں سب سے بڑھ کر آپ بہت اچھی بیٹی اور بہت اچھی بہن ہیں میرے پاس آپ کے لیے بہت سے سوال ہیں مگر آج کل میں آپ کے متعلق بہت کچھ پتا چل چکا ہے پھر آپ کی برہمائی سے بھی آپ کا پتا چل جاتا ہے خدا آپ کو زندگی کے ہر امتحان میں کامیاب کرے تا میں میرا سوال ہے۔  
 کیا آپ اپنی حقیقی زندگی میں بھی اتنی ہی شدت پسند ہیں جیسے کتاب اسٹور پر ہیں؟

کسی حد تک کہہ سکتی ہیں کیونکہ میری کہانوں میں میرا ہی عکس ہوتا ہے اور صرف میں ہی کہہ رہی ہوں کہ میری تحریر میں اس کا اپنا عکس ہوتا ہے۔ میں اپنی زندگی کے ہر معاملے میں بہت شدت پسند ہو جاتی ہوں۔ مگر اب کچھ عرصے سے کافی ظہر آؤا گیا ہے طبیعت میں آپ کی محبت کا بے حد شکر ہے۔  
 بہاول پور سے بہن اتم شاہد ہتی ہیں۔ نازی آپ کی میں آپ کی بہت بڑی محبت ہوں آپ مجھے بہت پسند ہیں میرا آپ سے سوال ہے۔

آپ اپنا ناول شب بھر کی پہلی بارش کب شروع کریں گی؟  
 اللہ نے چاہا تو بہت جلد شروع ہو جائے گا، ان شاء اللہ۔  
 مگر آپ نے ہر موضوع پر لکھا ہے مگر اپنے مخصوص انداز میں مگر یونورٹی لائف پر نہیں لکھا کیوں؟  
 بھی خیال ہی نہیں آیا کہ خصوصی طور پر اس ٹاپک پر لکھنا ہے۔ پھر بھی آپ کو شش کر دیں کہ لکھ سکوں۔  
 مکان ادیان علی اسلام آباد سے پوچھتی ہیں۔  
 اگر آپ کو کسی بات پر غصہ آئے تو کیسے کنٹرول کرتی ہیں؟

یاد نہیں میں غصہ کرتا تھا تو میں خود اپنے ہی ہانڈ پر زور سے کاٹ لیتی تھی اب اگر کسی بات پر غصہ آئے تو میں وہ بات ہی

چھوڑ دیتی ہوں اور خاموشی اختیار کر لیتی ہوں۔

سائرہ خان اسلام آباد کا سوال۔

آپ شاعری میں کس لکھنا شروع کریں گی؟  
 ایک ناول شروع کیا ہوا ہے مگر مکمل نہیں کر پا رہی ابھی تک ان شاء اللہ اگلے چند روز میں مکمل کر کے بھجوا دوں گی۔

سرگودھا سے بہن نویدہ پوچھتی ہیں۔

نازی یہ جی آپ نے زندگی میں اتنی مشکلات کو برداشت کیا آپ بہت بہت دلی ہیں پلیز مجھے بتائیں جب زندگی میں کوئی اہانتا ہے تو کیسے ذمہ دار بن جائے؟

نویدہ ڈیڑھ مشکلات اور پریشانی اب انہی لوگوں پر آتی ہیں جو اللہ کے بہت قریب ہوتے ہیں زندگی میں جب کوئی اہانتا نہیں ہوتا تب ہی تو انسان خود سے ملتا ہے اللہ رب العزت پر سارے معاملات چھوڑ دینے سے ہر چیز بہتر ہو جاتی ہے۔

زاہرہ حسین ملتان سے پوچھتی ہیں۔

آپ کی میں پہلی بار کسی رائٹر سے کچھ پوچھنے کی جسارت کر رہی ہوں پلیز مجھے جواب ضرور دینا میرا سوال ہے آپ کی نظر میں محبت کی انتہا کیا ہے اور کیا انتہا امر کر دیتی ہے؟

زاہرہ ڈیڑھ آپ کے سوال کا بہترین جواب سہیہ راجپوت کے ناول "آتش آتش" میں موجود ہے۔ یہ ناول محبت کی انتہا بھی ہے اور محبت کی انتہا کے امر ہو جانے کی لازوال داستان بھی۔

کمداریاں سے مول علی کا سوال۔

آپ کی میرے لیے کوئی خوب صورت جملہ؟  
 کوشش کریں کہ آپ کو زندگی میں وہ انسان ہمیشہ ہنستا ہوا ملے جیسا آپ دیکھنے میں دیکھتی ہیں۔

مجمرات سے ذرا خان پوچھتی ہیں۔

نازی آپ کی آپ ہر اسٹوری اتنے جاندار طریقے سے لکھتی ہیں کہ ہم اس میں ڈوب جاتے ہیں آپ اتنی پردرد شاعری کرتی ہیں اس کی کوئی خاص وجہ؟

کوئی خاص وجہ نہیں یا رب یہ دل دہی انسانیت کے درد سے چر ہے شاید اسی لیے لہو میں ڈوب کر لفظ سلفہ قرطاس پر بکھرتے ہیں۔

انا کوئین واپڈاٹاؤن کو جرنالہ سے پوچھتی ہیں۔

آپ دعا کریں کہ میرا ڈاکٹر نے کاحواب پورا ہو جائے میرا آپ سے سوال ہے کیا آپ کو پہلی نظر کی محبت پر یقین ہے؟ بالکل بھی نہیں۔

پری خان سے مناعل شاہ کا سوال۔

آپ اپنے ناول میں خوشامری دیتی ہیں کیا وہ خود لکھتی ہیں؟



نہیں ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا کبھی میری شاعری ہوتی ہے کبھی جم جمی لگی ہوئی لکھ دیتی ہوں۔  
 ✽✽✽ خدوم پورہ سے نبیلہ نقیسل لکھتی ہیں۔

✽✽✽ آپ کی اور آج کل کی بہت بڑی فین ہوں میرا سوال ضرور شامل کیجئے گا میرا آپ سے سوال ہے کہ جس پر سب سے زیادہ بھروسہ ہو وہی اعتبار کیوں توڑ دیتے ہیں؟  
 یہی دنیا داری ہے یا راسی لیے تو کہتے ہیں مطلق صرف اللہ رب العزت کی پاک ذات سے ہونا چاہیے باقی سب رشتے بے فنی ہیں۔

✽✽✽ نامعلوم مقام سے تنزیلہ شہزادی کا سوال۔

✽✽✽ آپ کی میں چھوٹی چھوٹی باتیں بہت سوجتی ہوں اور دل پر لے لیتی ہوں پھر سوجتی ہوں مجھے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا اور اسی وجہ سے میری پڑھائی بھی ڈسٹرب ہو رہی ہے آپ پلیز مجھے بتائیے آپ کی میں کیا کروں؟

✽✽✽ فضول سوچنا چھوڑ دیں ڈیز ان شاء اللہ اللہ سب بہتر کرے گا۔  
 ✽✽✽ قیمل آباد سے مریم جٹ لکھتی ہیں۔

✽✽✽ نازیبا آپ کی دوپائی ہوں کبھی آج کل میں لکھنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ آپ مجھے بہت پسند ہیں میں آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ جب آپ نے لکھنا شروع کیا تو کیا آپ کو تنقید کا سامنا کرنا پڑا اگر ہاں تو تب کس نے آپ کا حوصلہ بڑھایا؟

ماہنامہ آج کل ڈائجسٹ کی مدیرہ محترمہ فرحتہ راضا صاحبہ نے اور ایسا اس وقت ہوا جب جواب عرض میں لکھنے کے باعث میری امی نے میرے لکھنے پر پابندی عائد کر دی۔ اس وقت فرحتہ آپا کی محبت اور حوصلہ افزائی نے پھر سے میرے لکھنے کی راہ ہموار کی 2007ء میں جب میری شاعری کی کتاب ”پچھڑ جانا ضروری تھا“ منظر عام پر آئی تو میری ماما جانی نے ایک مرتبہ پھر میرے لکھنے پر پابندی عائد کر دی تب بھی آج کل نے حوصلہ بڑھایا تھا جہاں تک تنقید کی بات ہے تو یار میری بدقسمتی ہے کہ مجھ پر ”تنقید برائے اصلاح“ بہت ہی کم ہوتی ہے۔ ہاں کچھ شر پسند قسم کے لوگوں کی طرف سے ایک دوبار تنقید برائے تنقید ضرور ہوئی ہے جیسے میں نے اپنے ایک ناول میں لکھا کہ ہیرو نے ریسٹورنٹ میں ٹیکل پر مل پے کیا تو ایک معروف رائٹر نے تنقید کی کہ نازیبا یہ کیا تم بھی ریسٹورنٹ میں آئی بھی ہو؟ وہاں ٹیکل پر مل پے نہیں ہوتا کاؤنٹر پر جا کر ہوتا ہے اب بتائیں بھلا بندہ ایسی تنقید کا کیا کرے۔ آج کل کے ساتھ قاری بہنوں نے بھی ہمیشہ میرا بہت حوصلہ بڑھایا ہے۔

✽✽✽ مائیدال جرات سے عائشہ کنول عاشی کا سوال۔

✽✽✽ آپ کی خونی رشتے تو اپنے ہوتے ہیں مگر احساس کے رشتوں کی آپ کے نزدیک کب اہمیت ہے؟

عاشی ڈیز میری نظر میں اگر خونی رشتوں میں ”احساس“ نہیں تو ایسے خونی رشتوں کا کوئی فائدہ نہیں رشتے تو صرف احساس کے ہوتے ہیں اگر احساس نہیں تو کچھ نہیں۔  
 ✽✽✽ ماسمہ سے فضا ایمان علی پوچھتی ہیں۔

✽✽✽ نازیبا آپ ہمیشہ اپنی کامیابیوں کا کریڈٹ اپنی ماں کو اور خود سے وابستہ رشتوں کو دیتی ہیں مگر آپ نے بھی والد صاحب کا ذکر نہیں کیا اس کی کیا وجہ ہے؟

کوئی وجہ نہیں ڈیز شاید میری کامیابیوں میں میرے والد صاحب کا کوئی کردار نہیں۔

✽✽✽ آپ کی کیا کوئی بھی انسان پیدا آئی رائٹر یا شاعر ہوتا ہے یا اس کے حالات اسے لفظوں سے کیلئے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ دونوں باتیں ہی ہوتی ہیں ڈیز کی انسان میں پیدا آئی ملا جلتی ہوتی ہیں اور کچھ لوگوں کو ان کے حالات مجبور کر دیتے ہیں۔

✽✽✽ گوہاٹ سے انشال امیر کا سوال۔

✽✽✽ آپ کی بھی اپنی زندگی اور شخصیت کے بارے میں بھی تفصیلات بتائیں پلیز۔

ڈیز انشال میری فرست بھی ملے تو پڑھنا مجھے ضرور ناکام زندگی کی مکمل کتاب ہوں

✽✽✽ مظفر گڑھ سے مایہ شاد پوچھتی ہیں۔

✽✽✽ آپ کی اگر برداشت کی مدد کر جائے تو کیا کرنا چاہیے؟

میر۔  
 ✽✽✽ لاہور سے اقرامی کا سوال۔

✽✽✽ آپ مجھے آپ سے پوچھنا ہے کہ آپ ایک رائٹر ہیں آپ کے پاس بہت نالج ہے پلیز مجھے بتائیں اگر کوئی شخص آپ کو بہت چاہتا ہو آپ کی ہر بات ماننا ہو آپ کی عزت کرنا ہو آپ کی خوشی میں خوش ہو مگر اب ایک وہ آپ کو چھوڑ دے اور بہت پوچھنے پر بھی کہہ کہ تمہاری خوشی کے لیے کیا ہے تو کیا وہ شخص ناگم پاس گرہا تھا یا واقعی آپ کے ساتھ ٹھہر گیا۔ میں آپ کی سوچ اور مشورے کا بہت پسند کرتی ہوں پلیز میری اچھن دور کر دیں۔

ڈیز اقرامی

کچھ تو مجبوریاں رہی ہوں گی یوں کوئی بے وفا نہیں ہوتا  
 ✽✽✽ کراچی سے سمر خان۔

✽✽✽ آپ کی بہترین دوست کون ہے؟



دعویٰ جو دل کی قلعہ ہو خیر خواہ ہو بادشاہ ہو۔  
 ☆ آئی جب آپ بہت اداس اور دکھی ہوتی ہیں تو کیا کرتی ہیں۔  
 ناول پڑھتی ہوں یا سو جاتی ہوں۔  
 ☆ مکان سے اقرار اساجد پوچھتی ہیں۔  
 ☆ آئی آپ کی کہانوں میں بہت درد ہوتا ہے اس کی خاص وجہ؟

افراڈیٹر میری ذات کے صحرا میں اداسی کے چشمے بہت پھونچے ہیں شاید اس لیے آپ کو میرے لفظ بھیجے ہوئے محسوس ہوتے ہیں یا پھر میں زندگی کی حقیقتوں کے سینے زیادہ چاک کر لی ہوں اس لیے لفظوں میں درد آتا ہے۔

☆ آئی کیا آپ سٹیڈیلزم پر یقین رکھتی ہیں۔  
 جی ڈیٹر یقین تو رکھتی ہوں مگر سٹیڈیل بھی ملتا نہیں ہے۔  
 ☆ کوئی ایسا کردار جہاں آپ کی کہانی کا بھی ہوا آپ چاہتی ہوں کہ سری آگے کی زندگی میں بھی کردار ہو؟

افراڈیٹر مجھے اپنی حقیقی زندگی میں ایسا ہم سفر پسند ہے جو میرے علاوہ اور کسی کا نہ ہو میرے علاوہ اس کی زندگی میں اور کوئی نہ ہو دنیا کی حسین سے حسین لڑکی بھی اسے میرے سامنے بے معنی لگے مگر میری کہانوں کا کوئی بھی ہیرو ایسا نہیں ہے شاید اسی لیے میں اپنی کہانوں کے ہیرو کو زیادہ پسند نہیں کرتی پھر بھی ”اے مڑگان محبت“ کے ارشاد آخر کو میں ضرور اپنی حقیقی زندگی میں دیکھنا چاہوں گی بس اس کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔

☆ نامعلوم مقام سے بہن میرب خان کا سوال۔  
 ☆ نازیہ آئی کیسی ہیں آپ اللہ آپ کو دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب کرے آمین اور آپ کو ہمیشہ خوش رکھیں میرا آپ سے بس یہی ایک سوال ہے کہ آپ اپنے دن کا آغاز کیسے کرتی ہیں؟

دن کا آغاز میں اللہ رب العزت کی پاک ذات کے نام سے ہی کرتی ہوں جیسے ہی آنکھ کھلتی ہے سب سے پہلے سیل اٹھا کر دیکھتی ہوں رات کے بیچ چاند کے پھر نماز ادا کرتی ہوں صبح اور قرآن پاک سے قارئین ہو کر تھوڑی دیر لیٹ جاتی ہوں پھر ناول لکھنے بیٹھ جاتی ہوں اور پھر کی نماز تک پہنچتا ہے۔

☆ سرگودھا سے رامیہ آباد کا شکوہ۔  
 ☆ نازیہ شب بھر کی پہلی بارش کب آ رہا ہے اتنے عرصے خوش خبری سنا کے اب انتظار کر رہی ہیں۔

بہت معذرت رہا میرا میں جب ان ہا کس اس ایک شکایت سے بھرا ہوا ہے اصل میں رائٹر فرحانہ ناز ملک کی وفات کے بعد میرا کچھ بھی لکھنے کو دل نہیں چاہ رہا پھر بھی آپ دعا کریں میں کوشش کروں گی کہ آپ کے سالگرہ نمبر میں یہ ناول

شامل کر سکوں۔  
 ☆ لطیفہ بادِ طلع حیدر آباد سے تزیلہ شہزادی لکھتی ہیں۔  
 ☆ السلام علیکم نازیہ آئی میں آپ سے پوچھتا چاہتی ہوں کہ جب ہم کسی سے کوئی تعلق بناتے ہیں اسی کے بارے میں اچانک یہ محسوس ہو کہ وہ آپ سے، ہم ہا میں چھپا رہا ہے تو آپ کو مایوسی اور دکھ ہوتا ہے آپ اس سے احتیاط کرتے ہیں مگر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ سب کچھ ہانتے ہوئے بھی اس حقیقت کو نہیں مانتے اور اعتماد کرتے چلے جاتے ہیں ان لوگوں پر جو ان سے تعلق بھی نہیں ہوتے پھر بھی وہ ان کو اپنا اہم راز بنا لیتے ہیں حالانکہ وہ جوئے ہوتے ہیں اور خود اپنی کوئی بات بھی شیئر نہیں کرتے آپ پلیز بتائیں جب آپ کو یہ احساس ہو جائے کہ وہ آپ کے ساتھ تعلق نہیں تو کیا کرنا چاہیے اس سچویشن میں؟  
 میں تو یہی کہوں گی ڈیٹر کہ ایسے لوگوں سے کنارہ کشی ہی بہتر ہے کیونکہ ایسے تعلق جن کی بنیاد سچائی اور خلوص پر نہ ہو سوائے الیت کے آپ کو اور کچھ نہیں دیتے۔ پھر ایسے لوگوں کے لیے بے مقصد زندگی کو ختم کرنا کسی طور درست نہیں۔  
 ☆ مہنا لوالی سے بہن عشرت ملک لکھتی ہیں۔

☆ ڈیٹر نازیہ یہ رب پاک کا قانون ہے کہ اس نے زندگی جیسی نعمت سب کو دی تو ہے مگر غیب کا علم صرف اپنے پاس رکھا ہے کسی کے حصے میں کتنی خوشیاں آتی ہیں اور کتنے غم کنی آزمائشیں اور تکالیف یہ سب دفنا جاتا ہے آپ اپنی اماں سے محبت کا بہت اظہار کرتی ہیں اس سے پتا چلتا ہے آپ اپنی اماں سے بہت گور ہیں اور سب بہن بھائیوں سے زیادہ آپ ان کا درد محسوس کرتی ہیں آپ نے آمل ڈائجسٹ میں اپنے انٹرویو میں کہا تھا کہ آپ کا دور بہت مشکل والا دور تھا جب آپ کی ای اسپتال میں داخل میں جب کچھ خراب حالت کی وجہ سے آپ نے جو لکھا اس کی تکلیف میں محسوس ہوئی تھی کہ آپ نے اتنی سی عمر میں کیسے کیسے دکھ دیکھ لیے ہیں اور ابھی تک دیکھ رہی ہیں کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ بیٹوں کی نسبت بیٹیاں اپنے والدین کے زیادہ قریب ہوتی ہیں اور ان کی فرماں بردار ہوتی ہیں اور ہم آپ کو اور خود کو دیکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ یہ بات بالکل حقیقت ہے اللہ اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدفے آپ کی اور دنیا کی سب ماؤں کو یہی عمر اور صحت والی زندگی عطا کرے آمین۔

ڈیٹر عشرت آپ کے عہد میں میرے لیے کوئی سوال نہیں ہے مگر پھر بھی آپ کو اس محفل میں اس لیے شامل کر رہی ہوں کیونکہ آپ نے بہت خوب صورت لفظ تحریر کیے ہیں پوری دنیا میں ہر انسان خواہ وہ کسی بھی ملک اور مذہب سے تعلق رکھتا ہو ”ماں“ اس کے لیے قدرت کا سب سے اہم اور قیمتی تحفہ



ہے۔ لفظ ماں کو اگر ہم اپنی زندگی سے نکال دیں تو پیچھے سوائے صفر کے اور کچھ بھی نہیں بچتا۔

میں بھی ہوں میرے اندر میری ماں کی جان ہے اور آج جتنی خوشیاں اور کامیابیاں مجھے حاصل ہیں ان سب کے پیچھے کہیں نہ کہیں میری ماں کی دعاؤں کا ہاتھ ہے۔ میں نے جتنی بھی مشکلات اپنی ماں کی زندگی بچانے کے لیے فیس میں شاید میری جگہ صری کوئی اور بہن بھی نہ کر سکتی مگر اپنی ماں کو زندہ رکھنے کے لیے یہ سب مشکلات دکھا اور اذیتیں میرے نزدیک اب کوئی معنی نہیں رکھتیں آپ کی محبت اور دعاؤں کا بے حد شکریہ۔

اس نشست کے سب سے آخر میں اعزازی طور پر خط شامل کروں گی ایک بہت پیارے بھائی اینڈوکیٹ شوکت نعیم سیال کا فیصل آباد سے اور یہ خط صرف میرے لیے ہی نہیں بلکہ ایک عام سی لڑکی کو مانزیہ نول نازی بنانے والے میرے پیارے چچا کے لیے بھی کسی شرف سے کم نہیں لگتے ہیں۔

جنم آبی میں ایک نالائق اسٹوڈنٹ۔۔۔ آج ہے چند سال پہلے تعلیم کو خیر آباد کہہ چکا تھا مگر کہیں سے آپ کی کہانی (وطن کی مٹی) کا پھنا ہوا ورق ملا جس کی ایک لائن نے میری زندگی بدل دی کہ

”آپ چاہیں تو اس مٹی کو کچھ نہ دیں مگر جو قرض اس مٹی نے تم پر چڑھا دیا وہ ادا کر دیں تو آپ نے اس مٹی سے اپنی محبت کا حق ادا کر دیا۔“

اور آپ کی اسی ایک لائن نے میرے دل پر ایسا اثر کیا کہ آج میں لاء گریجویٹ ہوں اگلے سال میں ہی ایس ایس کے امتحان میں بیٹھ رہا ہوں اور ان شاء اللہ بہت جلد میرے جسم پر ایکس رے ایس بی کی وردی ہوگی۔ میں شاید کامیابی کی اس اسج تک بھی نہ آتا کرتا آپ کی کہی وہ ایک لائن نہ پڑھتا۔

You Are a Source Of Inspiration For Me.

انشاء آپ کو دونوں جہاں کی خوشیاں نصیب فرمائے اور آپ یونہی اپنے قلم سے چراغ جلائے رہیں اند میرے دور کرتی رہیں سائمن۔

پیارے بھائی آپ کے الفاظ نے میرے لیے خون کی دو بوتلیں لگنے جیسا کام کیا ہے بہت پہلے جب میرا ناول ”اس شہر محبت میں“ شائع ہوا تھا تو آج کل کی مدد یہ محترمہ فرحت آرا آپا نے مجھے خود بخود کر کے شاباش دی تھی اور یہ بتایا تھا کہ ان کے پاس سیکڑوں لڑکیوں کے خطوط آرہے ہیں جنہوں نے میرا یہ ناول پڑھ کر پانچ وقت کی نماز شروع کر دی تھی اس شہر محبت کے بعد آج کل ہی میں میرا ناول ”اسے محبت تیری خاطر“ پڑھ کر سیکڑوں بہنوں نے تا صرف موبائل فون ترک کر دیا بلکہ مجھے

خود ذاتی طور پر بہت سی لڑکیوں کی ماؤں نے فون کر کے شکریہ ادا کیا کہ میں نے ان کی بیٹیوں کی زندگی کی اصلاح کے لیے ایسا جاوڑی ناول لکھا۔ ماہنامہ کرن میں میرا ایک ناول ”بات زندگی کی ہے“ جو میں نے عشتیٰ رسول میں قادیانیت کے خلاف لکھا تھا پڑھ کر بہت سے لوگوں نے سراہا اور اپنی اپنی زندگیاں درست کیں تو یہ سب جہاد ہے اور میں الحمد للہ اس بات میں فخر محسوس کرتی ہوں کہ میرا اللہ مجھ سے یہ کام لے رہا ہے میں سمجھتی ہوں دھپ سے دھپ جلا کر ہی اس چمن میں روشنی کی جاسکتی ہے ورنہ جتنا دوا اس اداس لفظوں کی لکھاری کے سینے میں اپنی قوم اور اس ملک کی مٹی کے لیے ہے شاید وہ درد میں برداشت ہی نہ کر پاؤں اور خاک اوڑھ لوں آپ کی حوصلہ افزائی کے لیے بے حد شکریہ۔

آخر میں عائشہ عاشو، ذریہ بلال، ذارا عثمان، مدیحہ اسلم، کراچی سے وانیہ خان، ہانب راجپوت، سیدہ روش ترندی، لاہور سے مہوش ملک، بہاول پور سے آصفہ نرجس عارف والا سے عائشہ اقبال، چکوال سے کشفہ زہرہ، حنا حور عین آغا آسیہ جتول، گجرات سے مہوش مان، اقرامان، دیبا علی، اہم انصاری، فیصل آباد، فروا احسن لیاقت پور، مادیہ ایمان راولپنڈی اور دیگر بہنوں کے سوالات میں اسی سلیب کی مختلف نشستوں میں دے چکی ہوں لہذا آپ کو شامل نہیں کر سکی بے حد معذرت۔

انڈیا میں مہنگا آج کل، پاکیزہ آج کل اور حنا کے مدیر مصطفیٰ قریشی بھائی اور نامور لکھاری عزالہ پروین قریشی آپ کی محبت کا بے حد شکریہ۔ زندگی رہی تو ان شاء اللہ پھر کہیں کسی پلیٹ فارم پر ضرور ملاقات ہوگی۔ اپنی محبت اور دعاؤں میں یاد رکھیے گا ماسمہ میری جان آپ کی محبت کی بزرگ نعمت۔

ہم تو بس خواب ہیں پتھر ہیں، کے لیے دیکھو ہمیں پھر کسی آنکھ کسی نیند میں آئیں اگلے نہیں پھر کسی راہ کسی موڑ پر ہم ہوں، گئے نہیں ہم تو بس گرد ہیں کچھ دیر میں مٹ جائیں گے ہم تو خوشبو ہیں ہمیں رنگ نہ دینا کوئی حرف احساس کو چھو کے گزر جانا ہے ہمیں ہم تو آنسو ہیں ہمیں گے تو نہ لوئیں گے کسی ہم تو بس زخم ہیں سینے کا ہمیں بھرتا ہے ہم وہ احساس کی بلی ہیں جو پھاؤں چاہیں زردی دھوپ جو چھوئیں تو ہمیں بھرتا ہے ہم تو بس خواب ہیں کچھ ہل میں گھرنے والے

(پارزئہ محبت ہانی)







محکمہ اشاعت

قراچیا



بزم خیال میں تیرے حسن کی شمع جل گئی  
درد کا چاند بجھ گیا، ہجر کی رات ڈھل گئی  
جب تجھے یاد کر لیا، صبح مہک مہک اٹھی  
جب ترا غم جگا لیا، رات چل چل گئی

”ایک بات بالکل سچ بتاؤ گی؟“ وہ قریب آ کر  
بھاری لہجے میں بولا۔  
”ہوں.....“ وہ اس کی آنکھ دیتی نگاہوں سے سراسیمہ  
ہو کر گویا ہوئی۔

”لڑکیاں واقعی ڈرپوک ہوتی ہیں یا ایکٹنگ کرتی  
ہیں؟“ اس کے قریب آنے پر وہ بے ساختہ چند قدم پیچھے  
ہوئی تھی۔

”قاتلو کی جگہ اس مت کرو میں آئندہ تمہارے ساتھ  
نہیں آؤں گی تمہارے دماغ کی طرح اکثر تمہاری بائیک  
بھی خراب ہو جاتی ہے۔“

”بائیک خراب نہیں ہوئی صرف ٹائر پتھر ہوا ہے جو  
ابھی الگ جائے گا۔“ وہ سڑک کے اس پار پتھر لگانے والے  
کی دکان دیکھتا ہوا اطمینان بھرے لہجے میں بولا اور ماندہ کا  
خوف و فکر سے بے حال تھا۔ دوسرا اس کے اطمینان پر دل  
جل کر خاک ہوا چار ہاتھ وہ اس کے اصرار پر امی نور تانی کی  
اجازت لے کر کھانے پر آئے تھے۔

حماد پہلے اسے سی ویو لے گیا سمندر کی ٹھنڈی لہروں  
سے کھیلتے ہوئے وقت گزرنے کا احساس نہ رہا پھر ڈنر اور  
کافی کے بعد حماد بار بار اس کے کہنے پر وہاں سے اٹھا تھا  
اور ابھی آدھا راستہ بھی طے نہ ہوا تھا کہ وہی سبکی کسر ٹائر پتھر  
نے پوری کر دی تھی۔

”اب کتنی اور دیر لگے گی یہاں؟“ وہ بائیک وہاں  
کھڑی کرتا تو وہ پوچھتی تھی۔  
”زیادہ دیر نہیں لگے گی تم فکر مت کرو۔“ اس نے

”لوگا ڈال ب کیا ہوا..... ہم پہلے ہی لیٹ ہو گئے ہیں  
اور تمہاری اس بائیک کو اسی وقت ہی خراب ہونا تھا؟“ ماندہ  
نے بائیک سے اترتے ہوئے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور  
گھبرا کر بولی۔

”ریلیکس یار! گیارہ بجے ہیں ابھی کوئی رات نہیں  
گزر گئی ہے جو تم اس قدر پریشان ہو رہی ہو تم پھر میرے  
ساتھ ہو کسی غیر کے ساتھ نہیں۔“ حماد بائیک کے قریب  
بیٹھ کر ٹائر چیک کرتے ہوئے نرمی سے گویا ہوا۔

”بابا کے لیے گیارہ بجے آدھی رات ہوتی ہے تم  
بجے وہ قہقہہ پڑھنے کے لیے اٹھتے ہیں تو پھر دوپہر میں ہی  
فیلولہ کرتے ہیں۔“

”خیر مجھے کیا پتا رہی ہو میں بھی اسی گھر میں رہتا ہوں  
اور چچا جان کی ڈیٹی روٹین کو جانتا ہوں۔“

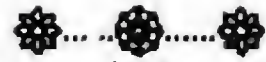
”اور بابا کے مزاج کو جان کر بھی جانتا نہیں چاہے ہو  
اگر ان کو پتا چل گیا ہم اس طرح آوارہ گردی کر رہے ہیں  
تو.....“ کہتے کہتے وہ مارے خوف کے جھرجھری لے کر  
بات ادھوری چھوڑ کر چپ ہو گئی۔

”تو..... تو کیا ہوگا جملہ مکمل کرو اپنا۔“

”اس سے آگے میں سوچتا ہی نہیں چاہتی بابا کا  
غصہ بے حد خراب ہے۔“ حماد نے کھڑے ہوتے  
ہوئے اس کے سیاہ اسکارف میں لپٹے شفاف دودھیائی  
رنگت والے رعنائی سے بھرپور چہرے کو دیکھا تو اس کی  
چاہت کی لے پر دھڑکتی دھڑکنوں میں خوش کن ارتعاش  
سنا پھل جانے لگا تھا۔



تسل دی۔



مردانہ قہقہے کے ساتھ نسوانی بے باک قہقہہ فضاؤں میں بکھرا اور قہقہوں میں تہلیل ہوتا چلا گیا ایونٹک نوز بہیمہ پڑھتے ہوئے یوسف صاحب کی نگاہیں بے ساختہ ہی برابر والے لان میں گئی تھیں۔

”لا حول ولا قوۃ! شریف لوگوں کے درمیان بھی اب اس قماش کے لوگ بنے لگے ہیں۔“ لان میں ایک نوجوان لڑکی جینز اور سیلوولیس ٹاپ میں دو مردوں کے ساتھ کھڑی ہے تماشائیں رہی تھی اس کا ساتھ مرد بھی دے رہے تھے جتنی تیزی سے ان کی نگاہیں اس طرف اٹھی تھیں اس سے بھی پھرتی سے ہلٹی تھیں وہ فوراً اٹھے اور تیز تیز چلتے کمرے میں آ گئے۔

”ایک گلاس پانی دو بیگم!“ وہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوئے۔

”ارے کیا ہوا آپ کو؟ چہرہ کتنا سرخ ہو رہا ہے تنفس بھی تیز ہے۔“ مہرمانو روم ریفریکٹریز سے پانی گلاس میں اٹھیل کر انہیں دیتی ہوئی تشویش بھرے لہجے میں استفسار کرنے لگیں۔

”کیا بے حیائی کا دور آ گیا ہے مہرمانو! ہم صدمے میں ہیں۔“ وہ ان کو ساری بات بتا کر حیران و اندر دہ لہجے میں گویا ہوئے۔

”کیوں اتنا رنجیدہ ہوتے ہیں آپ یہ بھی ہو سکتا ہے ان کا آپس میں ایسا کوئی تعلق نہ ہو بعض گھرانوں میں بہن بھائیوں میں بھی ایسی بے تکلفی پائی جاتی ہے ہلکی مذاق چلتا ہے۔“

”بہن بھائی..... کیسی باتیں کرتی ہو مہرمانو! ارے ان پاکیزہ رشتوں کی خوشبودار سے ہی محسوس ہونے لگتی ہے اور یہ بال میں نے دھوپ میں سفید نہیں کیے ہیں ان بالوں کی سفیدی میں عمر کے مشاہدے سو بھرے موجود ہیں۔“

”ارے چھوڑیں آپ یوسف! ہر کوئی اپنے اعمال کا خود جواب دہ ہے وہ جو بھی کرتے ہیں انہیں کرنے دیں

اس دور میں کوئی کسی کی پروا نہیں کرتا۔“

”برائی کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے بیگم! ایسا نہ ہو کسی کے گھر کی آگ ہمارے گھر تک پہنچ جائے اور سب جل کر خاک ہو جائے۔“

”پھر کیا کریں گے آپ؟“ شوہر کو مضطرب دیکھ کر وہ بھی فکر مند ہو گئیں۔

”میں ابھی علاقے کے کچھ عزیزین سے مل کر ان کے سامنے یہ مسئلہ پیش کرتا ہوں مجھے یقین ہے کوئی بھی ایسی بازاری عورتوں کو اپنے درمیان دیکھنا پسند نہیں کرے گا۔ ایسی بد قماش عورتیں شرفاء میں نہیں رہ سکتی۔“ وہ گلاسز درست کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

”آپ بھی ہر بات سر پر سوار کر لیتے ہیں پہلے چائے پی لیجیے ملائکہ نے کباب بنایا ہے وہ چائے کی نرالی لار ہی ہے۔“

”ابھی تو میری پانی پینے کو بھی طبیعت نہیں چاہ رہی واپسی پر پیوں گا پہلے اس معاملے کو کلیئر کر دے دو۔“ وہ کہہ کر چلے گئے۔

”مما! پاپا کہاں گئے کچھ غصے میں بھی لگ رہے تھے؟“ ملائکہ نے باپ کو دور سے جاتے دیکھا تھا وہ ماں سے کر پوچھنے لگی۔

”آپ کے پاپا کو کچھ کام تھا اچانک یاد آنے پر گئے ہیں۔“ وہ کھڑکیوں کے پر سے درست کرتی ہوئیں اسے ٹالنے کی غرض سے بولیں۔

”میں نے جو سینڈویچ اور کیک تیار کیا ہے اس کا کیا بنے گا اب؟“

”فکر کیوں کرتی ہو بیٹا! آپ کے پاپا کچھ دیر بعد آ جائیں گے اور شاید جب تک عمر بھی آ جائے تو ساتھ مل کر سب انجوائے کریں گے۔“ انہوں نے مسکرا کر منہ بسورتی بیٹی کو تسلی دی۔



وہ گنگنائی ہوئی سیڑھیاں اتر رہی تھی معا اس کی نگاہ منہ دھوئے حماد پر گئی تو وہ رک گئی۔ سہارا کا چہرہ فیس واش کے





جھاگ سے سفید ہو رہا تھا جس کو وہ دونوں ہاتھوں سے رگڑنے میں مصروف تھا۔

”کتنے بھی جتن کر لو تم گورے ہونے والے نہیں۔“ وہ اس کے قریب پہنچ کر ہنس کر گیا ہوئی ساتھ ہی تل بھی بند کر دیا تھا۔

”مائدہ! شرافت سے تل نکول دو میری آنکھیں جل رہی ہیں۔“ اس نے آنکھیں رگڑتے ہوئے تل نکولنے کی کوشش کی تھی جس کی لائن وہ بینک کے نیچے سے بند کر کے ہستے ہوئے بھاگ گئی تھی۔

”ہاں..... ہمت ہے تو کھول دو خودی کلو قصائی۔“

”مائدہ کی ہنسی..... میں تمہیں چھوڑنے والا نہیں ہوں میرے ہاتھوں سے بچ کر دکھانا تم اب۔“ اس نے جیسے تیسے وال کھول لیا تھا ان چند لمحوں میں آنکھیں جلن و تکلیف کے مارے مل کر نہیں دے رہی تھیں۔ چند لمحوں بعد متواتر پانی سے منہ دھونے کے بعد آنکھیں کھلی گئیں جو سرخ انگارہ ہو رہی تھیں اس نے قریب لگے ہینٹر سے ناول کھینچا منہ ہاتھ صاف کرتا وہ آئینے میں ایک نظر خود پر ڈالتا آگے بڑھ گیا۔

”کیا بات ہے کیوں بن بات اکیلی منے جا رہی ہو کتنی بار سمجھایا ہے تمہارا یہ بات بے بات بننا مجھے قطعی پسند نہیں۔“ رضوانہ نے پر اٹھا تو بے پروا لہتے ہوئے بیٹی کو سرزنش کی۔

”امی! بے بات کہاں ہنس رہی ہوں کوئی بات ہے تو ہنس رہی ہوں۔“ وہ تصور میں حماد کی جھنجھلائی ہوئی کیفیت دیکھ کر ہنس رہی تھی۔

”جانتی ہوں میں کوئی فضول ہی بات ہوگی چلو جلدی سے ناشتا ٹیبل پر لگاؤ حماد کو ہسپتال جانے میں دیر نہ ہو جائے اور تمہیں کانچ۔“ وہ ہاٹ پاٹ میں پراٹھے رکھ کر اسے دیتی ہوئی گویا ہوئیں اور پھر تل سے آلیٹ بنانے میں لگ گئیں چند لمحوں بعد وہ نفاست سے ٹیبل پر ناشتے کے تمام لوازمات رکھ چکی تھی۔

”ارے حماد..... بیٹا یہ آنکھیں اتنی سرخ کیوں

ہو رہی ہیں؟“ وہ تیار ہو کر آیا تو اس کے وجہہ چہرے پر آنکھوں کی سرخی کچھ زیادہ ہی نمایاں تھی۔ ناشتا سرد کرتیں رضوانہ نے چونک کر پوچھا تھا جبکہ ان کے برابر بیٹھی مائدہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے منہ پر ہاتھ رکھ کر پھر ہنسنے لگی تھی۔ حماد نے لمحہ بھر اسے گھور کر دیکھا اور گویا ہوا۔

”خالہ جانی! شاید کسی کی بڑی نظر لگ گئی ہے میری خوب صورت آنکھوں کو پلیز نظر ضرور اتار دیجیے گا۔“

”ارے کس بد بخت کی اس بڑی نگاہ ہے مجھے تو کوئی اوپر ہی مخلوق ملتی ہے جس کی ایسی بڑی نظر ہے۔“ رضوانہ نے بھانجے کی محبت میں نہ اس کے شوخ طنز کو محسوس کیا اور نہ بیٹی کی دبی دبی ہنسی کو صرف اس کی آنکھوں کو دیکھ کر وہ فکر مند انداز میں سوچتے ہوئے گویا ہوئیں جبکہ حماد کے برابر میں بیٹھی رخسانہ نہ جانتے ہوئے بھی کچھ سمجھ گئی تھیں۔

”ہاں بالکل خالہ جان! ٹھیک۔ پہچانا آپ نے وہ کوئی چڑیل ہی ہے۔“

”دیکھ رہی ہیں آپ تائی جان! حماد مجھے چڑیل کہہ رہا ہے۔“ حسب عادت وہ خود پر تنقید برداشت نہ کرتے ہوئے کہہ اٹھی حماد قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔ رخسانہ کے لمحوں پر بھی مسکراہٹ چمک اٹھی جبکہ رضوانہ نے بیٹی کو گھورتے ہوئے تنبیہی لہجہ میں کہا۔

”اچھا یہ تمہاری شرارت ہے پھر تم نے ٹھک کیا حماد کو کتنی بار تمہیں سمجھایا ہے بدتمیزی مت کیا کرو مگر تم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔“

”اوپہوں رضوانہ..... کیوں ڈانٹ رہی ہو مائدہ کی ان چھوٹی چھوٹی شرارتوں سے تو رونق ہے زندگی میں۔“ تائی نے فوراً حمایت کی۔

”شرارت اور بدتمیزی میں فرق ہوتا ہے ہاجی۔“

”مائدہ بیٹا! تم ناشتا کرو اور اپنی ماں کی باتوں پر دل نہ جلاپا کرو اس کو حماد کی شرارتیں دکھائی نہیں دیتی جو کسی طرح کم نہیں ہے۔“ ہمیشہ کی طرح انہوں نے مائدہ کی حمایت لیتے ہوئے بیٹے کو برا بھلا کہا تھا کیوں کہ مائدہ کو کانچ اور حماد کو ہسپتال جانا تھا اس لیے بات آگے بڑھ نہ سکی اور وہ



چاہتا ہوں جو ہمارے خاندان کا وطر رہا ہے۔“ انہوں نے دونوں خواتین کو رنجیدہ رنجیدہ دیکھ کر ررسانیت سے سمجھایا۔ ”تمہاری باتیں درست ہیں عارف! مگر یہ بھی تو سوچو وقت کروٹ لے چکا ہے کچھ تو بیس وقت کی چال کے ساتھ چلنا چاہیے۔ ہمیں اپنے بچوں پر اعتماد ہے بھروسہ ہے اپنی تربیت پر اپنے اگر کچھ وقت ساتھ گزار لیں تو کوئی حرج نہیں پھر کل کو انہیں ایک ہوا ہی ہے۔“

”بھائی! آپ شاید میری بات سمجھنا ہی نہیں چاہتی ہیں یاد رکھیے آج کی عاقبت نانہ لشی کل کا ناسور بن جاتی ہیں۔ غلط فیصلے غلط راہوں پر ہی لے جاتے ہیں۔“ وہ کہہ کر رے نہیں تھے۔



مہربانوں نے ممتا بھری نذروں سے خوب و اسارت بیٹے کو دیکھا جس کے سر پر و سپید چہرے پر سنجیدگی و وقار جاذبیت بن کر چھائی ہوئی تھی۔ سوٹ میں لمبوس وہ لیب ٹاپ میں مصروف تھا ان کو دیکھ کر وہ سیدھا ہو بیٹھا اور لیب ٹاپ شٹ ڈاؤن کرنے کے بعد دھیمے انداز میں مسکرا کر بولا۔

”آئیے ماما! میں چند لمحوں بعد آپ کے پاس ہی آنے والا تھا۔“

”ملائکہ نے بتایا ہے مجھے آپ آج ڈنر گھر نہیں آئیں گے۔“ وہ اس کے سامنے سونے پر بیٹھتے ہوئے خوش مزاجی سے گویا ہوئیں۔

”جی ماما! بزنس ڈیلیکیشن کو ڈنر پر انوائٹ کیا ہے کچھ بزنس میٹرز ہیں وہ بھی حل کرنے ہیں مجھے ایسی پرنام لگ جائے گا۔“

”بھائی! آپ تو روز بروز مصروف ہوتے جا رہے ہیں ماما کی اپنی مصروفیت ہے پاپا نے کبھی ہمیں قائم دیا ہی نہیں ایک آپ سے ٹھوڑی بہت گپ شب ہو جانی تھی سو وہ بھی اب خواب بن گئی ہے ریلی میں کالج سے آ کر بے حد پور ہوتی ہوں۔“ ملائکہ وہاں آ کر شکایتی لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

ناشتے کے بعد اپنے اپنے راستوں پر گامزن ہو گئے تھے۔ بن نہ آنے کی وجہ سے مائدہ کالج حماد کے ساتھ بانیگ پر گئی تھی جو گھر آتے ہوئے عارف صاحب کی نگاہوں سے محفوظ نہ ہو سکے تھے۔

”مائدہ حماد کے ساتھ کیوں گئی ہے؟“ وہ گھر میں آتے ہی گریجے تھے۔ رضوانہ جو صفائی کے لیے ماسی کا انتظار کر رہی تھی شوہر کو بے وقت گھر آنے دیکھ کر کچھ پریشان ہوئی تھیں مستزاد اس سوال نے حواس باختہ کر دیا۔

”میں تم سے پوچھ رہا ہوں مائدہ دین میں جانے کی بجائے حماد کے ساتھ کالج کیوں گئی ہے اور تم خاموش کھڑی ہو۔“ وہ قریب آ کر بولے۔

”وہ..... دراصل آج دین نہیں آئی تھی اس لیے حماد کے ساتھ بھیج دیا۔“

”حماد کے ساتھ بھیجنے سے بہتر تھا خود رکشہ کیسی کر کے چھوڑ آتیں۔“

”عارف کیوں اس طرح سوچتے ہیں بھلا حماد کوئی غیر لڑکا نہیں ہے مائدہ کا منگیتر۔ بٹاپ کے بڑے بھائی کا بیٹا ہے اس گھر کا فرد ہے۔“ رضوانہ فوراً ہی بہن کی مدد کو آتے ہوئے مسکرا کر کہہ رہی تھیں۔

”بھائی! میں مانتا ہوں اس بات کو لیکن شریعت کی رو سے منگنی کوئی شرعی تعلق نہیں یہ صرف بڑوں کے مابین ہونے والا ایک معاہدہ ہے کچے کاغذ کی تحریر ہے جو حتمی نہیں ہے کہ یہ تعلق کل بھی قائم رہے گا۔“

”اللہ نہ کرے عارف! کبھی کبھی آپ زبان حقیر کی طرح استعمال کرتے ہیں جس کا دار سید حاصل پر ہوتا ہے۔ ہماری تو دلی خواہش ہے مائدہ اور حماد کا بندھن جو بچپن میں آصف بھائی کے سامنے زبانی کلامی باندھا گیا تھا وہ ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے ہمارے بچے خوش و خرم زندگی گزاریں۔“

”یہ خواہش صرف میرے مرحوم بھائی کی نہیں تھی رضوانہ! تم سب کے ساتھ میری بھی یہی تمنا ہے لیکن میں وقت کی نزاکتوں سے باخبر ہوں وقت کے چلن کو سمجھ رہا ہوں۔ میں اس تعلق کو اسی عزت و وقار کے ساتھ جوڑنا



”سوری ڈیرا جیسے ہی فرنی ہوا تو تم کو ڈر اور شائنگ کراؤں گا اور آؤ شک بھی کریں گے۔ لائیک ڈرائیو پر چلیں گے آئی پراس ہو۔“ عمر نے لیپ ٹاپ رکھتے ہوئے اس سے وعدہ کیا۔

”سوری بھائی! مجھے یہ سب ہرگز نہیں چاہیے۔“ وہ منہ بنا کر کہا تھی۔

”پھر کیا چاہیے آپ کو؟“ وہ متحیر ہوا۔

”بھائی..... مجھے بھائی چاہیے گھر کی خاموشی خوشیوں میں بدلنے کے لیے بھائی آئیں گے تو مجھے دوست بھی ملے گی اور سسٹر بھی۔“ اس کی فرمائش پر مہربانو مسکرا رہی تھیں جبکہ وہ ہکا بکا کھڑا تھا۔

”بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے، تاکہ! عراب ماشاء اللہ سے آپ کا کاہنہ بار بھی اشیاء ہو چکا ہے اب آپ کی شادی ہو جانی چاہیے۔ آپ کے پاپا بھی کئی بار مجھے کہہ چکے ہیں اگر آپ کسی کو پسند کرتے ہیں تو مجھے بتائیں۔“

”پسند..... ماما! پاپا نے جس طرح اپنی نگاہوں میں بکڑ کرتا زیست رکھا ہے ایسی گرفت میں کسی کو پسند نہ پسند کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا میری کوئی پسند نہیں ہے۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔

”مجھے احساس ہے بیٹا! یوسف نے آپ دونوں سے سخت رویہ رکھا ہے لیکن اس کا یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ وہ آپ سے پیار نہیں کرتے بلکہ یہ ان کی محبت ہی تو ہے جو آپ آج کامیاب لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔“

”اوکے ماما! مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ وہ رست واپس دیکھتا ان کی بات سنی ان سنی کیسے اٹھ کھڑا ہوا۔

”جائیں بیٹا! فی امان اللہ۔“ انہوں نے خوشی خوشی اسے رخصت کیا اس کے جانے کے بعد ان کے چہرے پر تکلیف وہ خاموشی چھا گئی تھی۔

”ماما! بھائی اور پاپا کے درمیان فصلوں کی خلیج کب ختم ہوگی؟“

”خدا جانے کب یہ فاصلے میں گئے یوسف کی شروع دن سے یہی عادت رہی ہے وہ آپ سے اور عمر سے از حد

محبت و پیار کرتے ہیں۔ ہر معمولی سی معمولی ضرورت انہوں نے بنا کہے پوری کی ہے دنیا کی ہر آسائش و سہولت دی ہے ماسوائے اس کے کہ وہ مہربان کی طرح ناز و نخرے نہیں اٹھائے وہ سمجھتے تھے بچوں سے بے جالا ڈیڈان کا مستقبل برباد کرنا ہے۔“

”ہمارے مستقبل کا تو ہمارا نہیں لیکن ہمارا حال پاپا برباد کر چکے ہیں۔“ اسپیشلی پاپا کے برف ایڈ روڈ پر تازے عمر بھائی کو فرسٹ کر دیا ہے وہ خود آڈیٹ کرک جیلر اور بھائی کو کوئی خطرناک قیدی سمجھتے رہے ہیں۔ مجھ سے تو ان کا رویہ پھر بھی بہت بہتر ہے اور بھائی پاپا کے سامنے سانس بھی ٹھل کر نہیں لیتے یہ کیسی محبت ہے ماما!“

”میں نے تو بہت سعی کی اور کر رہی ہوں وہ اب عمر کو اس کی مرضی سے فیصلے کرنے دیر نہ خود مختار ہے تا زوہ ہے اسے حق سنا ہٹی مرضی سے جیسے گا۔“

”ماما پلیز آپ پاپا کو سمجھائیں وہ اپنا برتاؤ سنبھال کر میری خواہش ہے جب ہم چاروں ساتھ بیٹھیں تو گپ شپ کریں ہنسے بولیں ہمارے درمیان احترام و جاہت بھری بے تکلفی ہو ہم رو بوس کی طرح اپنے اپنے کام انجام دے رہے ہوں۔“ اس کی آواز نرم ہوئی۔ مہربانو نے اسے سینے سے لگا لیا تھا آنکھیں ان کی بھی بھر ہوئیں تھیں۔

ان کے نظریات سے بے خبر یوسف صاحب اپنی ہمسایہ میں موجود ان ماں بیٹی سے جھگڑا حاصل کرنے کے لیے اپنے ہم عمر لوگوں سے رالٹوں کے لیے سرگرم تھے۔ پہلی ملاقات ان کی ماہتاب صاحب سے ہوئی تھی جو اس علاقے میں خاصے اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ انہوں نے ان کے آگے یہ مسئلہ پیش کیا تو وہ بھی ان کے ہم خیال لگے اور محلے کے کچھ اور صاحبان کو ساتھ لانے کا وعدہ کر کے ایسے گئے کہ ایک ماہ گزرنے کے بعد بھی وہ نہ گھر پر دستیاب ہوئے نہ فون پر۔ ان کی اس بے اتفاقی کی وجہ بھی وہ اس وقت سمجھے جب ان کے بیٹے کورات کے اندھیرے میں پڑوس میں آتے دیکھا۔ وہ بھی ہمت ہارنے والے نہ تھے ان ماں بیٹی کو عطیے سے نکالنے کا



ہے جو میں نے کہا ہے اس پر عمل کرنے کی کوشش کر دیے  
بھی عارف نے کوئی غلط بات نہیں کی اس نازک دور میں  
پھونک پھونک کر چلنا ہی بہتر ہے پھر کون سا وہ پردے  
میں بیٹھ جائے گی ایک گھر میں رہنے ہوئے ہزاروں موقع  
ملیں گے دیکھنے کے بات کرنے۔۔۔ باہر کے سیر سپاٹے  
ختم کر دیں۔“

”کون سا روز روز لے کر جاتا ہوں امی! آپ چچا کو  
سمجھائیں نا۔“ وہ سخت مضطرب و بے کل ہو رہا تھا عجیب  
محبت تھی اسے مائدہ سے ایک لمحے کی جدائی بھی اسے مرغ  
بیل کی مانند ترسانے لگتی تھی۔  
”مائدہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا اسے بھی سمجھایا ہے  
میں نے اور سچ پوچھو تو وہ بھی پردہ رنے کو بھی راضی ہے۔  
ایک تم ہو کہ کچھ سننے کو تیار ہی نہیں ہو۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئیں  
کمرے سے نکل گئیں۔

رات واپسی پر دیر ہو گئی تھی چاند گھر پہنچنے کے لیے اسے  
کار روڑانی پڑ رہی تھی۔ سردرات تھی موسم خاصا امرا لودھو ہوا  
تھا سڑکوں پر ٹریفک بھی برائے نام تھا وہ اپنی دھن میں کار  
ڈرائیور کر رہا تھا کہ اس نے دیکھا کچھ فاصلے پر کار کھڑی تھی  
جس کے دروازے داغے تھے قریب ہی دوڑ کے ایک لڑکی کو  
پکڑے کار کی طرف لا رہے تھے۔ لڑکی تیری طرح  
مزاحمت کر رہی تھی ان کی گرفت سے نکلنے کے لیے اس  
نے فوراً کار روڑی اور پھرتی۔۔۔ ان کو نکارتا ہوا باہر نکلا اور  
کوٹ کی جیب سے ریوالور نکال لیا تھا (جو عمو مادہ اپنی سیفٹی  
کے لیے رکھتا تھا) ان لڑکوں نے گھبرا کر لڑکی کو دھپس چٹا اور  
تیزی سے کار میں بیٹھ کر فرار ہو گئے۔

”کیا آپ نہیں ہیں مسر؟“ وہ بھاگ کر اس لڑکی کے  
قریب آیا جو اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اس کے سنہری بال کھمرے  
ہوئے اور ہونٹوں پر شپ بھی اس نے فوراً شپ نوچ کر ہٹایا  
اور کھڑی ہونے کی سعی میں گراہ کر رہ گئی جس بے رحمی سے  
اسے چٹا گیا تھا اس سے اس کی ٹانگ میں چوٹ آئی تھی وہ  
کھڑی نہیں ہو پا رہی تھی۔

تہیہ کر چکے تھے اب وہ سکون سے بیٹھنے والے نہ تھے۔  
حالانکہ وہ سمجھ گئے تھے اس علاقے میں کوئی بھی ان کا ساتھ  
دینے والا نہیں ہے کسی کے بیٹے کا تعلق اس گھر سے جڑ گیا  
تھا تو کسی کے بھائی کی آدرشت وہاں بڑھ چکی تھی اور کتنے  
ہی ایسے تھے جو چھپ چھپ کر اس گھر کی طرف جاتے  
دکھائی دیتے تھے۔



”تمہاری ہاؤس جاب کھل ہوتے ہی میں تمہاری  
شناوری کروں گی۔“ رخسانہ نے سنجیدگی سے کہا۔  
”لوہ ریلی امی! کیا بات کہی ہے آپ نے دل خوش  
ہو گیا۔“ وہ اچھل کر مارے خوشی کے ماں سے لپٹ گیا۔  
”پہلے اچھی طرح سے میری بات سنو۔“ وہ سنجیدگی  
سے دور ہوتے ہوئے بولیں۔

”شادی ہونے تک تم مائدہ سے نہیں ملو گے اور۔۔۔۔۔“  
”امی! آپ مجھے زندہ دیکھنا نہیں چاہتیں؟“ وہ  
کراہ اٹھا۔

”یہ کیا اول فول بک رہے ہو حماد! ماں سے اس طرح  
بات کرتے ہیں؟“ اس کی جذباتیت پر غصے سے بولیں۔  
”گستاخی معاف امی جان! میں اپنی کیفیت بیان  
کر رہا ہوں نجانے کیوں میں مائدہ سے اتنی محبت کرتا  
ہوں؟ ایسا لگتا ہے وہ دل ہے اور میں دھڑکن ہوں ہم ایک  
دوسرے کے لیے ہی بنے ہیں۔“

”اور ماں کچھ نہیں ہے جو تمہیں دیکھ کر جیتی ہے۔  
آصف جب ہمیں چھوڑ کر گئے تو تم چھ برس کے تھے تب  
سب تک میری زندگی کا محور تمہاری ذات ہے۔“

”امی۔۔۔۔۔ میری سوٹ امی۔۔۔۔۔“ اس نے آگے بڑھ  
کر انہیں محبت سے بازوؤں میں بھر لیا اور ان کے ہاتھ  
چومتا عقیدت سے بولا۔

”جہاں آپ سے محبت ہے وہ بہت اسوشلی ہے اس محبت  
کا کوئی بھی ثانی نہیں آپ کی محبتوں کا قرض میں بھی ادا کر  
ہی نہیں کر سکوں گا۔“

”بس بس زیادہ جذباتی باتیں کرنے کی ضرورت نہیں



”جی..... کبھی آپ کو دیکھا نہیں ہے یہاں پر۔“  
 ”میں بزنس ٹور پر تھا۔ پچھ ماہ بعد واپس لوٹا ہوں۔“  
 ”ہمیں یہاں آئے، پانچ ماہ ہوئے ہیں کیا آپ مجھے  
 گھر تک سہارا نہیں دیں گے؟“ اس کے بھرے بھرے  
 ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ تھی۔

”میں آپ کے گھر میں اطلاع کر دیتا ہوں کوئی لے  
 جائے آپ کو۔“ وہ کچھ خٹک لہجے میں مخاطب ہوا۔  
 ”گھر میں ماما کے علاوہ کوئی نہیں ہے اور وہ بھی بیمار  
 ہیں۔“ عمر نے گہرا سانس لے کر اسے سہارا دیا گیٹ نکل  
 جانے پر درمیانی عمر کی عورت نے دروازہ کھولا اور بیٹی کو  
 دیکھ کر حیرانی سے استغفار کیا۔

”یہ کیا ہوا تم تو بالکل ٹھیک ٹھاک مٹی تھیں؟“ لڑکی نے  
 کچھ نہیں کہا عمر کو لے کر وہ لاؤنج میں آ کر صوفے پر بیٹھ  
 گئی تھی۔ وہ عورت کبھی پیچھے آ گئی تھی اور عمر کو جا چکی  
 تھیں۔ وہیں سے دیکھتی رہی لڑکی نے مختصر اپنی آپ جیتی سائی  
 تھی اور ساتھ عمر کا تعارف بھی کر دیا وہ سب سن کر عمر کے  
 داری حصداتے ہوئے لگی۔

”آپ مجھے شرمندہ نہ کریں یہ میرا فرض تھا اب مجھے  
 اجازت دیں۔“  
 ”آپ بیٹھیں تو کسی بیٹا! پہلی بار کھڑے ہیں میں  
 کافی لاتی ہوں۔“  
 ”نہیں شکریہ پلیز ہائیم بہت ہو گیا ہے۔“ وہ  
 جانے کو مڑا۔

”بہت مدد کی۔ آپ نے میری دل میں سے آپ  
 کی عزت کرتی ہوں۔ کیا آپ مجھے اپنا نام نہیں بتائیں  
 گے؟“ اس کا لہجہ از حد مترنم تھا۔  
 ”عمر..... عمر پوسف کہتے ہیں مجھے۔“ خلاف عادت  
 وہ مسکرا کر بولا۔

”پریشی نیم، نیمے چاندنی کہتے ہیں یہ میری ماما ہیں  
 فردوس بیگم۔“

”یہ میرا کارڈ ہے کبھی ضرورت پڑے تو بلا جھجک یاد  
 کیجیے گا۔“ اس نے جیب سے وزیٹنگ کارڈ نکال کر چاندنی

”پلیز مجھ سے اٹھا نہیں جا رہا ہے آپ سپورٹ دیں  
 مجھے۔“ وہ از حد درد بھرے لہجے میں گویا ہوئی تو عمر نے  
 تذبذب بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھا وہ ہمیشہ  
 لڑکیوں سے دور رہا تھا۔

”پلیز میری مدد کریں مجھ سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا۔“ وہ  
 لڑکی تقریباً دوڑی تھی اس نے سہارا دینے کے لیے بازو  
 بڑھایا اور ساتھ ہی گویا ہوا۔

”کون لوگ تھے وہ اور آپ کو اغواء کیوں کرنا  
 چاہتے تھے؟“

”میں نہیں جانتی وہ کون تھے گھر جاری تھی کہ اچانک  
 ہی انہوں نے کار سے نکل کر ایک نے مجھ پر گرفت کی اور  
 دوسرے نے ہونٹوں پر ٹیپ لگا دیا تھا اگر آپ ٹھیک وقت  
 پر نہ آتے تو.....“

”اس وقت آپ کو تنہا گھر سے نہیں اٹھنا چاہیے  
 تھا۔“ اس لڑکی نے ابھی بھی اس کے بازو کا سہارا لیا  
 ہوا تھا چوٹ کے باعث وہ اپنے سہارے سے کھڑی  
 نہیں ہو پا رہی تھی۔

”میری ماما یہاں نہیں ان کی دولتی لینے کی خاطر گھر سے  
 نکلی تھی۔ دولتی لے کر آ رہی تھی کہ یہ سب ہو گیا۔“ اس نے  
 وجہ بیان کی۔

”کہاں سے آئی ہیں..... میرا مطلب کہاں جائیں  
 گی آپ؟ اس واقعہ کے بعد آپ کو تنہا چھوڑنا مناسب  
 نہیں۔“ وہ درست و اچھ و دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

”اے بلاک میں رات ہی ہوں بے حد شرمندہ ہوں آپ  
 پر بوجھ بن گئی ہوں۔“

”اے بلاک..... وہاں تو میں بھی رہائش پذیر ہوں  
 آئیے مجھے میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔“ وہ اس کا ہانڈو تھا سے  
 آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کار میں بیٹھ گئی تھی۔ فاصلہ چونکہ  
 زیادہ نہیں تھا وہ دس منٹ بعد اس کے بتائے گئے گیٹ  
 کے سامنے کار روک چکا تھا۔

”ارے آپ تو ہماری پڑوسن ہیں یہ برابر والا بنگلہ ہمارا  
 ہے۔“ وہ باہر دیکھتا ہوا گویا ہوا۔



آپ دنیا کے کسی بھی خط میں قسم ہوں

# آنچل نئے افق

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دلیہ ہدف فراہم کرتے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ  
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک فریج)

پاکستان کے ہر کونے میں 700 روپے

افریقہ امریکا کینیڈا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

5000 روپے (ایک ساتھ منگوانے)

6000 روپے (الگ الگ منگوانے پر)

میدل ایسٹ ایشیائی یورپ کے لیے

4500 روپے (ایک ساتھ منگوانے)

5500 روپے (الگ الگ منگوانے پر)

رقم ڈیمانڈ آرٹ منی آرڈر منی گرام  
ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔  
مقامی افراد دفتر میں نقد دیا جاسکتا ہے۔

رابطہ: طاہر احمد قریشی 0300-8264242

نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز

کے پیس: 7 قسریہ چیمبر، سید ابوالحسن روڈ، کراچی۔  
فون نمبر: 922-35620771/2

[aanchalpk.com](http://aanchalpk.com)  
[aanchalnovel.com](http://aanchalnovel.com)  
Circulationn14@gmail.com

کو دیا تا معلوم ان کو تہادیکہ کر ہمدردی کا جذبہ اس کے اندر  
سرائیت کر گیا تھا یا چاندنی کے چاند جیسے روشن و گلاب جیسے  
میتے حسن نے اسے سحر زدہ کر ڈالا تھا۔

چاندنی اور اس کی ماں پر بھی اس کی ہندسم ووشنگ  
پر سلی اثر کر گئی تھی۔ چاندنی ماں کا سہارا لیے منع کرنے  
کے باوجود بھی اسے گیت تک چھوڑنے کی تھی فردوس بیگم  
نے پُر خلوص انداز میں دوبارہ آنے کی دعوت دی تھی۔ وہ  
گھر میں آیا تو اپنا آپ کچھ بدلا بدلا لگا تھا، مہماں کے  
انتظار میں جاگ رہی تھیں وہ ان سے مل کر اپنے بیڈ روم  
میں آ گیا۔



فردوس نے گہری نظروں سے جی کو دیکھا جوا بھی بھی  
خوش بو کے حصار میں مقید تھی۔ کیا خوش بو تھی سحر انگیز اپنے  
حصار میں جکڑ لینے والی۔

"پاؤں تو تمہارا یا نکل ٹھیک ہے اس لڑکے کا سہارا لے  
کر تم اسے چل رہی تھیں جیسے کوئی ہڈی ٹوٹ گئی ہے پہلے تو  
میں گھبرا گئی تھی لیکن جب تمہارے چہرے پر نگاہ پڑی تو  
سمجھ گئی تمہاری نیت خراب ہو گئی ہے اس پر۔" ان کے قہقہے  
کا ساتھ اس نے بھی بھر پور انداز میں دیا تھا۔

"عجیب مرد تھا وہ مہماں وہ قمر کا بچہ مجھے کسی بوجھ کی مانند  
سڑک پر پھینک کر بھاگا تھا فوراً تو مجھ سے اٹھا ہی نہیں گیا  
تھا۔ میں بھی یہی سمجھی تھی کوئی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ میں نے  
گھبرا کر اس سے مدد کو کہا تھا اس نے شاید حادثاتی طور پر  
میری جان بچائی تھی مگر مجھے چھو کر سہارا دینے کو تیار نہ تھا  
بڑی منتوں کے بعد اس نے سہارا دیا تھا بازو سے اور اتنا  
سستا سمٹا رہا گویا غلطی سے بھی مجھ سے بچ ہوا تو پھر کا  
ہو جائے گا۔ مہماں کیا مرد ایسے بھی ہوتے ہیں جو عورت کو  
نگاہوں سے بھی چھو نہ سکتے ہیں؟" چاندنی ابھی بھی عمر  
کی خوشبو کے حصار میں تھی۔

"اب سے میری جان! تم تو ایک ہی ملاقات میں عمر کی  
گر ویدہ ہو گئی ہو اب کے تیرا نا چل گیا ہے۔" وہ اس کے  
قریب ہی پہنچی تھیں۔



”میں قمر کو اس کے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہونے دیتی مہما! میں چکنی پھلی کی طرح اس کی گرفت سے نکل جاتی۔“



اس نے حماد کو غصے سے دیکھا جس نے بایک ساحل پر دوک دی تھی۔

”ارے بھی کب تک اس طرح ٹھور ٹھور کر دیکھتی رہو گی؟ مانا کہ بے حد ہینڈ سم و اسارٹ بندہ ہوں لیکن خوب صورت ہونے کا یہ مقصد تھوڑی ہے تم نظر لگا کر ہی چھوڑو۔“ وہ اس کی نگاہوں کی پیش کو اپنے شوخ لہجے کی ٹھنڈک میں سمو کر گویا ہوا اور ساتھ ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھنے لگا۔

”ہاتھ چھوڑو میرا عماد! میرے بار بار منع کرنے کے باوجود تم یہاں آئے ہو۔“ مانندہ نے غصے سے کہتے ہوئے اس سے ہاتھ چھڑایا اور وہیں کھڑی ہو گئی۔

”تم سیدھے طریقے سے میرے ساتھ آنے پر راضی کب ہوتی ہو ہر بار مجھے اسی طریقے سے تمہیں لانا پڑتا ہے اور تم بجائے میری احسان مند ہونے کے خفا ہوتی ہو یہ تمہارا ریمانڈ ٹھیک نہیں ہے مائی ڈیئر! تم ناراض ہوتی ہو تو میں تمہیں منا لیتا ہوں۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھا ہوا ایک دم ہی سنجیدگی سے گویا ہوا۔

”مگر یاد رکھنا جس دن میں ناراض ہو گیا تم مجھے منا نہیں پاؤ گی۔“ نامعلوم کیہ ماحزن اتر آیا تھا اس کے لہجے میں ہنستے مسکراتے ہنرے پروردہ سنجیدگی جمائی تھی۔

یہ کیا کہیہ دیا تھا اس نے مانندہ کا دل ہل بھر کر مغمم سا گیا تھا وہ جہاں بھی وہاں جم سی گئی پھر دوسرے ٹپ اسے لگا سامنے سمندر کی موجوں کا تمام نمک اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا ہوا اور لہر نے آنسو بن کر اس کی آنکھوں سے بہنے لگی تھیں۔

”او گاڈ! یہ سمندر اور سمندر جیسی آنکھیں رکھنے والی لڑکی! معاف کرو مجھے میں جانتا ہوں عورت کے آنسو اور سمندر میں یکسانیت ہے۔ میں مذاق کر رہا تھا تم سے“

”بس مہما! وہ جس قدر ہینڈ سم ہے اس قدر ہی بے پردہ اور روڈ بھی ہے۔ ایک نگاہ اس نے میری طرف بھر پور انداز میں ڈالنا گوارا بھی نہیں کی۔“

”میری جان! وہ دیکھتا بھی کیسے تم نے اس کے تعارف سے یہ نہیں جانا کہ وہ اس ختلی بڈھے کا بیٹا ہے جس نے پورے علاقے میں ہمارے خلاف محاذ کھول رکھا ہے وہ اسی تنگ و دو میں لگا رہتا ہے کسی نہ کسی طرح ہمیں یہاں سے نکال باہر کرے۔ ماہتاب صاحب اور رضوی صاحب جیسے اثر و رسوخ والے صاحبان کے بچے ہمارے گرد نہ ہوتے تو ہم کب کے یہاں سے شہر بدر کر دیئے گئے ہوتے اس بڈھے نے ابھی بھی ہار نہیں مانی ہے۔“

”اگر ریٹ آئیڈیا مہما! آپ دیکھئے گا وہ بڈھا اب کس طرح سے اپنی ہی داڑھی میں منہ چھپا کر بیٹھتا ہے اسی کے ہتھیار سے اس کو ایسی ٹھک سے دوں گی کہ وہ جی نہیں پائے گا۔“

”ارے چھوڑ میں کہتی ہوں کیوں آگ سے کھیلنا چاہتی ہو۔“

”مہما! قمر دوبارہ ہاتھ آ نے والا نہیں ہے اب لائف اسپنڈ کرنے کے لیے ہم کو کوئی ٹھنڈی آسامی تو چاہیے اور وہ عمر سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتی ہے۔“ اس نے مال کو عمر کا دیا ہوا وزینٹک کارڈ دکھاتے ہوئے کہا اور فردوس کی جہاندیدہ نگاہوں نے بیٹی کی نظروں میں لوبی قی چاہتوں کی خیاں محسوس کر لی تھیں۔ آج انہونی ہوئی تھی کل تک اس شمع پر پروانے جل مرتے تھے آج وہ شمع خود عمر پر پروانہ دار شمار ہو گئی تھی۔

”مہما! آپ کیا سوچ رہی ہیں؟“

”وہ قمر بد معاش تمہیں ڈنر کے بہانے سے لے کر گیا تھا مکار آدمی نے ذرا بھی احساس ہونے نہیں دیا کہ وہ تمہیں اغوا کر کے لے جانے کا پلان بنا کر آیا تھا اگر بروقت عمر نہیں آتا تو نامعلوم کہاں لے کر جاتا میری بچی کو اور نہ جانے کس طرح سے پیش آتا تم سے؟“ وہ ایک جھرجھری لے کر رہ گئی تھیں۔



”حماد! تم ڈاکٹر کیوں بن گئے ہو؟ تمہیں تو شاعر و دیب ہونا چاہیے تھا۔ ہر موسم کو جس اپنائیت و شدت سے تم محسوس کرتے ہو ایسا کرتے ہیں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ گرمی سردی فزوں و بہار اور باڑیں ہر موسم آتا ہے اور چلا جاتا ہے لیکن تمہارے دل پر ہر موسم اپنا رنگ چھوڑ جاتا ہے۔“ وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ حماد کے چہرے سے از حد مسرت عیاں تھی وہ ویراڈائز کے ساحل پر موجود تھے جہاں دھوپ سنسنے لگی تھی۔

”ڈاکٹر اور رائٹر کی ایک قدر مشترک ہے ویسے ایک دوسرے کی ضد ہیں۔“

”اچھا وہ کیا قدر ہے جو مشترک ہے؟“ وہ چہرے پر آنے والی لٹوں کو پیچھے کرتی ہوئی گویا ہوئی جبکہ وہ فضا میں اڑتے وچھیدوں کو دیکھ رہا تھا بنو سمندر کی لہروں کے مانند قطار و قطار محو پرواز تھے۔

”دیکھو ڈاکٹر جسم کا علاج کرتا ہے اور رائٹر روح کا ڈاکٹر ادویات کے ذریعے اور ادیب اشعار و تحریروں کے ذریعے طمانیت و خوشیاں فراہم کرتا ہے۔ عزم دونوں کا ایک ہی ہے یعنی خلق خدا کی خدمت کرنا۔“

”شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو اس بارے میں میں کوئی کمنٹس پاس نہیں کر سکتی کیونکہ میں نہ رائٹر ہوں نہ شاعر ہوں اور نہ ڈاکٹر ہوں۔“

”ایک ڈاکٹر کی لائف پارٹ تو بننے والی ہو۔“

”حماد! اگر ایسی باتیں شروع کیں تو میں دوبارہ تمہارے ساتھ آنے والی نہیں۔“ حماد کو شوخی میں دیکھ کر وہ سنجیدگی سے بولی۔

”لو کے بابا! سوری تم تو مذاق میں بھی سیریس ہو جاتی ہو تم سے اچھی میری کو لیکر ہیں جو میرے مذاق کا جواب مذاق میں ہی دیتی ہیں اب تم ان سے جیلسی لٹل کر دو گی۔“ وہ ہنستا ہوا بولا۔



وہ رانگ چیر کر بیک سے سر نکائے آنکھیں موندے بیٹھا تھا اس کے سنجیدہ چہرے پر کچھ دکھ و کبیدگی

میری کیا مجال جو تم سے خفا ہوں اور اور اگر کبھی ہو بھی جاؤں گا۔۔۔۔۔“ اسے بے تحاشہ روتے دیکھ کر وہ قدرے بوکھلا کر بے پردہ بول رہا تھا وہ بھی کس دئے جا رہی تھی۔

”مائدہ پلیز۔۔۔۔۔ کیوں میری برداشت کا امتحان لے رہی ہو تم؟“

”اور تم کیا کہہ رہے ہو حماد! ایسی بات کر کے تم نے مجھے زندگی سے دور کرنے کی سعی کی ہے کیا میں تم سے دور رہنے کا تصور کر سکتی ہوں؟“

”اب تم نے محسوس کیا کس طرح دل بند ہونے لگتا ہے جب کوئی اپنا ہم سے دور ہونے کی سعی کرتا ہے۔ تم نے محسوس کیا نہ اپنوں سے جدائی کے خیال سے کس طرح زندگی سانسوں سے خالی ہوئے لگتی ہے۔ مجھے امید ہے تم آئندہ کبھی مجھے دکھی کرنے کی کوشش نہیں کرو گی۔“ وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔ مائدہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا پھر دونوں مسکراتے ہوئے ایک دوسرے پر بیٹھ گئے تھے یہ موسم سرما کی ڈھلتی ہوئی دوپہر تھی۔ سمندر شانت تھا لہریں ہولے ہولے ساحل سے ٹکرا کر لوٹ رہی تھیں ہواؤں میں ٹھنڈک تھی جو سورج کی شعاعوں سے خوش گوار لگ رہی تھی۔

”ایسے سرد موسم میں بھی کوئی ساحل سمندر پر آتا ہے بھلا؟“ اس نے بھونپی ہوئی مونگ پھلی کھاتے ہوئے کہا اس وقت وہاں ان کے علاوہ ایک کپل تھا جو خاصہ اور موجود تھا اور اتنے ہی فاصلے پر ایک ٹیلی فون اور چند لوگ تھے اکا دکا اونٹ والے تھے ساحل میں طمانیت بھری خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔

”ایسے موسم میں ہی تو سمندر پر آنے کا مزہ ہے دیکھ رہی ہو کتنا سکون ہے۔ قدرت کس قدر نزدیک محسوس ہو رہی ہے ہر شے میں رب کی وحدت و نور چمک رہا ہے عام دنوں میں ایسا کہاں ممکن ہے یہ سب محسوس کرنے کے لیے سکون و تنہائی میسر ہونی چاہیے۔“ وہ قدرت کے ہر نظارے کا شیدائی تھا مائیک کائنات کی ہر منائی اسے سرد و شاداب کر دیتی تھی وہ ہر موسم کو خوب انجوائے کرتا تھا۔



”اوہ یس! ایم سوری میں آپ کو پہچان نہ سکا تھا۔“ وہ آہستگی سے بولا۔

”اب تو پہچان لیا نہ آپ نے؟“ اپنی گرم جوشی کے جواب میں اس کا سر سری انداز چاندنی کو مضطرب کر گیا جبکہ وہ اسی انداز میں کہہ رہا تھا۔

”جی پہچان گیا ہوں۔“ ”ہے کیسے کال کی آپ نے خیریت ہے؟“ ”چند لمحے خاموشی کے بعد التجا یہ انداز میں گویا ہوئی تھی۔“

”جی بے حد ضروری کام ہے میں فون پر نہیں بتا سکتی اگر آپ گھر تشریف لے آئیں تو بہت مہربانی ہوگی آپ آئیں گے نا؟“

”ایسا کیا کام ہے جو آپ فون پر نہیں بتا سکتیں؟“ ”لہجہ سرد تھا۔“

”کام ہی ایسا ہے اگر آپ نہ آنا چاہیں تو میں فورس نہیں کروں گی، ہم تنہا عورتوں کی مدد بھلا کوئی مرد کیوں کرنے لگا؟“ اس کا خوب صورت لہجہ ایک دم ہی بھیک سا گیا اور ساتھ ہی لائن ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔ عمر چند ٹاپے ہاتھ میں موجود موبائل فون دو دیکھتا رہا پھر وہ ٹھٹھی ٹھٹھی روشنی آواز حواسوں پر غالب آنے لگی تھی وہ کتنی دیر یونہی گم سم بیٹھا رہا پھر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

”ارے بیٹا! چاندنی جو نبی بزدل و کمزور دل لڑکی ہے اس کی کال پر آپ اپنا کام چھوڑ کر آگئے میں بے حد شرمندگی محسوس کر رہی ہوں۔“ فردوس معذرتی لہجے میں سامنے بیٹھے عمر سے گویا تھیں جو سیدھا وہاں چلا آیا تھا۔

”بزدلی کی کیا بات ہے ماما! مات میں نے خود محسوس کیا تھا کوئی گیٹ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا کسی نے خامی محنت کی تھی وہ تو شاید قسمت اچھی تھی جو لاک کھل نہ سکے اور وہ کئی لوگ تھے میں جو ڈور سے لگی کھڑی تھی ان کے قدموں کی آواز صاف سنی تھی۔“ وہاں موجود چاندنی نے خامسے بھولپن و خوف زدہ لہجے میں کہا۔

”آپ اسی نام کا کال کر تیں مجھے میں دیکھتا کون لوگ تھے؟“

بھرے تاثرات تھے۔

کئی دنوں سے ماما کا اصرار تھا کہ وہ شادی کرے کیونکہ وہ اب اسٹبلشمنٹ تھا خاندان کے کئی لوگ اسے داماد بنانے میں انٹرسٹڈ تھے اور اہم بات یہ تھی ماما پاپا بھی دل سے خواہاں تھے اس کی خوشیاں دیکھنے کے لیے اور وہ بھی ہامی بھر ہی لیتا اگر ماما کی پسند کی کوئی لڑکی اس کی ہم سفر بننے کے لیے منتخب کی جاتی مگر یہاں بھی ہمیشہ کی طرح پاپا کی مرضی و پسند مصلح کیے جانے کا ارادہ پروان چڑھ رہا تھا۔ ان کی ڈکٹیٹر شپ نے اس کی زندگی کے ہر اس پل کو بے رنگ و بو کر ڈالا تھا جو نوجوان زندگی کے بے فکر لالچاالی و کھلنڈرے رنگ ہوتے ہیں اب مزید وہ ان خوف زدہ بد اعتماد اور بے کیف رنگوں سے اپنی باقی ماندہ زندگی بے نور نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”عمر! یوسف کے دوست کی بیٹی ہے میں اس کا نام بھول گئی ہوں وہ چاہتے ہیں آپ کی لائف پارٹنر وہ لڑکی بنے۔“

”ماما! میں کب تک پاپا کی انگلی پکڑ کر چلوں گا؟ کب تک ان کی آنکھوں سے دیکھوں گا؟ کب تک ان کے ذہن سے سوچوں گا میرے خیال میں اب مجھے پاپا کے مشوروں کی ضرورت نہیں۔ شادی میرا پرسنل میٹر ہے اور کس سے کرنی ہے یہ فیصلہ میں خود کروں گا پاپا نہیں۔“ ”یک دم ہی سیل بج اٹھا تو وہ چونک کر سوچوں سے باہر نکلا تھا۔“

”ہیلو۔“ اس نے اسکرین پر چپکتے مانوس نمبر دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہیلو... کیسے ہیں آپ؟ آپ نے پلٹ کر خیریت ہی دریافت نہیں کی؟“ ”دوسری جانب سے خامی دلکش و مترنم آواز ابھری تھی وہ دم بخود رہ گیا۔ کون تھی وہ جو اتنی اپنائیت سے بات کر رہی تھی؟“

”ہیلو... ہیلو مسٹر عمر!“ آواز میں کچھ پریشانی در آئی۔ آپ نے مجھے پہچانا نہیں شاید میں چاندنی ہوں آپ نے میری...“



دھکی کھڑی تھی۔

”ایم سوری میں نے آپ کو کال کی نیکسٹ ٹائم نہیں کروں گی۔“ عمر کو اپنی جانب دیکھتا ہوا ایک اداۓ خطی سے گویا ہوئی۔

”کیوں..... آپ شاید بے حد خفا ہیں مجھ سے کیا ہوا؟“ اس کے ہر دو قار لہجے میں کچھ کچھ خجالت و تکلف ساتھ تھا۔

”آپ کو احساس نہیں ہے کس قدر روڈ لہجے میں بات کی تھی آپ نے لڑکیوں سے اس طرح بات کرتے ہیں کیا؟“

”میرے ایٹھ سوڑے آپ ہرٹ ہوئیں میں گھٹی ٹل کر رہا ہوں واصل مجھے لڑنے سے بات کرنے کے میسرز نہیں ہیں میرا مطلب ہے میں..... میری کسی سے فرینڈ شپ نہیں ہے اس لیے میں حضرت خواہ ہوں۔“ اس کے وجہ چہرے پر شرمندگی آمیز دھیمی مسکراہٹ ابھرائی تھی وہ اس کے انداز پر ٹھٹھکا کر ہنس پڑی۔

”دعہ کرتا ہوں اب بھی آپ سے اس لہجے میں بات نہیں کروں گا۔“ اس کی مسکرائی نگاہوں میں محبت کی قدیں لودینے لگی تھیں پھر اس کی بے رنگ زندگی میں چاندنی کرنیں پھیلانے لگی اور وعدے و ملاقاتیں بڑھنے لگیں۔



رضوانہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کڑی نگاہوں سے بیٹی کو دیکھا تھا جو فون پر باتیں کر رہی تھی ان کو آتے دیکھ کر جلدی سے اوداعی جملے کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور کھمرے کشنر سمیٹنے لگی تھی۔

”کب ختم ہوں گی تمہاری لالابالی حرکتیں شرم کرو کچھ حماد لڑکا ہے وہ ان نزاکتوں کو نہیں سمجھ سکتا جو تم با آسانی سمجھ سکتی ہو مگر تم ہو کے کچھ سمجھنا ہی نہیں جانتی۔ گھر میں وہ ساتھ ساتھ رہتا ہے اور گھر سے باہر ہو تو تم فون سے دور ہٹنا گوارا نہیں کرتی۔“

”مہی! کیوں آپ ہم پر اتنی نظر رکھتی ہیں؟ حماد کوئی

”ارے اچھا ہوا بیٹا جو اس وقت چاندنی کو کال کرنے کا خیال نہیں آیا۔“

”کیوں کہہ رہی ہیں آپ اس طرح میں اسی لیے کارڈ دے کر گیا تھا کہ پریشانی میں آپ کی مدد کر سکوں۔“ وہ خاصا مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔

”وہ چورڈ کیت ہوں گے بیٹا اور ایسے لوگوں کے پاس اسلحہ لازمی ہوتا ہے بلا جھجکاؤ کر دیتے ہیں وہ لوگ۔ میں نہیں چاہتی ہماری وجہ سے آپ پر کوئی آج بھی آئے اللہ آپ کو ہمیشہ محفوظ رکھے بہت نیک دے غرض بچے ہیں آپ کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے مجھے۔“ وہ واری صدقہ جانے لگیں۔

”آپ بہت نائس ہیں آنٹی! میں گاؤڑز آپ کے گیٹ پر لگا دیتا ہوں۔“ وہ ان خوش اخلاقی و سادگی پر اپنے سر دوشک روپے پر دم ہونے لگا۔

”ارے نہیں نہیں بیٹا! یہاں کے لوگ تو پہلے ہی ہم پر انگلیاں اٹھاتے ہیں ہم ماں بیٹی کے بارے میں نامعلوم کیا کیا نازیبا باتیں کرتے ہیں۔ دراصل مردوں کے معاشرے میں ہم جیسی بے سہارا عورتوں کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا ہمیں لوٹ کا مال سمجھتے ہیں اگر ان چاہ پوری کر دو تو ٹھیک ہے ورنہ ہم جیسی بد نصیب عورتیں گالی بن کر رہ جاتی ہیں۔“ باوجود ضبط کے ان کی آواز بھرا گئی تھی۔ چاندنی کے موسیٰ رخساروں سے سفید موتی پھلنے لگے کنول جیسی خوش نما آنکھوں میں طغیانی سی دہرائی۔

”آنٹی! میں خود کو فرشتہ نہیں کہہ رہا لیکن آپ مجھے ان مردوں سے مختلف پائیں گی جو عورتوں کی مجبوریوں سے قائدہ اٹھانے کو مردانگی سمجھتے ہیں۔“

”جگ جگ جیو میرے بچے! آپ نے مردانگی کی لاج رکھی ہے ہمارے لیے تو آپ فرشتہ ہی ہیں۔ ارے نماز کا نام ہونے والا ہے پہلے میں کافی لاتی ہوں پھر نماز ادا کروں گی آج انکار کی گنجائش بالکل نہیں ہے بیٹا۔“ وہ ایک دم ہی وال کلاک دہمکتی ہوئی انھی میں ساتھ ہی اسے تنبیہ بھی کی تھی۔ چاندنی نے نساؤ خشک کر لیے تھے مگر دھمی



لیوں سے لگا ہوا تھا مگر نگاہیں ہار ہار سٹ وایچ کو چھوری تھیں۔ لوازمات سے بھری ٹیبل سے ماں و بہن کے اصرار پر بھی کچھ نہیں لیا تھا نامعلوم ان کے خوف سے یا مردانہ ہاف کپٹی لے لی تھی۔

”برخوردار! کس سے ملنے کی ایسی بے قراری ہے جو کچھنا تم اپنی فیملی ممبرز کے ہمراہ گزرتا بھی محال لگ رہا ہے آپ کو؟“ وہ جیسے لہجے میں سر سے مخاطب ہوئے تھے عمر نے ماں کی طرف دیکھا جن کے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ کانپ گئی چہرے کا رنگ پیپہ پڑنے لگا۔

”فرینڈ سے ملنے جا رہا ہوں۔“ اس نے نگاہیں اٹھائے بغیر آہستگی سے کہا۔

”فرینڈ سے..... یہ فرینڈ کون ہے جس کے کتا کے گھر والوں کی اہمیت صفر ہے۔“

”آپ کہاں جانتے ہیں عمر کے سارے فرینڈ زکو؟“

”جانتی تو تم بھی نہیں ہو صاحب زادے کے سارے فرینڈ زکو لیکن یہ کوئی نئی دوتی لگتی ہے جس نے تمام ہوش و حواس سلب کر دیئے ہیں میں بھی ملنا چاہوں گا اس نئے فرینڈ سے میں بھی ساتھ چل رہا ہوں۔“ یوسف کی جہاندیدہ نگاہوں نے اس کی بے قراری سے کچھ اخذ کر لیا تھا یا شاید وہ اس میں بغایت کی بوسٹ چھپے تھے۔ عمر کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا تھا اس نے جیسے سے گنگنیل پر رکھ تو وہاں موجود ملائکہ نے سر اسیمہ ہو کر ماں کی طرف دیکھا جو پہلے ہی بدحواس تھیں۔

”پاپا! اب مجھے آپ کی گائیڈنس کی ضرورت نہیں ہے پلیز میں اچھے اور بُرے کی تمیز کر سکتا ہوں مجھے گائیڈ کرنا چھوڑ دیں آپ پلیز۔“ سالوں کی دل میں بھری کدورت آج زبان پر دھڑکی تھی ماحول یک دم مکدر ہو گیا۔ فضا گویا ایک دم ہی ساکت ہو گئی مہربانہ اور ملائکہ دہل کر رہ گئی تھیں جبکہ عمر آتش فشاں کی مانند کھڑا تھا۔

”گڈ نیوز ہے..... ماشاء اللہ میرا بیٹا جوان ہی نہیں عقل مند بھی ہو گیا۔“ اہلی فہم و فراست کا مالک بن گیا اور ہمیں خبر ہی نہیں ہوئی۔“ عمر کے اس بدلے ہوئے انداز

غیر نہیں ہے میرا کرن ہے اور ہم ایک دوسرے کے ہونے والے ہیں نیسا آپ لوگوں کا ہی فیصلہ ہے پھر اعتراض بھی آپ لوگ ہی کرتے ہیں ہمارے ملنے جلنے پر؟“

”ہاں یہ ہمارا ہی فیصلہ ہے کہ تم دونوں کی شادی کر دی جائے لیکن اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ تم خاندانی اقدار کی پامالی کرو۔“

”مہی! میں اور حماد ملنے ضرور ہیں مگر خدا کو وہ ہے ہم نے کبھی بھی آپ کی محبت اور اعتماد کو معمولی سا بھی داغدار کرنے کی سعی نہیں کی کبھی بھی۔“ اس کی شفاف نگاہیں و مضبوط لہجہ اس کی بات کی گواہی دے رہا تھا۔

”مانتی ہوں میں تمہاری ہر بات مہی ہے حماد کے اعلیٰ کردار سے بھی میں واقف ہوں مگر مہی! ہم خاندانی لوگ ہیں ہمارے ہاں یہ سب میوہ سمجھا جاتا ہے۔ عارف بھی میرے سنگے پھوپھی زاد تھے بچپن میں ہی ہماری منگنی کر دی گئی تھی جب ہم ان رشتوں کے معنی سے بھی ناواقف تھے ہمارے درمیان تب سے ہی پردہ حائل کر دیا تھا پھر وہ پردہ شادی پر ہی ختم ہوا تھا۔“ رضوانہ نے مسکراتے ہوئے اس کو رسائییت سے سمجھایا۔

”مہی! وہ سب اس دور میں ممکن تھا جو نزر گیا آپ اس دور کی بات کریں جہاں کوئی رشتہ نہ ہونے کے باوجود بھی رشتے قائم ہو جاتے ہیں۔“

”جو ناجائز رشتے کہلاتے ہیں اور ان رشتوں کی گند پورے معاشرے کے بگاڑ کا باعث بن رہی ہے شریف لوگوں کا جینا ہی مشکل ہو گیا ہے۔“

”افوہ مہی! آپ غلط سمجھ رہی ہیں سب جگہ ایسا نہیں ہوتا۔“

”میں صرف تمہاری بات کر رہی ہوں آج ایسی کوئی بات نہیں کہ جو کل تمہیں پچھتانے پر مجبور کر دے۔“ وہ ماں کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

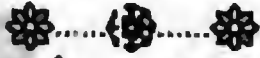


یوسف صاحب کی زیرک نگاہیں خاموشی سے بیٹے کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں چائے کا گگ جس کے



”کوئی تو بات ہے جو موڑ اتنا آف ہے کیا شادی کی بات کی ہے؟“

”شادی کی بات.....؟ تم میرے پاپا کی فطرت سے واقف نہیں ہو وہ نیر و ماسٹڈ بیک ورڈ اور بے حد سیلفش ہیں وہ آسانی سے ہماری شادی نہیں ہونے دیں گے۔“ وہ گویا خود سے ہم کلام تھا شدید زیریں کے باعث اس کی صاف پیشانی پر سیلی رگ ابھرا نا تھی۔



”ارے تم سے ابھی تک یہ پیاز نہیں کاٹی حد ہوتی ہے نالائق اور پھوہڑ پن کی بھی سورج سر پر چڑھایا ہے تمہارے بابا اور حماد کے گھر واپسی میں کیا ٹائم رہ گیا ہے ان کو وقت پر کھانا نہ ملے تو گھر سر پر اٹھا لیتے ہیں اور تم ہو کے ذرا سی پیاز کاٹ کر آ نکھیں بند کیے بیٹھی ہو۔“ رضوانہ نے کچن میں قدم رکھتے ہی پیاز کا ڈھیر جوں کا توں رکھا دیکھ کر غصے میں کہا۔ مائدہ ایک پیاز کاٹنے کے بعد آنکھوں میں ہونے والی جلن کے باعث، بے حال تھی پیچھا آتی رخسانہ آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ فٹام کر کہا۔

”توبہ حد رضوانہ! بھی نرمی سے بھی بات کر لیا کرو بچی سے تمہاری زبان جو ریل کی طرح چلتی ہے تو رکھنے کا نام ہی نہیں لیتی۔“

”بابی! آپ اس کی اجازت طرف داری ہر وقت نہ کیا کریں! گیزا حیر سے فارغ ہوئی۔ باب گھر داری سیکھ لینی چاہیے تاکہ ہم بھی گھر میں نہ ہوں تو یہ کھانا پکا سکے ابھی بھی دیکھیں تو رے کے لیے، پیاز کاٹنے کو دے کر گئی تھی کہ آتے ہی نکالوں گی مگر یہ مہارانی ایک پیاز کاٹ کر آنسو بہانے بیٹھ گئی ہے ایسا بھی ہوتا ہے کیا؟“ وہ بڑبڑاتے ہوئے کام میں لگ گئی تھیں۔

”اپنا دل مت جلاؤ آہستہ آہستہ سب کام کرنا آ جائے گا اور قورمہ چکن کا پکنا ہے جو منٹوں میں پک جاتا ہے۔“ مائدہ کو آنکھ کے اشارے سے باہر جانے کا کہہ کر وہ لمبی پیاز کاٹنے لگی تھیں۔

”جان بچی سولا کھوں پائے کے مصداق پاؤں دبا کر

سے ذرا بھی مرعوب نہیں ہوئے تھے۔

”یوسف! آپ بھی بے وجہ کی باتیں کرتے ہیں جانے دیں عمر کو یہ فریڈ سے ملنے جا رہا ہے جلد واپس آ جائے گا۔“ مہر بانو نے حوصلہ کر کے ان کے درمیان بات کو طول پکڑنے سے روکا تھا۔

”جائے شوق سے جائے لیکن ایک بات تم بھی کان کھول کر سن لو! ہر کی دوستیاں باہر غی رہنی چاہئیں اس گھر میں تمام فیصلے کرنے کا اختیار مجھے ہے اور.....“ وہ عمر کو گھور کر گویا ہوئے۔ ”مجھے ہی رہے گا اپنے حق کے لیے میں کسی کی پروا کرنے والا نہیں ہوں۔“ ان کے لہجے میں عجیب قطعیت و جارحیت تھی وہ گھر سے چلا آیا تھا گھر سے کچھ دور چوک پر چاندنی اس کا انتظار کر رہی تھی وہ احتیاطی تدابیر کے تحت یہی طریقہ کار اپنائے ہوئے تھی۔ شروع میں عمر نے سخت ناپسند کیا تھا اسے اس طرح ایک اینڈ ڈراپ کرنے پر ان ماں بیٹی نے بدنامی رسوائی اور لوگوں کی باتوں و طعنوں کا خوف ظاہر کیا تو اس کی سمجھ میں بھی بات آگئی تھی کیونکہ وہ چاندنی کو دل و جان سے چاہنے لگا تھا اور جانتا تھا ماں اور بہن اس کی خوشی میں خوش ہوں گی اس کے برعکس باپ کو سنا تا از حد مشکل اور صبر طلب مرحلہ ہوگا کیونکہ وہ خاندان سے باہر بیٹی دینے اور لینے کے بہت مخالف تھے اس دور میں بھی وہ اپنی روایات کے قائل تھے۔

چند ملاقاتوں میں وہ چاندنی کے اس قدر قریب آ گیا تھا کہ اب جدائی کا تصور تری سوا ہاں روح تھا۔ دوسری طرف چاندنی کی بھی یہی خواہش تھی وہ جلد از جلد اس کی بن جانا چاہتی تھی وہ اور اس کی مٹی مل کر اس پر شادی کے لیے دباؤ ڈال رہی تھیں آج بھی وہ ڈنر کرنے اپنے پسندیدہ ہوٹل میں آئے تو چاندنی نے اسے پریشان دیکھ کر وجہ پوچھی۔

”بہت ادا اس لگ رہے ہو جھگڑا ہوا ہے کسی سے؟“ مینیجہ کارڈ نظر انداز کر کے اس نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

”جی نہیں کسی سے جھگڑا نہیں ہوا۔“ اس نے مخرومی ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔



بھاگ لوی یہاں سے تم۔“ وہ اسے جاتے دیکھ کر طنزاً گویا ہوئی تھیں مائدہ جھجک کر رک گئی۔

”لان میں کپڑے سوکھ چکے ہوں گے ان کو پریس کر کے پٹنگ کرو۔“

”جی اچھا می!“ وہ کہہ کر بہر نکل آئی اور باہر لگے بیسن سے منہ ہاتھ دھو کر بالوں میں برش کر کے وہ لان کے اس حصے کی طرف چلی آئی جہاں پر ماربل کا فرش گھاس و پودوں سے خالی تھا۔ سرخ ٹائلز والی چھت اور جدید طرز سے بنایہ کبھی گیراج کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ آصف کی وفات کے بعد عارف کا دوبارہ کرائسز میں اپنے بھنیے کے یکے بعد دیگرے دونوں گاڑیاں فروخت کرنی پڑی تھیں بینک بیننس صفر ہو کر رہ گیا تھا۔

حالات ان تھک محنت کے بعد پہلے جیسے تو نہ ہو سکے تھے البتہ بہتر ضرور تھے انہوں نے اپنے استعمال کے لیے ایک پرانی شیراز خرید لی تھی۔ حماد نے ان کے لیدر کے برنس میں دلچسپی نہ لی تھی وہ ڈاکٹر بننا چاہتا تھا اس کے شوق کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اسے میڈیکل کالج میں ایڈمیشن دلایا تھا اور ساتھ ہی بائیک بھی دلا دی تھی۔

مائدہ کامرس کا انگریز اسٹوڈنٹ تھا وہ تمام کپڑے سمیٹ کر اندر جاتا ہی چاہتی تھی جب اس کی نگاہ شیز کے نیچے کھڑی حماد کی بائیک پر پڑی تو وہ چونک گئی۔

”ارے تم کب آئے؟“ وہ کپڑے دروم میں رکھ کر اس کے دروم میں چلی آئی جو خلاف عادت خاصوٹ و بنجیدہ بیڈ پر نیم دراز گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

”ابھی“ کچھ ہی دیر پہلے آیا ہوں بیٹھو نا تم۔“ وہ چونک کر گویا ہوا۔

”کیا بات ہے حماد! تم خاموشی سے گھر آئے اور اب پریشان اور اداس دکھائی دے رہے ہو اس طرح سیریس تو تم کبھی نہیں ہوئے۔“ وہ بھی خاصی پریشان ہو کر استفسار کرنے لگی۔

”رات ایک کیس آیا ہسپتال میں وہ دونوں گرل بوائز محبت کرتے تھے شادی کرنا چاہ رہے تھے لیکن وہ ہی

غزل

آنکھوں آنکھوں میں پھنسنے کا اشارہ کر کے خود بھی رویا بہت وہ ہم سے کنارہ کر کے سوچتا رہتا ہوں تنہائی میں بیٹھ کے انجام خلوص پھر اسی جرم محبت کو دوبارہ کر کے چمکادی ہیں تیرے شہر کی گلیاں میں نے اپنے ہر اشک کو پلوں پر ستارا کر کے چلو دیکھ لیتے ہیں حوصلہ اپنے دل کا ہم کچھ روز تیرے بغیر گزارہ کر کے ایک ہی شہر میں رہتا ہے ملنا نہیں چلو دیکھ لیتے ہیں یہ اذیت بھی گوارا کر کے اس بار محبت میں خسار نہ ہو شاید چلو دیکھ لیتے ہیں اس دل کو پھر سے تمہارا کر کے اعتبار ساجد سمیرا تعبیر..... سرگودھا

ہمارے معاشرے کے فرسودہ رسم و رواج ذات و پات امیر ی وغیرہ کی بہیمانہ چٹاوش ان کی راہ کی رکاوٹ بن گئی اور ان کو انتہائی موڑ پر لے گئی۔

”اوہ..... ایسا کیا ہوا ان کے ساتھ؟“ اس کی پریشانی میں وہ بھی شریک ہو گئی تھی۔

”انہوں نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔“ وہ اضطرابی کیفیت میں جھٹلاتا تھا۔

”مائی گاڈ! حماد یہ تو بہت بُرا طریقہ ہے گناہ کی موت۔“

”اس کے ذمہ دار وہ والدین ہیں جو نہ مذہبی اقدار کو مانتے ہیں اپنی جھوٹی انا کی تسکین کے آگے بچوں کی خواہشوں کو رد کر دیتے ہیں۔“ کہتا ہوا وہ اٹھ کھڑا ہوا اور بکھرے بال اور سرخ آنکھیں وہ بکھرا بکھرا لگ رہا تھا۔

”لڑکی کی ڈیڈ باڈی اس کے گھر والے لے گئے وہ جانبر نہ ہو سکی تھی اور وہ لڑکا بیچ گیا ہے ورن بعد ہوش آیا ہے اسے اور آنکھ کھولتے ہی اس نے اپنی محبوبہ کا پوچھا گھر والوں نے جھوٹ کہہ دی وہ لڑکی گھر چلی گئی ہے اس کے



صحت مند ہوتے ہی ان کی شادی کر دی جائے گی۔ لڑکا خوش ہے اس کی خود کشی رنگ۔ لائی اب گھر والے پچھتا رہے ہیں ان کی شادی کر دیے تو اچھا ہوتا اور میں سوچ رہا ہوں چند ہفتے بعد وہ ڈسچارج ہو کر گھر جائے تو گھر والے کب تک اسے بہلائیں گے؟ جب اس پر یہ انکشاف ہوگا کہ ساتھ جینے و مرنے کی قسمیں کھانے والے ہمیشہ کے لیے چھڑ گئے ہیں جدا ہو گئے ہیں تو وہ کس طرح فیس کرے گا؟“ اس کی آنکھوں میں نمی تھی وہ ایک ٹک ماندہ کو دیکھ رہا تھا۔

”سوسائڈ... لیکن تم ایک ڈاکٹر ہو تمہارا اس طرح کیس کو خود پر حاوی کرو گے تو تم کس کو انجکشن بھی نہیں لگا پاؤ گے ڈاکٹر تو بہت سخت دل ہوتے ہیں اور اس فیلڈ میں سنگ دل ہونا ہی بیسٹ ہے۔“ اس نے رمانیت سے اس کو سمجھانے کی سعی کی تھی۔

”میں اپنے پیسے کی ریکوارمنٹ پوری کرتا ہوں ماندہ! مگر اس حادثے نے میرے دل پر بے در اثر ڈالا ہے میں نے رات سے کچھ نہیں کھایا یہاں تک کہ کافی تک نہیں لی اس لڑکے کی نگاہوں میں جو طمن کی جوت جلتی میں دیکھ رہا ہوں وہ جوت بجھے گی تو اس کی زندگی ہی اندھیر ہو جائے گی۔“



سگریٹ کے لمبے لمبے کش لگاتی فردوس تر بھی نظروں سے بچی کو دیکھ رہی تھیں جو سیل کان سے لگائے ہوئے تھوکتو بھی اس کے چہرے کے بنتے بگڑتے زاویوں کے ساتھ ساتھ ان کی نگاہوں کا ارتکاز بھی بدل رہا تھا۔

”ہوں کیا کہہ رہا ہے عمر بات کی اس نے شادی کی یا محض ٹائم پاس کر رہا ہے دوسرے لوگوں کی طرح جھٹاتے ہیں دل بہلاتے ہیں اور چلے جاتے ہیں؟“ اس کے چہرے پر چھائی غم و جھجلاہٹ دیکھ کر وہ طنزاً گویا ہوئی تھیں۔

”مما! وہ عام لوگوں جیسا بالکل بھی نہیں ہے اس نے کبھی کوئی ایسی ونی حرکت نہیں کی ہے نہ بہت محبت کرتا ہے

وہ مجھ سے عزت کرتا ہے۔“

”مردوں کے کئی روپ ہیں میری جان! یہ سب تم کو عمر گزرنے کے ساتھ معلوم ہوگا میں کہتی ہوں بلاوجہ اس لڑکے کی خاطر ٹائم ضائع نہ کرو وہ ٹیڑھے مزاج کے باپ کی اولاد ہے اس کے مزاج میں سیدھا پن کس طرح ہو سکتا ہے۔ وہ صرف تمہیں الجھا رہا ہے کسی موقع کی تلاش میں ہے جب بھی موقع ملا وہ تمہیں دودھ میں بھی کی طرح نکال پھینکے گا۔“

”نہر ایسا نہیں ہے یہ مجھے یقین ہے ممما!“ وہ بکھرے بالوں کو سمیٹتی ہوئی بولی۔

”نا معلوم تم کن خوش فہموں کی وادی میں گم رہنے لگی ہو چاندنی! عمر کی خاطر تم نے دوسرے فرزند پر دروازے بند کر دیے ہیں اور محسوس ہوتا ہے تم اپنے ساتھ میرے نصیب پر بھی قفل لگا رہی ہو تمہاری اس بے رحمی سے یہاں آنے والے ہمارے دشمن بن جائیں گے۔ ان لوگوں کی وجہ سے ہم یہاں رہ رہے ہیں ورنہ سب سے بڑا ہمارا مخالف عمر کا باپ ہے اور اسے کسی روز معلوم ہو گیا عمر سے تمہاری دوستی کا تو نا معلوم وہ کیا کر گزرے گا۔“ اس نے سگریٹ الٹش ٹرے میں بجھاتے ہوئے اندیشوں بھرے لہجے میں کہا۔

”میں شادی کے بعد فکر کو اس کے گھر میں نہیں رہنے دوں گی! ہم تینوں لندن شفٹ ہو جائیں گے۔ عمر اپنے والدین کو راضی کر لے گا! ہم یہاں سے شفٹ کر جائیں گے پھر عمر کا باپ بھی ہم و بچان نہ سکے گا۔“ چاندنی نے بھی سگریٹ سلگاتے ہوئے مستقبل کی باتیں کی تھیں۔

”وفا جی اپنی ممانہ بہن سے بات کرے گا۔“

”اچھا جو بھی کرنا ہے جلدی کرو ویسے بھی عمر کے باپ سے ہی ہمیں زیادہ خطرہ ہے اور عمر ہی اس کے غرور کو چکنا چور کر سکتا ہے۔“



مہرمانو بیٹے کی خواہش جان کر سکتے ہیں وہ کئی تھیں ذل پر پہاڑ جیسا بوجھان پڑا تھا جبکہ وہ ان کی حالت سے بے



خبر کہہ رہا تھا۔

”مما! چاندنی نہایت نیک اور حسین لڑکی ہے اور اس کی ممی بھی نفیس و اعلیٰ کردار کی مالک ہیں شوہر کی وفات کے بعد چاندنی کی پرورش انہوں نے بہت مشکل حالات میں کی ہے۔ تنہا عورت ہو کر بھی بڑی بہادری کے ساتھ کٹھن وقت کا مقابلہ کر کے چاندنی کو تعلیم دہن دے سکا ہے۔“

”بیٹا! آپ اپنی پڑوس میں رہنے والی ماں بیٹی کی بات کر رہے ہیں؟“ دل میں ایک موہوم سی آس ابھری شاید بیٹا کسی اور کے متعلق کہہ رہا ہو۔

”جی ممی..... فردوس آنٹی اور چاندنی کی بات کر رہا ہوں۔“ وہ بھرپور انداز میں مسکراتے ہوئے بولا اور ان کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا، سنجیدہ و ہر وقتاریٹھ نے پہلی بار کوئی لڑکی پسند کی بھی تو.....

”کیا آپ ٹھیک ہیں ممما! آپ کی طبیعت ٹھیک ہے..... کیا ہوا آپ کو؟“ وہ ان کو پسینہ پسینہ دیکھ کر گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

وہ بیڈ پر ڈھے گئیں۔ موسم بے حد سرد ہا ہر تیز دم ہواؤں کے جھکنے چل رہے تھے اس نے تیزی سے پردے ہٹا کر کھڑکیوں کھول دیا تھا، فین آن کر کے لابی میں رکھ ڈسپینسر سے گلاس میں پانی بھر لایا اور قریب بیٹھ کر اپنے ہاتھوں سے پلایا۔

”میں ڈاکٹر کو لے کر آتا ہوں ابھی۔“ وہ گلاس رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”نہیں! میں ٹھیک ہوں اب۔“ وہ شال سر پر ڈالتی ہوئیں اٹھ بیٹھیں۔

”ممما! میں یہ سوچ کر بے حد ایکساٹڈ تھا کہ آپ میری بات سن کر بے حد خوش ہوں گی، یہ آپ کی ہی خواہش تھی تاکہ میں کوئی انجمنی بیماری سی لڑکی پسند کر لوں مگر آپ کا برتاؤ تیار رہا ہے آپ کو میری بات سن کر صدمہ پہنچا ہے۔“

”وہ لوگ کون ہیں..... کیا کرتی ہیں؟ محلے میں ان کے بارے میں کیا باتیں پھیلی ہوئی ہیں لوگ ان کے

دعا

بھلائی کرو گے بھلائی۔ مانگی دعا میں جو دے گا دعا ہی ملے گی سچ بولنے کا قصد جو کرو گے جھوٹ سے تم کو رہائی۔ مانگی خدمت کرو گے جو دے گا دعا ہی ملے گی باطن کی تم کو صفائی ملے گی ہر اک پل پکارو گے جو تم خدا کو واللہ رب کی شاکھی ملے گی صلی علی کا جو ورد کرو گے صبا سے مدد ملے گی ملے گی رضائے محمد ﷺ رضا۔ نے خدا ہے کلمہ سے تم کو بقائی ملے گی شمع ہدایت کی مانگو دعا اس ثمرات کی یک جائی۔ لے گی کوثر خالد سر کو جھکاؤ پھر ہی تجھے اونچائی۔ مانگی

کوثر خالد..... جزا نوالہ

بارے میں کیا کہتے ہیں؟ یہ سب آپ نہیں جانتے وہ گھر بسانے والی عورتیں نہیں ہیں۔“

”پلیز ممما! آپ ایسی باتیں کر رہی ہیں میں نے کبھی بھی آپ کے منہ سے کسی کے لیے برائی نہیں سنی ہے اور آپ ان پر بہتان تراشی کر رہی ہیں جو ہمارے معاشرے کی ستائی ہوئی مظلوم اور۔ بے سہارا عورتیں ہیں آپ کب سے دوسروں کی باتوں پر لیفین کرنے لگیں لوگوں کا تو کام ہی دوسروں کی عزت نیلام کرنا ہوتا ہے۔“ اس کے لہجے میں حیرانی و غم کی آمیزش تھی۔

”لوگوں کی بات نہیں کر رہی ہوں میں عمر! ان عورتوں کو خود آپ کے پاپا نے دیکھ ہے غیر مردوں کے ساتھ وہ ان کے سخت خلاف ہیں۔“

”لوہ پاپا! ان کو پوری دنیا خراب و بد معاش دکھائی دیتی ہے سوائے اپنے نامعلوم ب خاندانیت کا زعم ان کے دل



سے ذرا اہل ہوگا۔“

”برگزر نہیں۔“

”یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے؟“

”ہوں..... یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔“

”ایک بار پھر سوچ لیں، ما! میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔“ ان کو سخت دے لے لے کر اس نے دھمکی دی۔

”جائیں، چلے جائیں..... ایک لڑکی کی خاطر ہم کو چھوڑنے کا ظرف ہے آپ میں تو ہم بھی آپ کے بغیر جینا سیکھ لیں گے۔“ اس نے جلتی آنکھوں سے ایک نگاہ ان پر ڈالی اور وہاں سے چلا گیا۔



”حمدا! تم نے کیوں اس لڑکے کی اسٹوری خود پر حاوی کر لی ہے اب تو اسے ڈسپارچ ہوئے بھی کئی دن ہو چکے ہیں، معروف ہو گیا ہوگا وہ اپنی زندگی میں اس دنیا میں مرنے والے کے پیچھے کوئی مرنے نہیں ہے۔“ وہ ہسپتال سے آیا تو وہ اس کے لیے کافی دیتے ہوئے بولی۔

”تم کس طرح سے کہہ سکتی ہو؟ وہ ہماری طرح ہی ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے، کیا تم میرے بغیر اور میں تمہارے بنا رہ سکتا ہوں؟“ مجھے؟ تمہارے دل سے بھی میری طرح بھی صاف آ رہی ہے؟ نہیں، کبھی نہیں۔“

”خدا کے واسطے حمدا! کیوں اس طرح کی باتیں کر رہے ہو تم؟ ہمارے والدین نے ہمارا رشتہ طے کیا ہے، تعلق جوڑا ہے تم ان سے کب پیر کیوں کر رہے ہو اپنے آپ کو۔ ہمارا معاملہ تو بالکل مختلف ہے۔“

”میں یہ سوچ کر شاکد ہونے لگا ہوں جب اس لڑکے کو معلوم ہوگا وہ لڑکی دنیا میں نہیں ہے اسے تنہا چھوڑ کر جا چکی ہے تو.....“

”تو کچھ نہیں اس کو چند دن افسوس ہوگا پھر وہ کسی دوسری کو چاہنے لگے، اب یہ کیسی مجنوں کا دور تو ہے نہیں جو مجنوں کیسی کیسی چٹخا مہراؤں میں گم ہو جائے۔ اس دور میں جتنا گہرا زخم لگتا ہے وہ اتنی تیزی سے بھرتا ہے، پلیر تم یہ کافی پوچھنڈی ہو جائے گی۔“ اس نے موضوع بدلتے ہوئے کافی کا ٹک اس کے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

”سمر! یہ کس لہجے میں اپنے باپ کے لیے بات کر رہے ہو آپ؟ ایک تھوڑا سا لڑکی کی خاطر باپ کی عزت و ادب فراموش کر بیٹھے ہو؟“ وہ حیرت و دکھ سے اس کی برہمی و نفرت آمیز لہجہ دیکھ رہی تھیں، کچھ دنوں سے وہ بدلا بدلا تھا، خشک رویہ اور سب سے بے نیازی کا یہ سبب ہوگا ان کو معلوم نہ ہو سکا تھا۔

”میں کوئی گستاخی نہیں کر رہا ہوں، باپا کی فطرت آپ بھی بخوبی جانتی ہیں کسی کو بھی ناپسند کرنے کے لیے ان کو وجہ ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، خواہ وہ لوگوں سے دشمنیاں کرنے کا کریز ہے ان کو۔“

”عمر..... عمر میرے بچے.....! یہ تم کیا کہہ رہے ہو کوئی اپنے باپ کے لیے اس طرح بولتا ہے انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا تم لوگوں کے لیے؟“ وہ آنے والے وقت سے خوف زدہ ہو کر رونے لگی تھیں۔

”مما! آپ مجھے ایسے فٹنل بلیک میل کرنے کی سعی نہ کریں، میں چاندنی کے علاوہ کسی اور لڑکی کو بیوی بنانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔“

”میرے بچے! آپ کو مجھ پر یقین نہیں ہے یوسف پر بھروسہ نہیں ہے تو جا کر مجھے کے لوگوں سے دریافت کرنا ساری حقیقت سامنے آ جائے گی، آپ مجھے میں کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے اگر رکھتے تو ان جاں باز عورتوں کے جاں میں نہ پھنستے اس بُری طرح سے جنہوں نے آپ کو ماں و باپ کا احترام ہی بھلا دیا ہے۔“ وہاں بدیدہ تھیں۔

”ایسا کچھ بھی نہیں ہے، ممّا! چاندنی مائیں لڑکی ہے۔“

”میں بھی بیٹی کی ماں ہوں اور بیٹیوں کی عزت و حرمت مجھے بھی بے حد عزیز ہے لیکن اس قسم کی لڑکیاں گھر بنا تو کر سکتی ہیں بسا نہیں سکتی آپ اس کو بھول ہی جاؤ تو اچھا ہے۔“ بیٹے کی ہٹ دھرمی دیکھ کر ان کے اندر سوئی عورت کو جگا گئی۔ بلکتی مستانہ نظر انداز کر کے وہ سخت لہجے میں گویا ہوئیں۔

”آپ میرا ساتھ نہیں دیں گی؟“



بجائے باہر چھپ کر ان کی باتیں سنتا رہا تھا جب عمر کمرے سے نکلا تو اس نے عمر کو خوب کھری کھری سنائی اور عاق کرنے کی دھمکی دی۔

”آف یہ تو سرا سر گھائے کا سودا ہوا اب عمر کو باپ کی برابری سے پھوٹی کوڑی بھی ملنے والی نہیں ہے ہمیں اس گنہگار کا کیا کرنا ہے۔“ فردوس کے ارمانوں پر ایک دم اس پر گئی تھی۔

”باپ کا ڈر! مرا ہاتھی بھی سوالا کھ کا ہوتا ہے ماما! عمر نے اپنی پر اپنی بھی ٹھیک ٹھاکہ بتائی ہے پھر اس کا اپنا بڑا بس ہے وہ باپ کے پیسے کا ذرا بھی محتاج نہیں ہے بہت دولت ہے اس کے پاس۔“

”وہ ماں صدقے کا مال کر دیا چاندنی بڑھاپا سنور جائے گا میرا۔ کان کھول کر سن لو شروع شروع میں نیک بیوی جیسا حلیہ رکھنا ہوگا تا کہ عمر کو کسی بھی قسم کا شک نہ ہو بعد میں سب پینڈل کر لوں گی میں۔ بس ابتدائی دنوں میں کچھ تکلفات ہوں گے۔“ وہ دیوار گیر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتی ہوئی بولی۔

”ہاں ہاں فکر نہ کرو کوئی شکایت کا موقع نہیں دوں گی! اچھا چلو سامان سمیٹیں اب یہ گھر چھوڑنا ہوگا۔“ وہ بے حد خوش تھیں مواء ورتیل بجی تو فردوس نے گیٹ کھولا اور خوف سے پیچ پڑی تھی۔

(آخری قسط آئندہ ماہ)



”آج ڈنر باہر کرتے ہیں! آؤ ٹنگ سے سوڈا پیئیں ہوگا۔“ کئی دنوں بعد اس کے چہرے پر مسکراہٹ چمکی تھی۔

”جی نہیں بابا اور می نے سختی سے پابندی لگا دی ہے باہر جانے پر۔“

”ناممکن! تمہیں لے جانے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔“

”صرف چند دنوں کی بات ہے پھر ہمیں کوئی نہیں روکے گا۔“ وہ گردن جھکا کر شرعیلے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

”میں ابھی بھی کسی پابندی کو نہیں مانتا۔“ اس کے معاملے میں وہ اسی طرح جذباتی ہو جایا کرتا تھا۔

”میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گی حمار! ہماری شادی میں زیادہ عرصہ نہیں ہے وہ ہی کروں گی جو ہمارے بڑوں کا حکم ہے۔“ وہ کہہ کر رکی نہیں مگر ٹوٹنے کی آواز دور تک آئی تھی۔

”واؤ ماما! چاندنی نسل فون اچھالتے ہوئے ماں سے لپٹ گئی۔“

”ارے بہت خوش لگ رہی ہو کیا عمر نے اپنے والدین کو منالیا؟“

”منالیا ہونہ..... ماما! عمر نے اس بڑے سے وہ سارے بدلے ایک ساتھ لے لیے ہیں جو ذہنی طور پر ہمیں مار چکے تھے ہاتھ آج اسی اکڑو کا بیٹا اس کے شیلے پر لات مار کر مجھ سے کورٹ میرج کرنے والا ہے۔“

”ارے میں داری! میں قربان..... یہ تو بڑی انہونی خبر ہے لیکن یہ سب ہوا کیسے..... یہ خبر سچ تو ہے تم نے غلط تو نہیں سنا؟“ اس کے ساتھ خوشی میں جھومتی وہ دوسرے کا شکر ہوتی۔

”ارے نہیں بھئی یہ سب میرے حسن کا کرشمہ ہے“ محبت کا جادو ہے۔ عمر نے بتایا اس کی ممانے ہم ماں بیٹی پر گھنیا الزامات لگائے جو وہ برداشت نہ کر سکا اور ان کے درمیان خوب تلخ کلامی ہو گئی اس دوران اس کا باپ بھی زباں آگیا تھا مگر کمرے میں آنے کے





محبی محبت  
راحت وفا



تری نگاہ تغافل کو کون سمجھائے  
کہ اپنے دل پہ مجھے اختیار بھی تو نہیں  
تو ہی بتا کہ تری خامشی کو کیا سمجھوں  
تری نگاہ سے کچھ آشکار بھی تو نہیں

### (گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شرمین بے انتہا حسن کی مالک ہے ہر شخص اس کے حسن کے قہیدے پڑتا ہے۔ وہ ایک فرم میں جاب کرتی ہے اور وہاں مرزا صاحب نے جمولی محبت کا راز لاپ کراس کی ٹاک میں دم کر رکھا ہے۔ چار سال پہلے شرمین کی زندگی میں صبح احمد آیا اور اتنا ہی عرصہ ان کی محبت پروان چڑھی۔ پھر صبح احمد تعینم مکمل کر کے کراچی واپس چلا گیا اور وعدہ کر گیا کہ وہ جلد ہی رشتے کے لیے اپنی ماں کو بھیجے گا لیکن صبح احمد کی ماں شرمین کے لیے راضی نہیں ہوئیں اور صبح کی شادی فریج سے کر دیتی ہیں۔

زیستہ پاشرین کی تزن ہیں ان کا بیٹا بوبی بھی شرمین کے عشق میں گرفتار ہے اور آئے دن شرمین سے اظہار محبت کرتا رہتا ہے جبکہ شرمین عمر کے فرق کے حساب سے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کرتی ہے۔ شرمین پریشان ہو کر صبح احمد کو خط لکھتی ہے اور اسے کراچی آنے کا بتاتی ہے لیکن صبح احمد خود پہلی فلائٹ سے شرمین کے پاس پہنچ جاتے ہیں شرمین سمجھتی ہے کہ شاید اب وہ اس سے شادی کر کے اس سے یہاں سے لے جائیں گے لیکن جب صبح احمد شرمین کو اپنی شادی کا بتاتے ہیں تو وہ ششدر رہ جاتی ہے۔ شرمین کا محبت پر سے اعتبار اٹھ جاتا ہے اسے محبت نام سے نفرت ہو جاتی ہے۔

مرزا صاحب پہلے سے شادی شدہ ہونے کے ساتھ بچوں کے باپ بھی ہیں۔ ان کے گھر میں ساس بہو کا روایتی جھگڑا ہر وقت رہتا ہے جس سے وہ کافی پریشان رہتے ہیں لیکن بیوی کو سمجھانے کے بہانے اس کے آگے بچھے جاتے ہیں اور آفس میں شرمین سے محبت کا دم بھرتے ہیں۔

عارض ایک بزنس مین ہے اس کی نظر میں لڑکیاں صرف وقت گزاری کے لیے بنائی گئی ہیں۔ اس لیے عارض نے ابھی تک شادی نہیں کی لیکن بہت سی لڑکیوں کے ساتھ وقت گزارا ہے۔ عارض کا بہترین دوست صفدر ہے جو ایک فرم میں جاب کر رہا ہے۔ عارض کی پہلی ملاقات شرمین سے سڑک کنارے ہوتی ہے اور وہ اس کے حسن کا گرویدہ ہو جاتا ہے لیکن جب وہ شرمین سے اظہار محبت کرتا ہے تو وہ نخوت سے انکار کر دیتی ہے۔

بوبی نے اپنی فضول حرکتوں سے شرمین کو پریشان کر رکھا ہے۔ بلا آخر شرمین کی برداشت سے باہر ہو جاتا ہے اور وہ بوبی کے منہ پر پھنٹ مار دیتی ہے۔

عارض اپنی سچی محبت کا یقین دلا کر شرمین کو قائل کرنے کو کہتا ہے اور صفدر دوستی کا بھرپور کھتے ہوئے ہامی بھر لیتا ہے۔ صفدر انتہائی شریف انسان ہے صفدر کی ماں (جہاں آرا بیگم) صفدر کی شادی کرنا چاہتی ہیں اور اس سلسلے میں



لڑکیاں دیکھ رہی ہیں۔ ایک لڑکی انہیں پسند آتی ہے اور وہ چاہتی ہیں کہ صفدر بھی اس لڑکی کی تصویر دیکھ لے مگر وہ ماں کی خوشی میں خوش ہے۔

شرمین صفدر کے کہنے پر عارض سے ملتی ہے اور اس سے منگنی کر لیتی ہے شرمین کو لگتا ہے کہ اس منگنی کے بعد سب معاملات ٹھیک ہو جائیں گے مگر ایسا نہیں ہوتا۔

بوی بھی انگوٹھی لے کر شرمین کے پاس منگنی کی عرض سے آتا ہے لیکن جب شرمین اسے اپنی اور عارض کی منگنی کا بتاتی ہے تو بوی کو دکھ ہوتا ہے اور وہ خود کشی کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن بوی کی ماں (زینت) اسے بروقت ڈاکٹر کے پاس لے جا کر اس کی جان بچاتی ہے اور پھر اپنے اکلوتے بیٹے کی محبت میں مجبور ہو کر زینت یا ملک چھوڑنے کا فیصلہ کرتی ہیں ان کی نظر میں شرمین سے دوری بوی کے دل سے شرمین کا خیال نکال دے گی مگر ایسا ممکن نہیں ہوتا کینیڈا جا کر بوی وہاں کی رنگینوں میں کھو کر ماں کو ہی بھول جاتا ہے۔

صفدر کی شادی بہت دھوم دھام سے ہوتی ہے ذیبا جہاں آرا کی پسند ہے صفدر بھی اس شادی سے خوش ہے مگر شادی کی اولین رات اس کے ارمانوں پر اوس پڑ جاتی ہے جب ذیبا اسے اپنی ناکام محبت کی کہانی سناتی ہے صفدر صرف اپنی ماں (جہاں آرا بیگم) کی وجہ سے ذیبا کو اپنے گھر رکھنے پر تیار ہو جاتا ہے وہ دونوں ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے لیے اچھی ہیں۔ عارض شرمین سے محبت کے عہد و پیاں کر کے بزنس کے سلسلے میں امریکا آتا ہے اور یہاں اس کا ایک سیڈنٹ ہو جاتا ہے۔

شرمین کی پریشانیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اس کی اماں کی طبیعت دن بدن خراب رہنے لگی ہے زینت آرا بھی بوی کو کینیڈا چھوڑ کر واپس آگئی ہیں مرزا صاحب نے بھی جمہوری محبت کے اعتبار سے شرمین کو عاجز کر رکھا ہے۔ صفدر کو ذیبا سے شدید نفرت ہو گئی ہے لیکن وہ اپنی ماں کی وجہ سے ذیبا کو گھر سے نہیں نکال سکتا اور نہ ہی اپنی ماں کو ذیبا کی حقیقت بتا سکتا ہے۔

جہاں آرا کو ذیبا کی خراب طبیعت کسی خوشی کا باعث معلوم ہو رہی ہے وہ صفدر کو ذیبا کو ڈاکٹر کے پاس لے جانے کو کہتی ہیں مگر وہ نال جاتا ہے اور خود ایک روڈ ایکسیڈنٹ کا شکار ہو کر ڈاکٹر کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ جہاں آرا بیگم اس کے ہاتھ اور سر پر بندی پٹی دیکھ کر گھبرا جاتی ہیں۔

شرمین سے بے لوث محبت کرنے والی اس کی ماں خالق حقیقی سے جا ملی ہیں وہ تم کی تصویر بن کر رہ گئی ہے۔ صفدر اور زینت آرا اس کی دلجوئی کر رہے ہیں۔ کینیڈا سے عارض بھی فون کر کے اسے صبر کرنے کو کہتا ہے۔

عارض کا آپریشن بھی کامیاب ہو گیا ہے اور وہ پاکستان آنا چاہتا ہے۔ لیکن جب شرمین سے اپنی بے اعجاب محبت کا جواب مانگتا ہے تو وہ ذہنی انحصار کی وجہ سے ٹھیک جواب نہیں دے پاتی جس سے عارض کو کافی مایوسی ہوتی ہے اور وہ واپس پاکستان آنے کا ارادہ چھوڑ کر وہیں کینیڈا میں مصروف ہو جاتا ہے۔ دونوں کی چھٹی کے بعد جب شرمین واپس آفس آتی ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے اس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی سیٹ کسی اور کو دے دی ہے۔ شرمین اس حرکت کی بابت ان سے پوچھتی ہے تو مرزا صاحب اس کی غیر حاضری کی وجہ بتا کر اسے اپنی پرسنل سیکرٹری کی پیش کش کرتے ہیں جس پر شرمین غصہ سے انہیں سناتی ہوئی وہاں سے چلی جاتی ہے۔

ذیبا کو اپنے امداد ہونے والی تبدیلی خوش آسند لگ رہی ہے۔ وہ سوچ رہی ہے کہ اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ صفدر ذیبا کو اپنے گھر میں رہنے کے لیے اس کے سامنے شرط رکھ دیتا ہے۔

زینت آرا شرمین کو لے کر اپنے گھر آ جاتی ہیں اور اب وہ چاہتی ہیں کہ شرمین ہمیشہ وہیں رہے جبکہ وہ بوی کو



بھی سمجھا کر دیکھ چکی ہیں لیکن اب زینت آ پامتا کے ہاتھ مجبور ہو کر شرمین کو بولی کا ساتھ قبول کرنے کے لیے دل میں دعا کر رہی ہیں۔

بولی بھی شرمین کے اپنے گھر آنے پر خوش ہے اور اس سے جلد واپس آنے کا وعدہ کرتا ہے۔ وہ اب تک شرمین کو نہیں بھولا تھا شرمین بولی کے گھر آ کر پریشان ہے جبکہ زینت آ پامتا نے اپنا بزنس بھی شرمین کے حوالے کر دیا ہے۔ زینا صفدر کی شرط مانتے ہوئے گھر چھوڑ دیتی ہے اور اتفاق سے اس کی ملاقات اپنی سہیلی سے ہوتی ہے جو ایک عرصہ سعودی عرب رہنے کے بعد اب طلاق لے کر واپس آ گئی ہے۔

صفدر عارض کو کچھ حد تک زینا کی بے وفائی کا مانتا ہے تو وہ بھی ششدر رہ جاتا ہے اور صفدر کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ زینا کو طلاق دے۔ لیکن وہ اپنی ماں کی خراب طبیعت کا مانتا کر اپنی معذوری ظاہر کرتا ہے۔ خنمی صفدر سے فون پر رابطہ کے بعد اس سے ملتی ہے اور اپنی طرف سے اسے سمجھانے کی کوشش کرتی ہے کہ وہ زینا کو معاف کر کے اسے اپنا لے لے مگر صفدر اپنی خند پر اڑ رہا ہے۔ جس پر خنمی کو مایوسی ہوتی ہے۔

شرمین زینت آ پامتا کی میڈیسن لے کر واپس گاڑی کی طرف بڑبڑ رہی ہوتی ہے جب اس کا سامنا ایک بار پھر مرزا صاحب سے ہوتا ہے۔ شرمین انہیں دیکھ کر ناگواری کا اظہار کرتی ہے جس پر مرزا صاحب اپنی بیوی کی موت اور ایک بچی کی پیدائش کا مانتا کر اسے پرہیز کرتے ہیں شرمین غصہ سے انہیں مزید سناتی ہوئی گاڑی میں بیٹھ جاتی ہے۔

صفدر زینا کو لینے اس کے گھر آتا ہے لیکن زینا اس کی شرط ماننے سے انکار کرتے ہوئے گھر جانے سے بھی انکار کر دیتی ہے جس پر صفدر غصہ سے اسے سناتا ہوا گھر سے نکل جاتا ہے اس سے زینا کی پرہیز برداشت نہیں ہو رہی لیکن ساتھ ہی اسے یہ زخمی ہے کہ کہیں زینا جہاں آرا کو خود کھانا دے بولی بھی امریکہ سے واپس آ جاتا ہے شرمین اس کو دیکھ کر حیران ہوتی ہے اس کے لیے بولی کا انداز نیا نہیں ہے زینت آ پامتا کی خوشی بھی دیدنی ہے۔ وہ بولی کو سمجھاتی ہے کہ جو بات شرمین کو پسند نہیں اس سے گریز کرے۔

عارض ڈاکٹر کو چیک کرانے کے بعد گھر واپس پر ایک صاحب کو اپنی گاڑی میں لٹا دیتا ہے وہ صاحب گاڑی میں والٹ بھول جاتے ہیں گھر آنے پر منیجر معید الرحمان والٹ عارض کو دیتا ہے۔ عارض والٹ کو ایک نظر دیکھتا ہے تو چونک جاتا ہے اس میں شرمین کی تصویر موجود ہے عارض ناچاہتے ہوئے والٹ کی تلاش لیتا ہے ایک کارڈ ہاتھ لگتا ہے جس پر منیجر احمد کا نام لکھا ہے۔

جہاں آرا خود زینا کو لینے اس کے گھر جاتی ہیں اور زینا کی ماں (حاجہ) انہیں زینا کی خراب طبیعت کا مانتا کر انہیں خوشخبری سناتی ہیں جہاں آرا بیگم خوش ہونے کے ساتھ صفدر پر حیران بھی ہوتی ہیں کہ اس نے ابھی تک انہیں کیوں نہیں بتایا گھر آ کر وہ صفدر سے سنائی منگوائی ہیں جس پر وہ حیران ہو جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



میڈیسن کھانے کے بعد اس نے عجیب سی نظروں سے خنمی کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ رقصاں خوشی کے ہمراہ طلال کے سائے بھی لرزاں تھے۔ یہ نوید حیات جاوداں تھی کہ وہ بیٹے کی ماں بنے گی تو یہ احساس خزن بھی کچھ کے انکار ہا تھا کہ جس کو باپ اپنانے سے انکاری ہو اس کی کیا خوشی؟

”کیوں افسردہ ہو؟“ خنمی نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے دھیرے سے پوچھا۔  
”خیش، خوش ہوں۔“



”خوشی کے ساتھ دکھ بھی نظر آ رہا ہے۔“

”وہ تو ہمیشہ رہے گا۔“

”منشی نہ سوچو، میں نے فون تو کیا ہے صفر بھائی کو۔“

”کیا کہا؟“

”فی الحال تو یاد باغصہ ہی تھا فون کاٹ دیا۔“

”پھر..... پھر تمہیں کیا امید رکھنی چاہیے؟“ زبیا نے دکھ سے ہنستے ہوئے کہا۔

”امید تو اچھی رکھنی چاہیے بیٹے کی خوش خبری پر ان کا دل بوجھنا تو چاہیے۔“

”مگر میں صفر کو جان گئی ہوں وہ دل کے ساتھ ہیں مگر اپنی انا کی خاطر ایسا رد عمل ظاہر کر رہے ہیں۔“

”کچھ بھی کہو، کان کو ادھر سے پکڑ دیا ادھر سے۔“

”ہنہ..... مجھے مشکل لگتا ہے۔“

”اچھا خیر، مت ٹینشن لو سب اچھا ہوگا۔“

”ہو گیا نہیں، میرا تو بیٹا ہی ان شام اللہ میرا سب کچھ ہوگا۔“ وہ ایک دم سرور سے ہو کر مسکرانے لگی۔

”ہنہ، گڈ اور دیکھنا وہ ایک روز اپنے بیٹے کی محبت میں کھینچے چلتے آئیں گے۔“ منشی نے اٹھنا ہی دھوک اور یقینی انداز

میں کہا تو وہ کافی مطمئن سی ہو گئی۔

”سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ اس اطلاع پر کیسا رد عمل اختیار کرتے ہیں یا تو آئیں گے یا نہیں، آئیں گے تو صلح

پسندی کا راستہ اختیار کریں گے یا اسی طرح خفا ہوں گے۔ مگر یاد رکھنا اب جو بھی بات کہنا سوچ سمجھ کر کرنا قطعاً کمزور

پڑنے کی ضرورت نہیں۔“ منشی نے سمجھایا اس نے تائید میں گردن ہلائی، لیکن اس میں بہت گہری سوچ موجود تھی۔ وہ

چپ رہی تو منشی نے ہی کہا۔

”دیکھو، اچھی طرح سوچ لو، تم انہیں یہ کہہ کر دیکھ لو کہ اپنے بیٹے کو ہی تسلیم کر لو، زمانے کا خیال کر لو، بیٹا تو

تمہارا بیٹا ہوگا۔“

”منشی، میرا دماغ خراب نہیں ہے میں ہرگز اس سے یہ بھیک نہیں مانگوں گی۔“ وہ بہت سخت لہجے میں بولی تو منشی

خاموشی ہو گئی۔

”تم خود سوچو کیا یہ اس کے لیے نئی بات ہوگی۔ اسے بیٹے بیٹی سے فرق نہیں پڑتا جب کہہ دیا کہ یہ اولاد وہ تسلیم نہیں

کرتا تو بس پھر کیا گنجائش رہے گی؟ عورت اولاد کے احساس پر اپنا آپ ہار دیتی ہے۔ مرد نہیں، یہ مجھے اب اندازہ ہو رہا ہے

میں صفر سے کوئی خیرات نہیں مانگوں گی، مجھے اس سے خلع چاہیے، مجھے مزدوری بھی کرنی پڑی تو کروں گی۔“

”اللہ نہ کرے تم میرے موٹے کیسی باتیں کر رہی ہو؟“ منشی نے اسے گلے سے لگالیا۔

”تمہارا بڑا احسان ہے بلکہ تم تو شاید میری مددگار بن گئی ہو۔“

”اللہ مددگار ہے میں کیا اور میری ہستی کیا؟ بس اتنی سی فکر ہے کہ اماں اور بابا کے لیے میری وجہ سے پریشانیاں پیدا ہو گئی

ہیں۔“ اس کا گلہ اتر رہا تھا۔

”اللہ ان کے لیے بھی بہتری کا راستہ پیدا کرے گا۔ وہ تو تمہیں ہی قصور وار سمجھتی ہیں۔“

”ہاں، انہیں اور کچھ نہیں بتاؤہ معصوم ہیں انہیں جانتیں کہ ایک لڑکش سے کیسے قیامت پڑا ہوئی۔“

”اللہ عافیت کرے اس مردار کو۔“ منشی کی نگاہوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں۔



”اس کو اللہ کبھی معاف نہیں کرے گا۔“  
 ”بے شک شاید مر کھپ بھی گیا ہو۔“  
 ”اللہ مجھے اس بے غیرت کی صورت کبھی نہ دکھائے۔“  
 ”چلو ٹینشن نہ لو، میں تمہارے لیے بخنی بناتی ہوں پھر تمہیں لگائیں گے۔“ ننھی نے اس کے موڈ کو بحال کرنے کے لیے کہا اور اٹھ کر باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔



خوشگوار موسم کے پیش نظر آغا جی نے شرمین اور صفدر کے لیے چائے کا انتظام لان میں ہی کر دیا بہت سی چیزیں خانساماں نے کچھ ہی دیر میں تیار کر کے ٹرائی بھجوا دی تھی۔  
 ”ننھی، کھاؤ، سب کچھ کھاتا ہے۔“ بابا نے شرمین اور صفدر کو کہا تو شرمین نے مسکرا کر پلیٹ تھام لی کہاب، فٹ، بکلیس پلیٹ میں ڈالنے کے بعد کہا۔  
 ”بابا مجھے تو بہت ہموک لگی ہے آفس سے سیدھے آپ کے پاس آئے ہیں۔ صفدر بھائی کو بھی کوئی مسئلہ درپیش ہے آپ سے شیئر کریں گے۔“  
 ”ہاں..... ہاں کیوں نہیں؟“ بابا نے الجھن میں گرفتار صفدر سے کہا۔ مگر وہ شاید ان سے شیئر کرنے کا ارادہ بدل چکا تھا اس لیے پکڑا کھاتے ہوئے بولا۔

”ارے کوئی خاص بات نہیں تھی۔ بس عارض کی طرف سے ٹینشن سی ہے۔“  
 ”وہ کیا؟“ وہ ہنسنے سے بولے۔

”کوئی رابطہ نہیں، شرمین سے بھی بات نہیں کرتا۔“

”اچھا میں پوچھوں گا بلکہ میں نے کچھ دیر پہلے اسے میسج کیا ہے کہ آج میری بہو لہرا رہی ہے۔“

”کوئی خاص مصروفیت ہوگی۔“ شرمین نے ٹالا۔

”ہاں شاید مگر پھر بھی۔“ آغا جی بھی فکر مند سے ہو گئے۔

”چھوڑیں میں خود اس سے نیٹ لوں گا۔“ وہ چائے کی چسکی لیتے ہوئے بولا۔

”بابا، عارض کو کوئی مسئلہ ضرور ہے۔“ اس کا دل ششی میں لے کر عارض نے بند کر رکھا تھا ذرا سا موقع پا کر

دل کی بات کہہ دی۔

”بظاہر تو ایسا نہیں لگتا لیکن شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہو، عارض نے بے پروائی تو اختیار کر رکھی ہے فیجر نے بتایا ہے کہ کھانے پینے، سونے جاگنے میں بہت غیر معمولی رویہ اختیار کر لیا ہے۔ میں خود بھی پریشان ہوں لیکن ان شاء اللہ سب بہتر ہوگا۔“ بابا نے اس کی تسلی کی خاطر تفصیل بیان کی۔

”واہ، مزہ آ گیا بہت مزے کے کباب تھے اور چائے بھی میری پسند کی بنائی تھی۔“ شرمین نے بابا کی پریشانی دور کرنے کے لیے گفٹوں کا موضوع بدلا۔

”عارض کی پیدائش کے وقت سے آج تک خانساماں کے رحم و کرم پر ہیں اب تم آ جاؤ گی تو کھانے کا اصل لطف آیا کرے گا۔“

”بس اب آپ عارض کو بختی ستا نے کا کہہ دیں۔“ صفدر نے نکلا لگایا۔

”کہوں گا..... مگر جوان اولاد کتنا دی کیا کہہ سکتا ہے؟“



”بابا آپ عارض کو تختی سے کہہ بھی نہیں سکتے۔“ شرمین نے کہا وہ جانتی تھی کہ عارض سے وہ کتنی محبت کرتے ہیں۔  
”ٹھیک کہتی ہو اس میں تو میری ہان ہے۔“

”بہر حال، شرمین کی وجہ سے تو اسے آنا چاہیے۔“ صفدر نے کہا۔  
”ہاں، بالکل مجھے گھر کا سناٹا کھانے کو دوڑتا ہے۔ بچوں کی قلعاریاں سننے کو بے تاب ہوں۔“ صفدر ان کے اس جملے پر پہلو بدل کر رہ گیا۔ اس کے کانوں میں امی کی آواز آنے لگی۔

وہ بھی تو اتنی ہی بے قرار ہیں اور پھر ان کی تو اللہ نے گویا سن بھی لی ہے۔ ایک میں ہی اس خوشی سے انہیں محروم رکھنا چاہتا ہوں۔ اگر انہیں پتا چل جائے کہ ذرا امید سے ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ الٹرا سائوڈر پورڈ کے مطابق ان کا پوتا ہے تو وہ خوشی سے اچھل پڑیں گی اور ایک سیکنڈ بھی زبیا کو نگاہوں سے دور نہ کریں۔ مگر میں، میں ایسا نہیں کر سکتا۔“

”صفدر کیا سوچنے لگے؟“ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ اور سوچتا بابا نے چونکا دیا۔  
”جی وہ کچھ نہیں بس اب اجازت دیجیے۔“ صفدر نے خفت سے منہ کر کہا۔

”جی بابا بس اب اجازت دیں۔“ شرمین بھی بولی۔

”رات ہمیں رہ جاؤ۔“ بابا نے شرمین سے کہا۔

”نہیں بابا، زینت پانکر مندھوں گی اور ان کی میڈیسن میں ہی دیتی ہوں۔“ اس نے صفدر کی انداز میں کہا۔  
”ٹھیک ہے، خوش رہو۔“

”لوگے، اللہ حافظ۔“

”اللہ حافظ۔“

گاڑی گیٹ سے باہر نکالتے ہوئے شرمین نے کھڑکی سے منہ باہر نکال کر صفدر سے پوچھا۔

”آپ تو کچھ بابا سے شیئر کرنے والے تھے۔“

”ہنہہ، لیکن پریشانی اپنے تک ہی رکھنی چاہیے۔“ وہ بھی اپنی گاڑی نکالتے ہوئے با آواز بلند بولا۔

”اس کا مطلب آپ پریشان ہیں۔“

”ہنہہ، شاید۔“

”مجھ سے شیئر کریں۔“

”کریں گے، لیکن اس وقت نہیں دیر ہو رہی ہے۔“ صفدر نے کہا اور گاڑی نکال لے گیا۔ وہ بھی کچھ سوچتے ہوئے

اپنے رستے پر چل دی۔



کیمرہ میں گاڑی کھڑی تھی کی تھی کہ بوٹی پوری تیاری کے ساتھ اپنی گاڑی کی چابی گھما رہا تھا۔ اس کے سامنے کھڑا ہوا وہ کچھ حیران پریشان سی اپنی گاڑی سے باہر نکلی تو وہ بولا۔

”یہ قطعاً نہیں کہنا کہ تھک گئی ہوں۔“

”مطلب؟“ وہ اس کی نقالی پر مسکرائی۔

”مطلب یہ کہ ہم باہر جا رہے ہیں کچھ ضروری چیزیں خریدنی ہیں اور پھر چائیںز۔“ اس نے اپنی ترنگ میں کہا اور اس کا

ہاتھ تھام لیا۔

”بوٹی، میں سچ سچ بہت تھکی ہوئی ہوں اور کچھ بھی کھانے کی گنجائش نہیں ہے۔“ اس نے دھیرے سے ہاتھ



چھڑایا اور بولی۔  
 ”ایسا کیا کھالیا کہاں گئی تھیں؟“ وہ پوچھ بیٹھا۔  
 ”کسی سے ملنا تھا بس وہاں چائے کے ساتھ بہت کچھ کھالیا۔“  
 ”کس سے ملنا تھا؟“ بوبی نے ناگواری سے پوچھا۔  
 ”بوبی کھل از دس کہ میں بہت تھکی ہوئی ہوں اور آ رام کرنا چاہتی ہوں۔“ وہ آگے بڑھتے ہوئے بولی تو وہ ہتھ سے اکھڑ گیا۔

”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ساری شام میں نے انتظار کیا ہے تمہیں ساتھ چلنا ہے۔“  
 ”بوبی پلیز۔“

”نہیں میں پروگرام نہیں بدل سکتا۔“ وہ اڑ گیا۔

”مجھے نہ سنتا پا کو دیکھنا ہے۔“

”وہ ٹھیک ہیں، سو رہی ہیں۔“

”بوبی، ہر ضد پوری نہیں کی جاسکتی۔“

”اور میں ہر ضد پوری کرنے کا عادی ہوں۔“

”بوبی، کیا بد تمیزی ہے۔“ اسے غصا گیا۔

”مجبوری ہے اسی بد تمیزی کے ساتھ عمر بھر رہنا ہے۔“ بوبی نے غیر دانستہ انداز میں کہہ دیا تو وہ چڑھ گئی۔

”بوبی میرے ساتھ جانا ہے تو بد تمیزی سے اجتناب کیا کرو۔“

”شرمین کبھی خود کو فرصت سے دیکھنا پھر میری بات بد تمیزی نہیں لگے گی۔“ وہ اس کی ستارہ نما آنکھوں میں جھانکتے ہوئے عالم جذب میں بولا تو وہ اور زیادہ جھنجھلا گئی۔

”بوبی نہ سنتا یا کو کبھی ساتھ لے چلتے۔“

”وہ پرہیزی کھانا کھاتی ہیں بھآ رام ہوتیں اس لیے میں نے مناسب نہیں سمجھا۔“ گاڑی اشارت کرتے ہوئے اس نے بتایا۔

”مگر میں انہیں ملے بغیر نہیں جاتی۔“ اس نے بھی اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”واپسی پر مل لینے۔“

”باہر رہنے سے تم کافی بے پروا ہو گئے ہو۔“

”وہاں ماحول ہی ایسا ہے کہ آدمی کھو جاتا ہے۔“

”بس پلیز شمس کراس نہیں کرنی۔“ اس نے ٹوکا۔

”شرمین، میری خوشی تم ہوتی ہو تم مجھے خوش دیکھنا کیوں نہیں چاہتیں۔“

”بوبی! تم کیسے یہ کہہ سکتے ہو؟ تم مجھے جس حیثیت اور مقام پر عزیز ہو، اس پر تم رہنا پسند نہیں کرتے، تمہیں یہ سمجھانا

مشکل ہے کہ میری زندگی کس قدر تلخ ہے۔ وہ کہتے ہیں تاکہ

تلخ اتنی تھی کہ پینے سے زبان چلتی تھی

زندگی آنکھ کے پانی میں ملا لی، ہم نے

اس نے کچھ عجب سے انداز میں حال دل بیان کیا تو وہ خود پر کنٹرول نہ کر سکا۔ ٹھکے سے گاڑی روکی اور بولا۔



”شرین میری زندگی تو تم ہو میرے اندر جھانک کر دیکھو میں کیا بنا سکتا ہوں تمہاری زندگی کو۔“ وہ کچھ دکھ سے مسکرائی اور بولی۔

”گازی چلاؤ ننھے سے ذہن پر بوجھ نہ ڈالو۔“  
 ”کبھی تو مجھے بڑا سمجھوں میں جنون کی حد تک محبت کرتا ہوں۔“ وہ چلایا۔  
 ”گازی چلاؤ ورنہ میں یہاں اتر رہی ہوں۔“ وہ سخت غصے میں آ گئی۔  
 ”میری بات کا جواب دو۔“ اس نے ہاتھ بڑھا کر کلائی سختی سے تھام کر کہا تو وہ لمبی سانس بھر کر بولی۔  
 ”بونی تجھ میں ایسے نہیں ہوتیں مجھے معلوم ہے محبت کرنے والوں کی حقیقت۔“  
 ”غلط فلسفہ ہے تمہارا۔“

”ابھی چلو پھر بات کریں گے۔“ اس نے دھیرے سے کہا اور کلائی آزاد کرنا باہر دیکھنے لگی، اس نے گازی اشارت کی۔



اپنی چابی سے باہر۔ سے گیٹ کھول کر گازی اندر لایا۔  
 گیٹ لاک کیا برآمدے کا انرجی سیورجل رہا تھا۔ امی کے کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔ وہ ٹھٹھا، ایسا کبھی پہلے نہیں ہوا تھا امی اس کی آمد تک اپنے کمرے کی لائٹ جلا کر اس کا انتظار کرتی تھیں۔ صبح پڑھتے ہوئے اس کی آمد کی خبر رہتی تھیں پھر آج کیا بات ہوگئی؟ وہ فکر مند سا لڑک کر کمرے میں داخل ہوا۔ لائٹ آن کی تو وہ بستر میں تھیں چہرہ سرخ تھا ہلکی سی آنکھیں کھلیں اور پھر بوجھل ہو کر بند ہو گئیں۔

”امی..... امی.....“ اس نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا تو دوبارہ آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کی اس نے پیشانی چھوئی تو وہ گویا دھک رہی تھی۔

”امی آپ کو تو بہت تیز بخار ہے۔“

”ہنہ؟“ وہ بڑبڑائیں۔

”اوه میرے خدا، امی آپ مجھے فون کرو نہیں۔“ وہ تڑپ اٹھا تھا انہوں نے کچھ نفرت سے دیکھا اور گردن دوسری طرف موڑ لی۔

”امی، ناراض ہیں؟“ وہ اور بے قرار ہو کر ان سے لپٹ گیا۔

”دور..... دور ہو جاؤ۔“ وہ بمشکل بولیں۔

”وجہ..... امی پلیز آپ کو مجھے فون کرنا چاہیے تھا۔“

”جاؤ تا فرمان اولاد سے کچھ نہیں کہنا، جاؤ۔“ جہاں آرا بیگم سخت غصے میں تھیں صندریہ سمجھ گیا کہ مٹھائی نہ لانے پر ناراض ہیں۔

”امی، صبح مٹھائی لے آؤں گا۔“

”مٹھائی نہ لانا ماں کا کفن لانا، میں نے تا فرمانی کے لیے پالا پوسا تھا۔“ بخار کی شدت کے باوجود وہ کمرخت لیجے میں بولیں۔

”اللہ نہ کرے آپ کو میری عمر بھی لگ جائے۔“ وہ دیوانہ وار ان کا چہرہ چومنے لگا۔

”صندریہ جاؤ یہاں سے بس۔“



”امی، مجھے معاف کر دیں میں بھول گیا تھا آپ کو میڈیسن دیتا ہوں کچھ کھایا بھی نہیں ہوگا، شش لانا ہوں۔“  
 ”نہیں، ہرگز نہیں کچھ نہیں کھانا تم اپنی ضد پوری کرو میری بہادر بچے کی خوشی سے مجھے عمر دہر کا ہو۔“  
 ”آپ کو کس نے یہ بتایا؟“ وہ حیرت سے بولا۔

”کیوں، کیا مجھے نہیں بتانا چاہیے تھا۔“ وہ اور غصے سے بولیں۔  
 ”میرا مطلب تھا۔“ وہ ہٹلایا۔

”دیکھو، صغیر مجھے راضی رکھنا چاہتے ہو اپنے حق میں خوش رکھنا چاہتے ہو تو میری بہو کو لے، وہ امید سے ہے۔“ وہ بولتے ہوئے لے معصومیت سے مسکرا دیں اسے جھٹکا لگا۔  
 ”مطلب، ہر بیانے امی کو بتا دیا سب۔“ وہ سوچنے لگا۔

”کیا سوچ رہے ہو؟“

”جی، سوچتا ہوں۔“

”مطلب؟“

”آپ کے لیے دودھ گرم کر کے لانا ہوں۔“ اس نے ٹالا۔  
 ”پہلے بتاؤ۔“

”یہاں نے کہا بتاؤ آپ کو۔“ وہ تجوید بد بے غصے کے ساتھ بولا۔  
 ”تمہاری سانس نے بتایا، میں نہ جانتی تو ہرگز نہ بتاتے۔“

”اچھا تو آپ وہاں گئی تھیں۔“

”ظاہر ہے مٹھائی اسی لیے منگوائی تھی۔“

”اچھا، میں دودھ لے کر لانا ہوں آپ میڈیسن لے کر دو جائیں بخار اترے گا تو مٹھیاں بات کر لیں گے۔“ وہ ان کا جواب لیے بغیر باہر نکل آیا وہ بخار کی شدت سے بو جھل نکھیں بند کر کے پھر دنیا دانیہا سے بے خبر ہو گئیں۔

﴿.....﴾

نیند آنکھوں میں مسلط نہیں ہونے دیتا

وہ میرا خواب مکمل نہیں ہونے دیتا

آنکھ کے شیش محل سے وہ کسی بھی لمحے

اپنی تصویر کو لو جھل نہیں ہونے دیتا

رابطہ بھی نہیں رکھتا ہے سر وصل کوئی

اور تعلق بھی معطل نہیں ہونے دیتا

دل تو کہتا ہے ہا۔ سے نوٹ کتنا نہیں

سیدلا سر مجھے باطل نہیں ہونے دیتا

سر کے بال مٹھیوں میں سختی سے جکڑے وہ مجذوبانہ کیفیت سے دو چار رات کے نیرے پہر تک جاگ رہا تھا۔  
 آنکھوں میں نیند کی بے وفائی کا سوگ بپا تھا۔ جسم درد کر رہا تھا۔ کانوں میں امی کے الفاظ کی گونج تھی۔ جس کا ڈر تھا وہی ہو گیا تھا۔ وہ جان چکی تھیں کہ دنیا امید سے ہے ان کی دیرینہ خواہش پوری ہو گئی تھی۔ پہلے انہیں اس کی شادی کی آرزو تھی اور پھر پوتے پوتی کی خواہش اپنی جگہ فطری اور سچی تھی۔ مگر وہ نہیں جانتی تھیں کہ اصل بات کیا ہے؟ اتنا بے درد اور سفاک تو



میں نہیں تھا کہ آپ کو اتنی بڑی خوشی سے محروم رکھتا۔ اب جبکہ مجھے معلوم ہے کہ میرا بیٹا ہے اس کی کوکھ میں ہے تو بھی میں مغموم ہوں ہے جس ہوں الا تعلق ہوں۔ چاہتے ہوئے بھی اس خوشی کو قبول نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنی اولاد کے لیے زیبا کی خطا معاف نہیں کی اور نہ ہی کر سکتا ہوں کیونکہ اس کا جرم بہت بڑا ہے۔ آپ کی ضد اور فرمان میرے سر آنکھوں پر گر میں کیسے خود کو سمجھاؤں؟“ وہ خود سے جنگ لڑ رہا تھا۔

”مغدر، تم اپنی بوڑھی ماں کی نافرمانی کیسے کر سکتے ہو ان کی کتنی زندگی بچی ہے؟ اگر انہیں کچھ ہو گیا تو کس سے معافی مانگو گے، ان کی خوشی کے لیے زیبا کو گھر لے آئے اسے ان کی خوشی میں پڑا رہنے دو تم کوئی تعلق نہ رکھنا۔ تمہاری ماں تو خوش رہیں گی۔ ان کی بات مانے بنا کوئی چارہ نہیں۔ ماں لو ان کی بات۔“ اسے چاروں طرف سے یہی سنائی دیا۔ مگر وہ ہونٹ چباتا رہا سر کے بالوں پر ستم ڈھا تا رہا۔ طبیعت مائل نہیں ہو رہی تھی۔ امی کی بات ماننے کا مطلب تھا زیبا کو گھر میں لانا اور بچے کو قبول کرنا اگر بچہ قبول کر لیا تو زیبا کو بھی رکھنا پڑے گا۔ ہرگز نہیں اس نے خلع مانا ہے بچے کے بعد اسے خلع دی جاسکتی ہے۔ اسے نکالنے سے کیا حاصل ہوگا؟ وہ بچہ ہی تو چھوڑنا نہیں چاہتی بچے کو دیکھ کر امی اسے نہیں چھوڑیں گی۔“

”اف میرے خدا میں پاگل ہو جاؤں گا۔“ وہ چلا اٹھا اور بے دم سا اونٹھے منہ پر گر گیا۔ ہنا کسی فیصلے کے بنا کسی نتیجے کے۔



دور سے فجر کی اذان سنائی دے رہی تھی۔ وہ گہری نیند میں تو گیا ہی نہیں تھا جلدی۔ ساتھ اٹھ اٹھیاں امی کی طرف گیا وہ جانے کیسی ہیں؟ یہ سوچ کر سیدھا ان کے کمرے میں آ گیا۔ وہ تخت پر جائے نماز سیدھی کر رہی تھیں۔

”امی۔“ اس نے محبت سے پکار کر اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ وہ گرم تھیں، سانس بھی حدت آمیز تھی۔ اس کی محبت پر انہوں نے اس کی پیشانی چومی۔

”اتنی صبح کیوں اٹھ گئے۔“

”آپ کی طبیعت کی وجہ سے اور فجر کا وقت بھی تو ہو گیا ہے۔“ اس نے انہیں آرام سے تخت پر بٹھایا۔

”بس مجھے رات بھر تو غنودگی سی تھی۔ مگر فجر کی اذان پر اللہ نے جگا دیا۔“

”آپ کو اس وقت بھی بخار ہے۔“

”اتر جائے گا جس مالک نے نہ زبانا سوئی آ زبانش سے ہا ہر نکالتا ہے۔“

”آپ نماز پڑھیں میں بھی پڑھ کر آپ کے لیے ناشتا بناتا ہوں۔“ وہ بولا مگر انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

”جی؟“ وہ کچھ نہ سمجھا۔

”پہلے یہ بتاؤ کہ میرا حکم مان رہے ہو کہ نہیں۔“

”کو..... کون سا حکم؟“ وہ ہکلا دیا۔

”جاؤ..... جو ماں سے رو رو کر سوہ میرے نزدیک بے ایمان ہے۔“ انہوں نے غصے سے کہا اور نماز کی نیت باندھ لی وہ شرمندہ سا کچھ دیر کھڑا رہا پھر اپنے کمرے کی طرف آ گیا۔

ماں کی ناراضی اپنی جگہ تھی رب کو راضی کرنے کے لیے نماز کی تیاری کی پھر صبح پانچ بجے اللہ کے حضور رو دیا گڑ گڑایا اور اللہ سے فیصلے کی رہنمائی منتظر رہا۔ جب جائے نماز سے اٹھا تو دل کو کچھ سکون تھا۔ قرار تھا کہ ماں کی حکم عدولی نہیں کرنی اور



باتیں بعد کی ہیں اللہ کو ممانا اور ماں کو ناراض رکھنا ممکن نہیں۔ اللہ تو ملتا ہی ماں کی دعا سے ہے اس وقت اس کے لیے اللہ اور ماں کو ناراضی رکھنا ضروری تھا۔ وہ فیصلہ کر کے کچن میں آیا چائے بنائی انڈے فرائی کیے سلاسن سینکنا۔ رانی کے پاس آ گیا وہ اب تسبیح پڑھ رہی تھیں۔

”صفدر مجھے کس رشتے سے یہ بتا کر دے رہا ہے ہو؟“ انہوں نے سختی سے پوچھا۔  
 ”اپنی ماں کو ایک بیٹا یہ بتائے گا کیا؟“ وہ مسکرایا۔

”میرا بیٹا اس وقت ہوگا جب میری بات مان لےگا۔“

”آپ کی بات تو میں جان قربان کر کے بھی پوری کروں مگر۔“

”یہ اگر مگر بتا ہے کیا ہوتا ہے دیوار کی چٹائی کرتے ہوئے رہ جانے والی درازیں، جو دیوار کی مضبوطی میں کمزوری پیدا کرتی ہیں۔“

”آپ کو کیسے یقین ہے کہ رشتے مضبوط ہیں؟“ اس نے ناشتہ ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

”کمزور تم نے ہمارے کمرے میں بیوی اور اپنے بچے سے وابستگی نہیں۔“ وہ سختی سے بولیں تو وہ بڑی ہمت کے ساتھ ضبط کر گیا کڑوا سچ نہ بتا سکا۔

”اچھا آپ ناشتہ کریں۔“

”کر لوں گی میرے ہاتھ پاؤں چلتے ہیں۔“

”اللہ آپ کو سلامت رکھے۔“

”جاؤ، جا کر ابھی زیبا کو لے کر آؤ۔“

”جی دن تو چڑھنے دیں آپ ناشتہ کریں گولی کھائیں۔“ وہ بولا۔

”نہیں پہلے ابھی جاؤ۔“ انہوں نے تحکم سے کہا تو اسے ماننا پڑا۔

”ٹھیک ہے پھر جلدی سے یہ ناشتا کریں دو کھائیں تو میں جاتا ہوں۔“ اس نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ وہ مطمئن ہوئیں خوشی سے چہرہ گل ہوا۔



اس کی غیر متوقع آمد غمی کے لیے حیران کن تھی۔

اسے لیے اندھا کی تو دوسرا حیرت کا لمحہ کا زیبا کے لیے تھا جس کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھا۔ بیڈ کی سائیڈ پر رکھ کر وہ اٹھی اور حیرت زدہ سی اس کے سپاٹ چہرے پر پھیلی غم غصے کی لکیریں دیکھنے لگی۔ پتلون کی بیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ درخ موڑ کر بولا۔

”کتنی معصوم دکھتی ہو مگر کس قدر چالاک ہو؟“

”آپ کو بڑی دیر میں ہاتھ چلا لوں آپ اب بتانے آئے ہیں۔“ زیبا کو بھی غصہ آ گیا۔

”صفدر یہائی پلیز آپ انہیں میں ناشتہ بناتی ہوں۔“ غمی نے گرما گرمی کم کرنے کے لیے کہا۔

”میں ناشتہ کر کے آتا ہوں۔“ وہ روکھا سا بولا۔

”اچھا میں چائے لاتی ہوں۔“ غمی چلی گئی تو وہ بولا۔

”چالاک نہ ہوتیں تو مجھ کو چھانستی کیا؟“ وہ زہر بھری مسکراہٹ سے بولا۔

”صفدر صاحب اگر انکارے برسانے تھے تو آنے کی ضرورت نہیں تھی۔“



”میں مجبور ہو کر بھیجا گیا ہوں۔“

”کیا مجبوری ہے۔“

”خیر..... میرے ساتھ چلو میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہوگا بچے کا فیصلہ بھی وقت کرے گا۔“ وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔

”مجھاب یہ کہنا پڑے گا خدا را مجھاپنے بچے کے ساتھ رہنے دیں۔“

”بند کرو یہ ڈرامہ، میری ماں کو بلیک میل کر کے اب یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔“ وہ رعونت سے بولا تو

زیبا بھڑک اٹھی۔

”میں نے آپ کی امی کو کچھ نہیں کہا وہ مجھے ملی تک نہیں۔“

”ہنہ..... ہر کیف تمہارا منصوبہ فی الحال کامیاب ہو گیا۔“

”افسوس کوئی باب اپنے بچے کو منصوبہ بھی کہہ سکتا ہے۔“

”افسوس تم جیسی عورت ایسا بھی کہہ سکتی ہے۔“ وہ پلٹ کر حملہ آور ہوا تو زیبا کی آنکھیں راڈ بڈا گئیں۔

”اس سے بہتر تھا آپ مجھے قابلِ رحم ہی نہ سمجھتے۔“

”کیا تمہیں رحم نہیں ملا؟“ اس نے پوچھا۔

”میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ماورجی ہے میرے پاس۔“ وہ فخریہ انداز میں بولی۔

”ہنہ یہ بھی میرا رحم ہے تم پر۔“

”رحم کرنے والی ذات اللہ کی ہے۔“ اس نے گویا یاد دلایا۔ تو کچھ دیر اس نے چپ رہ کر کہا۔

”اب چلو سامان اٹھاؤ مجھے آفس بھی جانا ہے۔“

”جائے گا مگر.....“ ننھی نے آ کر کہا۔

”شکریہ مجھے جلدی ہے۔“

”صفدر بھائی پلیز بیٹھیں تو اوڑا آپ کو بیٹے کی ایڈوائس مبارک باد دیتی ہے۔“

”مہربانی سہیلی کو دیں مجھے اجازت دیں بس۔“ وہ یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

”ننھی کیا کروں؟“ زیبا نے پریشانی سے پوچھا۔

”فورا جاؤ آگے بھی اچھے کی امید رکھو۔“

”یہ شخص مجھے پتھر مار مار کر لہو لہان کر رہا ہے گا۔“

”کچھ بھی ہو تم اچھائی کی امید اللہ سے رکھو، اب جاؤ سامان میں پہنچا دوں گی۔“ ننھی نے اسے گلے سے لگا کر

دھیرے سے کہا تو وہ رو دی۔

”ننھی میرا دل نہیں مان رہا۔“

”پلیز اب جاؤ صفدر بھائی خود لینے جائے ہیں ناراض ہوں گے۔“

”وہ صرف اپنی امی کی وجہ سے آئے ہیں۔“

”کچھ بھی سہی۔ وہ تمہارے لیے سہارا ثابت ہوں گی۔ اب تم اللہ پر بھروسہ کر کے جاؤ۔“ ننھی نے اسے ہینڈ

بیگ، میڈیسن وغیرہ دیتے ہوئے سمجھایا وہ دل کڑا کر کے کمرے سے نکلی وہ بے دردی سے سگریٹ پھونک رہا تھا

اسے دیکھ کر ننھی سے بولا۔

”اگر غم میں ہو تو بیٹھی رہو، سمجھاؤں گا میں امی کو۔“



”صنوبر بھائی زیبا کی میڈیسن نہیں مل رہی تھیں۔“ ننھی نے لقمہ دیا۔  
 ”پہلے یہ بتا دیں کدھکدے کر کب نکالیں گے؟“  
 ”جلد بہت جلد۔“

”تو پھر پڑا رہے دیں مجھے یہیں۔“  
 ”مرضی ہے۔“ وہ یہ کہہ کر لمحہ بھی نہیں رکا۔ تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔ ننھی پیچھے دوڑی۔ مگر وہ رکا نہیں۔  
 ”اوہ زیبا نہیں کہتا تھا ایسا کچھ۔“  
 ”ننھی جانے دو مجھے نہیں جانا بس۔“ زیبا غصے سے کہہ کر واپس کمرے میں گھس گئی۔  
 وہ اس قدر بھٹایا ہوا تھا کہ جہاں آرائیسم سمیت شرمین نے بھی حیرت سے اسے دیکھا وہ کچھ متاثر بھی ہوا لیکن پھر بھی  
 چہرہ نماز تھا دلی کیفیت کا۔

”پھر اکیلے چلتے؟“ جہاں آرائیسم پھٹ پڑی۔  
 ”اس کے پاؤں پڑ جاتا۔“ وہ پانی کا گلاس بھر کر غنا غٹ پی گیا۔  
 ”تمہارا مسئلہ کیا ہے؟“ جہاں آرائیسم کو صدمہ درجہ غصا گیا۔  
 ”آئی پلیر آپ کی طبیعت خراب ہے غصہ نہ کریں۔“ شرمین نے جلدی سے مداخلت کی۔  
 ”سوری شرمین بہن۔“ صنوبر شرمینگی سے کہہ کر بیٹھ گیا۔  
 ”صنوبر مجھے تمہاری مافرمائی کی توقع نہیں تھی۔“ جہاں آرائیہ کہہ کر رخ موڑ کر لیٹ گئیں۔  
 ”امی وہ نہیں آئی آپ جا کر لے آئیے گا۔“ صنوبر نے نرمی سے کہا۔  
 ”بھائی کیوں ناراض ہیں، مسئلہ کیا ہے؟“ شرمین نے پوچھا۔  
 ”کچھ نہیں وہ یہاں رہنا نہیں چاہتی اور میں رکھنا نہیں چاہتا۔“ وہ دھیرے سے بولا۔  
 ”یہ کیا بات ہوئی؟“ شرمین نے حیرت سے پوچھا۔  
 ”چھوڑیں لمبی داستان سنا آپ سنائیں کیسے آتا ہوا؟“  
 ”صنوبر بھائی میں عارض کے لیے فکر مند ہوں۔“  
 ”خیریت؟“

”رابطہ نہیں اور میرے حالات کچھ بدل رہے ہیں میں عارض سے بات کرنا چاہتی ہوں۔“ وہ بولی۔  
 ”تو ابھی بات کر لیتے ہیں۔“ وہ بات کرنے کی غرض سے اٹھ کھڑا ہوا۔  
 ”آپ کیجیے میرا پیغام۔“ وہ بولی۔  
 ”میں بات کر کے آتا ہوں آپ بیٹھیں۔“ وہ علیحدگی میں بات کرنے کی غرض سے باہر چلا گیا تو جہاں  
 آرائیسم بولیں۔

”شرمین میں کچھ کھانے کے لیے لاتی ہوں۔“  
 ”ارے نہیں..... نہیں میں آفس میں لےج کر سکتی ہوں۔“  
 ”بہو کولا تا نہیں میں پیار نہ بنے لگی ہوں۔“ وہ بولیں۔  
 ”آپ خود چل کر بات کریں۔“

”اب ایسا ہی کروں گی ویسے میں زیبا کی امی کو تاکید کرتی تھی کہ اسے لے آؤ۔“



”چلیں کوئی بات نہیں آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں؟ جائیں گی۔“ اس نے تسلی دی۔  
 ”صفر کی مرضی نہیں ہے میں جانتی ہوں۔“  
 ”وہ بھلا کیوں ایسا چاہیں گے۔“

”پتا نہیں اب دیکھو یا امید سے ہمارے گھر میں ہونا چاہیے مگر یہ سنتا ہی نہیں۔“  
 ”واہ..... ماشاء اللہ پھر تو بہت بہت مبارک ہوا آپ کو۔“ شرمین نے خوشی سے کہا کمرے میں داخل ہوتے صفر نے

سن کر پوچھا۔  
 ”کس بات کی مبارکباد۔“  
 ”صفر بھائی، لہذا حضور بننے کی۔“ شرمین نے شرارت سے کہا۔  
 ”اوہ..... اچھا امی سے صبر نہیں ہوا۔“ وہ سنجیدہ ہو گیا۔  
 ”اس میں صبر کی کیا بات ہے؟“ امی چڑھ گئیں۔  
 ”خیر شرمین، بہن، وہ عارض نے فون تو اٹینڈ کیا ہے مگر وہ مصروف تھا۔ رات میں تفصیل سے بات ہوگی۔“ وہ کچھ بات  
 نبھانے کے سانداز میں بولا۔

”ایسی بھی کیا مصروفیت؟“ اس نے گلہ کیا۔  
 ”وہ خود بات کر رہے گا تم سے، میں نے سمجھایا ہے۔“  
 ”عارض ایسا کیوں کر رہا ہے؟“  
 ”صفر کے دوست سے ایسی توقع ہی رکھو۔“ امی نے لکڑا لگایا۔  
 ”امی کوئی پراہم ہوگی اسے آپ ٹیکسٹ کیوں سوچنے لگی ہیں؟“  
 ”ٹھیک ہے مجھے اجازت دیں۔“ شرمین نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔  
 ”وہ بات کرے تو سب پوچھ لیجیے گا۔“ صفر نے دھیرے سے کہا وہ کچھ نہ سمجھی۔  
 ”اگر نہ کیا تو۔“

”تو آپ کر لیجیے گا بلکہ ضرور کیجیے گا۔“  
 ”کوئی مسئلہ نہ رہا ہے۔“ وہ کچھ خدشات کے پیش نظر بولی۔  
 ”کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں خود الجھ گیا ہوں۔“ صفر نے بہت آہستگی سے کہا۔  
 ”مجھے محسوس ہو رہا ہے۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔  
 ”اللہ کار ساز ہے کیوں؟“ اس نے پوچھا۔  
 ”خیر آپ نے نئی نئی خواہش کا خیال کریں۔“  
 ”میں اسی خیال کی وجہ سے اس کے پاس گیا تھا۔“  
 ”آپ نے نئی کو لے جایں۔“

”ٹھیک ہے آپ اپنا خیال رکھیے گا۔“ صفر نے باہر چلتے ہوئے کہا۔ شرمین نے کہا: ”ہاں! راتیکم کا ہاتھ تھام کر چلو، خدا حافظ کہا کر باہر نکل آؤ۔“



مسلسل چار پارچے پیل جانے کے بعد عارض نے فون ریسیو کیا۔



”یار حد کردی تم نے مجھے کتنے بہانے بنا کر شرمین بہن کو بھیجنا پڑا کچھ احساس بھی ہے تم کو۔“ صفدر فون ریسو کرتے ہی اس پر برس پڑا۔  
”سوری۔“

”سوری، فاروہاٹ ایک معصوم لڑکی سے جھوٹ بولنے پر۔“ صفدر مزید تاؤ کھا گیا۔  
”جھوٹ نہیں مجبوری اور مصلحت۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔  
”کیسی مجبوری اور مصلحت؟ اب مجھے تفصیل سے بتاؤ بات کیا ہے؟“ صفدر نے پوچھ۔  
”بتایا تو ہے کہانی ختم ہو گئی بس۔“

”کہانی، مطلب ایک لڑکی سے عہد و پیمان باغداد کر ملک سے باہر جاؤ اور کہانی ختم کرو اتنا آسان دستور بنایا ہے تم نے۔“  
”میں نے کچھ نہیں بنایا میں اس پر مسلط تھا وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی سو میں نے فیصلہ کر لیا کہ کہانی ختم کر دی جائے۔“ عارض نے آہستہ آہستہ بات کی۔

”عارض یہ کیسا بہتان ہے..... اس پر یہ ظلم کیوں کر رہے ہو؟“  
”کیسا بہتان، یہ سچ ہے اسے کسی اور سے محبت ہے۔“  
”بی غلط ہے تم اس سے بات کرو مجھ میں تو ہمت ہی نہیں ہے۔“  
”صفدر پلیز میں نے کہا ہے ناں کہ اسے میرا بیٹا ہو۔“  
”نہیں پلیز آج رات وہ فون کا انتظار کرے گی اس سے بات کرنا اور پلیز اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرو اسے یہ صدمہ نہ دو تم نے محبت کی بھی فطرت نہیں۔“ صفدر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔  
”میں نے محبت کی ہے یہ محبت ہی ہے کہ اسے کسی اور سے محبت کے لیے آزاد کر دیا ہے۔“ عارض نے ایک طویل سانس بھرنے کے بعد بات مکمل کی۔

”تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔“ صفدر نے کہا۔  
”میں اس سے بات کر لوں گا، خود کہہ دوں گا۔“  
”کیا؟“ صفدر نے دکھ سے پوچھا۔  
”میں کہہ دوں گا جو کہنا ہوگا۔“ عارض نے کہا۔  
”عارض تم ٹھیک نہیں کر رہے، ایسا کیا کہو گے؟“  
”جرح نہ کرو بس میں خود اسے سمجھا دوں گا وہ جس سے محبت کرے اس کے ساتھ خوش رہے۔“  
”تمہاری محبت یہی تھی کہ بیچ سفر میں دھوکہ دو تمہاری عادت نہیں گئی میں شرمندہ ہوں کہ شرمین سے تمہاری وکالت کی۔“ صفدر کو غصہ آ گیا۔

”دیکھو وہ خود یہ تسلیم کرے گی کہ میرا فیصلہ درست ہے۔“  
”مگر تمہاری محبت تو بھاڑ میں گئی جس کا نام لے..... لے کر مرتے تھے اس طرح دھوکہ دو یہ کہاں کی انسانیت ہے؟“ صفدر نے ایک اور کوشش کی اس کا ضمیر دگانے کے لیے مگر وہ سانی سے بات نہال گیا۔  
”تمہارے مسئلے کا کیا ہوا؟“ عارض نے دھمکی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

”وہیں کا وہیں۔ جہنم بن گئی ہے مگر میرے اور تمہارے مسئلے میں فرق ہے تم اس پر غور کرو اس سے بات کرنے



سے پہلے سوچا اور پھر بات شروع کرتی ہے۔  
 ”میں بات کر لوں گا تم اسی کی بات کرتے رہنا میرے دل کی کیفیت نہ سمجھنا۔“ عیاض نے زچ ہو کر کہا۔  
 ”میں تمہاری بات سمجھ نہیں سکا کہانی ایسے کیسے ختم ہو سکتی ہے۔“ صفدر نے بھی کچھ ٹکٹی سے کہا۔  
 ”بس ہو ٹکٹی میں ہی ایسا تھا اور ایسا ہوں۔“ وہ اذ گیا۔

”افسوس، تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔“  
 ”یار، میں نے غلط فیصلہ نہیں کیا وہ کسی اور کی محبت ہے، میں کیسے یقین دلاؤں، میں نے اسے ٹوٹ کر چاہا ہے لیکن پھر  
 میرے مائدہ سب کچھ ٹوٹ پھوٹ گیا۔“ وہ کر بناک سے لہجے میں کہہ گیا۔  
 ”تو..... تم نے کہانی ختم کر دی۔“

”ایسا ہی ہے۔“  
 ”او کے، اللہ حافظ۔“  
 ”ہاراض۔“ اس نے کہا۔  
 ”جیسے ہاراض ہونے نہ ہونے سے کیا حاصل؟“ صفدر کا لہجہ شکاتی تھا۔  
 ”میں آج رات بات کر لوں گا۔“  
 ”مرضی ہے۔“  
 ”اللہ حافظ۔“  
 ”اللہ حافظ۔“

اس نے بجھے دل کے ساتھ فون بند کیا اور اپنے سامنے رکھے کافی کے بیج بستہ لگا۔ کو دیکھا جو کچھ در پہلے گرم کر رہا تھا  
 بھاپ اڑ رہا تھا مگر اب اس کے دل کے اندر دھواں اڑ رہا تھا اور باہر ایک بیج بستی سی تھی صفدر کا ایک ایک نغظ نشتر زنی کر رہا  
 تھا وہ صفدر کو کیسے بتاتا کہ شرمین سے دوری کی کتنی بڑی اور کڑی سزا بھگت رہا تھا۔ اس سے دور ہو کر کس حوصلے سے اسے جدا  
 کیا ہے وہ اعتراف محبت نہ کر سکی۔ محض اس لیے کہ وہ کسی اور کی محبت ہے یہ بات وہ پہلے کہہ دیتی تو وہ محبت ہی نہ کرتا۔  
 اس نے ٹھنڈا لگ و ہیں چھوڑا ڈور ٹیل سن کر دروازہ کھولا منیجر صاحب بریف کیس، سیٹ باندھا گئے۔  
 ”جی منیجر صاحب۔“

”سر عا صاحب نے پراجیکٹ فائل کے بارے میں دریافت کیا ہے اور آپ کو فون کرنے کی تاکید کی ہے۔“  
 ”ٹھیک ہے اور۔“ وہ اس وقت کسی سے بھی بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔  
 ”اور کچھ کاغذات، پر آپ کے دستخط چاہیے۔ آپ کے کھانے پینے کے بارے میں بہت فکر مند تھے سر۔“ منیجر  
 صاحب نے بات مکمل کی بریف کیس سے کاغذات نکالے تو وہ بے اداری سے بولا۔  
 ”پلیز، ٹیل پر رکھ دیں میں کر دوں گا۔“ منیجر صاحب نے غصے سے کاغذات رکھے اور بریف کیس بند کر کے چلے  
 گئے تو وہ ہونے کی پشت سے سر نکالتا نکلیں موند کر بیٹھ گیا۔



منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر دوش روم سے باہر آئی، بالوں میں برش کیا اور زینت پائے کے کمرے میں آئی وہ بستر پر درواز  
 تھیں اس نے سلام کیا اسی اثنا میں بوبی کمرے میں داخل ہوا اور بولتا چلا گیا۔  
 ”کہاں تھیں کب سے چائے کے لیے انتظار کر رہے ہیں؟“



”وہ دراصل میں کہیں چلی گئی تھی۔“ شرمین نے کچھ غیر معمولی سنجیدگی سے جواب دیا زینت آپا نے واضح طور پر محسوس کیا۔

”کہاں..... یہ آپ کی کہلا کیا مصروفیت تھی؟“ بولی نے لالہ بابی پن سے پوچھا۔  
 ”بولی یہ کیا سوال ہے؟“ زینت نے شرمین کی خاموشی پریشانی محسوس کرتے ہوئے بولی کو تنبیہ کی۔  
 ”ہاں کیوں نہ کروں سوال، کب سے چائے دم پر رکھی ہے بلکہ اب تو دم بھی نکل گیا ہوگا۔“ بولی نے مزید تیزی سے زبان چلائی۔

”میں بابا سے کہتی ہوں اور بتائیں۔“ شرمین نے اٹھتے ہوئے کہا تو زینت نے اس کا ہاتھ دبا کر منع کر دیا۔  
 ”بابا تو اپنے چک گئے ہیں اور چائے بولی ہی پلائے گا۔“ زینت نے کہا۔  
 ”جک..... مطلب۔“

”بابا کی بہن فوت ہو گئی ہے اطلاع آئی تو میں نے فوراً بھیج دیا۔“ زینت آپا نے بتایا۔  
 ”اوہ اور پھر کام آپ نے کیے ہوں گے۔“ شرمین نے پوچھا۔  
 ”میں نصیحتیں کھانا تو خانساں ہی بناتا ہے۔“  
 ”آپ کو تو فرصت نہیں ملتی کہ اپنے ہاتھ کا کھانا کھلاؤ۔“ بولی نے شرمین کو کہا۔  
 ”ارے، بے چاری کو کام سے فرصت نہیں ملتی، اب جاؤ چائے لے کر آؤ مغرب کی اذان ہونے والی ہے۔“ زینت نے بولی کو روکتے ہوئے کہا۔ وہ ہنستا ہوا چلا گیا تو زینت نے شرمین سے پوچھا۔  
 ”شرمین کوئی خاص بات ہے۔“

”نہیں، سب روٹین کی باتیں ہیں۔“ وہ مسکرائی۔  
 ”لیکن فکر مند اور پریشان لگ رہی ہو۔“  
 ”کچھ خاص نہیں۔“

”بتاؤ۔“  
 ”آپا، عارض کی طرف سے کچھ فکر مند ہوں۔“  
 ”کیسی فکر؟“ زینت بھی پریشان ہو گئیں۔  
 ”آج رات بات ہوگی۔“

”بات ہوگی..... مطلب.....!“ انہیں حیرت سی ہوئی۔  
 ”جی جب رشتوں میں بناوٹ آ جائے تو ان کے لیے فکر مند ہی ہونا چاہیے۔ عارض کو بات نہ کرنا، مصروف رہنا اور یہ کہنا کتا آج وہ بات کرے گا۔ تو سمجھ لیتا چاہیے کہ اس نے کوئی خوش گوار بات نہیں کرنی۔“  
 ”جسہیں کس نے کہا میرا مطلب ہے کیا وہ تم سے بات ہی نہیں کرتا۔“ زینت نے بہت زیادہ تعجب سے پوچھا۔  
 ”جی بہت دن سے یہ تو صنف بھائی نے بتایا ہے۔“

”تو تم اس کے والد سے بات کرو بلکہ میں کرنی ہوں کیا چکر ہے؟ کیا کوئی اور مصروفیت تو شروع نہیں کر لی۔“ زینت آپا کا جس طرف اشارہ تھا شرمین سمجھ گئی۔  
 ”تو کر سکتا ہے میں کون سا رکاوٹ بنوں گی۔“  
 ”میں نے کہا ہے اس کے بابا سے بات کرو۔“



”وہ اپنی مرضی کا مالک ہے، مجھے پروا نہیں۔“

”پروا کیوں نہیں پروا ہوتی چاہیے۔“

”چھوڑ یہ پائیں نے محبت کی بے حرمتی پر الفاظ ضائع نہیں کرنے۔“

”یہ لیس جناب چائے حاضر ہے وہ پکڑاؤ۔“ بوبی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا تو شرمین نے کہا۔

”گھامڑا پا کے لیے تو کھانا اور بنوا لیتے، یہ کی ہوئی چیزیں نہیں کھاتیں۔“

”او۔۔۔۔۔ نہیں میں نے کھنا لیت کھایا ہے، بس چائے پیوں گی۔“ زینت پائے انکار کر دیا۔

”بابا کی واپسی کب ہوگی؟“ بوبی نے پوچھا۔

”نہیں معلوم بیوہ، بہن بھی تدفین کے بعد بھی انہیں ہی دیکھنا ہوگا۔“ زینت نے جواب دیا۔

”چلیں آج میں گے۔“ شرمین نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

”ویسے بھی رات ہم باہر ڈنر کریں گے ماما بھی چلیں گی۔“ بوبی نے نئی بخ لگائی۔ تو شرمین نے فوراً سنجیدگی

سے معذرت کر لی۔

”میں معذرت چاہتی ہوں روز روز باہر کے کھانے میں پسند نہیں کرتی۔“

”میں تو کرتا ہوں۔“

”تو کرو، اپنے فریڈز کے ساتھ۔“ شرمین نے کہا۔

”میرے کون سے فریڈز ہیں میرا سب کچھ تو تم ہو۔“ وہ مسکرایا۔

”بوبی شرمین ٹھیک کہہ رہی ہے ویسے بھی وہ ٹھیک ہوئی ہے۔ خانا ماں سے کہہ کر جو چاہو، بنالو۔“

”باہر صرف کھانا نہیں دیتا۔“

”ماہوکی میرے مزاج میں گنجائش نہیں سوری۔“ شرمین خالی کپ رکھ کے وہاں سے اٹھ گئی۔ وہ آواز میں

دیتا رہا مگر وہ چلی نہیں۔



حاجرہ بیگم پانی لے کر آئیں تو اسے اپنے ہی خیالوں میں گم دیکھ کر بولیں۔

”دال چاول ٹھنڈے ہو رہے ہیں کھاتی کیوں نہیں ہو؟“

”اماں دل نہیں چاہ رہا۔“

”دل چاہے یا نہ چاہے تمہیں کھانے کی ضرورت ہے۔“ حاجرہ قریب بیٹھتے ہوئے بولیں۔

”تو کیسے کھاؤں؟“ وہ بے زاری۔

”تمہیں دلی سکون حاصل نہیں ہے کتنی ناشکری ہوا چھا گھر مل گیا ساس بے قرا، شوہر لینے آیا اور تمہارے مزاج

ٹھکانے پر نہیں۔“

”اماں مجھے سکون سے یہ بات یہاں گزارنے دو۔“ وہ برامان گئی۔

”زیادہ تمہارا دماغ گھس چڑھنے لگا ہے تمہیں سمجھانا چاہیے کیوں نہیں بیجا تمہیں صحت کے ساتھ۔“

”اماں کیوں تمہیں کوالز اسہوتی ہو؟ اس نے تو بہت کہا تھا مگر میں نہیں مانی۔“

”حد ہوگئی جہاں آ رہی تھی اسے میں نے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں چھوڑاؤں گی۔“

”مجھے نہیں جانا۔“ وہ برائے نام چاندلوں سے بھوک مٹانے لگی۔



”ان کا بچہ ہے، وقت آگے کی طرف بڑھ رہا ہے، اچھی خوراک تمہیں چاہیے آ رام چاہیے۔ اپنے گھر جا کر رہو، پھر دیکھنا وہ کس قدر تمہارا خیال رکھتے ہیں۔“ حاجرہ بیگم نے سمجھایا۔

”بہنہ خیال آپ کو کچھ نہیں اندازہ۔“ وہ طنز یہ کہی۔

”کوئی شکایت ہے تو میں بات کرتی ہوں۔“

”اماں ابھی وہاں نہیں جاسکتی وقت آ یا تو ضرور سوچوں گی۔“

”دیکھو بیٹا تمہارے بابا مستقل بستر کے ہو گئے ہیں میں بوڑھی اور بیمار کمرے کے کرائے پر گزارہ مشکل سے چل رہا ہے اور تمہیں اندازہ ہی نہیں آگے کے اخراجات کا۔“

”آپ غم نہ کریں میں زیور بیچ دوں گی۔ بعد میں نوکری کر لوں گی۔“

”یہ عمل نہیں ہے ان میں ایسے کون سے کیزے نکل آئے؟“

”بس مجھے نہیں جانا۔“ وہ جھٹلائی۔

”محلے والے باتیں کرتے ہیں باپ دادا کا نام اچھا لانا ہے تم نے مگر میں تمہیں چھوڑ کر آؤں گی میں صفدر سے معافی مانگوں گی۔“ حاجرہ نے کافی سختی سے کہا۔

”اس سے کیا ہوگا؟“

”میری بچی موتی تمہارا اصل گھر ہے اصل ٹھکانہ ہے۔“

”اماں خدا کے لیے۔“ وہ چڑ گئی۔

”تم نے کتنا اچھا موقع گنوا دیا۔ میں تو دعائیں مانگ رہی تھی کہ وہ لوگ تمہیں لے جائیں اب خلع کا لفظ منہ سے نہ نکالنا۔“ وہ سمجھا کر برتن اٹھا لے گئیں اور وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ آنے والے حالات کے بارے میں تو وہ سوچ سکتا ہے جو گزرے حالات کی پرچھائیوں سے نکل سکے اس کا تو تلخ ہنسی اسے رات دن کند چھراہوں سے ذبح کرتا رہتا تھا اس کی سزا ہی تو اتنی طویل ہو گئی تھی اسی کی اذیت میں جھٹلائی۔ وہ اماں کو کیسے بتائے کہ خلع اس کی زبان پر کیوں مطابہ بنا؟

صفدر کو جو حقیقت معلوم ہے اس کی وجہ سے وہ تو مجھے دنیا سے نکالنے پر آمادہ ہے۔ ہمارے میرا لکنا قابل معافی نہیں لگتا۔ یہ صرف میری اولاد ہے صفدر کی نہیں صفدر جیسا معزز اپنی اولاد کے لیے مجھ جیسی ماں قبول نہیں کر سکتا یہاں سے تم بھیجنا چاہتی ہو، وہاں سے صفدر کی امی بلانا چاہتی ہیں مگر میرا میرے بچے کا جس سے رشتہ ہے وہاں ہمارے وجود سے بھی انکاری ہے۔ وہ تو ہمیں دیکھ کر راضی نہیں میں وہاں کس کے لیے جاؤں، چلی بھی جاؤں تو بے عزتی کی سانس لے کر کتنے عرصہ وہاں رہ پاؤں گی بچے کی پیدائش تک یا پھر اس سے بھی پہلے۔“ اس نے بے دم سی ہو کر نیکے پر سر رکھا اور بے بسی سے آنکھیں موند لیں۔



رائٹنگ ٹیبل پر کنبیوں پر چہرہ نکائے وہ منتظر تھی۔

حالا نگہ دل کم ٹیم نے اشارہ دے دیا تھا کہ اب عمر نہ موسم نہ وہ رستے کہ وہ چلنے اس دل کی مگر خام خیال کا یہ عالم کہ یہ نہیں جانتی۔

کون ہے معتبر زمانے میں  
کس کے وعدے پر اعتماد کریں  
بھول جانے کی عمر بیت گئی



آؤ اک دوسرے کو یاد کریں  
نفرت کی دھوپ میں برسات سے پہلے ہر کسی کو ہمدرد سمجھ لیتے ہیں ہم بھی کتنے سادہ تھے محبتوں کے تجربات  
سے پہلے

یہ بارش

پہلو

پیشک

یہ موسم..... کس کس سے محبت تھی تری ذات سے پہلے.....

اب یہ عالم ہے کہ ترانتظار نہیں رہے فون کا انتظار ہے اس حلوے کا انتظار ہے۔ خوشی کا ہو گا یا غم کا نوحہ..... کون جانے تم کیا کہو گے؟ مجھے محبت کی حاجت ہے یا نا آسودہ محبت کی سولی۔“

اس نے طویل سانس بھر کر اپنے سیل فون کو دیکھا وہ خاموش تھا بالکل اس کے دل کی دھڑکنوں کی طرح وال کلاک کی سونپوں کی ریس کا مقابلہ جاری تھا ان کی زندگی سے بھر پورا وار کی جانب متوجہ ہوئی تو بڑی دیر اور گرد کی خبر نہ رہی.....

اذیت ناک تھکن سے کہیاں درد کرنے لگیں۔ گردن اکڑ گئی تو اٹھ کر بیڈ پر دروازہ کھولی۔ بیروں سے کمر تک چادر اوڑھ کر آنکھیں موند لیں کان فون کی طرف ڈیوٹی پر مامور کر دیے۔ مگر ڈیوٹی اس قدر سخت تھی کہ کان بھی تھک کر سو گئے اور اس نے چت لینے ہوئے غیر معمولی تھکن محسوس کی تو جسم کی گرہ ناک مزاحش پر غور کیا۔ مگر تختہ بن گئی تھی ریم کھا کر دانتیں کروٹ لے لی۔ پھر کچھ وقت مزید گزر گیا تو بائیں طرف رخ موڑ لیا۔ اس کے بعد شاید وہ تھک کر بو جھل آنکھوں کو سلاتے لگی۔ ایسا کرنے سے پہلے دل چاہا کہ خود عارض کا نمبر ملا لے۔

مگر محبت کی خود دار فطرت نے ایسا کرنے سے روک دیا۔ اس نے سوچ کر فون سماپہر ٹیشل پر رکھا اور ذہن کو دل کا زاد چھوڑ دیا۔ خود کو راضی کر لیا کہ اب جو ہو سو ہو۔ کچھ بھی پیغام آئے کوئی فکر کی بات نہیں۔ یہ سوچنے کی دیر تھی کہ گہری نیند کی وادیوں میں پہنچ گئی اسے علم ہی نہ ہوسکا کہ دوسری جانب طویل سخت جنگ لڑنے کے بعد کسی نے فون کرنے کی جرات نہ پا کر بمشکل تمام ایفائے عہد کی پہلی منزل طے کی اور اپنا پیغام لفظوں کی تھلاڑی میں پرو کر بھیج دیا۔ پلک جھپکتے میں ہوا کے دوش پر وہ فون کے سینے میں دھڑکا اور خاموش ہو گیا۔ وہ اس کی آواز نہ سن سکی۔ کیونکہ غفلت کی نیند سوچ چلی تھی جس میں انتظار کی تحسین اور مایوسی کی گہری غفلت موجود تھی۔

شرمین نے صندوق کے سامنے موبائل رکھ دیا "صندوق نے اسکرین پر نظر کیا، جمائیں تو بہت مختصر پیغام دوں تھا۔

کیجیے

سجھ

4

نامہ

میری  
ایک

تمہیں تمہاری محبت کے لیے یاد کر رہا ہوں

وَعَالِي

مخاطب

صغور نے غور سے مسیج پڑھنے کے بعد شرمین کو دیکھا جس کی آنکھوں کے کونوں میں شفاف پانی جم چکا تھا۔ مگر ایسی اور کم ہمتی کا دور دور تک شائبہ نہیں تھا۔ وہ ہمت سے پیروٹ کو دائیں ہاتھ سے میز کی سطح پر تھما رہی تھی۔

”میں بہت شرمندہ ہوں شرمین۔ بہن! اس مختصر بیچ سے کچھ واضح نہیں ہو رہا میں اس سے بات کروں گا سب ٹھیک ہو جائے گا۔“



”پلیز صفر بھائی! آپ میرے حوالے سے اب کبھی بھی کوئی بات نہیں کریں گے۔“

”صفر بھائی! Once it's Crumpled it can't be perfect again! Trust is like a paper!“

”آپ نے ٹھیک کہا۔“ صفر تو خود اسی قسم کی اذیت بھری زندگی کا سامنا کر رہا تھا اسے کیا کہتا۔

”آپ قطعاً کچھ نہ سوچیں مجھے حالات سے لڑنا آتا ہے محبت کی سوداگری لوگ ایسے ہی کرتے ہیں۔ دنیا میں اگر کوئی

لفظ سب سے زیادہ بے عزت ہو رہا ہے تو وہ محبت ہے میں اس لفظ پر غور نہیں کرتی۔“

”تاہم پھر بھی اس کی ضرورت اور طلب تو رہتی ہے شرمین! بہن!“

”طلب بھی بدل جائے گی اعتبار اٹھتا جا رہا ہے۔“ وہ دیر سے بولی۔

”بہر کیف! آپ رنجیدہ نہ ہوں میں حالات ٹھیک کرنے کے لیے کوشش کروں گا۔“

”مگر آپ عارض سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کریں گے۔“

”ٹھیک ہے مگر میں اپنے رفرنس تو بات کر سکتا ہوں۔“

”جی۔“

”اب اجازت دیں آپ کا فون بن کر سیدھا یہاں آ گیا آفس جانا بھی ضروری ہے۔“

”جی شکریہ صفر بھائی! بس آپ کو ہی پکارنا اچھا لگا۔“

”ہمیشہ پکار سکتی ہیں میں بہت شرمسار ہوں۔“

”کس لیے؟ آپ ایسا بالکل نہیں کہیں۔“

”اجازت۔۔۔۔۔“

”جی ضرور۔“

”اپنا خیال رکھیے گا۔“

”وہ تو رکھنا ہی ہے۔“

صفر اٹھ کر چلا گیا تو ضبط کے سمندر میں طغیانی کا عمل شروع ہو گیا۔ دھمکنے موندے آنسو پلکوں سے نوٹ کر رخساروں پر پھیل گئے۔

ہاں تھا ایک فرض سنا شخص  
وہ بھی مجھ سے قضا ہو گیا

بنا کسی جرم کے بنا کسی خطا کے کتنی آسانی سے زندگی میں آیا اور کتنی آسانی سے رخصت ہو گیا۔ یہ تھی اس کی طوقانی محبت، نفرت ہی ہونے لگی ہے اس کم بخت محبت نے کیسے قطرہ قطرہ بوندوں کی صورت لگا ہوں سے کتنی ہے اور تڑپنے کو چھوڑ دیتی ہے۔

”شرمین! اب تو اس کو چھوڑ دے فریب دینا سیکھ جا۔ محبت کو دوسروں کا خسارہ، بادے ٹپا جایہ درد بھرے آنسو۔ اس نارسائی کی آگ میں جھنسنے سے کیا حاصل؟ وہ بھنورا تھا اس کی فطرت ہر جانی ہے۔ اسے بھول جا نکال دے دل سے۔ کچھ وقت دے اسے دل مضطرب! کہ میں اسے فراموش کر دوں۔“ وہ انداز آکھوں میں مضبوط منصوبے منظور کر رہی تھی کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور بوبی دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ اس کی آنکھوں کی کہانی شاید اس نے پڑھ لی جھک کر بولا۔

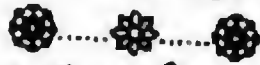
”خوب صورت آکھوں پر سارے جہاں کو داروں کیوں نم ہیں یہ۔“



”پلیز بولی! مجھے ڈسٹرب مت کرو۔“ وہ جلدی سے فائلیں کھولنے لگی۔  
 ”ڈسٹرب تو آپ ہیں۔“

”نہیں، ہینمو کا فی منگواؤں۔“ وہ ٹال گئی۔  
 ”نہیں، جوں پیتے ہیں مگر برابر جا کر۔“

”سوری! ضروری اسائنمنٹ ہیں آج ہی انہیں کیسز کرنا ہے۔“  
 ”بھائی میں گئیں آپ کی اسائنمنٹ! زندگی کی خوشیاں ضروری ہیں! چلیں! انہیں۔“ بولی نے فائلیں ہاتھ سے پرے  
 دھکیل کر کہا تو وہ چند منٹ اسے دیکھنے کے بعد اٹھ کھڑی ہوئی۔



بولی نے دو تین گھنٹے سڑکوں پر گاڑی دوڑانے کے بعد گھر کا رخ کیا تو وہ بولی۔

”بولی! ابھی سے گھر آؤں میں ضروری کام کرنے والے ہیں۔“  
 ”کام تو زندگی بھر چلتے رہیں گے! نف میں کچھ اور بھی کرنے کے لیے ہونا چاہیے۔“ گیٹ سے اندر گاڑی لا کر  
 کر کے وہ بولا تو شرمین نے خاموشی سے اندر جانے میں عافیت سمجھی۔  
 ”شرمین! مسئلہ کیا ہے؟“ وہ پچھے ہوتا ہوا آیا وہ پلٹی چند لمحوں کے بعد دیکھا اور پھر واپس سے کہا۔  
 ”بولی! کبھی کبھی کچھ کہنا اور سننے کو دل نہیں چاہتا میں اس فیر سے نکل کر بتاؤں گی۔“  
 ”کچھ تو ہے مجھے بتاؤ۔“ وہ بغض ہو گیا۔

”میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے آرام کروں گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔“ وہ یہ کہہ کر آگے بڑھی تو وہ پھر سامنے آ گیا۔  
 ”شرمین! میری طرف دیکھو میں نے محسوس کیا ہے کہ تم اپ سیٹ ہو۔“  
 ”قارگاؤ سک! میں ٹھیک ہوں۔“ وہ جھنجھلا آئی مگر وہ مستعمل ہو کر آگے بڑھا اس کی کلائی تھام کر کہنے لگا ہوا صوفے کے  
 قریب لایا اور جھٹکے سے اسے بٹھا کر بولا۔

”جب میں کہہ رہا ہوں کہ تم اپ سیٹ ہو تو ہو۔“  
 ”بولی! اگر ایسا ہے کبھی تو تمہاری اس بحث سے مزید اپ سیٹ ہو رہی ہوں۔“ اس نے نرمی اختیار کی۔  
 ”بتاؤں گی نہیں۔“

”نہیں! بس مجھے دیسٹ کرنا ہے۔“  
 ”اوکے! لیکن کھانا ہم نے ساتھ کھانا ہے۔“  
 ”لوہ! اچھا یاد دلایا! بات تو ہیں نہیں کھانا میں دیکھتی ہوں۔“  
 ”کچھ نہیں دیکھا! کھانا تقریباً تیار ہے۔“ خانساں فشر فرائی کر رہا ہے۔ ”زینت اسی طرف آ گئیں۔“  
 ”واہ فرائی فشر۔“ بولی خوش ہو کر چلا یا۔

”دونوں ہاتھ دھو کر آ جاؤ۔“  
 ”زینت! آپ کیوں کام میں لگ جاتی ہیں؟“ شرمین نے کہا۔

”کہاں سارا کام تو خانساں نے کیا۔“  
 ”یہ بابا کچھ لمبی چھٹی پر نہیں چلے گئے۔“ بولی بولا۔  
 ”آ جائیں گے ہوگی کوئی وجہ ورنہ غفلت نہیں برت سکتے۔“ زینت نے کہا۔



”میں پہنچ کر کے آتی ہوں۔“ شرمین نے کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی جبکہ یوہانے زینت سے اس کے متعلق کہا۔

”اما! شرمین کے ساتھ کوئی مسئلہ ضرور ہے۔“  
”کیسا مسئلہ؟“

”وہ اپ سیٹ ہے اس کی آنکھیں تر تھیں۔“

”ہو سکتا ہے اس بے چاری کی زندگی میں ہے ہی کیا؟“ زینت افسردہ سی ہو گئیں۔

”اما! اسی لیے تو میں چاہتا ہوں کہ شرمین کو سارے جہاں کی خوشیاں دے دوں۔“

”خوشیاں مقدر سے ملتی ہیں اور تم اس سے ایسی کوئی بات نہ کرنا جس سے وہ مزید پریشان ہو جائے۔“

”اما! میں شرمین کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”میں پوچھوں گی کیا بات ہے؟“

”آپ آگئیں تو میں نے اس کی جان چھوڑ دی، ورنہ پوچھ کر رہتا۔“ بوبی نے بڑے وثوق سے کہا تو

زینت نے سمجھایا۔

”بوبی! اسے زچ نہ کرنا ورنہ وہ یہاں سے چلی جائے گی بڑی مشکل سے میں نے اسے سنبھالا ہے وہ جس طرح میرا

خیال رکھتی ہے شاید ہی تم بھی رکھ سکو۔ مجھے اس کی موجودگی سب سے زیادہ پیاری ہے۔“ زینت نے دھیرے دھیرے

بڑے دسان سے کہا تو بوبی کو بہت اچھا لگا۔

”بس تم اسے تنگ نہ کیا کرو۔“

”اما! میں اس سے محبت کرتا ہوں، عشق ہے وہ میرا۔“ وہ بھوم کر بولا تو زینت نے تنبیہ کی۔

”بس چپ کھانا لگوار ہی ہوں آ جاؤ۔“ زینت یہ کہہ کر چلی گئیں تو بوبی نے ان کی بات کا جواب بڑا اہم کے

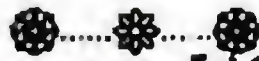
ذریعے دیا۔

”اما! آپ کیا جانو شرمین کی محبت میری روح میں کیسے سمائی ہے؟ وہ میرے خون میں گردش کرتی ہے میری ہڈیوں

میں اتر کر میرے ساتھ سوتی ہے۔ میری کھلی آنکھوں سے نکل کر مجھے صبح بخیر کہتی ہے، ہر اسے یہ سب خود نہیں معلوم کدہ

میری ذات کا حصہ ہے وہ اب تک عمروں کے فاصلوں میں میری محبت کو محصور کیے ہوئے ہے۔ شرمین! کاش..... کاش

شرمین..... تم کبھی یقین کر سکو۔“



جبکہ شرمین کی نمناک نگاہوں کے سامنے وہ انگوٹھی تھی جو عارض کے اور اس کے دستہ کی دلیل تھی وہ اتار کے اس نے

عارض کے فیصلے کو تسلیم کر لیا تھا۔ دل کڑا کر کے خود کو پھر سے محبت کے فریب سے الگ کر لیا تھا۔

”شرمین! کتنی احمق ہو تم اس رشتے پر بھروسہ کرتی ہو جو لوگوں کے کاروبار سے زیادہ اہم نہیں جسے زمانے میں لوگوں

نے سب سے کمتر اور غیر یقینی رشتہ بنا دیا ہے۔ صبح احمد کتنی دور تمہیں محبت کے سہارے اپنے ساتھ ٹھہرتے رہے تم انتظار کی

سوئی پر چڑھ کر ان کے ساتھ وابستہ رہیں پھر اپنے ماؤں نفع کی خاطر انہوں نے تمہیں انتظار کی سوئی سے اتار دیا تب بھی

انگوٹھی ایسی ہی کسی احمدمی انداز میں قید کر دی۔ صبح احمد کی نام نہاد محبت دولت کے ترازو میں تل گئی پھر تم نے عارض پر کیوں کر

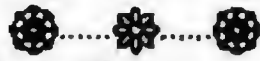
اعتبار کر لیا کیوں اپنی تقدیر میں ایک اور محبت کی گردش لکھی؟ کیا کافی نہیں تھا صبح احمد کی نارسائی کا دکھ اب کس طرح

عارض کی بے وفائی کا صدمہ برداشت کرو گی ایسا صدمہ جس میں نہ تمہیں اپنا گناہ پتا ہے اور خطا کا ظلم ہے کس قدر مختصر ہے



تمہاری تحقیر کی کہانی، دوسروں میں اس نے تمہیں نکال باہر کیا۔ تمہاری ذات کے پندار کو بے بنیاد کر دیا۔ کچھ نہیں بچا تمہارے پاس کچھ نہیں۔ ایک بار پھر تم نے دھوکہ کھالیا..... مگر بھول جانے کی عادت اپنا تیرا گے ہم بھول جائیں گے عارض بالکل اپنی پہلی چاہت فتح احمد کی طرح۔“

ایک بار پھر دروازہ کی تاریکی میں انگلی اتر گئی وہ اٹھی منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ کچھ حوصلا کٹھا کیا بال بڑش کیے اور پوری ہمت کے ساتھ قدم اٹھائے اسے بوبی کی نظروں کا سامنا کرنا تھا۔ اس کے سوالوں کی رو سے خود کو محفوظ رکھنا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ درد بتانے سے نہیں سہہ جانے سے کم ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ پوری طرح خود کو طاقتور بنا چکی تھی۔ بوبی سے نظریں ملانے کا حوصلہ کٹھا کر چکی تھی اندر بے شک طوفان تھا زلزلہ تھا بھونچال تھا مگر باہر سکون مسکراتا چہرہ تھا۔ آنکھوں میں کاہل کی لکیر تھی اور لبوں پر چمکیلا گلابی رنگ بہار دکھلا رہا تھا۔



دو تین دستک دینے کے بعد دروازہ کھلا۔ زیبا جہاں آراء کو دیکھ کر تحیر مٹی سلام کیا اور دنازے سے ایک طرف ہو کر اندر آنے کا راستہ دیا انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔

”آئیں بیٹھیں۔“ اس نے صحن میں بچے پلنگ کی طرف اشارہ کیا۔

”ماں کہاں ہے تمہاری؟“

”جی ابا کے ساتھ ہسپتال میں ہیں۔“

”خیریت؟“ جہاں آراء فرمند ہو گئیں۔

”ابا کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے۔“

”تو..... تم نے ہمیں بتایا تک نہیں اور کیا تمہارا شوہر اس قابل بھی نہیں۔“ جہاں آراء کو یہ بات بالکل پسند نہیں آئی کہ انہیں اطلاع تک نہیں دی گئی۔

”انہیں ہم سے کوئی نسبت نہیں ہے۔“ زیبا کے لبوں سے لگا۔

”انہیں یا تمہیں؟ وہ لینڈ یا اور تم نے انکار کر دیا۔“ وہ بالکی ہی سختی سے بولیں۔

”بس آپ اسی پر اعتبار کریں جو صفر کہتے ہیں۔“

”دیکھو بیٹا! اللہ نے ہمیں خوشی دی۔ جہاں آراء بخشوں میں ضائع نہیں کرتے اب سب شکوے شکایت بھول کر میرے

ساتھ چلو۔“ جہاں آراء نے بڑی محبت سے اسے سمجھایا۔

”ابا ہسپتال میں ہیں میں کیسے جاسکتی ہوں؟“

”تو صفر بھی اس گھر کا بیٹا ہے وہ دیکھ بھال کرے گا تم گھر چلو یہاں تمہارے کیا کر سکتی ہو؟ میری بچی! سب بھول

جاؤ صفر کی میں خوب کھچالی کر چکی ہوں۔“

”آپ کے لیے چائے بنائی ہوں۔“ زیبا بولی۔

”نہیں اس کی ضرورت نہیں بس تیاری کرو اپنی حالت دیکھو۔ کیسے ہلکی جیسی رنگت ہو گئی ہے۔“

”میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

”کہاں ٹھیک ہو؟ ان دنوں صحت کا اچھا ہونا ضروری ہوتا ہے۔“

”بس یہ میرا مقدر ہے۔“ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کہہ گئی۔

”اللہ خیر کیا ہوا مقدر کو۔“ جہاں آراء غیم نے ایک دم ہی اسے بڑھ کر سینے سے لگایا۔



”ای! فی الحال تو میری جان بامیں پھنسی ہے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ وہ نہیں چاہتی تھی کہ بے کار میں اس موضوع پر ان سے بات کرے کیونکہ کوئی فائدہ نہیں تھا صفر کا ذہن بدلنا اس کا اختیار میں نہیں تھا۔ بہتر تو یہی تھا کہ اس کا نام بھی نہ لیا جائے۔

”زیبا! فون ملاؤ صفر سے میری بات کراؤ۔“ انہوں نے کہا۔  
 ”وہ امی..... پلینس نہیں ہے۔“ اس نے نظریں جمائیں۔  
 ”کوہ پھر.....“

”میں چائے بنا کر لاتی ہوں آپ آرام سے بیٹھیں۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولی۔  
 ”حاجہ چائے کی گھر۔“

”جہاں بام کی طبیعت کی وجہ سے ان کو تنہا نہیں چھوڑیں گی۔“ اس نے بتایا۔  
 ”میری بات مانو میرے ساتھ چلو صفر کو ہسپتال بھیج دیں گے۔“ جہاں آمانے خیال ظاہر کیا۔  
 ”اور گھر میں کون رہے گا؟“

”ہاں یہ بات بھی ہے پھر ملے چارے پاس ہی ہوں۔“  
 ”جی ٹھیک ہے میں چائے لانی ہوں اور کھانا بھی بٹلی ہوں۔“ زیبا نے دھیرے سے کہا ابھی اس نے دو قدم ہی اٹھائے تھے کہ دروازہ پوری قوت سے بڑبڑا اٹھا اس کا دل اچھل کر طاق میں آ گیا۔  
 ”اللہ خیر.....“ بے اختیار کہہ کر وہ تیز قدموں سے دروازے کی طرف بھاگی دروازہ بتا پوچھنے کھول دیا تو ہونق رہ گئی۔ وہ دروازے کے عین وسط میں سپاٹ چہرے کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ ایک دم ایک طرف ہو کر گھڑی ہو گئی وہ جھٹکے سے اندر آتے ہوئے بولا۔

”ای! یہاں آئی ہیں نا۔“  
 ”جی اندر ہیں محن میں۔“ اس نے مدہم لہجے میں بتایا۔  
 ”اوہ اچھا ویسے نیک بات بتاؤ میری امی پر کون سا جادو کر رہی ہو؟“ وہ خامی نظریں سے دیکھتے ہوئے بولا تو وہ سبک اٹھی۔

”جناپ نہیں کیا۔“  
 ”وہ تو مجھ پر چل بھی نہیں سکتا۔“ وہ ہنسی سے کہنے لگا۔  
 ”مجھے چلانا بھی نہیں بس میرا چچا چھوڑ دیں۔“ وہ یہ کہہ کر آگے کے چل دی وہ دنگ اٹھا اس کا لہرانا بازو پکڑ کر سختی سے بولا۔

”تم میرے ساتھ نہیں ہوئی نہیں۔“  
 ”پلیز چھوڑیں میری کلائی۔“ وہ بھی سختی سے کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ وہ لمحہ بھر کا اور پھر محن کی طرف آ گیا جہاں آمان سے دیکھ کر کھل اٹھیں۔

”ارے صفر! اچھا کیا تم آگے میں دعا کر رہی تھی۔“

”آپ کو یہاں آنے کی اتنی جلدی تھی؟“

”اور کتنی دیر کرنی تھی؟“ انہوں نے الٹا سوال کیا۔

”ای! مجھے بتا کر آ جاتیں ضروری کاغذات لینے گھر گیا تو وہ لاک تھا۔“ وہ بے حد بے غصے کے ساتھ بولا۔



”تمہیں بتانے کا مطلب تھا کہ مجھے نہیں آتا تھا۔“ جہاں آرانے زیبا کو اشارہ کیا، اسے اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا۔

”آپ کو بس خند تھی۔“

”صفدر! زیبا ہمارے گھر کی بہو ہے، میں لینے آئی ہوں۔“

”آپ کا جودل چاہے کریں ان کا یہی پلان تھا۔“ اس نے براہ راست زیبا کو گھورا۔

”آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔“ زیبا نے کہا۔

”یہ کہانی انہیں سناؤ۔“ وہ جھنڈا دے دیا۔

”صفدر! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اصل جھگڑا کیا ہے؟“ جہاں آرا چلا آئیں۔

”یہ ان سے پوچھیں، میں جلدی میں ہوں آفس پہنچنا ہے، بس آپ کی فکر تھی اسی لیے یہاں آیا۔“

”صفدر! زیبا کے والد ہسپتال میں ہیں، تم ہمیں گھر لے چلو اور خود ہسپتال جاؤ، ہٹا کرو۔“ انہوں نے جھک کر کہا تو وہ

بے ساختہ۔

”امی! مجھے آفس پہنچنا ہے۔“

”رہنے دیں امی!“

”نہیں! صفدر جو کہا ہے وہی کرو۔“

”امی! کیا کروں؟“

”ہمیں گھر چھوڑ دو اور ہسپتال جاؤ، زندگی کے سب کام چلتے رہتے ہیں۔“

”یہ آپ کا فیصلہ ہے یا آپ کی بہو بیگم کا؟“ وہ لفظ چبا چبا کر بولا۔

”ہمدردیوں کا اسے اپنے گھر میں ہونا چاہیے۔“

”ٹھیک ہے چلئے۔“ اس نے ہتھیار پھینک دیئے۔

”چلو زیبا! ضروری سامان اٹھا لو۔“

”تھوڑا سا وقت دیں۔“ وہ حالت مجبوری میں اٹھ کر کمرے میں گئی تو وہ پیچھے ہی آکر۔

”دادو دیتا ہوں تمہاری ہوشیاری کی۔“

”صفدر! آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔“

”میں ٹھیک سمجھا ہوں، چلو مگر یاد رکھنا کانٹوں پر تھیں تو گتہیں۔“

”میں جانتی ہوں۔“ وہ کپڑے سمیٹتے ہوئے بولی۔

”ہونہر.....“ وہ پھنکار کر چلا گیا۔



دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اس نے تھکے ہوئے ہونڈے موندے کہہ دیا۔

”آ جاؤ۔“ دروازہ کھلا اور زینت پائندہ آگئیں وہ ایک دم ہیر سمیٹ کر اٹھ بیٹھیں۔

”آپ..... مجھے بالیا ہوتا۔“

”ایک ہی بات ہے، بس سمجھنے میں درد بردھتا ہی جا رہا ہے۔ تھوڑا بہت تو چلنا چاہیے۔“ وہ باتیں سمجھنے کو ہاتھ سے دباتے

ہوئے بیڈ کے قریب کھینچی کر سی پر بیٹھ گئیں۔



”تو ڈاکٹر سے ملانے لیتے ہیں۔“

”ارے نہیں ڈاکٹر صاحب نے بتایا تو تھا کہ شوگر کی وجہ سے درد ہے۔“

”تو آپ شوگر پر کنٹرول کیا کریں۔“

”کرتی تو ہوں پھر بھی بروقت گھنٹی رہتی ہے۔“

”بس خیال رکھا کریں۔“

”چھوڑ دیتا تو تم ٹھیک ہو۔“ انہوں نے محبت سے اس کی ویران آنکھوں میں دور تک جھانکا۔

”میں..... میں تو بالکل ٹھیک تھا کہ ہوں۔“ وہ اس اچانک کے سوال پر گڑبڑا گئی۔

”نہیں..... ٹھیک نہیں ہو ہمیں غیر مجھے ہو۔“ انہوں نے شکوہ کیا۔

”ارے پاپا! ہرگز نہیں میرا تو آپ کے سوا کوئی نہیں۔“

”تو پھر اپنا نام پریشانی شیئر کیوں نہیں کرتیں؟“

”آپا! ایسا کچھ نہیں ہے۔“

”ایسا ہے پہلے بولی کے کہنے پر مجھے یقین نہیں تھا مگر اب تمہیں غور سے دیکھنے کے بعد یقین آ گیا ہے۔“ انہوں نے دھوکے سے کہا۔

”بولی تو پگلا ہے۔“

”نہیں اب ایسا بھی نہیں کہ وہ تمہیں نہ سمجھے۔“

”ٹھیک کہتی ہیں آپ۔“

”بات کیا ہے؟“

”کچھ خاص نہیں آپا! بس زندگی میں اخیر تو آتا رہتا ہے خاص کر میری زندگی تو ہے ہی عالم خیر۔“

”یہ تو زندگی کا حسن ہے ایک جگہ تو کھڑے رہنا کمال نہیں۔“ زینت نے اس کی بات کو حوصلہ دیا۔

”اس لیے میری زندگی پر زوال کے بادل چھائے رہتے ہیں۔“

”شرمین! بھروسہ کھوٹاؤ کیا بات ہے؟“

”کچھ نہیں عارض نے مجھ سے معذرت کر لی ہے۔“ اس نے دھماکہ خیز مواد کو بڑی نرمی سے سالن کے سامنے اٹھرایا۔

”کیا مطلب؟“ وہ چونکی۔

”مطلب یہ کہ اس نے مجھے آزاد کر دیا ہے اپنی قسموں سے اپنے وعدوں سے اور اپنے دعوؤں سے۔“ وہ کنب سے

مسکرائی تو شدید چونکنے کی باری اب ان کی تھی۔

”عارض..... عارض نے کیا کہا؟“

”آپا! اپنی انجمنی واپس لے لی ہے؟“

”کیوں..... کیوں گئی..... کیا مسئلہ ہو گیا ہے اسے اب؟“ وہ ایک دم مشتعل ہو گئیں۔

”نہیں معلوم۔“

”مگر یہ کوئی کھیل تھا۔ شاید ایسا کیسے کر سکتا ہے وہ۔“

”کر سکتا تھا تو ایسا کر بھی لیا خیر آپ ٹینشن نہ لیں۔“

”شرمین! صرف ٹینشن..... مجھے تو افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے خود اس سے بارے میں جاننے کی کوشش



کیوں نہیں کی؟“  
 ”اس سے کیا ہو جاتا؟ چہرے تو انسان دیکھ لیتے ہیں روح کی اصلیت کیسے جانی جاسکتی ہے۔“  
 ”لیکن شرمین! یہ معمولی بات تو نہیں ہے۔“  
 ”آہ! پلیز غم نہ کریں! مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“  
 ”غم تو نہیں مگر افسوس بہت ہے اس نے اچھا نہیں کیا۔“  
 ”اب چھوڑیں اس کو ہمیں آپ کے لیے چائے بنا کر لانی ہوں۔“ وہ ٹالتے ہوئے اٹھی مگر زینت آپا نے منع کر دیا۔  
 ”چائے تو بن رہی ہے بابا آپ آگئے ہیں۔“

”اچھا بابا آگئے۔“  
 ”ہاں آگئے ہیں مگر اپنے ساتھ اپنی بھانجی بھولی کو بھی لائے۔“  
 ”بھولی..... یہ کون ہے؟“ شرمین نے حیرت سے پوچھا۔  
 ”بابا کی بھانجی بے چاری اکیلی رہ گئی تھی۔“  
 ”اوہ تو آپ نے اجازت دے دی۔“  
 ”دینی ہی تھی بابا پرانے خدمت گار میں لڑکی بہت اداس اور سہمی ہوئی ہے۔“  
 ”ظاہر ہے لیکن بابا کے ساتھ رہے گی؟“  
 ”ہاں لیکن زیادہ دو ہفتہ ہمارے کام کاج دیکھ لے گی۔ ایک تو لڑکی جدو سر اتھارے ساتھ اس کا دل بہلا رہے گا۔“  
 ”ٹھیک ہے میں ابھی ملتی ہوں اس سے۔“  
 ”فی الحال تو کوارٹر میں ہے تھکی ہوئی ہے میں نے ہی بھیج دیا۔“  
 ”اچھا کیا۔“ وہ بولی۔

”بس بولی تاکہ منہ چڑھا رہا تھا۔“  
 ”ہیں وہ کیوں.....؟“  
 ”کہہ کیوں رکھا ہے اس کا رکھ رکھاؤ بہت اجڈ سا ہے۔“  
 ”یہ تو اس کے ماحول کی وجہ ہے خیر میں بولی کو سمجھا دوں گی۔“  
 ”اچھا اب کوئی سوچ نہیں ہوئی چاہیے آؤ باہر ہنسو بونو میرے ساتھ۔“  
 ”آہ! میں نے پہلی بار یہ اذیت برداشت نہیں کی۔“  
 ”جانتی ہوں اصل تو اس کم ذلت صلیح احمد نے اذیت دی تھی۔“ زینت آپا کا منہ کڑواہٹ سے بھر گیا اس نے کرتاک مسکراہٹ سے انہیں دیکھا اور طویل سانس بھر کے کہہ گئی۔



وہ بازار سے گوشت بھری اور امی کے آؤر پر بطور خاص پھل اور مختلف جوسز لایا۔ کچن میں سب کچھ رکھ کے بے دھیمی سے اپنے کمرے میں آ گیا مگر اگلے ہی لمحے اسے بیڈ پر سویا دیکھ کر ٹھنکا اور ساتھ میں تھلا کر بیڈ کے قریب پہنچ کر دبے لہجے اور دمہماؤاز میں چیخا۔  
 ”مہارانی! یہ تھا تمہارا منصوبہ میرے کمرے میں بستر پر کس رشتے سے آرام فرما رہی ہو۔“ وہ ہنر بڑا کے اٹھ بیٹھی۔



”وہ آپ نے سونا ہے تو میں باہر چلی جاتی ہوں۔“  
 ”اور پھر..... پھر آ جاؤ گی، رہو گی تو میرے سر پر مسلط۔“  
 ”تو مجھے نکال دیں پھر۔“ وہ کچھ سنبھل کر کھڑی ہو گئی۔  
 ”منہ بہ! تم نے چال ہی بڑی چلی ہے۔“ وہ گھور کر بولا۔  
 ”کوئی چال نہیں چلی میں تو کوئی دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔“ اس نے بھی تڑخ کر کہا تو وہ غصے سے پھٹ پڑا۔  
 ”تو پھر کیوں آئیں؟ اوتا تھا تو میری شرط کیوں نہیں مانی۔“  
 ”آپ کی شرط تو کبھی نہیں مانی جاسکتی مجھے آپ کے ساتھ رہنے کا کوئی شوق نہیں۔“ وہ بولی۔  
 ”اچھا..... اچھا اب جاؤ یہاں سے۔“ وہ چپ سا گیا۔  
 ”آپ سو جائیں میں پھر دیرامی کے پاس پہنچتی ہوں۔“  
 ”اور امی کو رو کر بتانا کہ میں نے کمرے سے نکال دیا ہے۔“ اس نے بستر پر دراز ہو تے ہوئے کہا تو وہ لٹی اور بولی۔  
 ”میں اب نہیں روتی صفد صاحب۔“  
 ”کیوں اب تم نے تاج پہن لیا ہے؟“ وہ طنز یہ بولا۔  
 ”یہی سمجھا ہے میں نے میرے پاس ایسا ہی لعل ہے کہ میں اب روتی نہیں۔“ اس نے صفد کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ آ پے سے باہر ہو گیا۔  
 ”اس لعل سمیت ہی بے عزت ہو کر باہر جاؤ گی۔“  
 ”اگر اس کے اور میرے مقدر میں ایسا ہی لکھا ہے تو کیا ہو سکتا ہے؟“  
 ”اس کا مقدر تمہاری وجہ سے خراب ہوا ہے۔“  
 ”آپ کون ہوتے ہیں اتنی بڑی بڑی باتیں کرنے والے اللہ کا خوف نہیں ہے کیا؟“ وہ بہت بے بس ہو کر بولی تو وہ اعتراف کر بیٹھا۔  
 ”مجھے انسان سے حیوان بنا دیا، محبت کا ایسا چہرہ دکھایا کہ نفرت کے شعلوں میں مسلسل جل رہا ہوں۔“  
 ”آپ کو وہ قول بھول گیا تھا آپ نے کہا تھا۔“ وہ دہکی ہو گئی۔  
 ”سب بھول گیا ہوں، جب سامنے آئی ہو تو پاگل ہو جاتا ہوں۔“ وہ رخ موڑ کر بولا کمرے میں جہاں آرا داخل ہوئیں تو کچھ عجیب سا، حول دیکھ کر بولیں۔  
 ”کیا ہوا..... تم کھڑی کیوں ہو؟“  
 ”وہ بس لینے لینے تھک گئی تھی۔“ زیبانے جلدی سے وضاحت کی۔  
 ”اور صفد! ہمیں تو ہسپتال جانا تھا جاؤ۔ شہد کیوں نہیں لائے؟“ انہوں نے کئی باتیں ایک ساتھ کہہ ڈالیں تو وہ جل گیا۔  
 ”امی پلیز بہو۔“ بے عشق میں دیوانی نہ ہو جائیں میں تھکا ہوا ہوں۔“  
 ”خیال کرو ہسپتال میں حاجرہ بہن اکیلی ہیں کھانا لے جاؤ۔“  
 ”امی تمھی ہے ان کے پاس۔“ زیبانے کہا تو وہ بولیں۔  
 ”بنتھی بے چاری کوئی مر نہیں ہے اسے جاننا چاہیے۔“  
 ”چلا جاتا ہوں آپ کو میرا احساس نہیں۔“ وہ ہل پھینک کر اٹھا اور جوتے پہنے لگا۔







”نہیں نہیں میری بڑی بہن اور بہنوئی یہاں رہتے ہیں۔ میں دوسری بار یہاں آئی ہوں، ہم کلکتہ کے رہنے والے ہیں۔“

”اوکے۔“ وہ مختصر سا کہہ کر خاموش ہو گیا، چائے آگئی۔  
”کتنی شوگر۔“

”ون ٹی اسپون۔“

”آپ کافی ڈسٹرب دیکتے ہیں آٹھویں بھی سرخ ہیں۔“ وہ کپ اس کی طرف بڑھانے ہوئے بولی۔  
”یہ میرا پرسنل معاملہ ہے، سوری۔“

”سوری آپ یہاں۔۔۔“

”برنس کرتا ہوں۔“

”پلیز مجھے غلط نہ سمجھئے، آپ کو ڈسٹرب سادیکہ کر میں رہ نہ سکی۔“ وہ وضاحت کرنے لگی تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔

”آپ سے مل کر اچھہ لگ۔“ وہ پھر چائے اپنے اندر انڈیل کر کھڑا ہو گیا۔

”کیا ہم دوبارہ مل سکتے ہیں؟“

”ممکن نہیں ہی۔“

”میں یہاں تنہا بور ہو جاتی ہوں۔“ اس نے برابر کھڑے ہوتے ہوئے بتایا۔

”مس سنجھا بائے۔“ وہ اس سے زیادہ کچھ نہ بولا آگے بڑھ گیا۔



چھٹی کا دن تھا وہ کافی دیر سے سو کر اٹھا تو بھوک کا شدید احساس ہوا، ہاتھ منہ دھو کر فوراً کچن کی طرف آیا۔ شرمین اپنے لیے چائے بنا رہی تھی۔ بھولی سنک میں جمع ناشتے کے برتن دھوری لگی، بولی اندر آ کے فوراً ابکائی لیتا چنگی سے ٹاک دبا کر باہر نکلا۔ شرمین کچھ نہ سمجھ کر باہر نکلی تو وہ برس پڑا۔

”تم پاگل ہو یا تمہارا ٹاک بند ہے کس قدر گندے ٹیل کی بو آ رہی ہے اور تم اس لئے ساتھ کچن میں ہو۔“

”کون سی بو کس کے ساتھ؟“

”وہی جو بابا اتھلائے ہیں، مس بھولی!“

”ہمش..... ایسی کیا بات ہے، ٹیل اس نے لگایا ہوا ہے، تمہیں کیا؟“ شرمین نے ہنس کر ڈانٹا۔

”اور سارا گھر سڑ رہا۔ بے جہاں سے نزلرتی ہے گندے ٹیل کی بو آ رہی ہے اور کپڑے۔ بھی کتنے گندے ہیں؟“

”اچھا اچھا تم بتاؤ کیا کرنے آئے تھے؟“ شرمین نے دھیرے سے اس سے بریک لڑائی کہ کہیں بھولی سن نہ لے۔

”ناشتا کرتا ہے باہر لان میں۔ آف میرا سر چکر رہا ہے۔“ وہ کہتا ہوا باہر سے ہی لان کی طرف چھا گیا وہ اندر آئی تو بھولی ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”ہوں تو برتن دھل گئے۔“

”جی ہاجی!“

”بھولی! تم پریشان نہ ہونا بس یہ چھوٹے صاحب ذرا نازک مزاج ہیں۔“

”جی ہاجی!“ وہ نازک مزاج کا مطلب تک نہیں جانتی تھی بس ویسے ہی کہہ دیا۔



”اچھا! بھوکھو کچھ دیر بعد میرے کمرے میں آنا اب بڑی بیگم صاحبہ کے پاس جاؤ ان کو کوئی کام ہے تو کرو۔“ شرمین نے بہت نرمی سے کہا۔

”میں کوشش کروں گی کہ آپ کی باتیں سمجھ جاؤں۔“ وہ بھر بھر کر بولی تو شرمین کو اس کی معصوبیت پر ہنسی آ گئی۔  
 ”ہاں! بالکل سب سمجھ میں آ جائے گا فکر نہ کرو خوش رہو۔“  
 ”مجھے مایا قاتی ہے اپنا گھریا آ رہا ہے۔“ وہ ایک دم ہی رونے لگی۔  
 ”ارے ایسے تھوڑا کرتے ہیں کیا یہ گھر نہیں ہے؟ تمہارے ماموں ہیں ہم سب ہیں اپنا دل لگاؤ۔ مرنے والوں کے ساتھ مرنے نہیں سکتے۔“ شرمین نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔  
 ”میں یہاں رہنے کے قابل نہیں۔“

”کیوں؟ میں تمہیں طریقہ بتاؤں گی ابھی تم جاؤ میں چھوٹے صاحب کا ناشتا بنا لوں پھر بات کریں گے۔“  
 ”بی بی جی! آپ بھی جائیں بابا کے لیے ناشتا میں بنا کر لاتا ہوں۔“ اسی وقت خانساں آ گیا۔ شرمین نے ان کے کہنے پر اپنا چائے کا کپ لیا اور باہر لان میں بولی کے پاس آ گئی وہ اخبار پڑھ رہا تھا۔  
 ”خانساں ناشتا لا رہا ہے۔“

”لو کے۔“ بولی نے دلچسپ نظروں سے اس کے کمرے کمرے سادہ سے چہرے کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ وہ اپنے خیالوں میں محو چائے کی چسکی سے ہی عارض کا چہرہ نظروں میں تھا۔ بولی کے لیے ناشتا آ گیا تو وہ بولا۔  
 ”میرا ساتھ نہیں دو گی؟“

”میں ہونہ۔۔۔۔۔ نہیں بس ایک مرتبہ ناشتا کر چکی ہوں۔“  
 ”تو کیا ہوا؟“

”تو یہ کہ مزید کی گنجائش نہیں۔“  
 ”پلیز تھوڑا سا۔“

”بولی! ہر بات کی ضد نہیں کرتے۔“  
 ”تو پھر مان کیوں نہیں جانتیں۔“ وہ ناشتا چھوڑ کر بیٹھ گیا تو وہ مزید غصے میں آ گئی۔  
 ”ہر بات ماننے کی نہیں ہوتی۔“  
 ”مجھے تمہاری ہر بات ماننا اچھا لگتا ہے۔“

”تمہاری اپنی مرضی ہے اور میری اپنی۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔  
 ”شرمین! اگر تم کہیں تو میں سارے برتن توڑ دوں گا۔“ اس نے دھمکی دی۔  
 ”توڑ دو اس طرح تم مجھے مجبور کرتے ہو۔“ وہ بھی ضد پر اڑ گئی۔  
 ”تو پھر یہ لو۔“ بولی نے ٹرے اٹھا کر فرش پر دے ماری اور منہ پھیر کر بیٹھ گیا۔  
 ”بولی! مجھے سب بات مت کرنا۔“ وہ غصے سے کہہ کر چلی گئی تو اسے اور زیادہ غصہ آ گیا پیچھے سے چلایا۔  
 ”کچھ نہیں کھاؤں گا بھوکہ مر جاؤں گا سن لو۔“ مگر وہ رکی نہیں۔



بولی نے جیسا کہا ویسا ہی کرنا تھا شرمین کو اندازہ تھا مگر پھر بھی وہ ذہن جھٹک کر بھولی کے لیے اپنے پرانے ذرا چھوٹے سائز والے کپڑے تلاش کر کے نکالتی رہی۔ بھولی آنکھیں پھاڑے اس کے کمرے کو دیکھ رہی تھی اس نے ایسا



کر صرف فی دی ڈراموں میں دیکھا تھا۔

”کیا دیکھ رہی ہو؟“ شرمین نے پوچھا۔

”ہاجی! آپ کا کمرہ آپ کی طرح خوب صورت ہے۔“

”ارے تم تو بڑی اچھی باتیں کرتی ہو۔“

”ہاجی! مجھے باتیں نہیں آتیں۔“

”آجائیں گی۔“

”آپ سے سیکھ جاؤں گی۔“

”اچھا! یہ لو کپڑے تمہارے لیے ہیں اور بھی بازار سے لادوں گی۔“

”یہ تو بہت اچھے ہیں۔“

”ہاں لیکن میری بات توجہ سے سنو! اچھی طرح نہانا بالوں کو شیو کرنا اور یہ تیل اب نہیں لگانا بڑی گندی سی ہو ہے۔“

”اچھا جی۔“

”گور یا تاسرہ بھی نہیں لگاتے۔“

”یہ کچل ہے (کا جل ہے)۔“ اس نے تکیں دکھائیں۔

”کچھ بھی ہے یا تانہیں لگاتے۔“ اس نے سمجھایا۔

”میری آنکھیں اچھی نہیں ہیں؟“

”اچھی ہیں تم بہت اچھی ہو! اب کچھ تبدیلی لاؤ۔“ اس نے اپنے دو سیلپرز بھی اسے نکال کر دیئے۔

”میں جاؤں؟“

”ہاں پہلے نہاؤ صاف ستھری بچی بن کر آنا۔“

”جی اچھا۔“ وہ مسکراتے ہوئے گئی تو شرمین نے کہا۔

”اپنے ماموں کو میرے پاس بھیجئے۔“

”ماموں تو باہر گئے ہیں۔“

”جب آجائیں تب۔“

”ٹھیک ہے میں کمرہ صاف کرنے کب آؤں؟“

”نہا کر صاف ستھری ہو کر آ جاؤ۔“ وہ چلی گئی تو وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ بولی ابھی تک اسی پوزیشن میں بیٹھا تھا

اس کے لیو پر۔ بے ساختہ مسکان نکھیل گئی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)







آپ کے دائیں

تھک گیا ہے دل وحشی مرا فریاد سے بھی  
جی بہلتا نہیں اے دوست تری یاد سے بھی  
اے ہوا کیا ہے جو اب نظم چمن اور ہوا  
صید سے بھی مرا سم ترے، صیاد سے بھی

”زناکت بیٹا کہاں ہو؟ بھائی آ گیا کھانا لگا دو۔“  
نی وی پر اپنا پسندیدہ ڈرامہ دیکھتے ہوئے زناکت کے  
کانوں میں امی کی آواز آئی تو وہ منہ بناتے ہوئے اٹھ  
کھڑی ہوئی۔  
”چلو خیر ہے میں رہیت ٹیلی کاسٹ میں دیکھ لوں  
گی۔“ اس نے سوچتے ہوئے کچن کی راہ لی۔  
کھلے برآمدوں اور کچن پر مشتمل یہ چار کمروں کا گھر  
اپنی بہو کے نام کر دیا بیٹے کو دھکا کر انہوں نے باقاعدہ  
اجازت لی۔



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety1](https://twitter.com/paksociety1)







کی گوری رنگت لے کے پال اور بڑی بڑی آنکھیں اس کے منہ پر چھپ سی گئی تھیں۔ اس کا منہ سارا دن چلتا رہتا تھا اور برگر اور جنگ نوڈ اس کی کمزوری اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی کہ لوگ کس طرح اس کے منہ پر کا مذاق اڑاتے ہیں مگر جب احتشام اسے ”موٹی“ کہہ کر بلاتا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ جاتی۔ آج بھی جب اس نے کھانے کی ٹرے عاتشام کے سامنے رکھی تو وہ کراؤ کر بولا۔

”نزاکت خدا کے لیے تم آلو تم پکایا اور کھایا کرو ورنہ کھا کھا کر کسی دن پھٹ جاؤ گی خدا جانے خالہ نے تمہارا نام ”نزاکت“ کیوں رکھا تمہارا نام تو میرے حساب سے ”برکھم“ کی آخری توپ“ ہونا چاہیے تھا بھلا تمناؤ ”گوشت کے پہاڑ“ کا نام نزاکت۔“ اس نے حرا سے بریانی کھاتے ہوئے شرارت سے کہا۔

”احتشام بھائی!“ نزاکت زور سے دھاڑی آپ کون ہوتے ہیں مجھے ٹوکنے والے خود کو دیکھا ہے کبھی آئینے میں اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی شروع کر دو تو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے۔“ نزاکت نے برا سامنے بنایا تو احتشام کا لٹک شکاف قہقہہ بلند ہوا کیونکہ یہ حقیقت تھی کہ اپنے ۶ فٹ ۳ انچ قد اور کسرتی جسم کے ساتھ وہ بے حد سمارٹ اور نمایاں لگتا تھا لیکن رنگ اس کا کافی دیتا ہوا تھا جس پر اکثر نزاکت چوٹ کستی رہتی تھی۔

”تم جلتی ہو میری اسٹارٹس۔۔۔“ اس نے پھر چھیڑا۔

”میری جلتی ہے جوتی۔“ نزاکت بھنا کر بولی۔

”بھلا کالے کو۔۔۔ سے میں کیوں جلوں گی۔“ وہ بھی اس کی رنگت پر چوٹ کرنے سے باز نہیں آئی۔

”خیر جسے گندی رنگ بے حد پسند ہے بلکہ لڑکیاں تو مرنے ہیں میرے رنگ پر تمہاری طرح تھوڑی ”پھیکا“ یا ”ماش“ کی وحلی وال۔۔۔“ اس نے جملہ چست کیا جو نزاکت کی برداشت سے باہر تھا وہ چپ لے کر اس کے پیچھے دوڑی تو وہ کمرے میں داخل ہوئی خالہ کے پیچھے

چھپ گیا۔

”خالہ مجھے اس بلڈوزر سے بچائیے۔“ وہ گھگھیا کر مسکین سی شکل بنا کر بولا۔

”نزاکت پاگل ہوئی ہو احتشام تم سے بڑا ہے کیوں ہاتھ پائی پر اترا آئی ہو“

”امی سمجھالیں اس کالے دیو کو میرے منہ نہ لگے ہر وقت میرے کھانے کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔“

نزاکت چپے پھینک کر رونے لگی اور عالیہ بیگم کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

انہوں نے بڑھ کر نزاکت کو گلے سے لگایا اور احتشام کو کمر پر ایک دو تھوڑا سید کرتے ہوئے غلطی سے بولیں۔

”بہت تنگ کرتے ہو میری بیٹی کو“ آنے دو تمہارے خالو کو میں شکایت کروں گی میری نازک پدنی کو تم موٹی کہتے ہو۔“ عالیہ کی شرارت محسوس کر کے احتشام نے ان کے گلے میں ہاتھیں ڈالتے ہوئے شرارت سے کہا۔

”میں کہاں تنگ کرتا ہوں اس بارہ من کی دھوبن کو۔“

نزاکت نے گھور کر دونوں کی طرف دیکھا اور غصے سے واگ آؤٹ کر گئی۔

”کہا بدتمیزی ہے احتشام۔“ خالہ نے قہر آلود نظروں سے اسے گھورا تم جانتے ہو، تمہارے ساتھ کھانے کے لیے بھوک پیٹتی تھی اور تم نے مارا ضرب کر دیا۔ جانتے ہو وہ بھوک کی کتنی کچی ہے۔“ نزاکت کمرے میں آ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ احتشام جو اس کے من میں مدتوں سے بسا تھا جس کی ہر بات اس کے سینے میں محبت کے سوئے جذبات میں آگ لگ دیتی تھی وہ جب اس کو مذاق کا نشانہ بناتا تو وہ اللہ سے شکوہ کرنے لگتی کہ اللہ تو نے مجھے مونا کیوں بنایا اور امی نے زیادہ کھانے کی عادت کیوں ڈالی؟“ وہ جب بھی ڈانٹنگ کرنے لگتی اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے اور پیٹ میں آنکھیں سی ہونے لگتی آج بھی وہ روتے روتے سو گئی اور خواب میں اپنے شہزادے کے ساتھ محبت کی دادیوں میں گھومنے لگی۔

”کھٹ کھٹ!“ اس کا سینہ پھٹا ٹوٹ گیا۔









آج کل نزاکت سخت پریشان تھی۔ عالیان کا التفات اس پر دن بدن بڑھتا جا رہا تھا وہ جس طرح تنہا لہو سے اس کی طرف دیکھتا اس کا دس چاہتا اس کی آنکھیں نوچ لے یا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے شہرینہ کو ڈاکٹر بننا دیکھ کر اب اس کو اپنے سابقہ فیصلے پر افسوس ہوتا تھا۔ عظیم الدین ڈاکٹر تھے اور ان کی شروع سے خواہش نزاکت کو ڈاکٹر کے روپ میں دیکھنے کی تھی مگر وہ بے حد ڈر پوک اور بزدل تھی مینڈک کی چرچھاڑ اور ارتھ وارم دیکھ کر اس کا جی مٹانے لگتا۔ اس کے باوجود اچھے نمبروں سے پاس ہونے کے اس نے میڈیکل لائن اختیار کرنے سے صاف انکار کر دیا اور بی کام میں داخلہ لے لیا لیکن اپنے خالو کی اس خواہش کا احترام احتشام نے کیا اور اب وہ ہاؤس جاب کے بجائے USMLE کی تیاری کر رہا تھا ساتھ ہی خالو کے پرائیویٹ کلینک میں بھی بیٹھتا تھا جو وہ صبح سرکاری ملازمت کے بعد شام کو چلاتے تھے جب احتشام اور شہرینہ اس پیشے سے متعلق گفتگوں باتیں کرتے تو نزاکت کے سینے پر سانپ لوٹ جاتے اسی دوران جب عالیہ نیگم سے جھڑپائی نے نزاکت کے لیے عالیان کے دہشتے کی بات کی تو انہوں نے شوہر کو بتانا ضروری سمجھا اور وہ سوچ میں پڑ گئے۔

”نیگم میرا تو خیال احتشام اور نزاکت کے رشتے کے لیے تھا ہمارے سامنے کا بچہ ہے پھر اس طرح نزاکت بھی ہماری نظروں کے سامنے رہے گی یعنی کہ ”ہلدی لگی نہ پھکری رنگ بھی چو کھا آئے“..... وہ ذرا بھی سنجیدہ نہ تھے اس رشتے پر۔

”سوچا تو میں نے بھی یہی تھا لیکن دونوں جس طرح ایک دوسرے سے لڑتے ہیں مجھے نہیں لگتا کہ ساری زندگی ایک دوسرے کو برداشت کریں گے۔“

”خیر لڑنے جھگڑنے کی تو بات ہی مت کریں ہم تم نہیں لڑتے کیا؟“

”عظیم الدین صاحب، ہم میاں بیوی ہیں ایک

اپنا گھر ان کے شایان شان نہ ہونے کی وجہ سے کچھ شرمندگی کا شکار رہے لیکن ان کے کزن کے رویے نے جلد ہی یہ احساس زائل کر دیا۔ خاص طور پر عالیان بالکل اپنے والدین کا پرتو تھا سنجیدہ پرکشش اور عاجزی کا پیکر جبکہ اس کی بہن شہرینہ بالکل الٹ تھی۔ عالیان کو حیرت ہوتی تھی جب سارا دن احتشام و نزاکت کا مذاق اڑاتے دیکھتا کیونکہ اس کی گلابی رنگت، نیلے نقوش، بھرا بھرا گداز بدن اور گٹاؤں جیسی زلفیں اس کے دل پر اثر کرنے لگی تھیں اور آٹھ گھنٹوں میں بس گئی تھیں۔ اس کو یقین تھا کہ جی جان نزاکت کے لیے احتشام کو ہی زندگی کا ہم سفر جنس کی مگر احتشام اور نزاکت کی سارے خون کی لوک جھونک نے اس کو قدرے اطمینان دلادیا کہ نزاکت کو اپنانے میں کوئی رکاوٹ حاصل نہیں۔ اسی دوران احتشام دوستوں کے ساتھ بارون امپریاز گھومنے چلا گیا تو نزاکت کو لگا اس کا دل ہی نہیں پورا گھرویراں ہو گیا۔ ایک دن موقع دیکھ کر عالیان ماں سے لپٹ گیا۔

”اماں مجھے نزاکت چاہیے۔“

”باؤلا ہوا ہے نزاکت نہ ہونی کوئی کھلونا ہو گیا۔“ وہ بکڑ کر یولیس پھر کچھ سوچتے ہوئے گویا ہوئیں۔ ”میرا خیال ہے بھابی نزاکت کی شادی احتشام سے کریں گی گھر کا اور دیکھا بھالا بچہ ہے۔“

”پہلے میرا بھی یہی خیال تھا لیکن آپ نے خود بھی دیکھا ہے دونوں سارا وقت لڑتے رہتے ہیں ایک منٹ ایک دوسرے کو برداشت نہیں کرتے اور پھر شادی تو ساری زندگی کا فیصلہ ہے۔“ عالیان جلدی سے بولا۔

”کہہ تو تم ٹھیک، مگر یہ ہونے پر نزاکت مجھے بھی پسند ہے مگر.....“ وہ ہرارت سے برہنہ۔

”ذرا سوچی ہے مگر خیر شہر اور بکری جب ایک گھاٹ پر پانی نہیں گے تو وہ خود خود بخود دلی ہو جائے گی۔“

”مگر اماں یہ تو آپ کے ساتھ زیادتی ہوگی۔“ عالیان نے احتجاج کیا۔ ”آپ تو پہلے ہی بہت دلی پتی ہیں۔“ عالیان کے جوابی حملے پر چچی کی ہنسی چھوٹ گئی۔



احتشام کی باہر کی تعلیم کا پورا خرچہ خود اٹھائیں گی بلکہ اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے میں اس کی پوری پوری مدد کریں گی۔ عالیہ بیگم خوش ہو گئیں مرنوم بہن! بہنوئی کے آگے سرخرو ہو جائیں گی جب احتشام کو ایک اونچا مقام مل جائے گا مگر جب انہوں نے اپنے شوہر سے رشتے کی بات کی تو خرچے کی بات گول کر گئیں کیونکہ وہ جانتی تھیں احتشام کو وہ بے حد چاہتے ہیں انا بہت اور خود دار بھی بہت ہیں خرچے کی بات سن کر اچھے سے ساکھڑ جائیں گے۔



نزاکت رات کا کھانا تیار کر رہی تھی کہ عالیاں دبے پاؤں اندر آ گیا وہ گھبرا گئی۔

”آپ باہر چلیں کسی چیز کی ضرورت ہے تو کہہ دیں میں دے دوں گی۔“

”آخر تم مجھ سے اتنی کتراتے کیوں ہو کیا تمہیں نہیں معلوم کہ چچی جان نے تمہارے رشتے کے لیے ہاں کر دی ہے بلکہ احتشام بھی میرا بہنوئی بن جائے گا۔“ اس کا لہجہ خفا نود ہو گیا۔

”بس چند دن کی دہری ہے پھر تم ہمیشہ کے لیے میری بنادی جاؤ گی اور شہرینہ کو بھی اس کی خوابوں کی تعبیر مل جائے گی وہ بھی احتشام کو بہت پسند کرتی ہے۔“ وہ باہر جا چکا تھا سینے میں ایک گنگا کرنزاکت کو لگا اس کا وجود شعروں کی زد میں ہے اس کے کانوں نے یہ کیا سنا تھا کیا محبت کی عمر اتنی مختصر تھی کہ اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ خواب دریا برد ہو گئے۔

”جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے۔“

وہ بری طرح رونے لگی تب عالیہ بیگم نے کچن میں قدم رکھتے ہوئے خوشی خوشی اس کے کانوں میں زہرا نڈیلا۔

”نزاکت میں نے تمہاری بات عالیاں سے اور احتشام کی شہرینہ سے طے کر دی ہے اب میری بیٹی راج کرے گی۔“ انہوں نے بے اختیار اسے گلے سے لگانا۔

دوسرے کا لباس ایک دوسرے کی عزت ایک دوسرے کی ضرورت..... ہمیں نامہ ساتھ رہنا ہے کیونکہ نکاح کا بندھن اگر فریقین چاہیں تو سب سے مضبوط..... ورنہ دھماگے سے بھی زیادہ تازک بندھن ہوتا ہے اور اس رشتے کو مضبوطی صبر ایثار اور قربانی، تحمل و برداشت دیتا ہے۔ ہزاروں اختلافات کے باوجود ہم اسے دل میں نہیں رکھتے۔ کیونکہ محبت تو اس پانی کی طرح ہوتی ہے جو کھڑا رہے تو بدبو دیتا ہے سڑ جاتا ہے اور ناپاک ہوتا ہے اور بہتا رہے تو پاک اور صاف ہوتا ہے اور جس رشتے میں پہلے ہی اتنی دراڑیں ہوں وہ نکاح کے بعد کیا بھر جائیں گی؟“

”بات تمہاری ٹھیک ہے مگر میں چاہتا ہوں تم ایک مرتبہ نزاکت اور احتشام سے پوچھ ضرور لو ورنہ ایسا نہ ہو بعد میں پچھتا پڑے۔“ عالیہ بیگم سوچ میں پڑ گئیں اور نزاکت کی ماں بن کر تھوڑی سی خود غرض بھی۔ مالی طور پر احتشام کا عالیاں سے کوئی مقابلہ نہیں تھا احتشام کو مستقبل بنانے میں ماتم لگنا تھا جبکہ عالیاں وکیل بننا چاہتی تھیں۔ سی اسے کے بعد وہ ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی پوسٹ پر تھا۔ تین لاکھ کی پرسکشن تنخواہ کے ساتھ گاڑی بولس علیحدہ پھر اپنی باپ کی جائیداد کا تہاوار۔

ان کے میاں بھی ڈاکٹر تھے ساری زندگی وہ تنہائی کا شکار رہیں۔ ان کے پاس گھر کے لیے وقت ہی نہیں ہوتا تھا وہ تو اتوار کو بھی اپنے پرائیویٹ کلینک جاتے تھے تب جا کر عزت سے گزر رہے ہوتی تھی۔ ہر قریب میں عام طور پر وہ تنہائی شریک ہوتی تھیں اور انہیں اکثر عظیم الدین سے اس کی شکایت بھی رہتی تھی۔ اور بھانجا بھی ڈاکٹر بن رہا تھا وہ کیسے اپنی بیٹی کو اس غیر محسوس آگ میں جھونک دیتیں جس کا شکار وہ ساری زندگی رہیں وہ تو اکثر مذاق مذاق میں کہتی بھی تھیں کہ خدا نہ کرے کہ کسی کی شہنوی ڈاکٹر سے ہو۔“ ان کو احتشام سے بے حد محبت تھی مگر بیٹی کی مامتا اس پر غالب آ گئی اور انہوں نے نزاکت سے پوچھے بغیر ہاں کر دی تب جھٹانی نے جھجکتے ہوئے شہرینہ کے لیے احتشام کا رشتہ مانگ لیا ساتھ ہی انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ



”ای.....!“ نزاکت زور سے چیخ پڑی۔ ”یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟“ مگر انہوں نے اس کے تاثرات جانے بغیر سلسلہ کلام جاری رکھا۔

”مجھے یقین ہے کہ تم بے حد خوش رہو گی، ٹھیک ٹھاک دیکھے بھالے جانے پہچانے اور پیسے والے لوگ ہیں پہلے میرا ارادہ احتشام کے لیے تھا لیکن تم دونوں کو تو لڑنے ہی سے فرصت نہیں میں نے سوچا اپنی مرضی تم دونوں پر مسلط کرنا ٹھیک نہیں احتشام بھی سوچ سکتا تھا خالہ نے اس سے احسانوں کا بدلہ لے لیا، پھر ہم اس کو کیا دے سکتے تھے جو شہرینہ سے شادی کر کے اس کو ملنے والا ہے۔“

”ای۔ مجھ سے پوچھ تو لیتیں یہ آپ نے کیا کر دیا؟ آپ اور ابو تو گھر کی ایک معمولی چیز بھی مجھ سے پوچھے بغیر نہیں خریدتے اور میری زندگی کا انتخاب فیصلہ آپ نے مجھ سے پوچھے بغیر ہی طے کر دیا؟ آپ نے کب بیٹی کو دولت کے پیچھے بھاگتے دیکھا تھا؟ کب زندگی میں ادوی چیزوں کو میں نے اہمیت دی؟ میری دنیا تو بڑی محدود اور میرے خواب تو بڑے سادہ تھے آپ نے سوچ بھی کیسے لیا کہ دولت میری ترجیحات میں شامل ہے آپ نے دولت کے ترانوہ میں میری خوشیاں تول لیں؟ ای۔ آپ نے یہ کیا کیا؟“ وہ بغیر ماں سے کچھ کہے دل ہی دل میں سوچتی ہوئی کمرے میں آ گئی اور کمرہ بند کر کے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی آج اسے احتشام شدت سے یاد آ رہا تھا اور شاید یہ اس کی محبت کی شدت ہی تھی کہ احتشام اپنا دورہ مختصر کر کے آ گیا اور حیران رہ گیا۔

”نزاکت یہ تم ہو؟“ اس نے حیرت سے اس کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے کہا جو جل جل کر اور کوڑھ کوڑھ کرتا دھا بھی نہیں رہا تھا اس کے سامنے نزاکت کی شکل میں ایک نازک دھان پانی سی دو شیرہ کھڑی تھی جس کی آنکھوں میں دکھ کے سائے ٹکورے۔ لہ رہے تھے اور چہرہ حسرت و یاس کی تصویر بنا ہوا تھا۔

”موتی تم نے میری بات کو سیریس لے لیا۔ یار مجھے تو اپنی وہی گول منول ہنسی کھٹکھٹاتی نزاکت ہی پسند ہے

غزل

بھلا دوں گی تجھے میں ذرہ دل پر اختیار ہونے دے  
سب کی دوا کروں گی زخموں کو بے شمار ہونے دے  
رنجشوں کے سوا ٹوٹنے دیا بھی کیا اے زندگی!  
اب اجل کو ہی میرا طلب گار ہونے دے  
قبل اس کے کہ ہر سانس اشکوں میں ڈوبے  
مت باندھ باندھ دل پر آنکھیں اٹکھار ہونے دے  
اب کرنے کو اس ہر جائی پر بچا ہی کیا تھا  
بے وفائی پر اپنی اس کو شرمسار ہونے دے  
تیری آغوش میں ہی بکھروں گی یہ ارمان زندہ رکھ  
بس میرے درد کی حدوں کو پار ہونے دے  
حیران قریشی..... لاہور

لڑتی جھگڑتی، غصہ کرتی، اور برے برے منہ بتاتی۔  
نزاکت کا دل چاہ رہا تھا حواڑے مار دے۔  
”کیا بات ہے وزن کے ساتھ ساتھ قوت گویائی بھی  
رخصت ہوئی لگتا ہے میری جدائی کا زیادہ ہی اثر ہو گیا۔“  
دوشوخی سے بولا اور نزاکت جواب دیے بغیر پلٹ گئی۔



رات اس نے خالہ کو جالیا۔

”خالہ امی کوئی خاص بات ہے کیا مہمان بھی اب  
تک یہیں ہیں کہیں ان کا دل آپ کے خور و بیئے پر تو  
نہیں آ گیا۔“ اس نے شرارت سے کالر جھاڑے۔ اور  
وہ ہنس پڑیں۔

”شریر کہیں کا اڑتی چڑیا کے پر گن لیتا ہے دراصل  
تیری تانی نے نزاکت کو عایان کے لیے مانگا ہے اور  
شہرینہ کے لیے تجھے پسند کیا ہے اور میں نے ہاں کر دی۔“  
یہ دیکھے بغیر کہ احتشام کے ماتھے پر انگشت ٹکھنوں کا جال تن  
گیا ہے اور شرمی آنکھوں میں نکاس ہو چکے لگے ہیں۔

”بیٹا عایان بہت بڑی پوسٹ پر کام کر رہا ہے پھر تانا  
تانی بھی کافی متمول ہیں گاڑی بنگلہ نوکر چاکر روپے پیسے  
کی ریل پیل میری بیٹی عیش کرے گی پھر شہرینہ سے رشتہ



ہے اب تو بھائی کہنا چھوڑ دو اور سنو آئندہ میرے سامنے مرنے کی باتیں مت کرنا میں کیا تمہارے بغیر زندہ رہ سکوں گا ہم دونوں ہی ان شاء اللہ ایک ساتھ زندہ رہیں گے کس کی وبال جو میری موتی بھینس کو مجھ سے جدا کرے۔“ نزاکت کو ہنسانے کے لیے اس نے چھیڑا مگر اس کے آنسو نہ تھے۔

”بے شک آپ ٹھہرینہ سے شادی کر لیں وہ خوب صورت بھی ہے اور دولت مند بھی لیکن اگر میری شادی عالیاں سے کی گئی تو میں خودکشی کر لوں گی۔“ اس نے دھمکی دی۔

”خبردار“ وہ خفا ہو گیا۔ ”اب اگر تم نے مرنے نہ دینے کی باتیں کیں تو پیٹ جاؤ گی اور رہا شہرینہ سے شادی کا سوال تو بھی معاملہ دل کا ہے دل گدھی پر آئے تو پری کیا ہمیں تو اپنی یہ بھینس ہی پسند ہے جو جل جل کر اب سب سلائی ہو گئی ہے اور بالکل اچھی نہیں لگ رہی بس تم خوش رہو اللہ کے بعد مجھ پر بھروسہ کھو میں اتنی آسانی سے ہار ماننے والا نہیں۔“



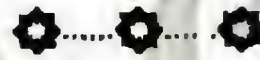
خالو کا کینک عموماً احتشام ہی کھولتا تھا آج اس نے خاص طور سے اینڈرنٹ لوتا کید کی تھی کہ جیسے ہی خالو ابو آئیں انہیں اندر بھیج کر کسی مریض کو اندر نہ آنے دینا۔ جب تک کہ وہ مریض کو خود نہ بلائے۔ آج کل سب ہی بہت مسرور تھے شہرینہ کی فکری رو کے نہیں رک رہی تھی عالیاں کی آنکھیں اندرونی مسرت کے احساس سے دمک رہی تھیں ایک احتشام ہی تھا کھوپا کھریا لٹا لٹا اور خالو ابو کی جہاندیدہ نظریں اس کا بغور مطالعہ کر رہی تھیں ادھر ان کی بیٹی کو جانے کیا ہوا تھا جب سے اس کی بات طے ہوئی تھی وہ دن بدن گھٹتی جا رہی تھی آج چہرے کی شاواہیاں اور گلابیاں زردیوں میں ڈھل گئی تھیں جس کو سب ”گول منول“ کہتے تھے خطرناک حد تک سونتی جا رہی تھی جیسے کسی نے خون نہچوڑ لیا ہو۔ وری وری ابھی سبھی ایک خوف زدہ ہرنی کی طرح یہ ان کی وہ بیٹی تو تھی جو سارا دن چپھاتی بلبل کی

ہوئے پر تمہارے خوابوں کی بھی تکمیل ہو جائے گی تمہاری اتلی تعظیم کا خرچہ ہی لوگ اٹھائیں گے۔“

”خالہ امی اپنی بیٹی کے بارے میں فیصلہ کرنے کا آپ کو پورا حق ہے لیکن آپ نے میرے بارے میں اتنا بڑا فیصلہ مجھ سے پوچھے بغیر کیسے طے کر لیا؟“ وہ غصے سے دھاڑا۔

”بیٹا مجھے تم پر اعتماد تھا کہ تم انکار نہیں کرو گے بے شک تم میرے بھانجے ہو لیکن ماں بن کر پالا ہے تمہیں۔ کیا ماں ہونے کی حیثیت سے میرا اتنا بھی حق نہیں۔“ آخر میں ان کی آواز گلو گھر ہو گئی اور احتشام نے جھپٹ کر انہیں گلے لگا لیا۔

”خالہ امی میرا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا آپ کو سارے حقوق حاصل ہیں آپ کسی فقیرنی یا چمارن سے بھی میرا رشتہ طے کر دیں گی تو مجھے انکار نہ ہوگا میں ذرا جذباتی ہو گیا تھا لیکن ایک بات میں واضح کر دوں تاکی امی کو بتادیں میں کوئی بکا و مال نہیں میری بولی نہ لگائیں ابھی میرے بازوؤں میں اتنا دم ہے کہ میں اپنا خرچہ خود اٹھا سکوں۔“ وہ تیزی سے اٹھ کر باہر چلا گیا اور عالیہ بیگم کو لگا کچھ گڑ بڑ ضرور ہے۔



رات کے کھانے پر سب موجود تھے سوائے احتشام کے پھر نزاکت سے بھی کھانا نہیں کھایا گیا سب سو رہے تھے اور نزاکت احتشام کے انتظار میں جاگ رہی تھی اس نے آتے ہی پہلا سوال کیا۔

”تم نے کھانا کھایا؟“

”آپ نے کھایا؟“ نزاکت نے سوال کے جواب میں سوال کیا احتشام کا دل گداز ہو گیا۔

”آؤ دونوں مل کر ساتھ کھاتے ہیں۔“ نزاکت کھانا کھاتے کھاتے رو پڑی۔

”احتشام بھائی میں مرجاؤں گی اگر میری شادی عالیاں سے ہوئی تو۔“

”اف پاگل لڑکی یہ سارا فساد احتشام بھائی کہنے کا



مرح ان کے نکلن میں چمکتی رہتی تھی۔



بفتح کی شام منگنی کے لیے مقرر ہوئی۔ نزاکت کی امی نے بہت کم لوگوں کو مدعو کیا تھا۔ نزاکت اور احتشام نے ایسے ہی اپنے دوستوں کو بلانے سے انکار کر دیا تھا۔ رسم شروع کرنے سے پہلے احتشام کا انتظار تھا جس کو امی نے صبح سے گھرے لینے بھیجا تھا اور اب شام ہو رہی تھی، عظیم الدین بھی بے چینی سے ٹہل رہے تھے اس کا موبائل بھی بند تھا۔ نزاکت تو ویسے ہی برسوں کی بیمار لگ رہی تھی قیمتی کپڑوں میں ایک اپ اور زیورات نے بھی اس کا حزن و ملال ختم نہیں کیا تھا۔ اچانک عظیم الدین کا موبائل بج اٹھا وہ اسے لے کر کونے میں چلے گئے ان کے چہرے سے پریشانی ہو رہی تھی اور چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، کچھ بولے بغیر وہ تیزی سے سب کو حق و حق چھوڑ کر جا چکے تھے اور عالیہ بیگم کے دل کو پتھ لگ گئے تھے۔ نزاکت کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں رنگ میں بھنگ پڑ گیا تھا۔ مہمان آنا شروع ہو گئے تھے اور ان دونوں کی کوئی خبر نہ تھی۔ اچانک ایسبوسینس کے شور سے محلہ گونج اٹھا۔

”اللہ رحم کرے۔“ عالیہ بیگم کے منہ سے نکلا تب ہی کئی لوگ احتشام کو اسٹریچر پر ڈالے اندر داخل ہوئے جو سر سے پیر تک پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا اس کا ایک جگری دوست اور کلاس فیلو ڈاکٹر بھی اس کے ہمراہ تھا جس نے ڈرب پکڑی ہوئی تھی۔ نزاکت اور عالیہ بیگم ایک ساتھ چیخنے لگیں۔ نزاکت جو کمزوری سے پہلے ہی بے حال تھی یہ صدمہ برداشت نہ کر سکی اور بے ہوش ہو کر ماں کی بانهوں میں آ رہی جس کو فوراً ہی ڈاکٹر حماد نے سکون کا انجکشن لگایا۔ نزاکت کی بے ہوشی پر سب سے زیادہ تشویش عالیاں کو تھی۔

”کیا ہوا سیرے بچے کو۔“ خالہ نے بے قراری سے پوچھا۔

”پھول خرید کر دوڑ کر رہا تھا کہ گاڑی نے ٹکرا دی کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے ڈاکٹر تو چھوڑ نہیں رہے۔“

## ردا فاطمہ

میری طرف سے آنچل اسٹاف اور آنچل کی پیاری سی قارئین کو خلوص دل سے سلام! میرا نام ردا فاطمہ ہے۔ میرا تعلق نکال کے چھوٹے سے گاؤں ڈھوکہ لس سے ہے۔ ہم تین بہن بھائی جیسا سب سے بڑی میں اس سے چھوٹا اور سب سے چھوٹا فیضان ہے۔ میں 10 جولائی 1996ء کو پیدا ہوئی، فرسٹ انیری کی طالب علم ہوں۔ آنکھیں بہت میں تھیں سب میرے اباؤں دنیا سے چل بسے۔ نیچر اور رائٹر بننے کا شوق ہے۔ آنچل کی تمام کہانیاں میری فیورٹ ہیں، فیورٹ ناول نگار میرا شریف طوڑن، یہ کنول نازی ہیں۔ آنچل سے میرا تعارف کنول نازی سے ہوا تھا۔ آنچل کے مدد کوئی اور ڈائجسٹ اچھا نہیں لگتا صرف میں آنچل ہی پڑھتی ہوں۔ آنچل کی میں جتنی بھی تعریف کروں کم ہے۔ میری فیورٹ فرینڈ عائشہ سردار، یہ عبا فاطمہ اور سارہ ہے۔ میری چار پھوپھی ہیں جو دنیا کی بیسٹ پھوپھی ہیں۔ ہورت نیچر، مس صائمہ مس رومانہ، مس فائقہ، مس شامین (جیسا کہ میری پھوپھی بھی نیچر ہیں)۔ فیورٹ ہسٹی فخرت محمد علی اللہ۔ وکٹوریہ فیورٹ کلاس فیلو کائنات اور بکثوم ہیں۔ میری کنول نازی، کرمان شافقہ مولا اور مانی سارے فیورٹ ہیں۔ اللہ میرے سنانا کو لمبی زندگی دے اور میرے پوچھنے، دادا دادی اور نانا کو جنت میں جہد عطا فرمائے آمین۔ اب آپ کو کیا یاد ہو؟ نہیں کروں گی اللہ آنچل کو ترقی دے آمین۔

تھے ڈاکٹر سدیم اپنی ذمہ داری پڑھا کر اگلے ہیں ویسے کوئی سیریس چوٹ نہیں، صرف دماغ پراثر ہوا ہے اور یادداشت صبح طور پر کام نہیں کر رہی ساتھ ہی ڈر ہے کہ کہیں پیرنکا ٹاپڑے؟“

”پھر ہوسپتال میں رکھنا تو مانا گھر کیوں لے آئے؟“

خالہ بے قراری سے بولیں۔

”کیسے رکھا آج اس کی منگنی جو ہے۔“ ڈاکٹر عظیم

الدین دکھ سے بولے۔

”ارے بھاڑ میں جا۔“ منگنی بیٹے کی زندگی سے



زیادہ تھوڑی ہے۔“ وہ بے قراری سے رونے لگیں۔  
اسی دوران احتشام کو ہوش آ گیا اور وہ اجنبی نظروں  
سے خالہ کو گھورنے لگا۔

”میرے چاند یہ کیا ہو گیا اس گھر کی خوشیوں کو کس کی  
نظر لگ گئی۔“ وہ اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے  
پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

”آپ کون ہیں؟“ بڑی دقت سے اس نے  
سوال کیا۔

”میں خالہ ہوں تمہاری۔“ وہ روتے ہوئے بولیں۔

”خالہ! کیسی خالہ کون تو خالہ میں نہیں جانتا کسی خالہ  
والا کو بس مجھے اپنے ابو امی کے پاس جانا ہے ابھی بھیج  
دیں۔“ وہ جانے کی ضد کرنے لگا اور سب پریشان ہو گئے  
جو نئی نزاکت کو ہوشیاری سے تیر کی طرح اس کے پاس پہنچی۔  
”احتشام بھائی! میں نزاکت پہچانتا آپ نے آپ  
جس کو سارا دن موٹی بھیجیں کہتے تھے۔“

”موٹی بھیجیں!“ وہ زریب بڑبڑایا۔ ”جاؤ یہاں سے  
نہیں جانتا میں تمہیں دفع ہو جاؤ سب کے سب اور مجھے  
اپنے ماں باپ کے پاس بھیج دو ورنہ میں کیس کروں گا۔“  
وہ بری طرح چیخا پھر کراہنے لگا۔

”پلیز آپ لوگ اسے تنگ نہ کریں میں اپنے  
رسک پر ڈسچارج کرا کر لایا ہوں۔ مجھے لگتا ہے  
اسے alzheimer کی بیماری ہو گئی ہے۔“ ڈاکٹر  
سدیم نے سنجیدگی سے کہا تو سب ہلن ہو کر اس کی  
فصل دیکھنے لگے۔

”اس بیماری میں انسان اپنی یادداشت کھو بیٹھتا ہے جو  
کبھی بحال ہو جاتی ہے۔ کبھی یادداشت ختم ہو جاتی ہے۔“  
اس نے وضاحت کی اور شہرینہ کا منہ بن گیا نزاکت کے  
آنسو نہیں ٹھہر رہے تھے اور سسکیاں طلق میں پھنس رہی  
تھیں ساتھ کھڑے لوگوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

”بچائے اس کے کتا پ لوگ شکر کریں کہ احتشام کی  
جان بچ گئی سب لوگ رورہے ہیں مجھے یقین ہے آج  
نہیں تو کل یادداشت بھی بحال ہو جائے گی۔ لیکن ناچک

ٹھیک بھی ہو گئی تو لنگ باقی رہے گا۔“ سدیم کی آواز بھرا گئی  
اور اس نے آنکھوں پر دو مال رکھ لیا۔ شہرینہ اس کے امی ابو  
اور عالیان ایک دوسرے کو عجیب نظروں سے دیکھ رہے  
تھے اور خوب صورت فیروزانی جدید تراش خراش کے لباس  
میں نزاکت کا چہرہ لٹھے کی طرح سفید ہو رہا تھا۔ عالیہ بیگم  
بدحواس ہو کر دکھ سے بولیں۔

”جانے کس کی نظر لگ گئی میرے چاند کو۔“ نزاکت  
نے احتشام کے سارے کام اپنے ذمے لے لیے تھے  
کھانا کھانا پانی پلانے، لے کر دو اٹھلانے تک ہر کام  
وہ بڑی محنت اور چابک دستی سے کر رہی تھی ملاں کا کوئی  
رنگ اور ٹھکن کا کوئی احساس اس کے چہرے پر نہیں تھا  
جیکہ شہرینہ کھڑے کھڑے آتی اور طبیعت پوچھ کر چلی جاتی  
تھی۔ ڈاکٹر سدیم کمرہ بند کر کے جب اس کی جینڈیج  
کرتے تو اس کی کراہوں سے ماں کا دل بھی بری طرح  
کنٹنے لگتا۔ ایک دن شہرینہ سرے ہی میں تھی جب احتشام  
نے ایک دم پوچھا۔

”یہ بڑی کون ہے؟“

”تمہاری منگیتیر ہے میں شہرینہ اسی سے تو اس دن  
تمہاری منگیتیر ہو رہی تھی جب تم زخمی ہوئے تھے۔“ عالیہ  
بیگم دکھ سے بولیں۔

”تو اب کرو یا کون سی دیر ہو گئی ہے لڑکی تو مجھے بہت  
پسند ہے بس آپ آج ہی اسے انگوٹھی پہنا دیں۔“ احتشام  
ضد کرتے ہوئے بولا۔ عالیہ نے بے بسی سے شہرینہ کی  
طرف دیکھا جس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

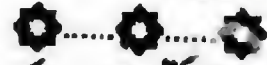
”اوہ! لنگڑا کہیں کا یادداشت سے فارغ کیا  
میرے لیے یہی رہ گیا۔“ وہ دوسرے کمرے میں  
آ کر آواز بلند بڑبڑاتی۔

”بری بات ہے شہرینہ ایسے نہیں کہتے وہ آج نہیں تو  
کل ٹھیک ہو جائے گا۔“ عالیان نے تسخیر کی۔

”بس بس آپ تو رہنے ہی دیں آپ کو اپنی فکر بڑھتی  
تا مگر میں بتا دیتی ہوں آپ کی شادی نزاکت سے ہو یا نہ ہو  
میں اس دماغی فارغ سے شادی ہرگز نہیں کروں گی“



”کیا بات ہے بیٹا کیوں جیج رہی ہو۔“ تائی نے اندر داخل ہو کر حیرت سے کہا۔  
 ”بس امی کل ہی واپس چلیں مجھے نہیں رہنا کیا پتہ آپ بیٹے کی خاطر بیٹی کو بھی لنگڑے لو لے کے پلے باندھ دیں۔“ وہ بگڑ کر بولی۔  
 ”پاگل ہوئی ہو آنکھوں دیکھی کبھی کون لکھا ہے ذرا صبر کر لو عالیاں کی منگنی ہو جانے دو پھر میں کوئی مناسب وقت دیکھ کر نکال کر دوں گی۔“



عالیاں حیران تھا کہ کتنی عجیب لڑکی ہے نزاکت میرے تو سائے سے بھی گھبراتی ہے اور سارا دن احتشام کی خدمت میں لگی رہتی ہے جو اس سے کتنا چڑتا ہے واقعی بڑی خوبیوں کی مالک ہے نزاکت نیک خدمت گزار اور سادہ۔ اس کی نظر میں نزاکت کی اہمیت اور بڑھ گئی۔  
 صبح ناشتے کے بعد جب احتشام کے سوا سب میز پر تھے تائی نے جھجکتے ہوئے کہا۔

”عالیہ میں اب واپس جانے کا سوچ رہی ہوں بہت دن رہ لیے تم آج اجازت دو تو عالیاں نزاکت کو انگوٹھی پہنا دے؟“ نزاکت کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور اس سے بیٹھا نہیں گیا۔

”میرا خیال ہے دونوں کام ایک ساتھ ہی ہو جائیں تو اچھا ہے احتشام سے بھی کہتے ہیں شہرینہ کو انگوٹھی پہنا دے جو کام کل ہوا تھا وہ آج ہو جائے تو اچھا ہے۔“ علیم الدین نے منانت سے کہا تو تائی ایک دم بول پڑیں۔

”دیکھو بھئی شہرینہ کی تو میں ابھی دو تین سال تک شادی کروں گی نہیں پھر منگنی کا قاعدہ؟ ہاں عالیاں کے لیے میں تیار ہوں۔“

”لیکن بھائی پہلے تو آپ نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا؟“ عالیہ کی آواز بھرائی۔

”کیونکہ پہلے ہمارا بیٹا تندرست و توانا اور لنگڑا نہ تھا اب ایک لنگڑے سے بھابی اپنی بیٹی کی شادی کیوں کریں

پتلی ساز

پتلی ساز کے من میں  
 کوئی نہ جانے  
 کیا سائی  
 ہٹا میں کمال مہارت سے  
 حسین و خوبرو  
 ماہ رخ و ماہ و ش  
 پتلیاں  
 جن میں زندگی کی رمت

فقط  
 پتلی ساز کی ڈوریوں کی جنبش سے ہے  
 جو نہ جانے  
 کب کہاں کہیں وقت  
 ختم جائے  
 تماشا گاہِ زیست میں  
 تماشا دکھائی  
 یہ حسین پتلیاں  
 پتلی ساز کے اسٹور روم میں  
 ابدی خند سو جاتی ہیں  
 وہ پھر نئی پتلیاں بنا کر  
 منظر عام پر لاتا ہے  
 اور بلا آخر ...

انہیں بھی اپنے اسٹور روم کی زینت بنا لیتا ہے  
 سمیرا بتول مغل..... شاہ کوٹ

کی؟“ علیم الدین نے صاف صاف بات کی۔  
 ”ایسا نہیں ہے علیم الدین۔“ تایا شرمندگی سے بولے۔ ”ہم تم سے شرمندہ ہیں شہرینہ راضی نہیں لیکن نزاکت کے لیے ہم تیار ہیں۔“  
 ”کوئی بات نہیں بھائی صاحب جس طرح نزاکت میری بیٹی ہے اسی طرح احتشام بھی میرا بیٹا ہے بہتر یہی ہے کہ اس بات کو یہیں ختم کر دیں ہمیں بھی نزاکت بیٹی کی شادی کی کوئی جلدی نہیں۔“ علیم الدین نے بڑی



پیروں پر کھڑا تھا نزاکت کی چیخ نکل گئی اور عالیہ دوڑی دوڑی آئیں اور ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔  
احتشام نے ایک دم ان کو گود میں اٹھا لیا۔

”ہاں میری خالہ آپ کے اور نزاکت کے لیے ہٹا کٹا ہوں اور باقی سب کے لیے لنگڑا قارغ الدماغ۔“ پھر کھانے کی میز پر علیم الدین صاحب نے ڈرامے کا پس منظر بتایا جو انہوں نے اس کے دوست ڈاکٹر سدیم کے ساتھ مل کر کھیلا تھا انہیں آج بھی وہ دن یاد تھا جب ان کے کلینک میں احتشام ن کی گود میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا اور ان کو لگا تھا اگر وہ چپ نہیں ہوا تو ان کا دل بند ہو جائے گا انہیں احتشام سے اپنی اولاد کی طرح محبت تھی ان کے اصرار پر جب اس نے جھپکتے ہوئے اپنا مسئلہ بتایا تو ان کے چہرے پر لنگرات کا جال بن گیا پہلے تو انہوں نے اسے خوب ڈانٹا پھر سینے سے لگا کر پیار سے بولے۔

”اپنے خالو بابا پر ہروسہ ہے نا اس لیے بے فکر ہو جاؤ اور سب سمجھ اند پر چھوڑ دو وہ بہتر کرنے والا ہے۔“ بس پھر احتشام کے دوست سدیم کی مدد سے ڈرامہ پایا تکمیل تک پہنچا۔

رات جھپکتی جا رہی تھی اور احتشام اس کے بالوں سے اٹھتی ہوئی بھینسی بھینسی خوشبو کو اپنے اند جذب کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”میری مولیٰ بھینس۔“ احتشام نے سرگوشی کی دھیرے دھیرے نزاکت کی ٹانگیں انہیں اس کی نگاہوں سے ٹکرائیں اور پھر شرم سے جھک گئیں منزل سامنے تھی اب ذکر کیا۔



سہولت اور وقار سے انکار کر دیا پھر احتشام کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے بولے۔

”بیٹے تمہیں ہر چیز وقت پر تو مل رہی ہے نزاکت تیار داری میں کوئی کسر تو نہیں چھوڑ رہی۔“

”نہیں جی نرس تو ضرورت سے زیادہ ہی خیال رکھ رہی ہے۔“ وہ زندہ دلی سے مسکرایا تو نزاکت خاموشی سے اٹھ کر بچن میں آگئی اور رونے لگی احتشام کی بے بسی کا احساس کر کے آہٹ پر وہ مڑی تو عالیان رخصت ہونے کے لیے کھڑے تھے۔

”نیوں رو رہی ہو بے وقوف احتشام بالکل ٹھیک ہے اس کو یہ نہیں معلوم کہ جو محبت کرتے ہیں وہ چھینتے نہیں بلکہ دان کرتے ہیں اور پھر میری محبت کا پودا تو انہی جڑ بھی نہیں پکڑ سکا تھا اس نے تو محبت کی نرم و نازک کیاری میں ابھی صرف زندہ رہنے کی کوشش ہی کی تھی لیکن احتشام کی محبت تمہارے لیے ایک تنور درخت کی سی بنے جس کی جڑیں دور دور تک پھیل چکی ہوں گی ایسے درخت کو اکھاڑیں تو پھر وہ زندہ نہیں رہتا مر جاتا ہے خدا تم دونوں کی محبت کو سلامت رکھے اس کو کہنا کہ زندگی کوئی ڈرامہ یا فلم نہیں کہ چوٹ لگنے سے یادداشت چلی جائے اور چوٹ لگنے ہی سے واپس آ جائے۔ ویسے بھی وہ اتنا اچھا یکسر نہیں تمہیں دیکھ کر جو اس کی آنکھوں میں چمک اور دلہانہ پن نمایاں ہوتا ہے وہ مجھ سے نفلی نہ تھا میں ڈاکٹر نہ سمجھ لیکن جانتا ہوں Alzheimer کی بیماری چوٹ لگنے سے نہیں ہوتی اور اس عمر میں تو بالکل بھی نہیں۔“ نزاکت سمجھ ہی نہیں سکی کہ عالیان کا کیا مقصد ہے وہ ٹرے اگا کر کمرے میں کھانا لائی۔

”احتشام بھائی کھانا کھالیں۔“

”آج میں امی ابو کے ساتھ میز پر بیٹھ کر کھانا کھاؤں گا۔“ اس نے غرور لگایا اور انہیں سے سدیم بھی نکل کر آ گیا۔

”اٹھ بے سالے بہت ڈرامہ ہو گیا میں تو زبردستی کی پٹی کر کر کے تھک گیا تھا۔“ دوسرے ہی لمحے احتشام اپنے





وقت کا سہل بہا لے گیا سب کچھ ورنہ  
پیار کے ڈھیر لگے تھے مرے کھلیانوں میں  
شاخ سے کٹنے کا غم ان کو بہت تھا لیکن  
پھول مجبور تھے بننے رہے گل دانوں میں

جلدی جلدی بھاپ اڑانا گرم آلیٹ اس نے  
پلیٹ میں نکالا۔

”اسوہ..... ناشہ لے آؤ یار میں لیٹ ہو رہا  
ہوں۔“ ارتضیٰ کی ڈانگ ٹیبل سے آتی آواز نے  
اسوہ کے ہاتھوں میں مزید توانائی بھری۔ چائے  
کپ میں انڈیل کر آلیٹ پراٹھا اور کس سبزی کا  
سالن ٹرے میں سجا کر بڑے کورس تمام لوازمات  
ڈھانپ کر اس کی دوسری پکار سے قبل ہی وہ  
ڈانگ ٹیبل تک پہنچ چکی تھی۔

”اف کتنی ہز بونگ۔ چائے ہیں آپ۔“ ٹرے اس  
کے سامنے رکھ کر اس نے دیوار گیر گھڑی پر نظر دوڑائی تو  
ساڑھے بیچے کو چھوٹے ہند سے کودیکھ کر اس کا موڈ  
تخت آف ہو گیا اس کے پھولے ہوئے چہرے پر ایک  
نظر ڈال کر وہ مسکراہٹ ہونٹوں میں دبائے رغبت  
سے ناشہ کرنے میں مصروف ہو گیا۔

”آپ یہاں آ کر کچھ زیادہ ہی بڑی ہو گئے  
ہیں۔ حذیفہ کو بھی ٹائم نہیں دیتے ہمیشہ مجھ سے  
شکایت کرتا ہے۔“ حذیفہ کا نام لے کر درحقیقت وہ  
اپنی شکایت کر رہی تھی اور اسوہ کا یہ ڈھکا چھپا انداز  
ارتضیٰ کو تو خوب ہی بھایا تھا تب ہی ٹشو سے ہاتھ  
صاف کرتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا کرسی کی پشت  
سے دونوں ہاتھوں سے اس کے کندھے پکڑے جو  
ڈانگ چیر پر بیٹھی تھی۔

”حذیفہ کو تو میں بعد میں دیکھ لوں گا ہاں اگر اس  
کی می ناراض ہے تو یہ خطا میں ابھی دور کر سکتا  
ہوں۔“ ثمرارت سے اس کی سماعتوں میں سرگرمی  
انڈیل کر وہ اس کے تپے ہوئے چہرے سے مغلوظ  
ہونے لگا۔ اسوہ کو اس سے اس قدر دلیری کی امید  
نہ تھی لہذا بری طرح شیشائی، اس میں اتنی ہمت بھی  
نہ تھی کہ اس کا حصار توڑ پاتی۔



”چھوڑیں مجھے، حذیفہ کا پیپر ہے آج مجھے اسے اٹھا کر پیپر ریواڑ بھی کرانا ہے پھر اس کو اسکول کے لیے ریڈی کرنا ہے۔“ متمالی رنگت اور لچا پٹا گھبرایا انداز نظریں جھکائے وہ جلدی سے بولی، ارتضیٰ نے رحم کھاتے ہوئے اسے چھوڑ دیا۔

”اسوہ۔“ اس کی آواز پر اس کے قدم زنجیر ہو گئے۔

”حذیفہ اور تم میری زندگی کی اولین ترجیحات میں سے ہو بہت اہم براجسٹ پر کام کر رہا ہوں اس لیے جناب تھوڑی حق تلفی ہو رہی ہے آپ کی اس کے لیے آئی ایم ریلی دیری سوری۔“ اس کے ہاتھ تمام کر وہ محبت سے گداز لہجے میں بولا۔

”پلیز ایسا مت کہیں میں آپ کی معروفیت سمجھتی ہوں۔“ وہ لہجوں میں نادم ہوئی تو ارتضیٰ نے بغور اس کی گلابی پڑتی رنگت کا جائزہ لیا اور ایک عجیب سے سرشاری و طمانیت سے اس کے رخسار کو ہولے سے چھوتا وہ اندر کی سمت بڑھ گیا۔ اسوہ چند لمبے وردی میں سجا اس کا کسرتی وجود مشاق نگاہوں سے نکتی رہی اور پھر مسکراتی ہوئی حذیفہ کے کمرے کی طرف چل دی۔

ارتضیٰ آری آفیسر تھا۔ آری میں سرورس کے سبب اس کا ٹرانسفر مختلف شہروں میں ہوتا رہتا تھا تین ماہ قبل اس کا تبادلہ پشاور میں ہوا اور وہ پشاور کے کینٹ میں کینٹینز کی رہائش کے لیے مخصوص بنگلے میں رہائش پزیر تھے۔ اس کے ہمراہ اس کا پانچ سالہ بیٹا حذیفہ اور خوب صورت سی بیوی اسوہ بھی تھے۔ اسوہ میں حسن و جمال کے ساتھ ساتھ وہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں جن کی کوئی بھی مرد خواہش کر سکتا ہے۔ دس سال قبل اس کی زندگی میں بطور شریک حیات شامل ہونے والی لڑکی اسوہ زیاد نے اس کی زندگی کو جنت بنا دیا۔ ذہنی و قلبی اطمینان حد سے سوا تھا۔ ہاں کی تھی تو بس

اولاد جیسی نعمت کی۔

پانچ سال کے جاں نسل انتظار کے بعد خدا نے انہیں اولاد دینے سے نوازا۔ تب ہی شاید حذیفہ ماں کی غیر معمولی توجہ اور چاہرت کا حق دار ٹھہرا مگر اسوہ کی ممتا کی پیاس تھی کہ بڑھتی ہی جاتی وہ کبھی اس احساس سے سیر نہ ہوتی۔

حذیفہ اس کا پانچ سالہ بیٹا فرسٹ اسٹینڈرڈ کا طالب علم بلا کا حاضر جواب اور ذہین و فطین جس نے اس کی گود کو ممتا کی گرمی سے گرمادیا اور درو یار کو اپنی معصوم قنقاریوں کی سہک سے مہکا دیا اس کی کل کائنات اس کے گرد گھومتی تھی وہ اس کی سب سے قیمتی متاع تھا۔ انہی سوچوں میں گہری وہ نہایت دلکش رنگوں سے مزین حذیفہ کے کمرے تک پہنچ چکی تھی۔ سامنے ہی بیڈ پر دراز حذیفہ اور چائنی امتزاج کے کبل میں محو استراحت حذیفہ پر کسی سلطنت کے شہزادے کا گماں ہوتا تھا یا شاید برماں کے لیے اس کا بیٹا شہزادہ ہی ہوتا ہے۔

اس کی سیاہ آنکھوں کے خلاف قدرے ابھرے اور عالم خواب میں بھی بے حد نمایاں تھے کمرے میں بیٹرا آن ہونے کے سبب پر حدت سانس چہرے پر گلا بیت کا گہرا غصہ بکھیر رہا تھا اور اس کے بے حد گلابی ہونٹ باہم پیوست۔ بے تحاشہ خوب صورت لگ رہے تھے۔ وہ عالم خواب میں اس قدر وجہ و تکیل لگ رہا تھا کہ اسوہ اس کی نیند میں خلل برپا کر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے محبت پائش نگاہوں سے وہ تک رہی تھی جب دامن گیر ہوئے تھی کے احساس نے اسے حیران کر ڈالا۔ وہ بے آواز رو رہی تھی۔ اس کے ہاتھ بے ساختہ رخساروں تک گئے اور گیلی سطح پر پھیلے تو خود ساختہ اور لال یعنی سوچیں نے اس کے شعور کو جکڑ لیا اس کا دل بری طرح ڈھیرا اٹھا۔ دامن میں سر پٹختی منفی



سانحہ پشاور سے شہداء کے نام  
میرے خون سے کھیلنے تجھ کو مٹائے گا میرا خون  
ایک دن بوئے گا اور رگت لائے گا میرا خون  
میری بہادری تو دیکھ تیرے سامنے میں ڈٹ گیا  
اک سپاہی کی اولاد ہوں۔ سپاہی بتائے گا میرا خون  
میری شہادت کی قسم روز قیامت نہ معاف کروں گا تمہیں  
میرے والدین کے بے لک آنسوؤں اور استمال خدا کو سنائے گا میرا خون  
میرے ملک میں امن پیار مثبت ہوگا ایک دن دشمنوں  
تجھے تیرے انجام تک پہنچائے گا میرا خون  
میں پھول کھلا تھا اک حسیں باغ میں تو کیوں مجھے لوج لیا  
خدا کی قدرت سے لود پھول ہر باغ میں کھلائے گا میرا خون  
بدلہ ضرور لیں گے خدا کی مدد سے تیرا میرے زین  
رائیگاں نہیں جانے دے گی یہ قوم تیرا خون  
صبا الیاس..... ماہندر

”پاپا۔“

”جی پاپا کی جان۔“ ارتضیٰ نے بید پر بیٹھ کر اسے  
گود میں بیٹھالیا جب وہ لاڈ سے بولا۔

”پاپا آج آپ مجھے اسکول چھوڑنے جائیں نا۔“

”حذیفہ پاپا لیٹ ہو رہے ہیں وہ آج نہیں جاسکتے

کل پکا والا پرائس، میں خود اپنے بیٹے کو ڈراپ کر دوں  
گا۔“ ارتضیٰ نے محبت سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

”کل کس نے دیکھی ہے مجھے آج آپ کے ساتھ

جانا ہے تو مطلب آج ہی جانا ہے۔“ حذیفہ کی بات  
سن کر اسوہ کا دل کسی نے ٹھی میں جکڑ لیا اور اس کے  
مسکراتے لب لہجوں میں سکڑ گئے۔

”کیا ہو گیا ہے ارتضیٰ آپ میرے بیٹے کی اتنی

سی خواہش پوری نہیں کر سکتے۔“ وہ تڑپ کر آگے  
بڑھی اور قدرے ٹھنی سے گویا ہوئی ساتھ ہی آنکھوں

سے نمی چھلکتے کو بے تاب تھی۔ اسوہ کے جذباتی  
انداز اور بچے کے سامنے اس قدر تلخ آواز پر ارتضیٰ

سوچوں سے سر جھٹکتے ہوئے حذیفہ کے بیڈ کے قریب  
دوڑا نو ہو کر بیٹھ گئی۔ بہت محبت سے اس کے بالوں  
میں انگلیاں پھیریں اور اپنے ہونٹ اس کی پیشانی پر  
ثبت کیے۔

”حذیفہ میری جان۔“ محبت سے لبریز ماما کے  
بے اختیار کرتے جذبیوں سے گندھے الفاظ اس کے  
لبوں کی قید سے آزاد ہوتے تو وہ بھی ماما کہتا ہوا اس  
سے لپٹ گیا۔ شاید ماما کی لمس کی تمازت محسوس  
کر کے وہ بھی بے دار ہو چکا تھا۔

”حذیفہ کیا آج اٹھنے کا موڈ نہیں آپ نے پیپر کا  
بھی ریواؤز نہیں کیا۔ ٹائم دیکھا ہے سات بج رہے  
ہیں۔“ اسے یوں ہی خود سے لپٹائے وہ بولی۔

”ماما میرا آج اسکول جانے کا بالکل موڈ نہیں۔“  
اس سے الگ ہوتے ہوئے وہ منہ بسور کر چھٹی کرنے  
کی خواہش دل میں لیے چل اٹھا۔

”آج آپ کا پیپر ہے اینڈ چھٹی ناٹ الاؤڈ،  
اسکول نہیں جائے گا میرا بیٹا تو پڑھے گا کیسے اور پڑھے  
گا نہیں تو پاپا کی طرح ملک و قوم کی خدمت کیسے کرے  
گا۔“ اسوہ نے اس کے گلابی اور نازک چہروں میں  
سلیپر پہنائے۔

”او کے میں اسکول جاؤں گا مگر ایک شرط پر۔“  
”کون سی شرط۔“ اس نے شرط عائد کی تو اسوہ کی  
استفہامیہ نگاہیں اس کے چہرے پر ظہور کیں۔

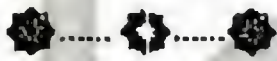
”آج پک اینڈ ڈراپ کی ڈیوٹی پاپا کی ہوگی میں  
ڈرائیور کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔“ اسوہ نئی مشکل میں  
پھنس گئی ارتضیٰ تو خود جلدی ٹکٹنے والا تھا وہ اسے کیسے  
روکتی۔ اتنے میں ارتضیٰ بھی وہاں آ گیا۔ وہ کبھی حذیفہ  
سے ملے بغیر باہر نہیں جاتا تھا۔

”اٹھ گیا میرا پرنس۔“ ارتضیٰ نے کہا تو وہ دوڑ کر  
اس سے لپٹ گیا۔



شیت پر اس کی شب خوابی کے سبب پڑی سلوٹوں کو بھر پور محبت سے درست کرنے کی نیت سے آگے بڑھی جب لینڈ فون کی چنگھاڑتی بیل نے اس کی توجہ کے ارتکاز کو توڑ ڈالا۔ وہ کام اچھوڑ کر فون کی سمت متوجہ ہوئی اور جو خبر اس کی سماعتوں سے گزری وہ قیامت سے پہلے قیامت برپا کرنے کو کافی تھی۔ دل پر ہاتھ رکھتی پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیوار کو کھتی رہی۔ دل و دماغ بس سائیں سائیں کر رہا تھا۔

سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں مفلوج ہو گئیں اس کی بند ہوئی آنکھوں میں حذیفہ کا چہرہ ابھرا اور پھر ہر شے عین تاریکی میں محو ہو گئی۔



ظلم و بربریت کی ہولناک داستان جس نے خون ریزی کا جاں نسل کھیل کھیلایا۔ معصوم کلیوں کو کھلنے سے قبل ہی خاک میں ملا دیا۔ سفاکیت اور بے حسی کی ایسی الم ناک تحریر جس نے تاریخ کو دہلا دیا۔ ماؤں کے کیچے چہرہ کر دل نکال لیا ایسا تاریخ ساز واقعہ جس نے عالم اسلام کے سینے میں خنجر گھونپ کر آہوں کا طوفان برپا کر دیا۔ خاک، راتے ان چاند چہروں میں ایک چہرہ اسوہ کے دل کا چین پانچ سالہ حذیفہ کا بھی تھا۔ وہ حذیفہ جس نے اسے ماں کے درجے پر فائز کر کے اسے دلکش اور کیف آگئیں جذبے کے حصار میں قید کیا۔ تب اس کی زندگی کو اپنی معصوم مسکراہٹوں سے مزین کیا جب وہ مکمل طور پر مایوس ہو چکی تھی۔ وہ اس کی خوشیوں کا محور تھا جس نے اسے ہمہ وقت کی مصروفیت سے دوچار کیا۔ اسے مقصد حیات عطا کیا وہ اس کا نور نظر تھا اور اس کی وجہ ایک یہ بھی ہو سکتی تھی کہ حذیفہ کی پیدائش کے بعد وہ مزید بچوں کو جنم دینے کی صلاحیت کھو چکی تھی تب ہی اس کا تمام پیار اور توجہ صرف حذیفہ میں ہی سمٹ آئی تھی کبھی کبھی حذیفہ کے

اچھا خاصا شاکی ہوا جو اپنے بیٹے کے لڑ پھار میں اکثر ہی غیر معمولی جذباتیت کا شکار ہو جاتی تھی جبکہ ارتقائی کی گھورتی الزامیہ نگاہوں کا مفہوم پڑھ کر اسوہ اچھا خاصی خائف ہوئی۔

”نومینٹنگ کینسل..... آج ارتقائی حیدر صرف اپنے بیٹے کی ڈیوٹی پر مامور ہے۔ چلو اب جلدی سے تیار ہو جاؤ۔“ اس کے نرم رخسار کو ہولے سے چھو کر اس نے کہا۔

”آپ درلڈ کے بیٹ پاپا ہیں۔“ اس کے گلے میں بائیں ڈالے وہ لاڈ سے بولا اور ہرن کی طرح قلائعیں بھرتا کمرے سے ملحقہ واش روم میں محسوس کیا۔ جبکہ ارتقائی موبائل کان سے لگا کر مینٹنگ کاشیڈول پہنچ کرنے کی ہدایت جاری کرتا کمرے سے نکل گیا۔

”گندے بائے ماما۔“ اسکول کے لیے بالکل تیار کمرے حذیفہ نے اس کے رخسار کو چومتے ہوئے کہا اور کب سے گاڑی میں محو انتظار ہارن پر ہارن بجاتے ارتقائی کی سمت لپکا۔ لمحوں میں گاڑی کا انجن غرایا اور دائیں بائیں پھیلے سبزے کے سمندر کو چیرتے بھورے چمک دار سنگ مرمر سے مزین روش پر پھسلتی گاڑی داخلی گیٹ عبور کر گئی تو ایک ٹھنڈا سانس فضا کے سپرد کرتی وہ واپس لاؤنچ میں آگئی۔ عروسہ (ملازمہ) کو کام سمجھا کر اس نے عمر (بیٹ مین) کو بلایا اور سامان کی لسٹ چھائی۔ آج حذیفہ نے چکن منچورین اور چائیز رائس کی فرمائش کی تھی۔

”بی بی جان کیا حذیفہ بابا کے کمرے کی صفائی کر دوں۔“ دوپٹے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے عروسہ نے استدعا کیا تو وہ نفی میں سر ہلائی اٹھ گئی۔

”نہیں عروسہ تمہیں پتا ہے کہ حذیفہ کے کمرے کی دیکھ بھال میں خود کرتی ہوں۔“ حذیفہ کے کمرے میں پہنچ کر اس نے بھری چیزیں سمینا شروع کیں۔ بیڈ



## سمیرا راجہ

السلام علیکم تو آل آنجل فیملی کیسے ہیں آپ سب؟ میرا نام سمیرا ہے تک نیم بلوائنڈ ٹومی ہے۔ میں نے 11 ستمبر کی پیاری سی صبح اس دنیا میں رنجہ قدم فرمایا، میرا ایک بھائی ہے، ہم سات بہنیں تھیں پر اب صرف چھ ہیں۔ میری بڑی بہن اب اس دنیا میں نہیں رہیں دعا ہے کہ اللہ پاک ان کو جنت الفردوس میں جگہ نصیب کریں۔ میں آزاد کشمیر کے کیوٹ سے گاؤں نعمانپورہ میں رہتی ہوں میں اور میری کزن انجم آنجل باقاعدگی سے پڑھتی ہیں میں بی اے کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ ”جنت کے پتے“ میرا فوریٹ ناول ہے دریا ناول مدتوں میرے ذہن پر نقش رہے گا، نمرہ احمد از مائی موسٹ فوریٹ رائٹر۔ مدیحہ اور منم میری فرینڈ ہیں مدیحہ کی شادی ہو چکی ہے۔ میری فوریٹ ڈش بریانی ہے سویت میں چائیس پسند ہیں۔ رنگ مجھے سبھی اچھے لگتے ہیں رنگوں سے کھیلنا میرا مشغلہ ہے۔ ڈریسز میں لائٹ شرٹ چوڑی دار پا جامہ اور ساتھ لبا سادو پٹا اور فراس تو سارے ہی اچھے لگتے ہیں۔ جیلاری میں کانچ کی چوڑیاں اور کنکشن پسند ہیں موسم بہار کا اچھا لگتا ہے پھول سارے ہی اچھے لگتے ہیں۔ بارش کی تو میں دیوانی ہوں۔ خواہشیں یوں تو بہت ساری ہیں پر سب سے بڑھ کر یہ کہ بیت اللہ شریف کی زیارت نصیب ہو جائے۔ مجھے خود خاموش رہنا اور دوسروں کو سننا اچھا لگتا ہے اپنی سسٹر حمیرا کے ساتھ بہت اٹیچ ہوں۔ میری خامیاں یہ ہیں کہ اعتبار کرنے میں بالکل دیر نہیں لگاتی، خویاں یہ ہیں کہ جھوٹ نہیں بول سکتی چاہوں بھی تو نہیں۔ مجھے ایسے لوگ قطعاً پسند نہیں جو ہوتے کچھ ہیں اور نظر کچھ آتے ہیں۔ تمام ریڈرز کو یہی کہوں گی خوش رہیں خود بھی اور آپ سے وابستہ تمام لوگوں کو بھی خوش رکھیں۔ اللہ پاک آپ سب کا اور میرا حامی و ناصر ہو اللہ حافظ۔

بارے میں اس کی حد درجہ حساسیت اور جذباتیت پر ارتضیٰ اچھا خاصا چڑ جاتا مگر وہ بے بس تھی اس جذبے کے سامنے جس عرف عام میں ”مامتا“ کہتے ہیں۔ وہ بے اختیار اور لاچار تھی اس رشتے کے سبب جسے ”ماں بیٹے کا رشتہ“ کہا جاتا ہے۔

آرمی پبلک اسکول آف پشاور پر دہشت گردی کے عفریت اور خون میں لہنی خونچکاں حکایت کا سن کر وہ ہوش کھو بیٹھی تھی اور آنکھ کھولتے ہی اسے ارتضیٰ نظر آیا تھا جو اس پر جھکا کچھ کہہ رہا تھا۔

”حذیفہ۔“ اس کی آواز سرگوشی سے بلند نہ تھی۔

”حذیفہ کو انوداع کہوتا کہ وہ اپنی آخری پناہ گاہ میں جائے۔“ سرخ ڈوروں سے بھرپور نگاہیں لٹھے کی مانند سفید پڑی رنگت اسوہ پر جما کر ضبط کے کڑے مراحل طے کرتا ارتضیٰ اسے کونکوں کی بھی میں دھکیل گیا۔ جوا بادہ نشی میں سرہلائی اٹھ بیٹھی دو آنسو خاموشی

سے اس کے رخساروں پر لڑھک آئے ایسے ہی بے آواز آنسو جو صبح حذیفہ کو بے دار کرتے سمہ بن بلائے اس کے عارض بھگو گئے۔

اس کا دل کسی نے منہ می بھیج لیا۔ اسے اپنا دم گھٹا محسوس ہو رہا تھا وہ بھاگتی ہوئی بے تابی سے لان میں آئی سامنے ہی چھوٹے سے تابوت میں اس کا تخت جگر موت کی گود میں سر رکھے ابدی نیند سو رہا تھا موت کا سفاک منظر اس کی مامتا سے جیت گیا۔ دائیں بائیں خاک کی وردی میں ملبوس کٹنے ہی سپاہی سر جھکائے مؤدب سے کھڑے تھے۔ اس کی ناگوں سے جان ختم ہوئی اور وہ وہیں بیٹھتی چلی گئی۔

”مما آج چکن منچورین اور چائینیز رائس بنا لیجی گا۔“ حذیفہ کی نٹ کھٹ اور نرم آواز اس کے شعور میں گونجی۔ اذیت کا کرب ناک کھیل اس کی سانسوں پر چلنے لگا۔



درست نہیں تھا۔ میرے جڑی بیٹے میری خواہش تھی میرے جنازے کو تم کندھا دیتے تمہیں بڑھتے دیکھنا میری اولین آرزو تھی۔ مگر قسمت ہم دونوں کے لیے بے رحم نکلی۔ تمہارا جنازہ میرے کندھے پر ہے اور تمہیں لحد میں میں خود اتار دوں گا۔ میرے بہادر بیٹے مجھے ناز ہے تم پر تم نے کس قدر بے باکی سے موت کا مقابلہ کیا مگر یہ سچ ہے تمہارے جانے کے بعد جسم میں تمکاوٹ اتر آئی ہے تمام توانیاں دم توڑ گئیں ہیں تمہارے باہا کا خوشیوں سے ناطہ ٹوٹ گیا الوداع میرے بیٹے خدا تمہارا دُعا سنا کرے۔“

تابوت کا ایک کنارہ پکڑے دھیرے دھیرے چلتے ہوئے کیپٹن ارتضیٰ حیدر مضبوط کھوبیٹھا۔ گرم گرم پانی کے قطرے لمحہ بہ لمحہ اس کی آنکھوں سے پھٹکنے لگے کلمہ شہادت کی صدائیں ہر سونفھاؤں میں بلند ہونے لگیں اور ان صداؤں سے اس کا سینہ شق ہونے لگا۔

سرسام اترتی دھند، گھروں کو لوٹتے پرندے، شام میں ملتی شب فضاؤں میں اترتی ٹھنڈک، افق کے کناروں پر پھیلتی سندوری رنگت، آسمان کے سینے پر پھیلی تاریکی، ہواؤں سے سرسراتے چوں، درود یوار میں اترتی ویرانی، آنسو سے تر چہرے، انسانیت کو للکار تے وحشت ناک سانے، سفاکیت کی تحریر کا اقرار کرتی ویران گودیں اور شب گزیدہ سحر ہراک کے لبوں پر ایک ہی جین کر لارہا تھا۔

إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ

الوداع ننھے شہیدوں الوداع

بھٹو

”کل کس نے دیکھا ہے۔“ ایک اور سرگوشی بے بسی کا شدید اور بے کل کرتا احساس اس کا سینہ چھلنی کرنے لگا۔

”حذیفہ.....“ درد آواز کی صورت اختیار کرتا آسمان کا سینہ شق کرتا فضاؤں میں اتر گیا۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی تھی۔

”حذیفہ انھو میری جان۔ میری گود کو سونا مت کرو، یہ آگن تو تمہارے دم سے آباد تھا۔“ گرتی پڑتی وہ اس کے تابوت تک پہنچی اور سر رکھ کر بے ساختہ چلائی۔

”اسوہ سنبھالو خود کو..... حذیفہ کا سفر مشکل مت کرو۔“ ارتضیٰ نے پیچھے سے آکر اسے تھاما جو اس معصوم موت پر خود بھی ٹوٹ گیا تھا۔

”حذیفہ کا سفر..... ارتضیٰ میرا بچہ اس قابل ہے کہ منوں مٹی کا بوجھ برداشت کر سکے۔ کیا اس کی حیراتی ہے کہ وہ مجھ سے پہلے اس سفر پر گامزن ہو۔“ اس کے لہجے میں عجیب سے گرلاہٹیں تھیں۔ ارتضیٰ نے بے بسی سے دیوانوں کی طرح چلائی اسوہ کو دیکھا اور آرمی کے سولجرز کو تابوت اٹھانے کا اشارہ کیا۔

”نہیں..... میرے حذیفہ کو مت لے جاؤ، ارتضیٰ اسے میرے پاس رہنے دو، وہ اندھیرے میں ڈر جائے گا ارتضیٰ یہ چلا گیا تو مجھے ماما کون کہے گا میرے آگن کی روئیں کون آباد کرے گا۔ میں دعا کس کے لیے مانگوں گی۔“ وہ روئی ہوئی اس کے قدموں میں گر گئی۔ عروس نے آنے کے بڑھ کر اسے تھام لیا وہ بے تاب ہو کر دوڑی مگر وہ لمحہ بہ لمحہ اس سے حذیفہ کو دور لے جا رہے تھے وہ دھاڑیں مارتی ہوئی سبز گھاس سے بچھے فرش پر بیٹھ گئی۔ اس نے بڑی حسرت سے اپنی سوتی گود کو دیکھا۔

”حذیفہ زندگی اور موت کے سودے کا یہ وقت





تمسائل

نادیہ فاطمہ رضوی



بلا کی دھوپ سے آئی ہوں میرا حال تو دیکھو  
بس اب ایسا کرو تم سایہ دیوار ہو جاؤ  
ابھی پڑھنے کے دن ہیں لکھ بھی لینا حال دل اپنا  
مگر لکھنا تبھی جب لائق اظہار ہو جاؤ

رہا پھر سامنے دھری کرسی پر بیٹھ کر آہستگی سے گویا ہوں۔  
”لگتا ہے آج بہت تھک گئی ہو۔“ ذیشان کی آواز  
کمرے میں گونجی تو ناچار اس نے اپنی آنکھیں کھول کر  
اسے دیکھا پھر سر ہلا کر نرمی سے کہا۔

”ہاں شاید بہت تھک گئی ہوں اب دل چاہتا ہے کہ  
ڈھیر سارا آرام کروں گہری نیند سو جاؤں تاکہ میرے دم  
روم میں رہتی یہ ممکن اتر جائے۔“

”رامیہ تم کیوں خود کو دوسروں سے الگ تھلگ رکھتی ہو  
عائشہ نامہ اور نازش کی طرح کیوں سب سے کھل کر  
نہیں رہتی؟ بسا بولا کہ اس گھر کی سرگرمیوں میں حصہ لیا  
کرؤ آخر تم اور ریوں سے الگ تھوڑی ہو۔“ وہ ہمیشہ کی  
طرح اسے پھر سہجائے بیٹھ گیا تھا۔

”میں الگ ہوں ذیشان! یہ گھر میرا نہیں ہے  
یہاں رہنے والے لوگ میرے اپنے نہیں ہیں اور نہ ہی  
اس گھر کے کیمونوں کے دلوں میں میری حیثیت نامہ  
نازش اور عائشہ جیسی ہے۔ یہ بات تم بھی اچھی طرح  
جانتے ہو پھر مجھ سے جھوٹ کیوں بولتے ہو۔“ رامیہ  
اسے بغور دیکھتے ہوئے کٹیلے لہجے میں بولی پھر نخوت  
سے سر جھٹک کر گویا ہوئی۔

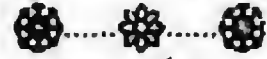
”مجھے بھی اس گھر اور یہاں کے رہنے والوں کو اپنا  
کہنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔“ رامیہ کی بات پر وہ محض اسے  
خاموشی سے دیکھتا رہ گیا وہ کچھ نہ بھی نہیں کہہ رہی تھی یہ  
حقیقت تھی کہ اس گھر کے لوگوں کے لیے وہ ناپسندیدہ ہستی  
تھی وہ ابھی کچھ کہنے کا ارادہ کرتی رہا تھا کہ اچانک دستک

سورج کی کرنیں چہار سو پھیلیں آسمان کو حسین تر بنا  
رہی تھیں دن بھر کا تھکا ماندہ سورج اپنی گود سے تمام  
روشنیوں کے جگنو آسمان کو سوپ کر غروب ہونے کی  
تیار یوں میں محو تھا۔ چہچہاتے سرالاپتے پرندے اب  
اپنے اپنے آشیانوں کی جانب سرور و شادان لوٹ رہے  
تھے شام کی شہزادیاں خراماں خراماں رخصت ہوتی رات کی  
پریوں کو خوش آمدید کہہ رہی تھیں وہ روز اپنے کمرے کی  
واحد کھڑکی سے ڈھلتی شام اور آتی سیاہ رات کا منظر بہت  
توجہ اور گہرائی سے دیکھتی تھی اور ہمیشہ ان اڑتے پرندوں کو  
اپنے اپنے ٹھکانوں کی جانب لہٹتے ہوئے دیکھ کر سوچا  
کرتی کہ کتنی خوش نصیب مخلوق ہے جو اپنے بے سکون  
گھونسلوں میں جا کر چمکن کی نیند سوتی ہے ہر طرح کی فکر و  
اضطراب سے بے نیاز اپنوں کے سنگ سوچ کے ساغر  
میں ڈبکیاں لگاتے لگاتے ہمیشہ کی طرح رات کے آنے  
نے دیکھتے ہی دیکھتے فلک کو اپنی سیاہی سے ڈھانپ لیا تھا  
اور اب آسمان میں ستارے نیا جہاں آباد کیے چاند کی آمد  
کے منتظر تھے جو بادلوں کی اوٹ میں چھپا اپنا جلوہ دکھانے  
کے لیے کسی شوخ محبوبہ کی طرح آنکھیں میاں کر رہا تھا  
رامیہ نے ایک تھکی تھکی سانس فضا میں خارج کی اور کھڑکی  
سے ہٹ کر اپنے بستر پر بیٹھ کر بیڈ کراؤن سے سر نکا کر  
آنکھیں موند لیں جب ہی ہلکی سی دستک دے کر کوئی  
خاموشی سے اندر چلا آیا۔

رامیہ بخوبی جانتی تھی کہ اس وقت اس کمرے میں کون  
آیا ہے وہ چند لمحوں سے ہنوز اسی پوزیشن میں بیٹھا دیکھتا



وے کر غراب سے نامہ اندر داخل ہو کر دکھائی سے بولی۔  
 ”اگر یہاں سے فرصت مل جائے تو نیچے ڈرائنگ روم  
 میں تشریف لے آئیے پھوپھو اور ارمان بھائی آئے ہوئے  
 ہیں۔“ رامیہ ایسے طنزیہ جملوں کی عادی تھی لہذا نامہ کی  
 بات پر اسے کوئی فرق نہیں پڑا البتہ ذیشان تیزی سے اٹھ کر  
 کمرے سے باہر چلا گیا۔



”یا اللہ یہ اچھی صورتیں کس کے نصیب میں ہوتی ہیں  
 ایک آدھ برس پلیز مجھے بھی دے دیجیے ناں! آف کیا  
 غضب کی شخصیت تھی کاش یہ شخص میرا مقدر بن جائے۔“  
 عقیفہ حسب معمول اپنا راگ الاپ رہی تھی جب کہ نوٹ  
 بک پر تیزی سے قلم چلاتے ہوئے رامیہ کے ہونٹوں پر  
 مسکراہٹ بھی بکھر رہی تھی جبکہ ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا تھا  
 طوبی رامیہ کو مسکراتے دیکھ کر خود بھی مسکرا دی اسے اپنی یہ  
 انوکھی اور دنیا سے ناراض سہیلی دل و جان سے عزیز تھی۔

”رامیہ یہ اپنی عقیفہ اتنی دل پھینک زمین مزاج اور فطرتی  
 لڑکی ہے کہ ہر نیا بندہ دیکھ کر اس کی آنکھیں ماتھے تک کھل  
 جاتی ہیں اور پورے تیس دانت فوراً باہر آ جاتے ہیں۔ خدا  
 کے واسطے لڑکی کچھ تو حیا کا دامن پکڑ لے آخر اس سمجھو ری  
 لڑکی سے ہم نے کیوں دوستی کر لی رامیہ! آخر میں طوبی  
 مصنوعی پشیمانی سے بولی تو رامیہ کھل کر مسکرا دی، پھر کتن  
 انداز میں گویا ہوئی۔

”تم فکر مت کرو یہ ایسا بادل ہے جو گر جتا ہے برستا  
 نہیں! بس یہ صرف دور سے بیٹھ کر آجیں بھرنے اور وہائیاں  
 دینے کے علاوہ اور کچھ کر بھی نہیں سکتی۔“

”تو کیا کروں رامیہ مجھے کوئی لفٹ ہی نہیں دیتا۔“  
 عقیفہ روٹی صورت بنا کر بولی اس وقت وہ اپنے کیسپس  
 کے لالچ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

”تمہیں کس سے لفٹ لینے کی چاہت ہو رہی ہے؟  
 وہ پتھرس ڈی پارٹمنٹ کا اظفر فیکل یا پھر انکس ڈی پارٹمنٹ  
 کے عمر کا مگی کی توجہ چاہیے۔“ طوبی اسے چھیڑنے کے  
 انداز میں بولی تو عقیفہ برا سا متبنا کر بولی۔

”افویار! یہ دونوں تو پرانے ہو گئے تم نے شاید اس کو  
 دیکھا نہیں آج میں نے اسے کیسپس کی پارکنگ پر دیکھا  
 تھا! آف کیا بتاؤں طوبی میں تو اسے دیکھتے ہی دل ہار  
 بیٹھی۔“ بولتے بولتے عقیفہ آخر میں اپنے دل پر ہاتھ  
 رکھ کر لہک کر بولی۔

”دیکھا رامیہ! تم نے کتنی کمینی لڑکی ہے یہاں سناپنے  
 فٹ پرٹ ہن میں اس نے لڑکوں کو بھی مات دے دی ہے۔“  
 طوبی اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے رامیہ  
 سے مخاطب ہو کر بولی جو نوزائت بگ پر جھکی ہوئی تھی۔  
 ”ہاں ہاں خود کے پیروں میں تو مگنی کی زنجیر پڑی  
 ہوئی ہے ماتب ہی میری آ زاوی سے جلتی ہو۔“ عقیفہ اس  
 پر چڑھ دوڑی اور پھر حسب معمول دونوں میں تکرار شروع  
 ہو چکی تھی۔ رامیہ نے اطمینان سے نوٹ بک بند کی اس کا  
 کام مکمل ہو چکا تھا۔

”تم دونوں پلیز بعد میں لڑ لینا پہلے کینٹین چلو مجھے  
 بہت بھوک لگ رہی ہے آج ناشتا بھی گولی ہو گیا تھا۔“  
 ”کیا..... تم نے ناشتا نہیں کیا ارے پاگل پہلے کچھ کھا  
 لیتی اب تو ایک بجنے والا ہے تم اتنی دیر سے بھوکی ہو۔“  
 طوبی حیران ہوتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں بولی تھی  
 عقیفہ بھی رامیہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

”اٹس اوکے یار مجھے عات ہے اکثر میں کھانا بھی  
 گولی کر جاتی ہوں اب پلیز کینٹین چلو مجھ سے مزید بھوک  
 برداشت نہیں ہو رہی کل رات بھی ایسے ہی ہو گئی تھی۔“

”رامیہ میری جان! تم اپنا خیال کیوں نہیں  
 رکھتیں۔“ رامیہ کی بات سن کر طوبی اور عقیفہ انتہائی مغموم  
 سی ہو گئیں وہ دونوں رامیہ کے گھر کے ماحول اور ان  
 کے یکمنوں کے سلوک سے، بخوبی واقف تھیں جب ہی  
 عقیفہ دل گرگزی سے بولی۔

”ارے تم دونوں فکر کیوں کرتی ہو بہت سخت جان  
 ہوں میں اتنی آسانی سے نہیں مر سکتی۔“ رامیہ طنزاً بولی تو  
 عقیفہ اس سے تیزی سے لپٹ گئی۔

”اگر ایسی بات آئندہ کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا



لہذا آرام سے ٹیبل پر آ کر بیٹھ جاؤ۔“ مسز ابراہیم اپنے بیٹے کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں تو انس بڑے بڑے منہ بناتا ہوا کرسی پہنک گیا۔

”مما یہاں میرے کوئی دوست نہیں ہیں اور کیسپس میں پہلے ہی دن سب ایک دوسرے سے دوستیاں کر لیتے ہیں پھر وہ کسی کو اپنے گروپ میں شامل نہیں کرتے۔“ انس اپنے جلدی جانے کا جواز بتانے ہوئے بولا۔

”مائی یگ سن! بن جائیں گے تمہارے دوست تم اس بات کی فکر مت کرو۔“ ابراہیم صاحب اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے بولے تو: چار اس نے دودھ کا گلاس ہاتھ میں تھا لیا۔

آج پورے کیسپس میں بڑی گہما گہما رہی نیا سیشن شروع ہو چکا تھا لہذا ہر جگہ نئے چہرے بے فکر انداز میں قہقہے بکھیرتے اور ایک دوسرے پر شوخ جملے اچھالتے نظر آرہے تھے عقیفہ صاحبہ ہر پہرے پر نگاہ ڈالتی کہ شاید وہ پارکنگ والا ڈشنگ بندہ اسے دکھائی دے جائے مگر ہر بار وہ کام ہو جاتی۔

”ہوسکتا ہے وہ یہاں کا اسٹوڈنٹ نہ ہو ایسے ہی کسی کام سے آیا ہو۔“ طوبی اس کی بے چینی دیکھ کر بولی۔

”ہوسکتا ہے مگر کاش وہ... وہ دیکھو... وہ کھڑا ہے۔“ مایوسی سے بولتے بولتے اچانک عقیفہ فریاد جذبات و خوشی سے مغلوب ہو کر اچھل کر بولی۔ بے ساختہ رامیہ اور طوبی نے بھی عقیفہ کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ وجینو پر رف سی اسٹین رنگ کی ٹی شرٹ آنکھوں میں بلیک گلاسز لگائے واقعی وہ شخص بہت سی نگاہوں کا مرکز بننے کا اہل تھا جب کہ یوگن ویلا کی کنج، قریب کھڑے عاقین علی شاہ کی تیز نگاہوں نے ان تینوں کو خود پر نگاہ مرکوز کیے بخوبی دیکھ لیا تھا۔

”اچھا اب دیکھ لیا تاں پنے اپا لو کو کیا خیال ہے اب مگر چلیں۔“ طوبی عقیفہ سے بول کر اپنے موبائل سے ذرا نیور کڈون کرنے لگی۔

”بھئی۔“ وہ گلو کیر لہجے میں بولی تو طوبی کی آنکھوں میں بھی نمی پھیل گئی رامیہ بھی جیسے چپ سی ہو گئی پھر مسکرا کر اسے خود سے الگ کرتے ہوئے بولی۔

”اچھا بابا!..... اب پلیز کینٹین چلو۔“

”ہاں بھئی چلو ورنہ یہ بھوکی کہیں ہمیں ہی نہ کھا جائے۔“ طوبی ہنستے ہوئے اٹھ کر بولی تو رامیہ اور عقیفہ بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ابراہیم صاحب تیار ہو کر ناشتے کی میز پر آئے تو ہمیشہ کی طرح مسز ابراہیم کو انتہائی فریش موڈ میں ملازم کے ہمراہ ناشتے کی میز سجاتے ہوئے دیکھا انہیں دیکھ کر ابراہیم صاحب اندر تک تروتازہ ہو گئے۔

”بھج بھج مسز ابراہیم!“ وہ ہمیشہ اپنی بیوی کو اسی طرح مخاطب کرتے تھے مسز ابراہیم نے بھی مسکرا کر انہیں ”جیسے بھج“ کہا کہ اسی دم انس بھی غلت میں ڈانٹنگ ہال میں داخل ہوا اور دونوں کو گند مارنگ کہہ کر بائے بول کر جانے لگا۔

”ارے ارے بر خوردار! ہوا کے گھوڑے پر کیوں سوار ہو یونیورسٹی کہیں بھاگی نہیں جا رہی ہے چلو پہلے ناشتا کرو۔“ ابراہیم صاحب اسے ٹوکتے ہوئے بولے تو وہ رک گیا۔

”پاپا پلیز مجھے جانے دیجیے آج یونیورسٹی میں پہلا دن ہے مجھے کافی گھبراہٹ ہو رہی ہے۔“ انس بڑوس ہو کر بولا۔

”شاباش بیٹا یوں لڑکیوں کی طرح گھبرا سنا کر تم اپنے باپ دادا کا نام خوب روشن کرو گے غالباً آج عاقین کا بھی پہلا دن ہے وہ موصوف کہاں ہیں۔“ ابراہیم صاحب گویا ہوئے۔

”پاپا! عاقین بھائی تو اس دنیا میں بہت اٹو کھا پیس ہیں وہ تو پورا اسٹیبیل بیج کر سور ہے ہیں مگر مجھے وقت پر جانا ہے۔“ وہ بار بار اپنی کلائی پر بندھی رسٹ واچ کی جانب دیکھ رہا تھا۔

”بیٹا ہم تمہیں خالی پیٹ ہرگز نہیں جانے دیں گے



”تمہیں کس نے حق دیا ہے نہ تم یوں کسی کے کردار کی  
وجہاں اڑاؤ کسی کی نیکی نامی پر انگلی اٹھانا گناہ کبیرہ ہے  
سمجھیں۔“ رامیہ طیش کے عالم میں تقریباً چلا کر بولی۔

”اونہ پارسائی کا دعویٰ کر۔ نے والے اکثر منہ کے بل  
گرتے ہیں رامیہ بی بی!“ عائشہ بدو بدو بولی تو رامیہ گویا جلتے  
تور میں جا گری۔

”بہت خوب دوسروں کے دامن میں کچڑ کے جھینٹے  
ڈھونڈنے سے بہتر ہے کہ تم اپنے گریبان میں جھاگھو۔“  
رامیہ تنکا کر بولی۔

”عائشہ تم اس کے منہ کیوں لگ رہی ہو زمانے بھری  
بد تمیز اور تیز زبان کی لڑکی ہے، یہ“ نامہ اسے نفرت بھری  
نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ولی تو ان لوگوں کا شور سن کر  
صالحہ چچی اور اسماء تائی اندر سے بھاڑ ہوئیں جنہیں دیکھ کر  
عائشہ اور تازش اور بھی شیر ہوئیں۔

”بتائی امی! آپ اس رامیہ کو سمجھا لیں کہ یہ ہم سب  
سے بات مت کیا کرے، ہاں انسان رہتے ہیں اس جیسے  
جنگلی نہیں اگر یہاں رہنا۔ ہے تو انسانوں کی طرح رہے ورنہ  
جنگل میں چلی جائے۔“ عائشہ زہر خند لہجے میں بولی۔

”ہاں ہاں چلی جاؤں گی مجھے بھی جیسے انسانوں کے  
درمیان رہنے کا کوئی شوق نہیں۔“ وہ لفظوں کو چبا چبا کر بولی  
تو اسماء تائی انتہائی غضب ناک ہو گئیں۔

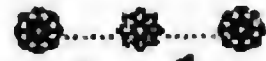
”کیوں اپنی ماں کی طرح چاند چڑھانے کا ارادہ ہے  
کیا خبردار جو اس گھر سے جانے کا سوچا بھی ورنہ تمہارے  
تایا سے کہہ کر تمہاری نکلیں تڑا دوں گی سمجھیں۔“ وہ تھملا  
کر بولیں جب کہ رامیہ تائی کے منہ سے لفظ ماں سن کر  
یوں خاموش ہوئی جیسے کسی نے چلتی مشین کا بٹن اجا تک  
بند کر دیا ہو وہ پھر وہاں رکی نہیں تیزی سے پلٹ کر چلی گئی  
جب کہ چاروں خواہشیں اونہہ کر سکدہ گئیں۔

”بھائی مجھے تو زیٹان کے مستقبل پر خوف آتا ہے  
نجانے بھائی صاحب کو کیا ہو گیا ہے کہ اس دوگز کی لمبی  
زبان کی لڑکی کو اپنی بہو بنانے پر بھند ہیں۔“ سب سے  
پہلے صالحہ چچی نے ہراگلا تھا۔

”اس بندے کو دیکھ کر دل تو نہیں چاہ رہا مگر گھر تو چلنا  
ہے۔“ عقیقہ لا چاری سے بولی۔

”لو کے طوبی“ عقیقہ میں بھی نکلتی ہوں ورنہ پوائنٹ مس  
ہو جائے گی۔“ رامیہ غلٹ میں بولی۔

”یار میں تمہیں ہر بار کہتی ہوں کہ میرے ساتھ گاڑی  
میں چلو مگر تم ہر بار منع کر دیتی ہو۔“ یہ کہہ کر وہ انہیں خدا حافظ  
کہہ کر نکل گئی تو عقیقہ اور طوبی دونوں ایک دوسرے کو محض  
دیکھتی رہ گئیں۔



وہ منتشر سوچوں میں گھری پراگندہ ذہن اور تھکے وجود  
سمیت مہک دلا میں داخل ہوئی تو تازش اور عائشہ کو بادام  
کے درخت کے نیچے کھے کھڑکی کے جمولے پر بیٹھے پایا جو  
انتہائی خوش چہروں میں مصروف تھیں اسے تادیکھ کر تازش  
نے عائشہ کے کان میں کچھ کہا تو دونوں کھلکھلا کر ہنس  
پڑیں۔ ہمیشہ کی طرح رامیہ نے ان کے رویوں کو نظر انداز  
کرنا چاہا مگر اس بار وہ ایسا کر نہیں سکی اشتعال و ناگواری کی  
تندہلہ اس کے اندر سے اٹھی تھی جس نے پوری طرح سے  
اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا وہ تنہائی ہوئی ان کے  
سروں پر جا چکی۔

”کیوں میرے چہرے پر کوئی لطیفہ لکھا ہوا ہے جسے  
پڑھ کر تم لوگ یوں قہقہہ لگا رہی ہو یا پھر تم دونوں کا دماغی  
توازن خراب ہو گیا ہے۔“

”شٹ اپ رامیہ! دماغی توازن ہمارا نہیں تمہارا خراب  
ہو گیا ہے ہم بھلا تمہیں دیکھ کر کیوں ہنسیں گے۔“ عائشہ  
بد تمیزی سے صاف مگر کر بولی۔

”میں اچھی طرح جانتی ہوں تم دونوں کو دوسروں کی  
ذات پر کچڑ اچھالنے اور غیبتوں کے علاوہ اتانی کیا ہے؟“  
رامیہ بہت کم کسی سے الجھتی تھی اور جب وہ الجھتی تھی تو پھر  
مقابل کو اپنی جان چھڑانا مشکل ہو جاتی تھی۔

”جب کسی کی ذات عیب دار ہو تو ہمیں کیا ضرورت  
پڑی ہے اس پر کچڑ اچھالنے کی۔“ عائشہ نے اسے مزید  
تیلا اور پھران کے درمیان شدید تجڑپ شروع ہو گئی۔



آئی مگر وہ ان سنی کر کے وہاں سے نکلتی چلی گئی کہ اچانک ایک لڑکی جو کسی سے بات کرنے میں مصروف تھی فوراً پلٹی اور بے ساختہ رامیہ سے ٹکرائی۔ رامیہ کے ہاتھوں میں موجود کتابیں زمین پر پھیل گئیں۔

”اوہ آئی ایم سوری۔۔۔۔۔“

”اندھی ہو کیا یا پھر نظر کما؟ تاہم مجھے متا پ کو۔“ رامیہ چیخ کر بولی تو وہ لڑکی اسے شہنشاہ کر دیکھنے لگی۔

”نجانے کہاں کہاں سے چلے آتے ہیں۔“ رامیہ زمین پر بیٹھ کر کتابیں سمیٹتے ہوئے مسلسل بوڑھا رہی تھی بیک جنیز پر بیک کرتے ہیں اسی رنگ کا اسکارف لیے اپنے شیکھے نقوش اور گورے رنگت کی بنا پر رامیہ بہت خاص لگ رہی تھی۔

”مس میں آپ کو سوری تو کہہ رہی ہوں۔“ وہ لڑکی برا مانتے ہوئے بولی۔

”اس لفظ سے مجھے نفرت ہے، منہ بڑی سے بڑی خطا کر دے اور پھر یوں دے سوری۔“ نجانے وہ کس کا غصہ کس پر نکال رہی تھی طوبی اور عقیقہ اپنی جگہ شرمندہ سی کھڑی تھیں۔ عافین علی شاہ کو مزید اس لڑکی کی بدتمیزی برداشت نہیں ہوئی تو وہ اس معاملے میں کود رہی پڑا۔

”آپ تو کافی بدتمیز لڑکی ہیں میری فریڈ آپ کو سوری کہہ رہی ہے اور انا آپ مسلسل ان کی بے عزتی کر رہی ہیں۔“ وہ شہنشاہ مگر تھکے لہجے میں بولا تو رامیہ نے عافین کی جانب بغور دیکھا۔

”اوہ تو آپ ان کے نمایاں ہیں یا پھر بہت بڑے ہم درو۔“ رامیہ اتنی بدتمیزی سے بولی کہ وہ رے طیش کے عافین کی کپٹیاں جھنجھٹا گئیں۔

”گنتا ہے آپ کو کہنا نے میز نہیں سکھائے، بیٹھے یقین نہیں کہ اس یونیورسٹی میں آپ جیسے لوگ بھی پڑھتے ہیں۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا مسٹر! آپ جیسے لوگ۔۔۔۔۔“ عافین کے یہ الفاظ سن کر رامیہ جیسے بالکل ہی آؤٹ آف کنٹرول ہو گئی آہستہ آہستہ ادھر ادھر کھڑے اسٹوڈنٹس

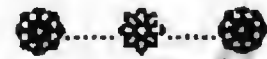
”ارے میں کیا کروں صالحہ! تم تو ان کی ضد سے واقف ہوا اپنے مرتے بھائی سے وعدہ کر لیا تھا کہ اس آفت کی پرکالہ کو اپنے سر پر بٹھالیں گے، اونہہ کم بخت اپنے ماں کے ایوارڈ لے کر یہ بنا ہے گی، یہی کہاں۔“ اسامہ تائی جلدی دل کے پھپھولے پھوڑتے ہوئے بولیں۔

”مگر بھائی یہ ذیشان کے ساتھ نا انصافی ہوگی یہ تو آنکھوں دیکھی تھی ننگے والی بات ہوئی ناں۔“ صالحہ چچی تاسف سے بولیں۔

”ایک لڑکی کے دل میں اپنی بھابی کو لے کر کتنے ارمان ہوتے ہیں امی اور یہ فقہا بھڑی رامیہ۔۔۔۔۔ رامیہ کیا ہماری بھابی بننے کے کلائق ہے۔“ نازش نے بھی زہرا لگاتھا۔

”اب میں کیا کر سکتی ہوں وہ ذیشان بھی تو دل و جان سے راضی ہے۔“ اسامہ تائی چڑ کر بولیں۔

”اونہہ۔۔۔۔۔ اپنے پیچھے زیوانہ جو ہمارا کما ہے اس رامیہ نے ذیشان جیسے سیدھے سادھے لڑکے کو۔“ عائشہ نخوت سے بولی۔



رامیہ کی آنکھوں کی سرخی اور چہرے کا سُستا پن ہمارا ہاتھا کہ یقیناً وہ بہت ڈسٹرب ہے طوبی اور عقیقہ اسے صبح سے ہی نوٹ کر رہی تھیں کہ بیٹھے بیٹھے وہ کسی غیر مرئی نقطے کو گھورے چلی جاتی ہے۔ سر عامر کی کلاس لے کر وہ تینوں باہر نکلیں کہ اچانک عقیقہ جوش سے بولی۔

”ٹھوٹی وہ سامنے دیکھو، والہ میرا۔۔۔۔۔ اومائی گاؤ آج تو بالکل نام کروڑ لگس رہا۔“

”رامیہ کیا خیال ہے کینٹین نہ چلیں مجھے لگ رہا ہے کہ آج بھی تم نہار منہ ہی کیسپس آگئی ہو۔“ طوبی عقیقہ کی بات نظر انداز کر کے بولی۔

”نہیں میرا موڈ نہیں ہے میں لاہریری جاری ہوں تم لوگ کینٹین چلی جاؤ۔“ وہ سپاٹ سیجے میں بولتی آگے بڑھ گئی تو دونوں تقریباً اس کے پیچھے بھاگیں جو تیز قدم اٹھا رہی تھی۔

”ارے رامیہ! سنو تو سہی۔“ طوبی کی عقب سے آواز



گلے لگ کر اتنا بلک بلک کر رونا کہ عقیقہ اور طوبیٰ کو سنبھالنا ہی مشکل ہو گیا۔



رات کے کھانے کی میز پر ابراہیم صاحب نے عافین کو نادر دوا کرائس سے استفسار کیا۔

”بیٹا! عافین کہاں ہے کھانے پر کیوں نہیں آیا؟“  
”میں ان کے کمرے میں گیا تھا پاپا! وہ کہہ رہے تھے کہ انہیں بھوک نہیں ہے۔“ اس کھانے میں معروف ہو کر بولا۔

”ارے ایسے کیسے بھوک نہیں ہے اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔“ مسز ابراہیم فکر مندی سے گویا ہوئیں۔  
”ریلیکس ماما! بھائی اکبر ہے تجھے کہ شام کو انہوں نے اپنے دوست کے ساتھ کافی بیوی اسٹیکس لے لیے تھے لہذا بالکل بھوک نہیں ہے۔“ اس ہنوز لہجے میں بولا تو ابراہیم صاحب اور مسز ابراہیم کچھ مطمئن ہو گئے۔

عافین اپنے کمرے میں بڑی بے چینی سے چکر لگا رہا تھا بار بار نگاہوں کی اسکرین پر اس کی لڑکی کا چہرہ سامنے آ رہا تھا، عافین کو اس لڑکی کے رویے سے اپنی بے پناہ بے عزتی محسوس ہو رہی تھی جب اس کی سہیلی اسے وہاں سے لے گئی تھی تو کتنے عجب چہروں نے آنکھوں میں معنی خیز مسکراہٹ لیے اس تڑپنے کی وجہ پوچھی تھی وہ اور اس کی دوست مناشہ کتنے شرمندہ ہو رہے تھے۔

”آخر کیا سمجھ کر اس جنگلی لڑکی نے مجھ سے اتنی بدتمیزی کی میری توجہ حاصل کرنے کے لیے یا پھر کوئی اور وجہ ہے؟“ عافین تھک کر صوفے پر بیٹھ کر خود سے بولا پھر انتہائی سلگ کر خود سے گویا ہوا۔

”وجہ جو بھی ہو نہیں مجھ سے اپنے سلوک کی معافی مانگنی ہوگی تم ابھی، عافین علی شاہ سے واقف نہیں ہو۔“ پھر ہنہ کر باتھ نیسنے کی غرض سے دوش روم میں چلا گیا۔



رامیہ جانے کی طلب میں تھن میں آئی تو وہاں بیٹھائی کے نوکر دو گویا ایک بل کوٹھی پھر سر جھٹک کر چوہے

بھی ان کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

”رامیہ پلیز کول ڈاؤن چلو یہاں سے پلیز۔“ طوبیٰ اس کا بازو تھام کر لجا چیت سے بولی مگر رامیہ نے تو جیسے طوبیٰ کی بات سنی ہی نہیں تھی۔

”تم ہوتے کون ہو مجھ پر انگلی اٹھانے والے کیا سمجھتے ہو! بولو آخر تمہیں اہمیت کیسے ہوئی میرے کردار.....“

”رامیہ خدا کے واسطے یہاں سے چلو۔“ طوبیٰ حیرتی سے اس کی بات کاٹ کر رامیہ سے بھی اونچی آواز میں بولی۔

”مس! اپنی فریڈ کو یہاں سے لے جائیے اور کسی اچھے سائیکائٹرسٹ کو رکھائیے۔“ عافین علی شاہ استہزاء سے آمیز لہجے میں بولا تو طوبیٰ تقریباً اسے ٹھٹھکی ہوئی وہاں سے لائبریری کے عقب کے نسبتاً دیران گوشے میں لے آئی وہ دھپ سے زمین پر بیٹھ گئی تو طوبیٰ نے اسے تشویش بھری نگاہوں سے دیکھا۔

”تم ٹھیک تو ہونا رامیہ!“

”مجھے کیا ہونا ہے۔“ وہ چڑ کر بولی۔

”رامیہ! تمہیں ہو کیا گیا تھا کیوں خواہو اس لڑکے سے الجھ گئی تھیں۔“ عقیقہ نے استفسار کیا تو وہ جیسے پھٹ پڑی۔

”وہ لڑکا میری ذات کی دھجیاں اڑا رہا تھا اور تم کہہ رہی ہو کہ میں اس گھٹیا انسان سے الجھ رہی تھی۔“

”رامیہ! اس نے تمہاری ذات پر انگلی نہیں اٹھائی تھی وہ تو یہ کہہ رہا تھا کہ.....“

”بس طوبیٰ اس کہنے کی طرف داری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ رامیہ نے تلملا کر طوبیٰ کی بات کاٹی۔

”جس کا جب دل چاہتا ہے میری ذات کو دو کوڑی کا کر کے چلا جاتا ہے کیوں آخر کیوں میں ہی سب کی بدسلوکیاں سہوں طوطے برباشت سروں کیا میں عزت دار لڑکی نہیں ہوں..... تو طوبیٰ کیا میں اچھی لڑکی نہیں ہوں؟“

”وہ اس کا بازو جھجھوڑ کر بولی پھر اس کے



پر چائے کا پانی رکھا اور وہیں رکھی کرسی پر خاموشی سے بیٹھ گئی۔ جب ہی انتہائی عجلت میں نائمہ اندرائی انتہائی تک سب سے تیار وہ اسے بھرپور انداز میں نظر انداز کر کے فریج میں سے کچھ نکالنے لگی پھر جاتے جاتے پلٹ کر اسے دیکھ کر اپنے مخصوص لہجے میں بولی۔

”تم پلیز اس صلیبے میں ڈرائنگ روم میں مت آ جاؤ“ نازش کے سرال والے بہت مہذب اور سلیقے کے لوگ ہیں۔ یہ کہہ کر وہ جھپاک سے باہر نکل گئی جبکہ رامیہ کے اندر آگئی۔

”اوہہ..... میں کون سا شوق میں مری جا رہی ہوں۔“ وہ جل کر خود سے بولی پھر چائے کا کپ تیار کر کے خاموشی سے چھت پر آگئی۔ شفاف نیلگوں آسمان پر اجلا چاند اور افشاں کی مانند کھرے ستارے ماحول کو سحر انگیز بنا رہے تھے، ٹیکسی وٹنڈی ہوا اس پل بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی، یہاں آ کر رامیہ کے اعصاب کو یک گونہ سکون محسوس ہوا، وہ گہری گہری سانس لے کر تازہ ہوا اپنے اندر اتارنے لگی جب ہی ذیشان دبے پاؤں اس کے برابر میں آن کھڑا ہوا۔

”تم یہاں کیا کر رہی ہو نیچے نازش کی سرال والے اس کامنہ بیٹھا کرنے آئے ہیں اور کھانا بھی آگیا ہے، چلو نیچے آؤ۔“ ذیشان نرمی سے بولا تو رامیہ ایک گہری سانس کھینچ کر رو گئی۔

”وہاں کسی کو میری ضرورت نہیں ہے اور نہ مجھے ان سب کے پاس بیٹھنے کی عادت ہے۔“ وہ آہستگی سے جذبات سے عاری لہجے میں بولی تو ذیشان اسے چند ثانیے دیکھا رہ گیا۔

”ذیشان! کیا تم میری ایک بات مانو گے؟“ رامیہ کسی سوچ میں غلطاں ہو کر بولی تو ذیشان نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ ”یہ زندہ تو زونڈیہ منگنی ختم کرو ذیشان۔“

”کیا..... یہ تم کیا کہہ رہی ہو رامیہ! تم جانتی ہو کہ یہ منگنی چچا کی خواہش ہے۔ ہوئی تھی اور یہ بات تم کیسے سوچ سکتی ہو اپنے مرحوم باپ کا جوارِ ارثہ توڑنے پر کیوں آمادہ

ہو۔“ ذیشان پریشانی سے بولا۔

”ابو تو خود زندگی سے ناٹھ توڑ گئے مگر مجھے اس بزدل میں جلنے کے لیے چھوڑ دیا، انہوں نے کبھی میرے بارے میں نہیں سوچا، ہمیشہ میرے ساتھ نا انصافی کی اور آخری وقت میں بھی مجھے وہ اس خاندان سے نکلی کر گئے۔“ رامیہ زخمی لہجے میں بولی تو ذیشان نے اسے پریشان کن نگاہوں سے دیکھا۔

”رامیہ تم اس وقت بہت ڈسٹرب ہو، ہم کسی اور موضوع پر بات کرتے ہیں۔“ ذیشان ہلکے پھلکے انداز میں ماحول کے تناؤ کو کم کرنے کی غرض سے بولا۔

”تم نیچے جاؤ ذیشان! اس وقت وہاں سب کو تمہاری ضرورت ہوگی مگر میں یہ بات اپنے پورے ہوش و حواس میں کہہ رہی ہوں۔“ رامیہ انتہائی سنجیدگی سے بولی تو ذیشان نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا۔

”رامیہ اب تم مجھے ڈسٹرب کر رہی ہو۔“ ”ہم پھر بات کریں گے ذیشان! اس وقت پلیز نیچے جاؤ ورنہ یہاں کوئی آ جائے گا تو مجھے ہی محتوب ٹھہرائے گا۔“ رامیہ اس وقت درست کہہ رہی تھی نا جاؤ ذیشان رامیہ پر ایک نگاہ ڈال کر تھکے تھکے قدموں سے مڑ گیا تو چپکے سے اس کی آنکھوں میں نمی دنا آئی۔

”مجھے معلوم ہے ذیشان! تمہیں میری بات سے بہت دکھ پہنچا ہے مگر یہی ہمارے لیے بہتر ہے۔“ وہ خود سے بولی تھی۔



کیسپس میں آج خوب رونق لگی ہوئی تھی، فاضل اثر والے نئے آنے والے سٹوڈنٹس کو ویلکم پارٹی دے رہے تھے۔ رنگ و نور کا جیسے سیلاب لٹ رہا تھا، بے فکرے مسکراتے چہرے ایک دوسرے سے خوش گپیوں میں معروف تھے۔ کیسپس کر اسے یاد آیا کہ آج پارٹی ہے لہذا کلاسز نہیں ہوں گی۔ طوبی! اور عقیقہ اسے مخصوص صلیبے میں دیکھ کر چلائی پڑیں۔

”خدا کو مانو رامیہ! یہ کیا تم سر جھماز منہ پہاڑ کیسپس



سوچوں میں کم چلی جا رہی تھی جب اچانک ہی وہ سامنے آ گیا اگر رامیہ بروقت اپنے پیروں پر پر یک نہ لگاتی تو زور سے اس کے کشادہ سینے سے ٹکرا جاتی۔ بلو جینز پر قیمتی وائٹ شرٹ پہنے وہ اسے سخت بُرا لگا۔

”یہ کیا بد تمیزی ہے۔“ وہ چلا کر بولی۔

”محترمہ یہ کیا آپ ہر وقت بد تمیزی بد تمیزی کی رٹ لگائے رکھتی ہیں ابھی تو میں۔۔۔ آپ سے کوئی بد تمیزی کی تھی نہیں۔ بہت مہذب طریقہ سے بات کر رہا ہوں اور آپ کے لیے بھی بہتر ہے کہ آپ بھی میری بات مان جائیں۔“ وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

”کون سی بات مان جاؤں؟“ رامیہ نے حیرت سے اپنی پوری آنکھیں کھول کر اسے تسکین دیا۔ عافین علی شاہ پہلے تو ایک لمبے گھٹکا پھر اپنے ساہنہ انداز میں بولا۔

”اس دن کیپس میں آپ نے جو بنا ٹکٹ کے سب کو تماشہ دکھایا تھا اس کے لیے آپ مجھے سوری بولیے۔“

”کیا..... میں کیوں سوری بولوں آپ کو؟“ رامیہ انتہائی ناگواری سے بولی۔

”دیکھیے میں اس وقت بہت شرافت سے آپ سے کہہ رہا ہوں کہ آپ مجھے سوری بولیے ورنہ.....؟“

”ورنہ.....“ وہ شدید لیش میں آ کر بولی۔ ”ورنہ کیا..... مجھے قتل کر دیں گے آپ ارے آپ کہاں کے خدائی فوج دار ہیں بٹھے میرے راتے سے۔“

”رامیہ! مان خان! آپ شاید مجھے جانتی نہیں میں اپنی ضد کا بہت پکا ہوں۔“

”اور شاید آپ مجھے نہیں جانتے کہ میں کیا ہوں۔“ وہ عافین کی بات پر حیرت سے بولی تو عافین انتہائی بے پروائی سے شانے اچکا کر بولا۔

”مجھے آپ کے بارے میں جاننے کی کوئی چاہت نہیں ہے بلکہ آپ جیسے معمولی لڑکی کو تو میں دو منٹ بھی نہیں دیتا۔“

”اور میں آپ جیسے لڑکیوں کو ایک منٹ بھی نہیں دیتی۔“ وہ اس کے تھوڑا قریب آ کر انتہائی دلیری سے اس کی

آگٹیں ارے آج کے دن تو ڈھنگ سے کپڑے پہن لیتیں۔“ طوبی بے حد امان کر بولی۔

”اگر مجھے یاد آ جاتا کہ آج کلاسز نہیں ہوں گی تو میں آتی ہی نہیں۔“ وہ خود بھی بہت بے زار دکھائی دے رہی تھی۔

”اچھا تمہارے کپڑے اب اتنے بُرے بھی نہیں لگ رہے میرے پاس میک اپ کٹ اور لپ اسٹک ہے بس تم اپنا چہرہ درست کر لو۔“ عقیفہ جلدی سے بولی کہ مبادا رامیہ واپس ہی نہ جاتی۔

”مجھے ان چیزوں سے قطعی دلچسپی نہیں ہے میں لائبریری جا رہی ہوں۔“ مگر ناکدار ماحول اسے محض میں جتنا رکھتا تھا کیپس آ کر ہی اسے کچھ تسکین میسر آتی تھی وہ واپس گھر نہیں جانا چاہتی تھی۔

”پلیز رامیہ! یہ فنکشن اینڈ کر لو نا دیکھو نا سب آڈیٹوریم میں جا رہے ہیں۔“ طوبی اس کا بازو تھام کر لجاجت سے بولی جو کاشی اور آف وائٹ رنگ کے احتراز کے سوٹ میں بہت پیاری لگ رہی تھی جب کہ عقیفہ نیلے اور اورینج رنگ کے سوٹ میں بہت بُرے کشش دکھائی دے رہی تھی۔

”تم دونوں اینڈ کر لو! میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا۔“ رامیہ ہنوز لہجے میں بولی تو دونوں باقاعدہ منتوں پر اتر آئیں تو ناچار وہ جانے کو رضامند ہوئی جوں ہی رامیہ نے آڈیٹوریم میں قدم رکھا تماشہ سے باتوں میں مصروف عافین نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور پھر انتہائی ناگواری سے رخ دوسری طرف موڑ لیا۔

فنکشن شروع ہو چکا تھا عقیفہ اور طوبی بہت ایکساٹینڈ ہو رہی تھیں فنکشن کافی دلچسپ تھا مگر رامیہ کافی بوریت محسوس کر رہی تھی وہ سیٹ سے اٹھی تو دونوں نے اسے سوائے نظروں سے دیکھا۔

”واش روم جا رہی ہوں یارا!“ رامیہ جھنجھلا کر بولی پھر بیک اٹھا کر آڈیٹوریم سے باہر نکل آئی۔ کیپس میں اس بل بالکل سانا تھا سب فنکشن اینڈ کر رہے تھے وہ اپنی



”ڈونٹ ویری میم! میں چلا لوں گا آپ کا بہت بہت شکر“ انس نرمی سے بولا تو رامیہ مسکرا دی۔  
 ”انس اوکے مگر اب دھیان سے چلانا اوکے۔“  
 ”آپ کا حکم سر آٹکھوں پر۔“ انس شوخی سے بولا تو  
 رامیہ بھی ہنس دی پھر اس سے خدا حافظ کہہ کر بائیک لے  
 گیا تو رامیہ نے بے ساختہ اس کے خیریت سے پہنچ جانے  
 کی دعا کر ڈالی۔



”اب تم بالکل بھی بائیک کو ہاتھ نہیں لگاؤ گے سمجھے  
 میں تو پہلے ہی خلاف فہمی۔“ مسز ابراہیم انس کو دودھ کا  
 گلاس ٹھماتے محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے  
 بولیں جو یونورشی۔ سیدھا کلینک جا کر خود ہی مینڈیج  
 کروا آتا تھا۔

”مما میری غلطی نہیں تھی وہ سڑک پر آکل پڑا ہوا  
 تھا جس کی وجہ سے، بائیک سلپ ہو گئی۔“ وہ دودھ کا  
 گلاس منہ تک لے جاتے ہوئے بولا تو مسز ابراہیم مسکرا  
 کر گویا ہونیں۔

”میں جانتی ہوں بیٹا سب یہی کہتے ہیں مگر یہ  
 میرا آخری فیصلہ ہے کہ اب تم بائیک بالکل استعمال  
 نہیں کرو گے۔“

”مما.....“ انس نرمے پن سے بولا مگر مسز ابراہیم  
 پیار سے اس کے بال بگاڑ کر اس کے بید سے اٹھ گئیں وہ  
 جو بھی بستر پر سیدھا ہو کر لیٹا پریشان سا عافین کرے میں  
 داخل ہوا۔

”انس حد ہوتی ہے بے پروائی کی اتن مجھے کال نہیں  
 کر سکتے تھے کہ آخر میں وہیں تو موجود تھا۔“ وہ اس کی  
 پیشانی کا جائزہ لیتے ہوئے بولا جس پر مینڈیج کی گئی تھی۔  
 ”ریٹیکس بھان میں ٹھیک ہوں اور ویسے بھائی  
 یونورشی میں ایک بہت پیاری سی میم نے میری بہن کی پہلے  
 تو انہوں نے اٹھا پھر اپنے خلوص سے آ کر مجھے اٹھایا۔“ انس  
 جیسے تصویر میں رامیہ جو کھیتے ہوئے تھوٹے ہوئے لہجے میں  
 ”ا تو عافین نے چونک کر اسے بخور دیکھا اور اس کے

آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تو عافین اس کے اس  
 انداز پر حیران رہ گیا جواب اطمینان سے پلٹ کر کیپس  
 کے باہر والے لمباستے کی جانب انتہائی خود اعتمادی سے قدم  
 بڑھا رہی تھی۔

”دیکھ لوں گا میں تمہیں رامیہ امان خان!“ وہ جیسے  
 پھنکارا تھا۔

رامیہ کیپس سے باہر نکلی ہی تھی کہ پاس سے گزرتی  
 بائیک آگے چل کر بڑے زور سے پھسل گئی اور اس پر سوار  
 لڑکا لڑھکتا ہوا بالکل رامیہ کے سامنے گرا تھا شوخی قسمت  
 اس وقت سڑک پر کاڈ کا ہی لوگ تھے جو اس جگہ سے کافی  
 دور تھے رامیہ کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکلی وہ تقریباً  
 بھاگتے ہوئے اس لڑکے کے پاس پہنچی پھر اسے کراہتے  
 دیکھ کر اس نے اطمینان کی سانس لی۔

”یہ تم بائیک کو کیا ہوائی جہاز سمجھ کر اڑانا چاہ رہے تھے  
 اب مگر گئے نا کیوں مر آ یا؟“ وہ چڑ کر بولی تو ہیلمٹ کے  
 اندر سے نحیف سی آواز برآمد ہوئی۔

”مم آپ پلیز مجھے بعد میں ڈانٹ لیجیے گا پہلے یہ  
 تربوز میرا مطلب ہے یہ ہیلمٹ اتار دیجیے میری کہنی  
 میں بہت درد ہو رہا ہے۔“ یہ سن کر رامیہ جلدی سے  
 سڑک پر گھٹنوں کے بل بیٹھی اور سہولت سے ہیلمٹ  
 اتار لیا اکیس بائیس سال کا نو عمر لڑکا اس بل کافی  
 تکلیف کا شکار تھا۔

”زیادہ درد ہو رہا ہے تمہیں رکھاؤ کہاں لگی؟“ رامیہ  
 اب باقاعدہ اس کے زخموں کا معائنہ کر رہی تھی اسی اثناء  
 میں کچھ اور اسٹوڈنٹس بھی وہاں آ گئے تھے۔ بازو اور کہنی  
 سے خون نکل رہا تھا جب کہ گھٹنے کی طرف سے اس کی چھتر  
 بھی پھٹ گئی تھی پھر دو لڑکوں کی مدد سے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور  
 بہت سُر کے دوبارہ بائیک سنبھال لی اسٹوڈنٹس اس کے  
 اطمینان دلانے پر چلے گئے تھے جب کہ رامیہ اب بھی  
 اس کی تھڑکی تھی۔

”تم ایسی حالت میں بائیک کیسے چلاؤ گے؟“ رامیہ نے  
 سہولت سے بولی تو اس مسکرا دیا۔



بالکل سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔

”ہوں تو تم کافی متاثر ہواں میم سے۔“

”واقعی بھائی وہ مجھے بہت اچھی لگیں بہت خاص اور سب سے منفرد“ وہ ہنوز لہجے میں بولا تو عافین نے سینے پر بازو باندھ کر اسے مسکراتی نظروں سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

”اچھا آپ کی اس منفرد خاص اور بہت اچھی میم کا نام کیا ہے؟“

”اوہ..... میں نے تو ان سے نام ہی نہیں پوچھا۔ وہ چونک کر خود کو مر دیش کرتے ہوئے بولا۔

”چلو چھو نے بھائی دوبارہ ملے تو پوچھ لینا اب تم آرام کرو سمجھے۔“ عافین نرمی سے بولا تو انس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔



وہ کلاس لے کر نکلی تو سامنے میمپس کے لان میں سٹی بیچ پر بیٹھے ڈیٹان کو اپنا منتظر پایا وہ اس کو یہاں دیکھ کر کچھ حیران ہوئی پھر طوطی اور عقیقہ سے ایکسکیوز کر کے وہ اس کی جانب آگئی اسے دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

”تم یہاں..... سب خیریت تو ہے ناں۔“

”ہوں سب ٹھیک ہے دراصل گھر میں تم سے بات کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا دراصل رامیہ میں اس دین سے تمہاری بات سے بہت الجھا ہوا ہوں۔“ ڈیٹان واقعی اس پہلی بہت پریشان لگ رہا تھا رامیہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی جب کہ میمپس میں راض ہوتے ہی عافین کی نگاہیں سب سے پہلے رامیہ اور ڈیٹان کی جانب اٹھی تھیں۔ رامیہ ڈیٹان کو نے کریمپس کے گراؤنڈ کے ایک کونے میں آگئی اور پھر زمین پر ہی آتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ ڈیٹان بھی اس کے سامنے دھپ سے بیٹھ گیا تو رامیہ نے اسے ہنسوج نظروں سے دیکھا۔

”دیکھو ڈیٹان! میں اس دن تمہیں یہ صرف بتانا ہی نہیں بلکہ سمجھانا چاہتی تھی کہ.....“ وہ پہلی کی پہلی رکی پھر تیزی سے بولی۔ ”ہم دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ

کوئی مستقبل نہیں ہے اسماء تائی مجھے کبھی اپنی بہو کے روپ میں قبول نہیں کریں گی۔ مجھے کبھی وہ مقام و مرتبہ اس گھر میں نہیں ملے گا جس کی میں مستحق ہوں آج یہ لوگ اس گھر کی بیٹی ہونے کی حیثیت سے مجھے ہمد وقت رسوا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو بہو بن کر تو وہ مجھے.....“ اتنا کہہ کر وہ جملہ اہورا چھوڑ گئی پھر اسے سمجھانے والے انداز میں بولی۔

”ڈیٹان میرے ساتھ ساتھ تمہاری زندگی بھی جہنم سے بدتر ہو جائے گی میں جب اپنے حیدروں پر کھڑی ہو جاؤں گی تو پہلی فرصت میں ان گھر سے چلی جاؤں گی میں اس رشتے میں بندھ کر ہر شے ان لوگوں کے سامنے ذلیل و حقیر بن کر ان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔“ وہ قطعیت سے بولی تو ڈیٹان فوراً دلا۔

”ہم باہر سیٹ ہو جائیں گے رامیہ! اس گھر سے دور چلے جائیں گے۔“

”میں خود غرض لڑکی نہیں ہوں ڈیٹان! تم اسماء تائی کے انکوتے بیٹے اور تائے نازش نے واحد بھائی ہو اور پھر ایک ناپسندیدہ بہو اور بھائی بننا مجھے نفعاً گوارا نہیں ہے۔“

”تو یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے رامیہ!“ ڈیٹان اس کی بات پر پُر سوچ انداز میں استفسار کر رہا تھا رامیہ کی بات سے وہ سو فیصد اتفاق کر رہا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ اس کے گھر والوں کے لیے رامیہ کی ذات انتہائی ناپسندیدہ تھی وہ اس گھر میں رہ کر بھی خوش اور سکون زندگی نہیں گزار سکتی تھی اور ڈیٹان کو ہر قیمت پر اپنی ناپیاری ہی کزن کی خوشیاں عزیز تھیں۔

”ٹھیک ہے رامیہ! مجھے نہ ہمارا فیصلہ منظور ہے مگر تم خود کو اکیلا امت سمجھنا میں ہمیشہ ایک دوست کی طرح تمہارے ساتھ رہوں گا۔“ ڈیٹان تھکے تھکے انداز میں بولا تو رامیہ نے بے ساختہ اس کی جانرہ دیکھا۔

”تم نے میری بات سمجھ کر اسے مانتے ہوئے واقعی ایک اچھے دوست کا کردار ادا کیا ہے میں تمہاری شکر گزار ہوں ڈیٹان!“ وہ ممنون آ میز لہجے میں بولی تو ڈیٹان

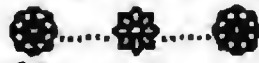


دھیرے سے مسکرایا۔

نگاہوں سے دیکھا۔

”نہ تمہیں میرے لیے دعا کرنی ہے کہ اللہ مجھے تمہاری جیسی لڑکی دلوادے۔“

”مجھ سے بھی اچھی لڑکی ڈیشان اور دیکھ لینا کہ تمہیں دنیا کی سب سے پیاری لڑکی ملے گی کیوں کہ تم خود بہت اچھے ہو۔“ وہ پُر غلوں سے لہجے میں پوری سچائی سے بولی تو ڈیشان ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا۔



بدلتے موسم نے ماحول کو خاصا خوش گوار بنا دیا تھا جاتی گرمیوں اور نرم موسمی سردیوں کی چاپ نے جہاں گرمی کی شدت کو ختم کیا وہاں کچھ دلوں کی منڈیر پر اداسی و خاموشی کے پردے اپنے پر پھیلا کر بیٹھ گئے۔ مسز ابراہیم اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی لان میں لگے مرجھائے پھولوں اور ٹوٹے چٹوں کو بغور دیکھ رہی تھیں جب ہی ابراہیم صاحب کمرے میں داخل ہوئے مگر کسی گہری سوچ میں کم مسز ابراہیم کو ان کی آمد کا علم نہیں ہوا چند لمبے ابراہیم صاحب نے اپنی وفا شمار بیوی کی طرف دیکھا پھر آہستہ سے قدم بڑھا کر چپکے سے ان کے پہلو میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ یہ موسم ہمیشہ ان کی عزیز از جان شریک حیات کے لیے اداسی کی سوغات لے کر آتا تھا جبکہ ابراہیم صاحب انہیں ایک پل کے لیے بھی مکمل و شکستہ حال دیکھنا گوارا نہیں کرتے تھے۔

”آج آپ پھر اداس ہیں۔“ بالکل قریب سے ابراہیم صاحب کی آواز ابھری تو انہوں نے چونک کر گردن موڑ کر دیکھا پھر جلدی سے آنکھوں کے کنارے پرانے نموتوں کو اپنی انگلیوں سے صاف کر ڈالا۔

”ہوں..... کچھ خاص نہیں۔“ وہ مختصرابولیں مگر ہنوز کھڑکی کے باہر کا منظر دیکھتی رہیں۔

”ہمیں لندن سے آئے تقریباً ایک سال ہو گیا ہے اور آپ نے ایک مرتبہ بھی اس سے ملنے کی خواہش ظاہر نہیں کی اسے ڈھونڈنے کی تمنا نہیں کی۔“ ابراہیم صاحب تنجیدگی سے بولے تو مسز ابراہیم نے انہیں شکوہ کناں

”آپ سب جانتے ہیں ابراہیم! اس شہر میں شاید وہ بھی سانس لیتی ہو اس کے وجود کی مہک مجھے ان ہواؤں میں محسوس ہوتی ہے اس شہر کے ماحول میں اس کے لمس کا گداز میں میرے دل میں جلتے ملاؤ پر پھوار سا برسا دیتا ہے۔“ وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولیں تو ابراہیم صاحب قدرے ناراضگی سے بولے۔

”تو خود پر اتنے پہرے کیوں بٹھائے ہوئے ہیں شمع اس بات کو بائیس سال ہو گئے ہیں اب تو بہت کچھ بدل گیا ہوگا بائیس سال کسی کو بدلنے کے لیے کافی نہیں ہوتے آپ کیوں اس نام نہاد قسم کی بنا پر خود پر اتنا ظلم کر رہی ہیں۔“

”آپ شاید اسے جانتے نہیں ابراہیم! بائیس سال تو کیا وہ چالیس سال میں بھی بدلنے والا نہیں اپنی زبان کی خاطر جان دینے والا جو کہہ دیا وہ کر دکھانے والا میں خود پر تو ظلم کر سکتی ہوں مگر اس پر نہیں۔“ کہتے کہتے انہوں نے کھڑکی کی گرل سے سر نہکادیا تو ابراہیم صاحب اس پل خود کو انتہائی بے بس محسوس کر کے انہیں محض دیکھ کر رہ گئے۔



”عافین یہ لڑکی مجھے نفسیاتی لگتی ہے بس یہ دو لڑکیاں اس کے ساتھ رہتی ہیں اور نہ پوری کلاس سے بالکل الگ تھلگ رہتی ہے البتہ شاہی ہر سمسٹر میں پوزیشن لاتی ہے۔“ عافین اور مناشہ کیفے ٹیرا کے خوش گوار ماحول میں بیٹھے چائے اور سموور سے لطف اندوز ہو رہے تھے جب ہی رامیہ اپنی سہیلیوں کے ہمراہ وہاں آن پہنچی تھی۔ بلیک ٹراؤزر پر نیوی بلو لائٹ شرٹ پر بلیک اسکارف میں وہ ہمیشہ کی طرح دنیا سے بے زار نظر آئی جب کہ حسب معمول اس کی دو لڑکیاں سہیلیاں خامی چپک رہی تھیں۔

عافین رامیہ کو دیکھ کر نجانے کیوں سلگنے لگا تھا۔

”تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو مناشہ! ایسی لڑکیاں محض دوسروں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے یہ فضول کی ٹوٹکیاں کرنی پھرتی ہیں۔“ ویسیے انگارے نکلے ہوئے بولا کہ



freedom to live happily!



Freedom®

KNACK

H P

1178 1111 Karachi-75000 Pakistan Ph: 25009113 Fax: (92-21) 2502570 2500511

www.freedomto.livehappily.com

WWW.PAKSOCIETY.COM



”ہا یہ ہے زندگی کا قسطنطنیہ ساری زندگی انسان رعوت و زعم میں مبتلا ہو کر دوسروں کی حق تلفی کرتا ہے اس سے بدسلوکی کرتا ہے اور پھر ایک دن دوسروں کے کندھوں پر سوار ہو کر منوں مٹی۔ تلے غائب ہو جاتا ہے اور پھر قصہ پارینہ ہو جاتا ہے۔“ رامیہ سوچتی چلی گئی۔



سوئم کے بعد مہمانوں نے اپنے گھر کی راہ لی دنیا کسی کے چلے جانے سے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں رکتی۔ دوسرے دن سب اپنی اپنی مصروفیات میں مگن ہو گئے وہ بھی آج دو دن بعد کہیں آئی تھی مگر جلد ہی گھر آ گئی تھی آج اس کا دل کچھ گھبرا رہا تھا اور اس کی گھبراہٹ کی وجہ بھی سامنے آ گئی تھی اسامہ تائی نے تمام گھر والوں کے سامنے ذیشان اور رامیہ کی منگنی توڑنے کا اعلان کر دیا تھا منگنی تو وہ پہلے ہی ختم کر چکی تھی مگر اسامہ تائی نے اس کی ماں کی ذات کے جو بچنے اور میرے تھے رامیہ کو ایسا لگ رہا تھا کہ ان کے جملوں سے اس کی خود کی کھال گوشت سے الگ ہو رہی ہو وہ دواؤں کا لون پر ہاتھ رکھ کر چلا اٹھی۔

”بس کیجیے تائی! کچھ اللہ کا خوف کیجیے وہ سب دیکھ رہا ہے بہت لگائیے میری پاک دامن ماں پر تہمت..... میری زندگی برباد کر کے میری ماں مجھ سے جھین کر اب بھی آپ کے دل کو سکون نہیں ملا۔“ وہ چلا کر بولی۔

”اونہ تمہاری ماں پاک دامن تھی..... ارے پوری رات وہ گھر سے غائب تھی تمہارے باپ کو کبھی پسند کیا اس نے ہمیشہ اپنے حسن پر نازاں رہتی تھی وہ حسن پرست عورت.....“ تائی اسامہ جاہل عورتوں کی طرح بولیں۔

”تمہیں بھی اپنے ساتھ لے جاتی ماں کم از کم ہماری جان تو چھوٹ جاتی۔“ صالحہ چچی نے بھی زہرا گلا۔

”ارے سارا دن اور ساری رات وہ گھر سے باہر رہی اچھا کیا اس نے جو مڑے کھڑے اسے طلاق دے دی ارے غیرت مند جو تھا۔“ تائی اسامہ ہنوز لہجے میں بولیں تو اس پل رامیہ کو لگا جیسے اس کا دل بند ہو جائے گا دونوں ہونٹ آپس میں یوں اپوست ہوئے جیسے اب کبھی حرکت

اسی دوران نبجانے کہاں سے انس اس کی میز پر بے تابی سے آیا جسے دیکھ کر رامیہ تو پہلے چونکی پھر دھیرے سے مسکرا دی۔ اتنی دلکش مسکراہٹ جیسے مٹھنہ گھٹاؤں کے چھٹنے کے بعد سورج کی پہلی کرن اپنا جلوہ دکھاتی ہے وہ رامیہ کو مسکراتے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کیسے میں شور اور میز قاصدے پر ہونے کی بدولت وہ ان کی باتیں سن نہیں پا رہا تھا مگر لگ رہا تھا کہ وہ انس کی باتوں سے کافی محفوظ ہو رہی ہے جب اس کی سہیلیاں ہاتھوں میں مختلف اسٹیکس لیے میز پر آئیں تو انس صاحب کی ہاتھیں کانوں تک جا پہنچیں پھر چاروں نے مل کر چائے کے ساتھ دیگر لوازمات اڑائے اور اس تمام وقت میں رامیہ کے چہرے پر ایک خوش گوار رنگ چھایا رہا جو بہت دلکش اور انوکھا لگ رہا تھا۔ نتاشہ کے ساتھ کرسی سے اٹھتے ہوئے اس نے ایک بار پھر بغور ان لوگوں کو دیکھا جو ہنوز خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

رامیہ کیپس سے گھر آئی تو غیر معمولی سناٹے اور پراسرار خاموشی نے اس کا استقبال کیا ابھی وہ اپنے کمرے میں پہنچی تھی کہ نامہ اور صالحہ چچی کے رونے کی آوازیں نے اسے اچھا خاصا بوکھلا دیا۔ وہ سرعت سے بیک بستر پر رکھ کر باہر کی جانب لپکی نامہ چچی سے لپٹی دھاڑے مار مار کر رو رہی تھی۔

”کیا ہوا سب خیریت تو ہے؟“ رامیہ نے تجاشا گھبرا کر صالحہ چچی سے بولی مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ”چچی! ابو ہمیں چھوڑ کر کیسے جاسکتے ہیں؟“ نامہ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر رامیہ جیسے ساکت سی رہ گئی بے ساختہ وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

”اوہ تو تائی ابو یہ دنیا چھوڑ کر چلے گئے۔“ رامیہ کے اندر سے کوئی بولا اس پل اس کے احساسات عجیب سے ہو رہے تھے اسے آج تک ایسا لمحہ یاد نہیں تھا کہ کبھی انہوں نے اس کے سر پر دسب شفقت رکھا یا پھر عائشہ کی طرح اسے پیار کیا ہمیشہ اسے دیکھ کر ان کی تہویوں میں مل پڑ جاتے تھے۔



کے پیچھے چل دیا۔



مسز ابراہیم کا بی بی خطرناک دھمکے شوٹ کر گیا تھا۔ ابراہیم صاحب اور عافین کے تو گویا اتھوڑ پھول گئے تھے۔ انس تو باقاعدہ رو رہا تھا۔ انہیں فوری طور پر اسپتال میں داخل کر دیا تھا۔ اور نہ کوئی بڑا حادثہ رونما ہو جاتا۔ ڈاکٹرز نے کافی سنبھال لیا تھا مگر انہیں مکمل آرام اور پرسکون ذہن رکھنے کی سختی سے ہدایت کی گئی۔ عافین انس اور ابراہیم صاحب تینوں اس وقت پرائیویٹ روم میں موجود تھے۔ مسز ابراہیم اب بہتر تھیں مگر کافی کمزوری محسوس کر رہی تھیں۔ عافین انہیں سب کاٹ کر زبردستی کھلا رہا تھا۔

”پتا ہے ماما انس بالکل بچہ کی طرح رو رہا تھا۔“ عافین انس کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اسے چھیڑنے کی غرض سے بولا تو انس مسز ابراہیم کے کندھے پر سر رکھ کر منہ بسورنے لگا۔

”ہاں یہ بچہ ہی تو ہے چھوٹا سا۔“ مسز ابراہیم اس کو خود سے لگاتے ہوئے مسکرا کر بولیں۔

”خدا کے واسطے ماما! میں بچہ نہیں ہوں، یونیورسٹی کا اسٹوڈنٹ ہوں۔“ وہ منہ پھلا کر برہماتے ہوئے بولا۔

”اب دیکھو تمہارے لاڈ! نے کیسے منہ بنا لیا ہے بالکل لڑکیوں کی طرح۔“ ابراہیم صاحب انس کو دیکھ کر ہنس کر بولے تو انس سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

”ویسے ماما مجھے لڑکیاں بہت پسند لگتی ہیں، کاش ہماری بھی کوئی بہن ہوتی۔“ انس اپنی دونوں ہاتھوں میں بولا تو عافین اور ابراہیم صاحب نے انتہائی گھبرا کر مسز ابراہیم کی جانب دیکھا جن کا چہرہ اس بلبلٹھے کی مانند سفید پڑ گیا تھا۔

”چلو انس اور عافین! اب آپ دونوں گھر جاؤ آپ کی ماما آرام کی ضرورت ہے بہت باتیں کر لیں۔“ ابراہیم صاحب جلدی سے بولے تو انشاء اللہ میں ڈاکٹرز کے ہمراہ چینگ اپ کی غرض سے اندر آ گیا تو دونوں بھائی مسز ابراہیم سے مل کر کہنے لگے۔ باہر آ گئے کارڈور میں عافین کے استفسار پر اس نے اسے بتایا تھا کہ رامیہ وہی

نہیں کر سکیں گے۔ وہ قالین پر بیٹھتی چلی گئی اسی دم ڈیشان اور چچا لاؤنج میں داخل ہوئے تھے رامیہ کی دیگر گوں حالت دیکھ کر ڈیشان جیسے تڑپ اٹھا تھا۔ صالحہ چچی کی زبان ابھی بھی چل رہی تھی۔

”خدا کے واسطے آپ لوگ بس کریں کیوں اس لڑکی کو جین سے جینے نہیں دیتے؟ آخر قصور کیا ہے اس کا۔“ ڈیشان چچا کو بولا تو تانی اسامہ بڑی طرح ترخ گئیں۔

”مجھے اس کی وکالت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ سمجھ میں نے تیرا رشتہ اس کے ساتھ ختم کر دیا ہے۔“

”اوپنہ..... آپ کے رشتہ ختم کرنے سے پہلے ہی رامیہ نے میرے ساتھ ممکن توڑ دی ہے۔“ ڈیشان استہزائیہ لہجے میں بولا تو تانیہ نازش اور عاتشہ کے ساتھ ساتھ تانی اسامہ اور صالحہ چچی بھی خاصی حیران ہوئیں۔

”تم بالکل ٹھیک کہتی تھیں رامیہ! یہ لوگ ہمیں کبھی نہیں دسکون سے جینے نہیں دیں گے اچھا ہوا جو تم نے مجھ سے شادی کرنے سے انکار کر دیا اس گھر سے باہر جا کر ہی تمہیں تمہاری خوشیاں ملیں گی۔“ ڈیشان اپنی ماں چچی کو طنز سے دیکھتا ہوا رامیہ سے نرمی سے گویا ہوا جو کم مسمی قالین پر روزانو بیٹھی تھی۔

”اچھا لڑکی گھر سے باہر کہاں جائے گی جہاں اس کی خوشیاں اس کی منتظر ہیں؟“ تانی اسامہ استہزائیہ لہجے میں بولیں مگر ڈیشان ان کا سوال نظر انداز کر گیا اور رامیہ سے مخاطب ہو کر بولا۔

”رامیہ چلو اٹھو اور اپنا سامان پیک کرؤ میں آج ہی تمہیں گرلز ہوسٹل چھوڑا تا ہوں۔“

”یہ کیا کہہ رہے ہو ڈیشان! رامیہ گرلز ہوسٹل میں کیوں رہے گی؟“ اعتصام چچا نے پہلی بار لب کشائی کی مگر پھر تانیہ کے گھونسنے پر بیک دم خاموش ہو گئے صالحہ بیگم کے مضبوط منہ کے اپنے بزنس میں سامان کے شیئرز اور صالحہ کی زبان کے سامنے وہ منمننا بھی نہیں سستے تھے ڈیشان نے نیب نگاہ چچا کو دیکھا جو اپنی بات کہہ کر اب بظلمیں جھانک رہے تھے وہ طنزاً مسکرایا پھر رامیہ کے اٹھنے کے بعد اس



حاضری سے پریشان، طوبیٰ اور عقیقہ اسے صحیح سلامت آتا  
دیکھ کر چڑھ دوڑیں۔

"رامیہ کی بچی! تمہیں کچھ ہماری پروا ہے بھی یا نہیں؟ تم دو دن سے گیمپس نہیں آ رہیں، موبائل تمہارا آف جا رہا تھا یہاں تمہاری پریشانی میں ہمارا آدمے سے زیادہ خون خشک ہو گیا۔" طوبیٰ اسے بے نقط سناتے ہوئے بولی تو رامیہ شرمندہ ہوئی۔

”آئی ایم سوری یار! دراصل.....“ وہ اتنا کہہ کر چند  
ٹاپے کی پھر ساری بات بتاتی چلی گئی۔

”نہوہ رامیہ یہ اجا نہیں ہوا اب تم اکیلی ہوٹل میں رہو گی۔“ عقیقہ فسوس و ریشانی کے عالم میں گھر کمرہ لی۔

”میں اپنے باپ کے گھر میں بھی اکیلی تھی مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ راسیہ بے پروائی سے بولی ابھی دو باتیں کر رہی تھیں کہ اس وہاں آن پہنچا۔

"لہذا گیا جو کہر۔" عقیقہ اسے چھینرتے ہوئے بولی تو طوبیٰ اور رامیہ مسکرا دیں، اُس نے آتے ہی مان اسٹاپ بولنا شروع کر دیا تو تینوں ایک دوسرے کو محض بے بسی سے دیکھتی رہ گئیں، اسے خاموش کر دانا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

کامر سے فارغ ہونے کے بعد وہ طوبیٰ اور عقیقہ سے رخصت ہو کر ٹرلز ہوٹل کی جانب آئی تو اچانک عافین علی شاہ اس کے سامنے آگیا جسے دیکھ کر اس کا حلق تنک کرڑا ہو گیا۔

”مس رامیہ س دن کے لیے آپ مجھے سوری  
 ہو لیے۔“ عافین کے اس تقاضے پر اس نے حیرت سے  
 اسے دیکھا وہ واقعہ تو کب کا بھلا چکی تھی۔

”آپ کا دماغی توازن اگر ٹھیک نہیں ہے تو جا کر علاج کروائیے میرا راستہ روک کر میرے منہ لگنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ رامیہ؟ منجلا کر بولی۔

”اوپہا آپ جیسی بد تمیز لڑکی سے مجھے منہ لکنے کا کوئی شوق نہیں جو آپکی اوجھی حرکتیں کر کے دوسروں کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔“ عافین سسک کر بولا تو



پہلے اپنے خالہ زاد سے منسوب ہو چکی تھی۔ خلاف معمول رامیہ کا موز بھی آج خوش گوار تھا۔ بیویوں کیسے میرا میں اس وقت جاٹ سموسوں سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

”مجھے تو پورا یقین ہے رامیہ نا پوزیشن تو چکی ہے۔“ عقیفہ سموسے کھاتے ہوئے بولی: اچانک طوبی کو کچھ یاد آیا تو وہ رامیہ کی جانب دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔

”رامیہ آج چوتیس مارچ ہے۔“

”ہاں ہے پھر۔“ وہ کولڈ ڈرنک کا سپ لیتے ہوئے مارل لہجے میں بولی۔

”آج ڈیٹن کی شادی ہے نا؟“

”ہاں آج میرے سب سے اچھے دوست کی شادی ہے جس نے مجھے اس جہنم سے بات دلائی بس میری تو یہی دعا ہے کہ وہ ہمیشہ خوش رہے۔“ رامیہ خلوص سے بولی تو عقیفہ طوبی دونوں حیرت زدہ رہ گئیں۔

”رامیہ تمہیں ڈیٹن کو کھود دینے کا کوئی دھکم نہیں ہے؟“ طوبی نے الجھ کر استفہار کیا تو وہ ایک گہری سانس بھر کر گویا ہوئی۔

”جب اسے پایا نہیں تھا تو سے کھودینے کا کیا دکھ؟“ ڈیٹن بہت اچھا لڑکا ہے مگر یہ بات مجھے ہمیشہ سے معلوم تھی کہ ڈیٹن میرے لیے نہیں بنا اور نہ میں اس کی نندیر ہوں۔“

”تو کیا تمہیں اس سے کوئی دلی لگاؤ نہیں تھا۔“ عقیفہ نے تیزی سے پوچھا۔

”میرے پاس دل اور جذبات نام کی چیز شاید ہے ہی نہیں بس بہت سا غبار ہے دھوئیں ہے وہاں ایسے لطیف جذبات کہاں پہنتے ہیں۔ میں انہیں جانتی کہ دل کے معاملے کیا ہوتے ہیں؟“ وہ گہری سنجیدگی سے بولی تو یہ بات جان کر طوبی اور عقیفہ کو اطمینان ہوا کہ ڈیٹن سے اس کا کوئی دل کا معاملہ نہیں تھا اور نہ اس کی شادی پر اس کی پیاری سہیلی اندے سے ٹوٹ جاتی۔

”تو میری جان اس غبار اور دھوئیں کو نکال باہر کرو اور کسی سے دل لگا لو گج میں زندگی اتنی ذریعہ صورت اور حسین لگنے

رامیہ کے اندر جیسے بھانجریاں جل رہی تھیں۔

”تم جیسے دو ٹکے کے لڑکے کی توجہ حاصل کرنے کی نہ کوئی چاہت ہے مجھے نا رزو۔“

”شٹ اپ۔“ وہ تقریباً دہاڑا کلاسز آف ہو جانے کی بدولت یہ جگہ بالکل سناں تھی۔

”تم ہوتی کون ہو تمہاری اوقات کیا ہے دو ٹکے کی لڑکی ہو تم۔“

”شٹ اپ یو۔۔۔۔۔“ انتہائی طیش کے عالم میں نجانے کب اور کیسے رامیہ کا ہاتھ اٹھا جو عاقبت کے کال پر اپنا نشان ثبت کر گیا عاقبت رامیہ کی اس قدر جرأت پر دو گ سا کھڑا رہ گیا تھا۔

”آئندہ میرے راستے میں آنے کی کوشش مت کرنا گھنیا انسان۔“ اپنی انگشت شہادت اٹھاتے ہوئے انتہائی نفرت سے کہہ کر رامیہ تیزی سے اس کے قریب سے نکل گئی۔ رفتہ رفتہ اس کا سکتہ نونا تو عاقبت مارے اشتعال و نفرت سے تاج اٹھا۔

”تمہیں اس پتھر کی بہت بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔“ وہ زہر خند لہجے میں خود سے بولا پھر لہجے لہجے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔



دن سرعت سے گزرتے چلے گئے سمسٹر کا بھوت ان کے کیمپس میں آ کر سب کے سروں پر ٹاپنے لگا ہر کوئی اب لا بھری اور کلاس میں زیادہ دکھائی دیتا۔ رامیہ عقیفہ اور طوبی کا آخری سال تھا وہ تینوں بھی سخت محنت کر رہی تھیں۔ رامیہ سمسٹر کے بعد طوبی کے انکل کی کہنی جو ان سرنے والی تھی جنہوں نے طوبی کی سفارش پر اسے اچھی پوسٹ دے دی تھی اور اس بات سے رامیہ کافی مطمئن تھی۔ آج ان تینوں کا آخری پیپر تھا وہ پیپر دے کر ٹکس تو جوش و خروش کے ساتھ ساتھ اس تھی تھیں کیوں کہ اب ان کی اسٹوڈنٹ لائف کا اختتام ہو گیا تھا اور اب وہ تینوں پگھڑنے والی تھیں۔ اگلے ماہ طوبی کی شادی طے ہو گئی تھی اور عقیفہ بھی جلد ہی پیادیس سردھار نے والی تھی جو دو ماہ



”واؤ طوبی ہاجی! میں تو آپ کی شادی میں ضرور آؤں گا۔“

”مجھے بہت خوشی ہوگی۔“ طوبی انس کی بات پر خلوص سے بولی پھر رامیہ سے استفسار کرنے لگی۔ ”تم انکل کی کمپنی کب جوائن کر رہی ہو؟“

”ان شاء اللہ! ملے ہفتے سے دراصل میں ہاسٹل سے دو من ہاسٹل شفٹ ہو رہی ہوں اس لیے تھوڑی تاخیر ہو جائے گی۔“

”کیا..... رامیہ ہاجی آپ ہاسٹل میں کیوں رہتی ہیں؟ کیا آپ کی فیملی نہیں ہے؟“ انس کما ج اس حقیقت کا علم ہوا تھا کہ رامیہ ہاسٹل میں رہتی ہے لہذا انتہائی اچنبھے سے اسے دیکھتے ہوئے حیرت سے استفسار کیا لفظ فیملی پر رامیہ کے چہرے پر ایک ایسے ہالہ اگیا۔

”اچھا انس! تم اپنی فیملی کو بھی میری شادی میں ضرور لانا۔“ طوبی جلدی سے بولی تو انس سمجھ گیا کہ معاملہ کچھ سنگین ہے لہذا فوراً اپنی جون میں آتے ہوئے بولا۔

”ضرور لاؤں گا اور ہاں آپ کا ولیمہ بھی ضرور کھاؤں گا۔“

”تم تو ہوجی سہا کے بیٹے۔“ عقیفہ ہنستے ہوئے بولی۔ وہ تیز تیز قدموں سے ہاسٹل کی جانب جا رہی تھی کہ ایک بار پھر عاقین شاہ اس کے راستے میں حائل ہو گیا تھا، شارٹ کٹ لینے کے چکر میں رامیہ ہمیشہ یہی راستہ اپناتی تھی اور آج تو غیر معمولی سناٹا تھا کیوں کہ کمپس میں ابھی کلاسز کا آغاز نہیں ہوا تھا بلکہ جنرل پر بلیک شرٹ پہنے وہ آج اسے کافی بیز معمولی لگا۔ وہ اسے نظر انداز کرتی آگے بڑھی ہی تھی کہ اچانک وہ اس کے بالکل سامنے آ گیا اتنا کہ رامیہ سر اس کے کشادہ سینے سے جا ٹکرایا۔

”یہ کیا ہے ہوئی.....“ وہ فقط اتنا ہی بولی تھی کہ انتہائی بدبودار چیز اس کی ناک کے قریب آئی اور وہ عاقین کی ہانپوں میں جھولتی عاقین نے بڑے سنون سے اسے بازوؤں میں اٹھا اور بالکل پاس کھڑی گاڑی کی کچھلی سیٹ پر جس کے نشوں پر سن شینڈل تھے اس میں ڈال

گئی جیسے جنت زمین پر آ گئی ہو۔“ عقیفہ شوقی سے بولی تو طوبی نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

”مجھے کوئی شوق نہیں ہے کسی سے دل لگانے کا ان قاتلوں چیزوں کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہے۔“ رامیہ بے پروائی سے بولی تو دونوں نے اپنا سر تھام لیا۔

”تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا تمہیں سمجھانے سے بہتر ہے کہ ہم پتھر سے سر پھوڑ لیں۔“ عقیفہ جھنجھلا کر بولی تو رامیہ مسکرا دی۔

عاقین کلب سے آ کر اپنے کمرے میں لیٹ تھا اس نے نیم دراز ہو کر جونہی اپنی آنکھیں بند کیں وہی چبھتا منظر اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا جب رامیہ نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا بے ساختہ عاقین نے اپنی آنکھیں کھولیں اور بے قراری و اضطراب کے عالم میں اٹھ کر بیٹھ گیا جب سے یہ واقعہ ہوا تھا ہمہ وقت یہی منظر اس کے ذہن سے چمٹا رہتا تھا جو اسے دن و رات ان دیکھی آگ میں جلائے رکھتا تھا۔

”رامیہ امان خان! تم نے مجھ جیسے انسان کو ورعہ بننے پر مجبور کر دیا اب تم میرا وہ روپ دیکھو گی جس سے میں خود بھی واقف نہیں تھا۔“ عاقین سر دلچے میں خود سے بولا اور پھر غیر مرئی نقطے کو گھورے گیا۔

ہمیشہ کی طرح رامیہ نے پوزیشن کی تھی طوبی اور عقیفہ اپنی سہیلی کی کامیابی پر بہت خوش تھیں اور انس بھی بہت جذباتی دکھائی دے رہا تھا۔

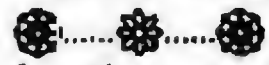
”رامیہ ہاجی اتنی بڑی خوشی میں آپ ہم سب کو ٹریٹ دیں گی وہ بھی کسی اچھی سی جگہ پر۔“

”ہاں رامیہ! کچھ نہ کچھ سلیمیشن تو ہونی چاہیے۔“ عقیفہ بھی انس کی بات کی تائید کرتے ہوئے بولی تو اچانک طوبی کو یاد آیا۔

”ارے گاؤں میں اپنی شادی کے کارڈز تم لوگوں کو دینے کے لیے لائی تھی اور دیکھو یہاں بھول گئی۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے جلدی سے بیگ کھولا اور تینوں کو تھمایا۔



کر اطمینان سے گاڑی اشارت کر دی۔



گھر آ کر انس سیدھا اپنے کمرے کی جانب چلا گیا اس وقت وہ کسی کا بھی سامنا کرنے کے موڈ میں نہیں تھا بار بار اس کی آنکھیں نم ہوئے جلدی تھیں نجانے کیوں اتنے کم عرصے میں اسے رامیہ سے بے پناہ اپنائیت اور لگاؤ ہو گیا تھا اسے پہلے ہی دن سے رامیہ بہت اچھی لگتی تھی اپنی اپنی سی وہ جب بھی رامیہ سے ملتا اسے نامعلوم سی خوشی اور سکون حاصل ہوتا تھا اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ رامیہ کو اپنے گھر میں ہی لے آئے آج جب اسے یہ معلوم ہوا کہ رامیہ ہاسٹل میں رہتی ہے تو اسے شدید حیرت ہوئی پھر رامیہ کا اتر اہوا چہرہ دیکھ کر اس نے بھی جلدی سے موضوع کو تبدیل کر دیا مگر رامیہ کے جانے کے بعد اس کے بے پناہ اصرار پر طوطی نے رامیہ کے بارے میں بتایا تو اس کی حالت انتہائی غیر ہو گئی۔ رامیہ اسے دل و جان سے عزیز ہو چکی تھی اور رامیہ کے دکھ اسے بھی رولا رہے تھے کہ کس طرح اس کے باپ نے اس کی ماں پر شک کر کے اس کے سردار کی وجہیاں اڑا کر طلاق دے کر گھر سے نکال دیا تھا اور پھر اس کی ماں ایک گاڑی کے نیچے کر زندگی سے ہاتھ تیز نہ نہی بھی اور پیچھے رہ گئی صرف رامیہ جس کے دو حیل والوں نے اس کی ماں سے متعلق طعنوں کی شفع کی ساتھ اس کی پرورش کی تھی جس کا باپ جو انتہائی سنگ دل اور کھنور تھا پچھلے سال ہی داغ مفارقت دے گیا تھا اور پھر کن حالتوں میں گھر کر وہ اپنے باپ کا گھر چھوڑ کر اس ہاسٹل میں آ گئی تھی۔

”مجھے نہیں معلوم تھا رامیہ باقی! آپ اندر سے اتنی زخمی اتنی شکستہ حال ہیں! مجھے نہیں معلوم تھا۔“ خود سے کہتے کہتے وہ بے اختیار رو دیا پھر خود سے مضبوط انداز میں بولا۔

”بس! آپ کو یوں زمانے بھر کی ٹھوکریں کھانے ہرگز نہیں دوں گا! ابھی آپ کا یہ بھائی زندہ ہے۔“ پھر وہ آگے کا لائحہ عمل سوچنے لگا۔

مسز ابراہیم اچانک گہری نیند سے جاگی تھیں عموما دن

کے وقت وہ سوتی نہیں تھیں مگر آج سونے کیسے ان کی آنکھ لگ گئی تھی ابراہیم صاحب ابھی ابھی آفس سے گھر آئے تھے انہیں یوں دیکھ کر پریشان سے ہو گئے۔

”آپ ٹھیک تو ہیں ناں! کیا کوئی ڈرنا خواب دیکھ لیا ہے؟“ ابراہیم صاحب ان کے قریب آ کر بیٹھتے ہوئے نرمی سے بولے تو مسز ابراہیم نے گھبرا کر ان کا بازو پکڑ لیا۔

”ابراہیم پلیز میری بچی کو ڈھونڈ! میں میری رانی سے مجھے ملا دو۔ میں اس کے بناب ایک پل بھی جی نہیں سکتی۔“

ابراہیم صاحب پریشان سے ہو گئے۔

”ریلیکس ہو جائیں شمع! میں ضرور آپ کی بچی سے آپ کو ملواؤں گا یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔“ مسز ابراہیم کچھ کہنا ہی چاہتی تھیں کہ دروازے پر دستک دے کر انس اندر چلا آیا جس کی آنکھوں میں اس پل سرنخی دوڑ رہی تھی جسے دیکھ کر دونوں ہی پریشان ہو گئے۔

”انس بیٹا کیا ہوا!..... کیا تم رو رہے تھے بیٹا؟“ ابراہیم صاحب پریشان سے ہو کر اٹھ کر اس کی جانب آئے تو انس بے ساختہ ابراہیم صاحب کے گے لگ گیا اور سسک اٹھا وہ ہمیشہ سے دل کا چھوٹا رہا تھا مسز ابراہیم بھی اپنی کیفیت بھول بھال کر اس کی جانب لپکتی۔

”کیا ہوا اما کی جان!“

”مما! پاپا! آپ دندہ کریں! آپ دونوں میری بات ضرور مانیں گے۔“ وہ بچوں کی طرح بولا تو دونوں نے بیک وقت اثبات میں سر ہلایا۔

”کیوں نہیں مانیں گے بیٹا تم بات تو بتاؤ۔“ مسز ابراہیم اس کا ہاتھ تھام کر بھرپور اعتماد دلاتے ہوئے بولے تو انس نے آہستہ آہستہ رامیہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا جسے سن کر دونوں سکتے میں آ گئے۔ مسز ابراہیم اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بستر پر ڈھکی گئیں تو انس بیک دم پریشان ہو گیا۔

”مما! آپ ٹھیک تو ہیں نا۔“ وہ جلدی سے ان کے پاس آ کر فکر مند ہی سے بولا۔

”انس! رامیہ کا پورا نام کیا ہے؟“



”رامیہ! مان خان۔“ مسز ابراہیم کے یقین پر مہر ثبت ہوئی تو ان کے لبوں سے ایک سسکی بڑا مدھولی۔

”رامیہ کی ماں زندہ ہے بیٹا! اس کے باپ اور دو حیال والوں نے اس سے بہت سنگین جھوٹ بولا ہے۔“ اس دم ابراہیم صاحب کی آواز جیسے کسی گہرے کنویں سے آئی تو اس نے ناگہی کے عالم میں اپنے باپ کو دیکھا۔

”کیا مطلب پایا؟“

”بیٹا آج سے بائیس سال پہلے میں ایک گلی سے گزر رہا تھا تو کچھ نقاب پوش لڑکے تمہاری ماما سے زور اتروا کر پرس چھین کر فرار ہوتے ہوئے ان کے سر پر پستول کا بٹ مار گئے تھے تاکہ وہ شور نہ مچا سکیں، میں نے انہیں بے ہوش ہو کر گرتے ہوئے دیکھا تو انسانی ہمدردی کے تحت فوراً ان کو گاڑی سے نکلا اور اپنی گاڑی میں ڈال کر اپنے دوست کے پرائیویٹ کابینک چلا گیا۔“ ابراہیم صاحب جیسے ماضی میں کھو گئے تھے اس بے تحاشا حیرت سے یہ انکشاف سن رہا تھا۔

”تمہاری ماما کو ساری رات ہوش نہیں آیا شدید خوف اور سر پر اندرونی چوٹ کے باعث یہ بے ہوش تھیں اور میرے پاس ان کے گھر والوں کا کوئی رابطہ نمبر بھی نہیں تھا پھر صبح انہیں ہوش آیا تو یہ بے تحاشا گھبراہٹ ہوئی تھیں اور جب انہیں معلوم ہوا کہ تقریباً بارہ گھنٹے بعد انہیں ہوش آیا ہے تو یہ سخت حواس باختہ ہو گئیں اور مجھ سے منت کرنے لگیں کہ میں انہیں فوراً ان کے گھر لے جاؤں۔ ماما سے میں انہوں نے مجھے بتایا کہ ان کا شوہر بہت سنگین مزاج اور غصیلان انسان ہے اور جب میں انہیں لے کر وہاں پہنچا تو وہاں ایک عدالت کھڑی تھی تمہاری ماما بتاؤ کسی ثبوت اور گواہی کے متوہم ٹھہرائی گئی اس پر طرح طرح کے الزامات لگا کر اس کے شوہر اور خاص طور پر ان کی جنمائی دیوانی نے گھر کے دروازوں کو بند کر دیا اور اس سنگین القلب انسان نے طلاق کے تین بول اد کر کے اور مجھ کو ان کی ذات سے نفی کر کے ان کے اچلے دامن کو داغ دار کر دیا اور ظلم کی انتہا تو اس وقت ہوئی جب اس سنگ دل انسان نے اپنی دو سالہ

بچی کے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ اگر زندگی میں بھولے سے بھی تمہاری ماما نے اپنی بچی سے ملنے کی کوشش کی تو وہ اس بچی کو اپنی ولدیت سے خارج کر کے اسے کسی غیر خانے میں پھینک آئے گا اور یوں میں تمہاری ماما کو اپنے ساتھ لے آؤں گا۔“ ابراہیم صاحب بولتے بولتے تھک سے گئے تھے وہ خاموش ہوئے تو اس کو بچاؤ واگھٹ گھٹ کر روتے ہوئے پاپا مسز ابراہیم بھی خاموشی سے آنسو بہا رہی تھیں وہاں ہسکتی سے گویا ہوئیں۔

”میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی باپ تو بچپن میں ہی گزر گئے تھے اور ماں میری شادی کرنے کے محض ایک سال بعد ہی دنیا سے منہ موڑ گئی تھیں۔ اماں ایک روایتی سنگی مزاج انسان تھے جو احساس کتری میں مبتلا تھے مجھ پر ہمیشہ شک کرتے اپنی بھابی کے بہکانے اور خود اپنی فطرت کے ہاتھوں ہمہ وقت مجھے ذہنی اور جسمانی اذیت میں مبتلا رکھتے تھے۔ میری زندگی کی خوشی صرف رامیہ تھی میری جان سے پیارنا بیٹی مگر اس حادثے نے مجھ سے میری بچی کو چھین لیا۔ میں اماں کی دھمکی سے ڈر گئی کہ اگر رامیہ کو اس نے اپنی ولدیت سے خارج کر دیا تو لوگ اسے.....“ اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوئیں پھر مزید بولیں۔

”میں یہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ میری وجہ سے میری بچی کی زندگی ایک کالی بن جائے میں رامیہ سے جدا ہونے کے بعد شاید مرجاتی مگر تمہارے پاپا نے مجھے سہارا دیا جن کی پہلی بیوی فوت ہو چکی تھیں ایک سات سالہ بیٹا تھا عافین جسے ماں کی ضرورت تھی تمہارے پاپا سے میں نے شادی کر لی اور ہم یہ ملک ہی چھوڑ گئے پھر لندن میں تمہاری پیدائش ہوئی ہم یہ ملک ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے تھے مگر رامیہ کی کسک مجھے یہاں لے آئی مگر اس خوف سے میں نے اس سے کبھی ملنے یا ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی۔“ آخر میں انہوں نے سسک کر کہا تو اس بے ساختہ ان سے لپٹ گیا اور دونوں ماں بیٹے زار و قطار رونے لگے ابراہیم صاحب کی آنکھیں بھی چھٹک پڑیں۔





مسکراہٹ دوڑ گئی پھر انتہائی تحقیر آمیز لہجے میں اس کے مزید پاس آ کر اس کی آنکھوں میں بھانپتے ہوئے بولا۔  
 ”میں تم جیسی لڑکی کی قربت تو دور کی بات اسے چھوٹا بھی اپنی توہین سمجھتا ہوں۔“ یہ کہہ کر اس نے جس نفرت بھرے انداز میں اس کی کلائی کا زنا کیا تھا رامیہ کو ایسا لگا تھا کہ عافین کے الفاظ اور لہجے کا زہر اس کے وجود کی کس کس میں اتر گیا ہو اور اس کے خون کو نیلا رو دیا ہو اس قدر رابانت و توہین پر اس کی سادگت آنکھوں کی جھل میں ایک دم تلاطم سا اٹھا تھا بے ساختہ آنسوؤں کی لڑیوں نے اس کے گانوں کو بھگو دیا تھا۔

”کیا چاہتے ہو تم؟“ وہ اپنا نچلا ہونٹ انتہائی بے دردی سے دانتوں سے کھلتے ہوئے بولی تو عافین نے چونک کر اسے دیکھا آنسو بہاتی پڑکی جو اس پل اتنی بے بس و لاچار دکھائی دے رہی تھی اس لڑکی سے کسی قدر مختلف تھی جس نے اس کی مراد آئی کو چوٹ پہنچائی تھی وہ چند ثانیے کے لیے گم سمہ گیا۔

”تم چاہتے تھے نا کہ میں تم سے معافی مانگوں۔“ وہ بھی آواز میں بولی پھر سرعت سے اس کے پیروں پر گر کر اس کے جوتوں پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوئی۔

”مجھے معاف کر دو میں اپنی بے بدسلوکی کی تم سے معافی مانگتی ہوں۔“ اس پل عافین کا لکتہ چمن سے ٹوٹا تھا وہ تیزی سے پیچھے ہٹا تھا۔

”تم چاہو تو اس پتھر کے بدلے مجھے مار مار کر ادھ موا کرو مگر پلیز مجھے یہاں سے جا۔“ وہ زمین پر دوڑا نو بیٹھی اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولی تو عافین کی پوری ہستی ذل گئی اس نے بے ساختہ اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بانوں کو نوچ ڈالا۔

”یا خدا یا یہ کیا کر دیا میں نے غصے اور طیش کے عالم میں ایک لڑکی کی عزت سے کھیل گیا۔“ وہ خود سے بولا پھر رست و اج پر نگاہ دوڑا کر گویا ہوا۔

”تم فوراً ہر آؤ۔“ یہ کہہ کر وہ تیزی سے داخل دروازے کی جانب بڑھا تو رامیہ زندگی کا پیغام سن کر غیر یقینی کی

رامیہ کی آنکھیں تیز چبھتی روشنی محسوس کر کے بڑی مشکل سے کھلی تھیں چند ثانیے تو اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے کافی دیر وہ یونہی بی حس و حرکت لیٹی رہی پھر یکدم شعور کے دائرے میں وہ داخل ہوئی تو بجلی کی تیزی سے اٹھ بیٹھی اور جب سامنے کرسی پر بیٹھے عافین علی شاہ کو دیکھا تو تحیر کی زیادتی سے اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا جواب نہایت اطمینان سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

”تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہ گنہگار حرکت کرنے کی۔“ رامیہ چیخ کر بولی مگر اس پل اسے زور کا چکرا یا تو بے ساختہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

”میں تو ہوں ہی گھنیا انسان تو گھنیا انسان سے یہی توقع کی جاسکتی ہے ناں۔“ وہ اتنی خوشی سے بولا جیسے اپنی تحریف کر رہا ہو اس پل رامیہ کو سخت طیش آیا مگر اچانک اسے کچھ احساس ہوا تو اس نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھا جو شاہ کے پانچ بج رہی تھی اس کا مطالب ہے وہ تین گھنٹے سے یہاں موجود ہے۔

”دیکھو تم..... مجھے یہاں کیوں لائے ہو میں تو تمہیں ٹھیک سے جانتی بھی نہیں ہوں پھر کیوں مجھے اس طرح اغوا کر کے یہاں لائے ہو۔“ رامیہ کے دماغ نے جب اسے اور کرایا کہ وہ اغوا ہو چکی ہے اور اس وقت وہ اس شخص کے رحم و کرم پر ہے تو سارا غصہ مظنہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اس وقت اسے صرف اپنی عزت کی بقا کا خیال تھا۔

”آپ کی یادداشت کمزور ہے یا پھر آپ کی آنکھیں اب تک مجھے پہچانی نہیں۔“ یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ کر اس کے قریب آ کر بستر پر بیٹھا تو رامیہ بڑی طرح اچھل کر بستر سے اٹھی مگر عافین علی شاہ نے کمال سرعت سے اس کی کلائی تھام لی۔

”اتنی جلدی بھی کیا ہے دور جانے کی۔“ وہ دل کشی سے مسکرا کر بولا تو رامیہ کا خون خشک ہو گیا۔

”دیکھو تم..... میرے پاس آنے کی کوشش مت کرنا ورنہ میں اپنی جان لے لوں گی۔“ رامیہ تھوک نگتے ہوئے لرزتی ہوئی آواز میں بولی تو عافین کے لبوں پر جان دار



کیفیت میں گھر کر جلدی سے دوپٹہ سنبھال کر اس کے پیچھے لگی۔



”ہم ابھی اور اسی وقت رامیہ کو لینے ہاسٹل چلتے ہیں۔“ ابراہیم اب مجھ سے ایک ہل کے لیے بھی اس کی دوری برداشت نہیں ہو رہی۔ ”مسز ابراہیم بے قراری سے بولیں تو ابراہیم صاحب نے انہیں سہولت سے بستر پر دوبارہ بٹھا دیا۔“

”شرح ابھی انس نے ہمیں بتایا تا کہ رامیہ کے دوھیال والوں نے اسے یہ بتایا ہے کہ اس کی ماں۔“ اتنا کہہ کر وہ خود دہل کر چپ ہو گئے پھر قدرے ٹھہر کر گویا ہوئے۔ ”رامیہ کی زندگی اور شخصیت اس وقت بہت ڈسٹرب ہے اس طرح اچانک آپ اس کے سامنے جائیں گی تو اسے گہرا صدمہ پہنچ سکتا ہے ہمیں آہستہ آہستہ اس کے ذہن کو اس سچائی کے لیے مادہ کرنا ہے۔“

”پاپا! بالکل ٹھیک رہ رہے ہیں ماما رامیہ باجی بہت بکھری ہوئی ہیں۔“ انس کو رامیہ کے ساتھ گزارے ہوئے ہل یاد آ گئے جب کبھی وہ بہت اٹکے ہوئے جاتی اور کبھی بالکل خاموش اور کبھی بہت روڈ۔

”مگر آپ لوگ مجھے اس سے ایک بار ملو تو دیں۔“ وہ بے قراری سے بولیں تو انس ان سے لپٹتے ہوئے بے تحاشا خوشی سے بولا۔

”مما کل میں خود آپ کو ہاسٹل لے کر چلوں گا اس وقت کافی دیر ہو گئی ہے الز کو شک ہو جائے گا۔ کل میں کوئی بھی بہانہ کر کے آپ کو ان سے ضرور ملواؤں گا۔“ انس یہ حقیقت جان کر خوشی سے پھولے نہیں سارہا تھا رامیہ اس کی ماں جانی اس کی حقیقی بہن ہے پھر مسز ابراہیم انتہائی اشتیاق سے انس سے رامیہ کے بارے میں پوچھیں لگیں کہ اس کی آنکھیں کیسی ہیں اس کے ہونٹ کیسے ہیں وہ کیسے ہنستی ہے اور انس مسکراتے ہوئے انہیں ایک ایک بات بتانے لگا جب کہ سہل ابراہیم صاحب نے گہری غمازیت محسوس کی۔



عافین نے اسے ہاسٹل کے گیٹ پر ڈراپ کیا تو وہ ایک ٹرانس کی کیفیت میں باہر نکلی اور بے جان قدموں سے ہاسٹل کی عمارت کی جانب بڑھی جب وہ اندر چلی گئی تو عافین نے گہری سانس لی گاڑی اشارت کر دی۔

وہ کمرے میں آ کر ہنوز اسی کیفیت میں بستر پر ڈھس گئی اور خلاؤں کو گھورنے لگی یونہی خلاؤں میں تکتے تکتے اسے اچانک جیسے گہرنا نیند سے ہوش آیا تھا اس نے سرعت سے خود پر نگاہ ڈالی پھر اپنے صحیح سلامت واپس آنے کا یقین کر کے روڈ شروع ہو گئی۔



عافین نے گاڑی جونہی گھر کے گیٹ کے سامنے روک کر گاڑی کا ہارن بجایا تو چوکیدار نے دروازہ کھول دیا وہ زن سے گاڑی اندر لایا اور گاڑی سے اتر کر جونہی وہ گھر میں داخل ہوا سب سے پہلے انس سے ہی سامنا ہوا جو اس ہل بے حد خوش اور بے جوش دکھائی دے رہا تھا۔

”بھائی میرے پاس ایک زبردست بریکنگ نیوز ہے بلکہ بہت بڑی خوش خبری ہے۔“ وہ لہک کر بولا تو شدید ترین ذہنی اتھری کے باوجود عافین نے اسے کافی چونک کر دیکھا تھا۔

”بھائی ماما کو ان کی بیٹی مل گئی۔“ میرا مطلب ہے میری بڑی بہن مل گئی۔“ وہ اس سے لپٹتے ہوئے بولا تو عافین نے نا سمجھے وا۔ عائداز میں اسے الجھ کر دیکھا تھا پھر ذہن پر زور دیا تو یاد آ گیا کہ انس ماما کی پہلے شوہر سے ہونے والی بیٹی کے متعلق بتا رہا تھا جب جمعہ کی شادی ابراہیم صاحب سے ہوئی تھی تو عافین سات سال کا سمجھدار بچہ تھا اس حقیقت سے وہ پہلے ہی آگاہ تھا کہ ماما کی دوسری امی ہیں اور ان کی ایک بیٹی بھی ہے جو ان کے پہلے شوہر کی ماس ہے اور وہ ان کی دھمکی کی بدولت اپنی بیٹی کو جیسے بھول گئی ہیں۔ یہ انکشاف اس کے لیے بھی حیران کن ہونے کے ساتھ ساتھ خوش گوار بھی تھا۔

”اچھا واقعی یہ تو بہت بڑی خوش خبری ہے کہاں ہے



اشرف  
®

ایک ہی سوئیچ  
مکمل سکون

تحتفظ ہی علاج صحیح  
خواب، آرام اور کمائی سے

اشرف الیسیا ریسرچ اور ڈیولپمنٹ لیبز

041-8847601-2 Fax: 041-8847607  
info@ashraflabs.com www.ashraflabs.com

ALPACET

WWW.PAKSOCIETY.COM



وہ؟“ یہ کہتے ہوئے عافین نے ادھر ادھر گردن موڑ کر دیکھا تو اس مایوسی سے بولا۔

”یہاں نہیں ہے تا داصل وہ بہت ڈسٹرب ہیں ان کے دو حیل والوں نے بتایا کہ محالہ نہ کرے اس دنیا میں نہیں ہے۔ بھائی وہ بہت الجھی ہوئی ہیں اگر ابھی آپس حقیقت معمول ہوئی تو ان کا رد عمل بہت سخت بھی ہو سکتا ہے۔“ آخر وہ سنجیدگی سے بولا تو عافین نے اسے اجنبی سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

”تم جانتے ہو اسے؟“

”ہاں نا بہت اچھی طرح داصل رامیہ باجی ہی میری حقیقی بہن ہیں۔“

کوئی بلاسٹ ہوا تھا عافین کے سر پر اور کئی ہفت اقلیم اس پر گر پڑے تھے عافین بھونپکا سا کھڑا اس کے ہلنے ہونٹوں کو دیکھ رہا تھا جو نبھانے مزید کیا کہہ رہا تھا۔



ذیشان اپنی بیوی کو لے کر رامیہ سے ملنے آیا تھا مگر اسے بخار میں بے سدھ پڑا دیکھ کر اس کی ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے فوراً ڈاکٹر کو بلایا جس نے انجکشن دے کر اور ٹھنڈے پانی کی پٹیاں ماتھے پر رکھنے کی ہدایت کر کے دواؤں کا پرچہ دیا تھا اب اس کی بیوی اور ذیشان اس کے ماتھے پر پٹیاں رکھ رہے تھے وہ دل ہی دل میں خود کو اس بات کے لیے ملامت کر رہا تھا کہ جذبات میں آ کر اس نے اسے گرتا ہٹل میں لاپٹا تھا۔

بخار کچھ ملکا ہوا تو رامیہ نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں ذیشان کو دیکھ کر وہ قدرے چونکی پھر اس کے ساتھ ایک لڑکی کو دیکھ کر وہ سب کچھ جان کر مسکرائی اور اٹھتے ہوئے بولی۔

”ذیشان یہ تمہاری وائف ہے نا بہت پیاری ہے۔“

رامیہ جا کو دیکھ کر غلوں سے بولی تو حیا قدرے شرمائی۔

”ویسے رامیہ! تمہارا بھی جواب نہیں تم یہاں بخار میں پھک رہی ہو اور مجھے ایک فون بھی کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی اور تو اور میرا فون بھی نہیں اٹھا رہی

تمہیں۔“ ذیشان اسے تادیبی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ناراضگی سے بولا تو محارامیہ کو یاد آیا کہ اس کا بیگ معہ موبائل فون کے کہیں ادھر ادھر رہ گیا ہے وہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

”آئی ایم ویری سوری رامیہ! مجھے تمہیں یوں تنہا نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔“ وہ عداوت سے پور لہجے میں بولا پھر تیزی سے سر اٹھا کر گویا ہوا۔

”تم ابھی اور سی وقت ہمارے ساتھ گھر چل رہی ہو۔“

”باگل مت بنو ذیشان! میں کہیں نہیں جا رہی بس ذرا سا بخار تو ہوا ہے۔“ رامیہ اپنے لہجے کو مضبوط بناتے ہوئے بولی تو ذیشان اسے محض دیکھ کر دو گیا پھر دھیرے سے بولا۔

”ان چند دنوں میں رامیہ بہت کچھ بدل گیا ہے میں نے عائشہ سے شادی سے انکار کیا کیا صالحہ چچی اور عائشہ تو جیسے آگ بگولہ ہو گئے پچا ویسے ہی چچی کتا گے دم بھی نہیں مارتے تھے۔ ای نے مجھے بہت راضی کرنے کی کوشش کی مگر میں پھر بھی نہیں مانا تو چچی کھل کر سامنے آ گئیں اور امی اور چچی میں خوب جھگڑا ہوا جس کے نتیجے میں گھر کا پارٹیشن ہو گیا۔ چچی نے مجھے نچا دکھانے کی خاطر ایک ہفتے کے اندر راندر عائشہ کی شادی اس کے ماموں زاد سے کر دی جو اول درجے کا آوارہ اور عیاش لڑکا ہے میرے ویسے والے دن ٹائم کی بھی رخصتی ہو گئی مگر وہ اپنی سسرال میں خوش نہیں ہے اور ناش....“

”پلیز ذیشان مجھے اس گھر کے کینوں سے کوئی سروکار نہیں ہے میں ان کے بارے میں کچھ جانتا نہیں چاہتی۔“

رامیہ نے انتہائی بے زاری سے ذیشان کی بات قطع کر کے کہا تو ذیشان یک دم چپ ہو گیا پھر رامیہ حیا سے باتیں کرنے لگی تو ذیشان بچی سر جھٹک کر ان دونوں کی جانب متوجہ ہو گیا۔



”عافین! میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں؟“ نتاشہ انگلیاں مردڑتے ہوئے کچھ کہنے کے لیے اپنے آپ کو تیار



سوچنے لگا۔



وہ گزر ہاسل چھوڑ کر دوسن ہاسل شفٹ ہونے کے لیے پینٹنگ میں مصروف تھی جب ہی وائرڈن نے اسے کسی کے آنے کی اطلاع دی تو وہ ڈیٹان کا خیال کر کے جونہی ملاقات والے کمرے میں آئی اس کے ہمراہ کافی گریس فل شخص کو دیکھ کر تھوڑا حیران رہ گئی۔

”رامیہ باجی! کیسی ہیں آپ؟ یہ میرے پاپا ہیں ہم آپ سے ملنے کل بھی آئے تھے۔ آپ سوری تھیں۔“ اس بے تحاشا چہک کر بولا تو رامیہ اس سلام کر کے ادب سے ان کے سامنے بیٹھ گئی۔ ابراہیم علی شاہ کو رامیہ میں شیخ بیگم کی کافی شباهت نظر آئی وہ اسے دیکھ کر دھیرے سے مسکرا رہے تھے اور اس ادھر ادھر کی باتیں کر کے رامیہ کا دماغ کھارہا تھا۔

”بس رامیہ باجی آپ ہمارے ساتھ چل رہی ہیں ہماری انیکسی خالی ہے وہ کمرے، طور پر ہم آپ کو دے رہے ہیں۔“ آخر میں اس حتمی لہجے میں بولا تو رامیہ نے حیران کن نگاہوں سے ابراہیم صاحب کی جانب دیکھا جنہوں نے نائیدی اعجاز میں مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے سر! میں کیا آپ کے گھر رہ سکتی ہوں۔“ وہ متوجہ ہو کر بولی۔

”آپ کیوں نہیں رہ سکتیں: بنا دیسے بھی ہمیں اپنی انیکسی کمرے پر کسی نہ کسی کو تو دینی ہے۔“ ابراہیم صاحب بات بناتے ہوئے سہولت سے بولے مگر رامیہ متذبذب سی ہو گئی۔

”اچھا ایسا کرتے ہیں آپ؟“ وہ رے ساتھ چلے انیکسی دیکھ کر فیصلہ کر لیجیے گا کہ آپ یہاں رہنا چاہتی ہیں یا نہیں۔“ ابراہیم صاحب جلدی۔ بولے تو رامیہ کچھ الجھ سی گئی پھر ان دونوں کے شدید اصرار پر پنا چار ان کے ساتھ چل دی۔ رامیہ نے جونہی لاؤنڈ میں قدم رکھا اور وہاں بیٹھیں مسز ابراہیم نے پہلی بار اپنی بیٹی کو دیکھ تو بے ساختہ انہوں نے اپنا دل تھام لیا۔ ٹیکھے بن نقوش پر گوری رنگت

کرتے ہوئے بولی تو عافین اپنے درمیان سے بری طرح چوٹا آج مناشا اس سے ملنے اس کے گھر آئی تھی اور اب وہ لان کی کرسیوں پر بیٹھے شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے مگر بار بار عافین کا دھیان بھٹک کر رامیہ کی طرف چلا جاتا تھا وہ اپنی حرکت پر سخت پشیمان تھا اتنا کہ خود سے بھی نگاہیں ملانے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا اور جب سے اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ ماما کی بیٹی ہے تو گویا جیسے ایک پر زاس کے سر پر مسلط ہو گیا تھا۔

”ہاں بولو کیا کہنا چاہتی ہو۔“ وہ پوری توجہ مناشہ کی جانب مبذول کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

”دراصل عافین میرے والدین چاہتے ہیں کہ میرا رشتہ بکا ہو جائے۔“ وہ بلیکس جو کتا آہستگی سے بولی۔

”اچھا کوئی رشتہ ہے ان کی نظر میں۔“ وہ چمے کا ٹھونٹ لیتے ہوئے بولا تو جواباً مناشہ نے اثبات میں سر ہلادیا۔

”اچھا لڑکا کیسا ہے کیا کرتا ہے تمہارے خاندان کا ہے؟“ وہ سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے دلچسپی سے پوچھنے لگا تو مناشہ نے ایک نگاہ اس کی جانب دیکھا۔

”میں تم سے..... عافین میں تم سے اپنے بارے میں رائے جاننے آئی تھی۔“ بلا آخر مناشہ کہہ گئی تو عافین اس کا اشارہ بخوبی سمجھ گیا وہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

”مناشہ تم ایک بہت اچھی لڑکی ہو اور یقیناً جو تمہارا لائف پارٹنر ہوگا وہ بہت خوش نصیب ہوگا مگر..... میں نے تمہیں کبھی اس نگاہ سے دیکھا نہیں تمہارے بارے میں ایسا سوچا بھی نہیں پلیز مناشہ! تم مائنڈ مت کرنا۔“ عافین اسے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں رکھنا چاہتا تھا لہذا وہ کھل کر کہہ گیا تو مناشہ کے دل میں یمن سے کچھ ٹوٹا مگر وہ فوراً اپنے آپ کو سنبھال کر بولی۔

”اس اوکے عافین! میں نے بُرا نہیں مانا اپنی پسند کی لڑکی سے شادی تمہارا حق ہے۔“ وہ بمشکل مسکرا کر بولی تو عافین خاموش سا ہو گیا پھر کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کر کے مناشہ چلی گئی تو ایک بار پھر عافین رامیہ کے بارے میں



اور چمکیلی دودھین مگر نہ سوچ نکاہیں اور نازک ساسرا پایا لیے وہ بائیس سال کے طویل عرصے کے بعد ان کے سامنے مگی وہ بڑی مشکل سے خود پر قابو پا کر اٹھ کھڑی ہوئیں رامیہ نے انہیں سلام کیا تو بے ساختہ انہوں نے رامیہ کو اپنے سینے سے لگالیا اور اس پلٹا بجانے کیوں رامیہ کو محسوس ہوا جیسے اس کی تڑپتی روح کو قراٹا گیا ہو جیسے اس کے اندر سلتکی دھیمی آج پر کسی نے ٹھنڈی پھوار برسا کر اسے بجھا دیا ہو جیسے برسوں سے بھرا غبار دھواں یک لخت اس کے اندر سے خارج ہو گیا ہو اور جیسے سینے میں موجود دل زندگی محسوس کر کے دھڑکنا شروع ہو گیا ہو کافی دیر وہ دونوں ایک دوسرے سے بے خودی کی عالم میں لپٹی کھڑی رہیں۔

”مما! رامیہ! جی میری سب سے اچھی دوست ہیں آپ پلیز ان کے لیے کچھ لے کر آئیے۔“ عقب سے انس کی آواز ابھری تو رامیہ جیسے ہوش میں آ گئی وہ نرمی سے ان سے الگ ہوئی جن کی ہنسی پلکیں دیکھ کر وہ کچھ الجھ سی گئی۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں میں اپنی بیٹی کے لیے ابھی لے کر آتی ہوں۔“ فرط مسرت میں مگر کر مسز ابراہیم بولتی ہوئی کچن میں چلی گئیں تو ابراہیم صاحب جلدی سے بولے۔

”دراصل انس کی مما کو لڑکیاں بہت اچھی لگتی ہیں اس لیے ہر بچی کو اپنی بیٹی کی طرح سمجھتی ہیں۔“ یہ سن کر رامیہ مطمئن سی ہو گئی پھر تقریباً دو گھنٹے بعد اس نے ان لوگوں سے اجازت چاہی اس تمام وقت میں مسز ابراہیم اور انس ہی بولتے رہے تھے رامیہ محض ہاں میں جواب دے رہی تھی۔

”انس اب میں چھٹی ہوں بہت دیر ہو گئی ہے۔“ وہ گھڑی دیکھ کر اٹھتے ہوئے بولی تو انس جلدی سے بولا۔

”ارے آپ انیکسی تو دیکھ لیں۔“

”ابھی نہیں انس! اس وقت کافی شام ہو گئی ہے۔“ پچھلے دنوں عافین نے اس کے ساتھ جو گھنٹیا حرکت کی تھی اس کے بعد رامیہ کو اندھیرے سے ڈر لگنے لگا تھا۔

”بیٹا آپ پریشان مت ہوں انس آپ کو ڈرائیڈ کے ساتھ چھوڑ کر آ جائے گا۔“ ابراہیم صاحب نرمی سے بولے تو رامیہ خاموش سی ہو گئی جب کہ مسز ابراہیم ”ابھی آئی“ کہہ کر کمرے میں چلی گئیں اور ابراہیم صاحب باہر ڈرائیڈ کو دیکھنے کی غرض سے لاؤنج سے نکل گئے۔

”رامیہ باجی آپ وعدہ کریں آپ ہماری انیکسی میں شفٹ ہو جائیں گی نا۔“ انس مان بھرے انداز میں بولا تو رامیہ کچھ سوچ کر گوی ہوئی۔

”مگر میں انیکسی کا انتہائی کرایہ ادا کروں گی جتنا تم کسی دوسرے سے لیتے۔“

”بالکل پکا ہمارا آپ سے مجھڑا کر ایڈموسل کریں گے۔“ وہ خوشی و خوشی سے بولا اور اس دن لاؤنج میں جو شخص داخل ہوا اسے دیکھ کر رامیہ نفس کی مانند پتھر کی ہو گئی۔

”ارے عافین بھائی..... یہ ہیں رامیہ باجی!“ انس عافین کو دیکھ کر اشارہ بولا مگر وہ تو اچانک رامیہ کو یوں سامنے دیکھ کر شپٹا گیا تھا انس بچانے کی کیا کیا بول رہا تھا جب ہی رامیہ کے اندر جان آئی تھی وہ انتہائی نفرت بھری نگاہ عافین پر ڈال کر تیزیانی لہجے میں بولی۔

”انس! مجھے تمہاری انیکسی نہیں چاہیے۔“ یہ کہہ کر وہ بیک سنبھال کر تیزی سے انہی اور داخلی دروازے سے باہر نکل گئی جب کہ انس ”ارے ارے“ کرتا رہا گیا مسز ابراہیم ہاتھ میں گفٹ باکس لیے باہر آئیں تو رامیہ کے چلے جانے کا سن کر ماپوس سی ہو گئیں۔ ابراہیم صاحب بھی رامیہ کے آٹھمی طوفان کی طرح چلے جانے سے حیران نظر آ رہے تھے جو ڈرائیڈ رکواس کے کوارٹر سے بلائے گئے تھے اور عافین اپنی جگہ شرمندگی سے گڑھا جا رہا تھا واپس آ کر انس نے عافین کو انتہائی مشکوک نگاہوں سے دیکھا تو وہ خفیف سا ہو کر اپنے کمرے کی جانب چلا گیا۔



سامنے ڈرائنگ روم کے سنگل صوفے پر چہرے پر گہری سوچ کی لکیریں لیے چچا خاموش سے بیٹھے تھے جب کہ ڈیشان بھی کچھ پریشان دکھائی دے رہا تھا جب ہی



”کیا.....“ وہ بھونچکا سی تیزی۔ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ ”یہ..... یہ کیا کہہ رہے آپ..... میری ماں..... یعنی میری ماں زندہ ہے۔“ وہ انتہائی بے یقینی کے عالم میں اپنی انگشت شہادت سینے پر رکھ کر گویا ہکا کر بولی۔ ”مگر بچپن سے لے کر آج تک اولاد آپ سب نے تو مجھے یہی بتایا تھا کہ میری ماں اس دنیا.....“ تحیر و دکھ کی زیادتی سے اس کی زبان گنگ ہو گئی۔

”جھوٹ بولا تھا ہم سب نے تم سے تمہارا باپ احساس کمتری کا مارا انسان تھا ہمیشہ اپنی کمزوریوں کو چھپانے کی غرض سے وہ بھابی پر زیادتی کرتا تھا وہ تو انتہائی نیک و پارسا خاتون تھیں اس دن بھابی کسی کام کے لیے مارکیٹ تک گئیں مگر رات گئے تک واپس نہیں آئیں تو تمہارا باپ غصے سے آگ بگولہ ہو گیا اور اس جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام تمہاری چچی اور تائی نے، بخوبی کیا اور جب وہ صبح آئیں تو تمہارے باپ نے ان سے ایک بھی لفظ سنے بنا، کھڑے کھڑے طلاق دے دی اور یہ کہہ کر دھکے مار کر گھر سے نکال باہر کیا کہ اگر انہوں نے کبھی بھی تم سے ملنے کی کوشش کی تو وہ تم سے تمہاری ولدیت چھین کر تمہیں کسی یتیم خانے میں پھینک آئے گا اور پھر تمہاری زندگی ایک گالی بن کر رہ جائے گی اور پھر بھابی چلی گئیں۔“ وہ مذمت سے سر جھکا کر بولے تو رامیہ نے۔ بے ساختہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی چیخوں کا گلا کھونٹا تھا وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے چچا جان کو تنگے جا رہی تھی۔

”میری ماں زندہ ہیں.....“ وہ خود سے بولی جیسے خود کو یقین دلانا چاہ رہی ہو۔ ”میری ماں..... کہاں ہیں وہ..... بتائیے چچا جان میری ماں کہاں ہے؟“ وہ چلا ہی پڑی تو ذیشان اس کے قریب پنجوں کے تل بیٹھتے ہوئے بولا۔

”پلیز رامیہ خود کو سنبھالو۔“

”کیسے سنبھالوں خود کو ذیشان! ہمیں سال کے طویل عرصے کے بعد مجھے یہ بتایا جا رہا ہے کہ جس ماں کے لیے میں نے ساری زندگی یہ سمجھا کہ وہ اس دنیا میں نہیں ہے وہ زندہ سلامت ہے مجھے میری ماں۔۔۔ دور رکھ کر انہیں مردہ

تیزی سے کچھ حیران سی رامیہ اندر داخل ہوئی وہ اس کے گھر سے جونمی لگی تھی اس کے موبائل پر چچا کی کال آئی تھی جنہوں نے ابھی اور اسی وقت اسے گھر آنے کا کہا تھا۔

”خیریت تو ہے نا چچا جان! آپ نے مجھے اتنی امیر بنی میں کیوں بلایا؟“ وہ گھبرا کر استفسار کر رہی تھی جب کہ ذیشان محض اسے دیکھ کر رہ گیا۔ رامیہ کو دیکھ کر چچا جان کی آنکھوں میں بے ساختہ نمی دھاتی۔

”بیٹا! عائشہ اسپتال میں ہے۔“

”کیوں..... وہ ٹھیک تو ہے نا؟“ یہ سن کر رامیہ کچھ پریشان سی ہوئی۔

”نہیں بیٹا وہ ٹھیک نہیں ہے اس کے شوہر نے اسے نشہ میں دھت ہو کر بہت مارا پیٹا ہے اور اسے طلاق بھی دے دی۔“ چچا گہرے صدمے کے زیر اثر بولے تو رامیہ محض خاموشی سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

”اس کا شوہر بہت خراب انسان تھا بہر حال جو ہوتا تھا وہ سوچنا دراصل بیٹا.....“ وہ بولتے بولتے جھجک کر رکے۔

”میں تمہیں تمہارے باپ کا قصہ دینا چاہتا ہوں اور اپنے سلوک کی معافی کا بھی خواست گار ہوں۔“ وہ دھیمے لہجے میں بولے تو اس بار بھی رامیہ خاموش رہی پھر گہری ندامت و شرمساری سے گویا ہوئے۔

”رامیہ میں..... میں تمہیں ایک سچائی بتانا چاہتا ہوں یہ شاید بلکہ یقیناً ہمارے گناہوں کی سزا ہے جو ہماری اکلوتی بیٹی آج موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہے۔“

”چچا جان! عائشہ ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائے گی آپ نا امیر نہ ہوں۔“ رامیہ سنجیدگی سے بولی پھر دھیرے سے استفسار کیا۔ ”کون سی سچائی آپ بتانا چاہ رہے ہیں۔“

”بیٹا وہ..... وہ ہم نے تم سے جھوٹ بولا تھا۔“

”کیسا جھوٹ؟“

”بہت سنگین جھوٹ۔“

”چچا پلیز کھل کر بتائیے کیا جھوٹ بولا تھا۔“ وہ

لہجہ کر بولی۔

”رامیہ تمہاری ماں زندہ ہے۔“



قرار دے کر مجھے احساسِ محرومی اور تنہائی میں مبتلا کر کے آج مجھے یہ سچائی بتائی جارہی ہے کہ میری ماں..... بولتے ہوئے اس کا سانس دھونے کی طرح چلنے لگا تو وہ جملہ اھورا چھوڑ کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

”آپ لوگوں نے رامیہ اور چچی جان کے ساتھ بہت ظلم و زیادتی کی ہے چچا جان!“ ذیشان انہیں شکایتی لگا ہوں سدیکھتا مسف سے بولا تو چچا جان نے غداست و شرمندگی سے سر جھکا لیا جب کہ ذیشان رامیہ کو سنبھالنے لگا جو اس انکشاف کی زد میں آ کر رُی طرح کھمکھماتی تھی۔



عافین نے انس کے بے حد استغفار پر تمام باتیں اسے بتا ڈالی تھیں سوائے رامیہ کے تھپڑ اور اسے اغوا کرنے کے وہ اپنی اس شرمناک حرکت کو انس سے چھپا گیا تھا۔ ”بھائی آپ کو رامیہ باجی کی ذہنی کیفیت کا اندازہ نہیں تھا لہذا آپ نے انہیں ایک نارل لڑکی کی طرح ٹریٹ کیا جب کہ وہ انتہائی ذہنی خلجان اور نفسیاتی الجھنوں کا شکار تھیں۔“ انس پُر سوچ انداز میں انتہائی سمجھ داری سے بولا تو عافین نے اس کی بات پر تائیدی انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ”ہاں انس! میں رامیہ کو پونیورسٹی کی ایک عام لڑکی کی طرح سمجھا تھا مگر مجھے یہ ہرگز نہیں معلوم تھا کہ وہ کس قدر نامساعد حالات کا سامنا کرتی بہادری سے کر رہی ہے۔“ عافین کو یہ جان کر نجانے کیوں بہت سکون محسوس ہوا کہ رامیہ کو اپنے سابقہ منکسٹر سے کوئی قلبی لگاؤ نہیں تھا جو عافین کی زبانی انس کو معلوم ہوا تھا۔

”مگر بھائی اب رامیہ باجی کی زندگی میں کسی دکھ کسی تکلیف کی پرچھائی تک نہیں آئے گی۔ میں اپنی بہن کو زندگی کی ہر خوبی دوں گا۔“ انس بالکل بڑے بھائیوں کی طرح گہری سنجیدگی سے بولا تو عافین اسے محبت سے دیکھتے ہوئے مسکرا دیا۔

آج طوبی کی شادی تھی وہ اس کی مایوں مہندی میں بھی شریک نہیں ہو سکی تھی بس تین دن سے پاگلوں کی طرح بکی سوچے جارہی تھی کہ اپنی ماں کو تلاش کرے تو کیسے؟ چچا

جان نے بتایا تھا کہ کوئی شخص اس کی ماں کو چھوڑنے آیا تھا وہ شخص کون تھا؟ کہاں سے آیا تھا؟ کیا اس کی ماں اسی شخص کے ساتھ چلی گئی تھی؟ یہ سب کچھ وہ نہیں جانتے تھے اسے کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا جس پر چل کر وہ اپنی ماں کو ڈھونڈ سکے موبائل کی بجتی بپ پر اس نے بے زاری سے کال پک کی تھی۔

”رامیہ باجی! آپ کہاں غائب ہیں طوبی اور عافین باجی آپ سے بہت ناراض ہو رہی تھیں۔“ انس چپک کر بولا تو رامیہ نے بے دانا سے سنا۔

”آج شادی ٹل رہی ہیں نا۔“

”انس میں.....“

”بس مجھے کچھ نہیں سننا“ آپ نو بجے تیار رہے گا میں آپ کو پک کر لوں گی۔“ وہ حتمی انداز میں کہہ کر لائن ڈس کنکٹ کر گیا تو رامیہ مناسب دماغی سے ہنسی رہ گئی۔ طوبی کی سنگین دھمکیوں اور انس کے پُر زور اصرار پر رامیہ شادی میں آ تو گئی تھی مگر اس کا ذہن بُری طرح الجھا ہوا تھا۔

”اف رامیہ باجی! طوبی باجی تو آسمان کی حور لگ رہی ہیں۔“ مکس گہرے رنگ کی بدولت انس چپکتے ہوئے اس کے ساتھ والی رسی پر آ کر بیٹھا تو رامیہ کے انداز میں کوئی فرق نہیں آیا رامیہ کی طرف سے تیسرا خاموشی محسوس کر کے انس نے بغور دیکھا پھر کچھ سوچ کر دھیرے سے اس کے بازو کو چھوا تو رامیہ چانک یوں ہڑ بڑا کر سیدھی ہوئی پیسے نے اسے گہری غیند میں سوتے ہوئے ٹھنڈا پانی گرا کر جگا دیا ہو۔

”اف او انس! کیا مصیبت ہے تم نے تو مجھ ڈرا دیا۔“ ایک دم انس نے اس کے سکتے کی کیفیت کو توڑا تو رامیہ چڑ کر اسے تاروٹی۔

”کیا ہو گیا ہے رامیہ باجی آپ کو اتنی خوب صورت محفل میں ہوتے ہوئے بھی آپ نجانے کہاں گم ہیں۔“ انس ادھر ادھر دیکھتے ہوئے تھوڑا ناراضی سے بولا تو رامیہ نے اپنے آپ کو سنبھالا۔



بس ایک بار مجھ پر بھروسہ تو کر کے دیکھئے۔“ انس اتنے ہند  
یقین لے لے میں بول رہا تھا کہ۔ بے ساختہ رامیہ کی آنکھیں  
جل جھل ہو گئیں۔

”انس میں اپنی پوری زندگی یہی سمجھتی رہی کہ میری  
ماں.....“ اتنا بول کر وہ سسک اٹھی۔ ”مگر میری ماں زندہ  
ہے۔“ رامیہ کے اس جملے پر۔ بے ساختہ انس کا ہر بریک پر  
چارہ اور گاڑی جھٹکے سے رکی۔ ”انس جس ماں کو میں سمجھتی  
تھی کہ وہ مجھے چھوڑ کر اس دنیا۔ سے چلی گئی ہے وہ زندہ ہیں  
انس..... میری ماں زندہ ہے۔“ آخر میں بولتے ہوئے وہ  
انس کا بازو شدت جذبات سے منجوز گئی۔

”آپ ملنا چاہتی ہیں ان سے۔“ انس گہری سانس  
بھرتے ہوئے بولا تو رامیہ نے انتہائی تحیر کے عالم میں اس  
کی جانب دیکھا۔

”نت..... تم کو معلوم ہے، وہ کون ہیں کہاں رہتی  
ہیں؟“ رامیہ کی بات پر اس نے اپنا سر اثبات میں ہلایا اور  
گاڑی اشارت کر کے فل اسٹیج پر دوڑانے لگا جب کہ  
رامیہ گہری سانس لیتے انس کو دیکھنے لگی۔



وہ ابھی ابھی انس کے ہر او اس کے گھر میں داخل  
ہوئی جواب اسے اپنی ماما کے بیڑی کی جانب لے لیا تھا۔  
”انس تم مجھے یہاں کیوں۔ لے گئے ہو تم تو مجھے میری  
ماں کے پاس.....“ بولتے بولتے اچانک دروازہ کھل  
جانے پر وہ یک دم خاموش ہوئی مئی۔

”انس بیٹا! سب خیریت ہے نا رامیہ اس وقت  
یہاں.....“ مسز ابراہیم اپنے کمرے سے نکل کر دروازے  
پر آئیں تھیں۔

”رامیہ باجی! کیا آپ کی مار ہیں وہ ماں جو بائیس سال  
آپ کے ابو کی وجہ سے آپ سے دور رہیں۔“ انس کے  
الفاظ پر یک دم مسز ابراہیم نے ہنر و کھٹ کا سہارا لیا تھا۔

”انس! یہ کیا مذاق ہے یہ تو نہاری ماما ہیں مجھے تمہاری  
یہ گھنیا حرکت بالکل پسند نہیں آئی۔“ انتہائی ناگواری سے  
بولتی رامیہ جانے کو پلٹی ہی تھی کہ ابراہیم صاحب کی آواز نے

”یہ عقیفہ کہاں رہ گئی۔“ رامیہ نے ایک طائرانہ نگاہ  
ماحول پر ڈال کر استفسار کیا تو انس ہنستے ہوئے بولا۔

”وہ تو طوبی باجی سے بالکل جڑ کر بیٹھی ہیں کہہ رہی  
تھیں! ذہن کے ساتھ بیٹھنے سے جلدی شادی ہو جاتی  
ہے۔“ انس کی بات پر رامیہ کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی  
مسکراہٹ چمکی تو انس نے موقع غنیمت جان کر فوراً کہا۔

”رامیہ باجی! آپ ہماری انیکسی میں کب شفٹ  
ہو رہی ہیں؟“ یک دم رامیہ نے سختی سے ہونٹ بچھینچ لیے  
ایک ناگواری پر چھائی اس بل ذہن کے پردے پر ابھری  
تھی! یک لخت اس کی طبیعت اس ماحول سے مندر ہو گئی  
تھی۔ وہ تیزی سے اپنی نشست سے اٹھی اور باہر کی جانب  
بڑھی۔ انس اس کا بدلتا رویہ دیکھ کر یک دم پریشان ہو کر اس  
کے پیچھے لپکا تھا۔

”کیا ہوا رامیہ باجی! شادی کا فکشن اس وقت عروج  
پر ہے اور آپ جا رہی ہیں؟“ اسے جانے کے لیے ہر توانا  
دیکھ کر وہ گھبرا کر بولا تو رامیہ مٹھی آواز میں مشکل بولی۔

”انس مجھے یہاں بہت وحشت ہو رہی ہے پلیز  
مجھے کہیں لے چلو ورنہ میرا دم ٹھٹ جائے گا۔“ اس بل  
اندر کی گھٹن اس حد تک بڑھی تھی کہ اسے اپنا سانس رکنا  
ہوا محسوس ہوا تھا! انس اس کی کیفیت دیکھ کر تیزی سے  
پارکنگ لائٹ کی جانب لپکا اور گاڑی میں رامیہ کو  
بٹھا کر وہاں سے نکل آیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شکر ہے کہ  
کریم دین ڈرائیور اپنے گاؤں گیا ہوا تھا ورنہ پاپا اسے  
یوں اکیلانہ بھیجتے۔

گاڑی کے اسے سی نے اس کے اعصاب کو کچھ  
پر سکون کیا تو وہ غلط حال ہی آنکھیں موندھ کر سیٹ کی بیک  
سے سر نکال گئی۔ انس خاموشی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا اس  
پل وہ رامیہ کی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

”رامیہ باجی میں نے ہمیشہ آپ کو اپنی بہن صرف  
سمجھا ہی نہیں بلکہ دل و جان سے بڑی بہن ماننا بھی ہوں  
آپ پلیز اپنے دل کا بوجھ مجھ سے کہہ کر ہلکا کر سکتی ہیں۔  
آپ دیکھئے گا میں بھی آپ کا حقیقی بھائی بن کر دکھاؤں گا



اس کی قدموں کو بڑی طرح جکڑا لیا تھا۔

”انس مذاق نہیں کر رہا بیٹا!“ وہ بھونچکا سی پلٹ کر شمع بیگم کو دیکھنے لگی جو بے نیاز وارو قطار رو رہی تھیں۔

”آپ سب کو شرم آتی چاہیے یوں میرے جذبات کے ساتھ کھیل کر مجھے آپ لوگوں سے یہ امید نہیں تھی۔“ رامیہ بے ساختہ سسک اٹھی اور انتہائی دکھ سے بول کر فوراً وہاں سے پلٹ گئی جب کہ ابراہیم صاحب اور انس اس کے پیچھے پیچھے لپکے۔

”رامیہ بیٹا! ہماری بات کا یقین کر دو یہی عورت تمہاری ماں ہے جس نے تمہیں جنم دیا جو بائیس سال تمہاری جدائی کی آگ میں جل رہی تھی سستی رہی خدا کے واسطے اسے یوں چھوڑ کر مت جاؤ ورنہ.....“

”نہیں.....“ وہ تڑپ کر پلٹتے ہوئے بولی۔ ”میں اب اپنی ماں کو کہیں نہیں جانے دوں گی انہیں کچھ نہیں ہونے دوں گی۔“ وہ زور سے چلاتے ہوئے بے تحاشا روتے ہوئے بولی اور دوڑ کر شمع بیگم کے سینے سے پلٹ گئی جو انس کے پیچھے زارو قطار رو رہی تھیں۔ دونوں ماں بیٹی کو یوں تڑپ کر ملے دیکھ کر انس بھی رو دیا جسے ابراہیم صاحب نے غم آنکھوں سمیت سینے سے لگا لیا۔



عافین ایک ہفتے بعد اپنے خالہ زاد کی شادی اٹینڈ کر کے لاہور سے واپس آیا تو انس کی زبانی تمام باتوں کا علم ہو گیا اس وقت رامیہ سزا ابراہیم کے ہمراہ کہیں باہر گئی ہوئی تھی عافین تھکن کا بہانہ کر کے اپنے کمرے میں چلا آیا۔ رامیہ کا سامنا کرنا اسے دنیا کا مشکل ترین کام لگ رہا تھا سزا ابراہیم کو معلوم ہوا کہ عافین آ گیا ہے وہ فوراً اس کے کمرے کی جانب چل دیں انس اور عافین میں انہوں نے کبھی کوئی فرق نہیں رکھا تھا وہ اپنی سگی اولاد کی طرح اسے چاہتی تھیں۔

رات کو کھانے کی میز پر اس کا رامیہ سے سامنا ہوا جو اسے بھرپور طریقے سے نظر انداز کر رہی تھی ایک اس کے علاوہ سب ہی بے حد خوش اور ہنس مکھ سکون دکھائی

دے رہے تھے۔

”رامیہ باجی مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ آپ اتنے مزے دار کھانے پکا سکتی ہیں۔“ انس شامی کباب کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے مزے سے بولا تو رامیہ مسکرا دی جب سے اسے اس کی ماں ملی تھی اس کے اندر کی بے گلی بے قراری وہ بے سکونی بھانپ بن کر اڑ گئی تھی اس پل رامیہ کی مسکراہٹ اتنی خوب صورت لگی کہ بے ساختہ عافین اسے دیکھتا رہ گیا ایک دم رامیہ کی نگاہ اس پر پڑی تو انتہائی ناگواری سے اس نے عافین کی طرف سے منہ موڑ لیا عافین کا دل بچھ سا گیا۔



ذیشان اور حبا اس سے مل کر گئے تھے اور ساتھ میں یہ پیغام بھی دے گئے تھے کہ مہک دلا کے مکین ان دونوں سے مل کر اپنے ظلم و زیادتی کی معافی مانگنا چاہتے ہیں مگر رامیہ نے قطعیت سے ان لوگوں سے ملنے سے انکار کر دیا تھا جب کہ مسٹر ابراہیم اور مسز ابراہیم دونوں ہی اسے سمجھا رہے تھے۔

”بیٹا تم نے یہ قول نہیں سنا کہ ”معافی سب سے اچھا انتقام ہے“ عرصہ اور انتقام ان آگ انسان کو کسی بل سکھ نہیں لینے دیتی اگر تم ان لوگوں سے نفرت کرتی رہو گی ان کی زیادتیوں کو سوچ سوچ کر رڑھتی رہو گی تو تمہاری زندگی بھی بے سکون اور منتشر رہے گی۔ ایک بار تم ان لوگوں کو معاف کر کے دیکھو پھر دیکھنا کیسی ٹھنڈک اور سکون تمہاری روح میں اترے گا۔“ ابراہیم صاحب اسے حلاوت سے سمجھاتے ہوئے بولے تو گرم گرم آنسو اس کی آنکھوں سے گرنے لگے جسے دیکھ کر مسز ابراہیم تڑپ اٹھیں۔

”اور جو آنسو جو تکلیفیں انہوں نے مجھے دیں میرے دل کو چوٹ پہنچائی میری روح کو زخمی کیا اس کا کیا.....؟“ وہ روٹھتے ہوئے بچ کی مانند انتہائی معصومیت سے بولی تو کاؤچ پر بیٹھے عافین کو براہ پر بے ساختہ پیا آ گیا۔

”اللہ تعالیٰ بہترین نصف ہے وہ تمہارے ساتھ پورا انصاف کرے گا تمہارے آنسو تمہاری تکلیفیں جن پر تم



سانحہ پشاور: ایک پرسوز نظم

میرے مولا!

تیری ارض پاک پہ یہ مازا کیا ہے؟  
تیری کائنات میں فتنہ و فساد کا سلسلہ کیا ہے؟  
کہیں پر ہے ظلمتوں کی نیند میں ترپتی بنت حوا  
کہیں پر ہیں اڑتی لاشوں کی ریزہ ریزہ بوٹیاں  
کہیں پر ہیں درندے نوخیز پھولوں کو مسلتے ہوئے  
رنگ حیا کی کوہِ رنگ کرتے ہوئے  
گلشنِ حیات کو غم کی آگ لگاتے ہوئے  
خون کی بہتیمیں بہا ندیاں بہاتے ہوئے  
باپ کے بازو کاٹتے ہوئے  
میرے مولا!

حالاتِ دہر پہ غمزدہ ہے ہر آنکھ  
بے چین پدرِ مادر کا دلِ غلمستہ بین کرتا ہے  
چھڑے ہوئے پھولوں سے ملنے کو ترپتا ہے  
امیرِ سلطنت سے قوت و یابی سے محروم زبان پر  
فریاد کرتی ہے

اور بار بار کرتی ہے  
ہمارے گلشنِ حیات کے، نوخیز گلوں کی کلکاریاں  
واپس لا دو  
ہماری اجڑی بجھی آنکھوں میں امید کی لوجلا دو  
ہمارے بچے ہمیں واپس لا دو  
آہ! اٹھا لے بچے ہمیں واپس لا دو  
میرے مولا! میری اتر دھرتی کو پھر سے گہوارہ  
اسن بنا دے  
خوشیوں و مسکراہٹوں کا بہن بنا دے آئین  
سامعہ ملک پرویز..... خان پور ہزارہ

عافین کو غصہ سا آ گیا۔

”رامیہ آپ میری بات سننے بنا یہاں سے نہیں  
جاسکتیں۔“ وہ اس کے مقابل آتے ہوئے بولا۔

”آپ میرے ساتھ زیرِ بتی نہیں کر سکتے۔“ رامیہ کو  
بھی طیش آ گیا تھا اسی دوران اپنی جون میں تانائس ٹیرس

نے برداشت کیا وہ بلاشبہ رائیگاں نہیں جائے گا وہ تمہیں  
اس کا بہترین صلہ عطا کرے گا۔“ ابراہیم صاحب اس کے  
سر پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولے تو رامیہ نجانے کون سی  
طاقت کے زیرِ اثر فوراً کہنا لگی۔

”ٹھیک ہے پاپا! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجیے گا کہ  
میں نے ان سب کو معاف کیا۔“ یہ کہہ کر وہ  
واقعی خود کو بادل کی مانند ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ نفرت و  
بدلے کا جذبہ انتہائی طاقت ور ہوتا ہے مگر اس سے کہیں  
زیادہ طاقت جذبہ ایمان میں ہوتا ہے جو انسان کو حیوان  
بننے سے روک دیتا ہے اور اسے نیکی اور بھلائی پر اکسا کر  
انسانیت کی معراج پر پہنچا دیتا ہے وگرنہ نفرت و بدلے کی  
خاقت سے مغلوب ہو کر انسان انسان کو ہی نیست و نابود  
کرنے پر تیار ہوتا۔

”شاباش میری گڑیا! تم نے ہمیں خوش کر دیا۔“ ابراہیم  
صاحب مسکرا کر بولے تو مسز ابراہیم نے اٹھ کر رامیہ کو  
اپنے سینے سے لگا لیا۔



کافی دنوں سے عافین رامیہ سے بات کرنے کی  
کوشش میں لگا ہوا تھا مگر رامیہ اسے ایسا کوئی موقع فراہم  
نہیں کر رہی تھی تھوڑی دیر پہلے عقیقہ طوبی اس سے مل کر  
گئی تھیں وہ اس کے لیے بہت خوش تھیں وہ ان سے فارغ  
ہو کر ٹیرس میں رکھی چیز پر بیٹھ کر کتاب پڑھنے لگی جب ہی  
عافین نے اسے وہاں جانیا۔

”رامیہ مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔“  
وہ اس کے سر پر آ کر بولا تو رامیہ نے قطعیت سے کہا۔  
”مگر مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سنی آپ یہاں سے  
جاسکتے ہیں۔“

”مگر میں اپنی بات پوری کیے بنا یہاں سے ہرگز نہیں  
جاؤں گا۔“ اتنے دنوں کی محنت اور بے زاری اس پلی عود کر  
اس کے لہجے میں آسانی تھی۔

”ٹھیک ہے اگر آپ نہیں جا رہے تو میں چلی جاتی  
ہوں۔“ وہ کتاب بند کر کے کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی تو



کر دیا تھا میں اہانت کے احساس میں بُری طرح جل رہا تھا۔ وہ گہری سانس بھرتے ہوئے ایک نگاہِ رامیہ کے جھکے سر پر ڈالتے ہوئے بولا جو بہت خاموشی سے کیاری میں لگے پھولوں پر نظر سر جمائے بیٹھی تھی۔

”میں اپنے عمل کو درست قرار دینے یا خود کو بے قصور ٹھہرانے کے لیے یہ بات ہرگز نہیں کہہ رہا کہ جو انداز جو رویہ تم نے میرے ساتھ روا رکھا وہ ایک مرد کی مردانگی پر کاری ضرب تھا مگر میں نے پھر بھی بہت بُری حرکت کی تھی مجھے ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے تھا ہو سکے تو پلیز مجھے معاف کروینا۔“ یہ کہہ کر عافین پلٹ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا جب کہ رامیہ نے بے ساختہ گردن موڑ کر اس کی پشت کو دیکھا تھا۔



آج ای نے رامیہ سے ذہیروں باتیں کی تھیں جن میں زیادہ تر وہ عافین کا ہی تذکرہ کر رہی تھیں ابراہیم صاحب کی محبت و خلوص کی وہ پہلے سے قائل تھیں مگر امی کے بتانے پر وہ ان کی اعلیٰ ظرفی اور شرافت پر دل و جان سے ایمان لے آئی تھی اور پہلے سے زیادہ ان کی عزت کرنے لگی تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ اگر امی کو ابراہیم صاحب جیسے حلیم فطرت اور ہمدرد انسان نہ ملتے تو نجانے ان کا کیا حشر ہوتا اس کے باب اور دوھیال والوں نے تو انہیں تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی وہ دائمی فرشتہ مفت انسان تھے ان کے اصرار پر ہی وہ انہیں پاپا کہتی تھی۔

”عافین نے مجھے بالکل اپنی سگی ماں کی طرح عزت و محبت دی ہے ہمیشہ میرا ہٹا مانا ہے میں بہت خوش نصیب ہوں کہ مجھے ابراہیم جیسے شریک سفر اور عافین جیسا فرماں بردار اور مجھ پر جان چھڑکنے والا بیٹا ملا اور پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے میری لخت جگر سے بچی ملا دیا۔“ امی بولتے ہوئے آخر میں اسے محبت پاش ٹکا ہوں سے دیکھتے ہوئے بولیں تو اچانک اس کی بسورتی آواز ابھری۔

”اچھا اس پسلی میں میرا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔“

میں داخل ہوا اور رامیہ کے بگڑے تیور دیکھ کر حیرت سے استفسار کیا۔

”کیا ہوا رامیہ باجی کس کی شامت آپ کے ہاتھوں آئی ہے۔“

”انس اپنے بھائی سے کہو کہ فوراً یہاں سے چلے جائیں اور آئندہ مجھ سے قاطب ہونے کی کوشش بالکل نہ کریں ورنہ.....“ وہ قصداً اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر اسے سسکتی نظروں سے دیکھنے لگی جو اسے زرج کر رہا تھا۔

”انس رامیہ باجی سے کہہ دو انہیں میری بات سننی ہی ہوگی۔“ رامیہ کے قریب آنے کے لیے اسے انس کی مدد کی اشد ضرورت تھی ورنہ یہ لڑکی کم از کم اس زندگی میں تو اسے قبول کرنے والی نہیں تھی۔

”ہائے عافین بھائی! رامیہ باجی آپ سے پانچ سال چھوٹی ہیں آپ انہیں باجی کیوں کہہ رہے ہیں۔“ انس مصنوعی حیرت سے بولا۔

”لا حول ولا قوۃ۔“ وہ بے مزہ ہو کر جلدی سے بولا پھر مزید گویا ہوا۔ ”میں بھلا باجی کیوں کہوں گا یہ صرف تمہاری باجی ہیں۔“

”اچھا صرف میری بہن.....“ انس صرف کو خاصا لمبا کھینچتے ہوئے بولا تو رامیہ حسب توقع تلملا اٹھی۔

”انس بکو اس بند کرو اپنی اور شو میرے راستے سے۔“ یہ کہہ کر رامیہ یہ جاوہ جا جب کہ انس اور عافین محض ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔



عافین شام کو کلب سے نوتا تو لان میں رامیہ کو انس سے باتیں کرتے دیکھا انس عافین کو یہاں تا دیکھ کر کوئی بہانہ کر کے فوراً وہاں سے کھسک لیا۔

”رامیہ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے ہرگز معاف کرنے کی روادار نہیں ہو مگر میں پھر بھی تم سے معافی کا خواست گار ہوں۔ اس دن غصے اور خوشی میں آ کر میں نے وہ حرکت کر ڈالی جو بھی میں نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچی تھی یونیورسٹی میں تمہارے رویے نے مجھے بہت ڈسٹرب



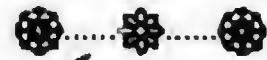
بے ساختہ دونوں نے دروازے کی جانب دیکھا جہاں وہ روٹھا سا کھڑا تھا اُبی اور رامیہ ہنسنے لگیں۔

”ارے میرا اُس تو سب سے اچھا بچہ ہے۔“ اُبی جلدی سے بولیں۔

”ہاں ہاں اب تو ایسا ہی بولا جائے گا ناں۔“ پھر معاً اسے کچھ یاد آیا تو بولا۔ ”مما وہ عافین بھائی لندن جانا چاہ رہے ہیں ابھی پاپا کی اسٹڈی میں وہ ان سے یہی بات کر رہے تھے۔“

”کیوں..... اتنا اچانک پروگرام کیسے بنا لیا عافین نے ایسے کیسے جاسکتا ہے وہ۔“ اُبی حواس باختہ سی ہو کر بولیں۔ رامیہ بس خاموشی سے انہیں دیکھنے لگی۔

”کچھ دنوں کے لیے لاہور جانے سے بھی وہ اتنا گھبرا رہا تھا کہ آپ لوگوں کی یاد آئے گی اب ایسے کیسے ہمیں چھوڑ کر چلا جائے گا۔“ اُبی یہ کہتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھی تھیں ان کے جانے کے بعد رامیہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔



عافین پہلی بار ضد پڑ گیا تھا کسی کے کہنے پر بھی وہ رکنے پر آمادہ نہیں تھا یہاں تک کہ وہ اپنا ایم بی اے بھی دھوڑا چھوڑ کر جا رہا تھا اس کی ضد دیکھ کر مسٹر ابراہیم اور مسز ابراہیم نے بادل نخواستہ اسے اجازت دے دی تھی مگر اُبی نے یہ شرط اس کے سامنے رکھ دی تھی کہ جانے سے پہلے اس کی منگنی یا نکاح کر دیا جائے جس پر ابراہیم صاحب بس کر بولے تھے کہ آپ کو یہ خوف ہے کہ وہ کوئی گوری میم اپنے ساتھ نہ لے جائے تو انہوں نے اس بات کا برملا اقرار بھی کیا تھا جب کہ یہ سن کر عافین نے مارے بے بسی کے اپنے بالوں کو نوچ ڈالا تھا۔

”ابراہیم! لیجیہ کی بنی عاتزہ ہمارے عافین کے لیے کیسی رہے گی؟“ آج کل ان کے ذہن پر صرف لڑکیاں ہی ہوا تھیں عافین سسر دینے پر بمشکل راضی ہوا تھا اس کے فوراً بعد وہ لندن روانہ ہونے والا تھا اور مسز ابراہیم اس دوران کوئی لڑکی ڈھونڈ لینا چاہتی تھیں۔

”ارے یتیم صاحب! آپ اس معاملے میں ہلکان بالکل مت ہوں اُس اور مسز نے عافین کے لیے لڑکی ڈھونڈ بھی لی ہے اور اسے پسند بھی کر لیا ہے۔“ مسٹر ابراہیم کتاب بند کرتے ہوئے ڈرامائی انداز میں بولے تو انہوں نے بے حد چونک کر دیکھا۔

”کیا واقعی.....؟ مگر اُس نے مجھ سے اس لڑکی کا تذکرہ کیوں نہیں کیا۔“ وہ الجھ کر رویا ہوئیں۔

”کیوں کہ آپ لڑکی کی ماں ہیں ناں۔“

”لڑکی کی ماں..... کیا مطلب.....؟“ تاہم سچی کے عالم میں استفسار کرتے کرتے یک دم بات ان کی سمجھ میں آئی تو مسز ابراہیم نے انتہائی بے یقینی کے عالم میں اپنے مجازی خدا کو دیکھا۔

”مطلب اُس اور میں نے رامیہ کو عافین کے لیے پسند کیا ہے اور ہماری اس پسند میں عافین کی پسند بھی شامل ہے۔“ مسٹر ابراہیم ان کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے مسکرا کر بولے تو مارے خوشی و احساسِ تشکر کے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”ابراہیم اگر ایسا ہو جائے تو میری بچی کے ایک ایک آنسو اور ہر تکلیف کا ازالہ ہو جائے گا۔“

”ایسا ہی ہوگا عافین!۔ اپنی چٹکوں پر ہنسا کر رکھے گا۔“ ابراہیم صاحب کی آواز کمرے سے ابھری تو دروازے کی اوٹ پر کھڑی رامیہ خاموشی سے وہاں سے پلٹ آئی وہ جو کسی کام سے اُبی کے کمرے کی جانب آئی تھی مگر ابراہیم صاحب کے منہ سے اپنا نام سن کر بے ساختہ رک گئی تھی اس دن عافین نے معافی مانگنے پر اور اس کے سابقہ رویے کا احساس دلا۔ نے پر جب اس نے اپنے رویوں کو یاد کیا تو بہت جگہ وہ خود کو غلط دکھائی دی۔ واقعی عافین کے ساتھ اس کا سلوک ایک دشمن کی طرح تھا حالانکہ عافین نے اس سے کبھی کوئی بدتمیزی نہیں کی تھی ماسوائے اس حرکت کے جس کا وہ دار خود اس کا رویہ تھا وہ کچھ سوچ کر عافین کے کمرے کی جانب آ گئی۔ عافین کتابوں میں ہر دیکھا تھا۔ بے کمرے میں آنا دیکھ کر اچھا



خاصا چونکا تھا جو لیمن اور بیچ رنگ کے احتزاج والے لان کے سوٹ میں اسے بہت ظالم و جاہل لگ رہی تھی۔

”آپ کو اگر میری مدد کی ضرورت ہے تو بتا دیجیے۔“ وہ جتنے خوب صورت لہجے میں بولی عافین نے اتنی ہی بد صورتی سے جواب دیا۔

”آپ کو میری نیچر بننے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔“ انتہائی رف سے حلپے میں وہ اسے بہت خاص لگ رہا تھا۔

”نماشہ کے کیا حال ہیں؟“ رامیہ کے منہ سے یہ جملہ سن کر عافین نے اسے کافی اچھنبے سے دیکھا۔

”آپ تو نماشہ کے بارے میں ایسے پوچھ رہی ہیں جیسے وہ آپ کی گہری دوست ہو۔“ وہ طنز بولا۔

”چلیں میری نہ سہمی آپ کی تو گہری دوست تھی۔“

”آپ کو اس سے کیا پرابلم ہے کہ وہ میری گہری دوست ہے یا نہیں۔“ عافین کو رامیہ کی بات اچھی نہیں لگی لہذا روکھائی سے کہہ گیا۔

”مجھے کیا پرابلم ہوگی وہ دراصل امی آپ کے لیے لڑکیاں دیکھ رہی ہیں تو میں نے سوچا کہ نماشہ.....“

”آپ کو میرے میٹر میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے اور پلیز مہما کے سامنے نماشہ کا تذکرہ نہ چھیڑیے گا اس کی شادی ہونے والی ہے۔“ وہ سنجیدگی سے بولا تو رامیہ نے کچھ توقف کے بعد استفسار کیا۔

”آپ میری وجہ سے یہ گھر چھوڑ کر لندن جا رہے ہیں نا؟“

”نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ پلیز یہ مت سوچئے۔“ عافین جلدی سے وضاحت دیتے ہوئے بولا اچانک اسے خیال آیا کہ اگر رامیہ کو اندازہ ہو گیا کہ محض اس سے بھاگنے کی خاطر وہ لندن جا رہا ہے تو وہ حساس لڑکی خود ہی نہ گھر چھوڑ دے۔

”عافین میں چاہتی ہوں کہ میرے ساتھ ساتھ آپ بھی گزری باتیں بھول جائیں میں اپنی پچھلی زندگی کو پوری طرح سے بھول جانا چاہتی ہوں۔“

”تو اس کا مطلب ہے آپ نے مجھے معاف کر دیا۔“

وہ بے ساختہ بولا تو جواباً رامیہ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلادیا جس پر عافین نے ”آف میرے خدا شکر ہے“ کہہ کر ایک گہرا سانس فضا میں خارج کیا۔

”رامیہ سب سے جا کر کہہ دو میں کوئی لندن و عدنان نہیں جا رہا۔“ وہ اس کے قریب ”کر مڑے سے بولا۔

”مطلب آپ مجھ سے بھاگ رہے تھے نا۔“ وہ تادیبی نگاہوں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

”اب تم کو ساتھ لے کر جاؤں گا بھگا کر نہیں بلکہ اپنی شریک سفر بنا کر ہنی مولیٰ منانے کے لیے۔“ وہ دل کشتی سے گنگلتایا تو کمرے میں ٹھنڈک کے باوجود اس کی ہتھیلیاں سینے سے بھیگ گئیں۔

”آپ کو اتنا یقین ہے کہ میں آپ سے شادی پر رضا مند ہو جاؤں گی؟“ وہ بظاہر خود کو مضبوط بناتے ہوئے بولی حالانکہ اندر سے وہ عافین کی قرارت اور اس کی باتوں سے بہت پرل ہو رہی تھی۔

”جی جناب یقین واثق ہے جب تم مجھے معاف کر کے لندن جانے سے روک سکتی ہو تو مجھ سے شادی پر بھی ضرور آمادہ و حاؤں گی۔“

”آف اتنی خوش فہمی.....“ وہ اپنی شریکیں مسکراہٹوں پر بمشکل کنٹرول کر کے بولتی دروازے کی جانب بھاگی۔

”ارے ارے سنو تو سہمی.....“ عقب سے عافین کی آواز ابھری مگر رامیہ کھلکھلاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی۔

آج اسے بھی یقین ہو چلا تھا کہ عافین اور اس گھر کی صورت میں رتبہ الکریم نے اس کی تمام تکالیف کا خوب ازالہ کر دیا ہے بے شک اللہ کسی کے ساتھ نا انصافی نہیں کرتا اب ہر تمنا عید پوری ہونے چلی تھی۔







سیرتِ شریف طوور



ڈسنے لگی ہے اب شب فرقت کی تیرگی  
آجاؤ صبح رونے منور لیے ہوئے  
ہر غم پر ہے اک نئی الجھن کا سامنا  
ہم آئے ہیں عجب مقدر لیے ہوئے

### (گزشتہ قسط کا خلاصہ)

مصطفیٰ ولید کے کہنے پر دعوت قبول کر لیتا ہے شہوار بھی وہاں شرکت پر بغیر کسی انکار کے حالی بھر لیتی ہے جس پر مصطفیٰ اس کے مصالحت آمیز انداز پر حیران رہ جاتا ہے جب تک کہ وہ اپنے درمیان حائل ناراضگی کو دور کرنے کی سعی کرتا ہے ایسے میں شہوار بھی مصطفیٰ کے بدلتے رویے کو دیکھ کر ساری نئی کو ختم کر کے اس رشتے کو نئے انداز میں آگے بڑھانے کا ارادہ کر لیتی ہے۔ انا کی بدگمانی ولید کو سخت مضطرب کر دیتی ہے دعوت پر کیتھی کو بدعنوانیہ کردہ پھر سے خود تری کا شکار ہونے لگتی ہے دوسری طرف ولید کی زبانی اسے کیتھی کی منگنی طے ہو جانے کا پتا چلتا ہے لیکن اس کا دل پھر بھی کیتھی کی طرف سے صاف نہیں ہو پاتا۔ عباس اور عادلہ کے بڑھتے تنازعات کے پیش نظر شاہ زیب وکیل کے ذریعے طلاق کے کاغذات عادلہ کو بھجوا دیے جاتے ہیں۔ اپنے رشتے کے اس انجام پر عباس نہایت مضطرب حالت میں رابعہ سے اپنے حالات شیئر کرتے اسے ہر طرح کے تحفظ کا یقین دلاتا ہے جبکہ رابعہ اس علیحدگی کا ذمہ دار خود کو گردانتی شرمندگی محسوس کرتی ہے۔ دوسری طرف عادلہ انیس ایک ساتھ دیکھ کر بھڑک اٹھتی ہے اور فون پر رابعہ کی بارشائی پر طنز کرتے اسے دھمکیوں سے نوازتی ہے جبکہ رابعہ عباس کی پریشانی کے خیال سے اسے کچھ بھی بتانے سے گریز کرتی ہے۔ طلاق کے کاغذات دیکھ کر عادلہ انتقام کی آگ میں مزید بھڑک اٹھتی ہے۔ کیتھی رات ولید کے گھر ہی قیام کرتی ہے صبح انا کو کالج چھوڑنے کے دوران کیتھی بھی ان کے ہمراہ ہوتی ہے۔ ولید اس دوران بھی انا سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ اسے بغیر کوئی موقع دیے چپ چاپ اتر جاتی ہے واپسی پر اسے تنہا گھر آنا پڑتا ہے جب ہی راستے میں مصطفیٰ کے کزن حماد اور شائستہ اسے گھر ڈراپ کرنے کی آفر کرتے ہیں تا چاروہ ان کے ہمراہ گھر آتی ہے جبکہ حماد اور انا کو ولید حماد سے متعلق کچھ کچھ کہتا ہے جس پر انا نہایت بدتمیزی سے اس کے کسی بھی سوال کا جواب دینے سے انکار کرتے مستقل انداز میں اس زبردستی کے بندھن کو ختم کرنے کی بات کرتی ہے جبکہ ولید بھونچکا رہ جاتا ہے غیاء صاحب کے پوچھنے پر وہ فوراً ہی انا سے شادی پر آمادگی ظاہر کرتا ہے جبکہ انا اس کے دہرے رویے پر شدید الجھن کا شکار ہوتی ہے۔ مصطفیٰ کام کے سلسلے میں اسلام آباد چلا جاتا ہے ایسے میں شہوار اس کی کئی شدت سے محسوس کرتی اپنی بدلتی حالت پر خود بھی حیران رہ جاتی ہے۔ تاہم وہ بواٹا پنک کے دوران انجینی کو دیکھ کر ٹھنک جاتی ہیں انہیں وہ چہرہ بے حد شناسا لگتا ہے لیکن جب ہی وہ بھٹڑ میں ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے شہوار کی یاد محسوس کرتے وہ واپسی کا ارادہ کرتی ہیں لیکن اس کے کسی بھی سوال کا جواب نہ دے پائے۔ پروہ ایک مرتبہ پھر اپنی کوششوں میں مصروف ہو کر اپنا ارادہ ترک کر دیتی ہیں۔ رابعہ اپنی شادی کے متعلق عباس کو انذار کرتے اپنی جاب چھوڑنے کی بات کرتی ہے جبکہ عباس یہ سب جان کر عجیب سی کشش کا شکار ہو جاتا ہے۔ انا ایک آخری کوشش کے طور پر ولید کے نمبر سے



کافہ کا نمبر ملتی ہے۔ اسی دوران کافہ کی سڈ کا لڑ اور ڈھیروں محبت بھرے مسجود یکہ کر اس کا شک یقین میں بدلتا جاتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف کافہ سے بات ہونے پر وہ ولید کے بڑھتے ہوئے تعلقات اور محبت کی داستان سنا کر انا کو مورد الزام ٹھہراتی ہے کہ اب وہ صرف اس کی وجہ سے دھوکا کھ رہا ہے اور وہ ولید کو اس کے لیے کبھی حاف نہیں کرے گی جبکہ انا مزید خوف کا شکار ہو جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



ولید آفس جا رہا تھا گاڑی ابھی تک ٹھیک نہ ہوئی تھی ماما نے اسے کہہ دیا تھا کہ ولید کے ساتھ کالج چلی جائے وہ ڈراپ کر دے گا۔ اس نے انکار کرنا چاہا مگر ماما نے دو ٹوک انداز میں کہا تو وہ کلتستی جھلستی ولید کی گاڑی میں جا بیٹھی تھی۔ ولید جب باہر آیا تو اسے پچھلی سیٹ پر دیکھ کر ٹھنکا۔

دونوں کے درمیان کل جو منہ ماری ہو چکی تھی اس کو لے کر وہ خود بھی انا سے کافی کچھا و محسوس کر رہا تھا اب اسے دیکھ کر اس کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔ بہت سنجیدگی کے عالم میں وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تو انا بھی باڑے تیروں سمیت چہرہ موڑے باہر دیکھتی رہی تھی۔

ماما کا اصرار نہ ہوتا تو شاید وہ آج اپنا کالج جانا ہی موقف کر دیتی۔ وہ بالکل سر دوسپاٹ تاثرات لیے باہر دیکھتی رہی انا ذرا بالکل لا تعلق اور سر دھرتھا گویا سر سے کوئی آشنائی ہی نہ ہو ولید نے کئی بار بیک و فوروڑ سے دیکھا تھا۔

”ایسا کب تک چلے گا؟“ ولید اس سے لاکھ خفا ہی لیکن انا کی طرح بہت دیر تک دل میں صدمہ دبا کر نہیں رکھ پاتا تھا آخر کار مخاطب کر ہی لیا۔ انا ولید کے الفاظ پر چونکی اور پھر اب سمجھ گئی۔

وہ رات کافہ سے بات نہ کر چکی ہوئی تو شاید اس کی پہل سے پکسل جاتی لیکن اب تو دل بھانپنے کی طرح جل رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور چہرہ بیتاثر۔

”انا! میں تم سے مخاطب ہوں۔“ اس کی خاموشی پر ولید نے غصے سے بوجھ کر ایک دم تلخی سے کہا۔  
”مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی آ سکتا۔ مجھے مخاطب کرنے کی قطعی ضرورت نہیں۔“ وہ تلخی سے کہہ کر خاموش ہو گئی۔

ولید کے اندر ایک دم شدید اشتعال کی لہر اٹھی اور اس نے ایک دم گاڑی ایک طرف کھڑی کی اور پلٹ کر اسے دیکھا۔ گاڑی رکنے پر انا نے بھی چونک کر اسے دیکھا ولید کی آنکھوں سے آنکھیں ملی تھیں۔ ولید بے باک تھا غصے سے دیکھ رہا تھا وہ تنفر سے دیکھ کر چہرہ موڑ گئی۔

”یہ سب کیا ہے کیوں کر رہی؟ تم ایسا؟“ وہ خاموش رہی تھی۔

”جہاں تک میں جانتا ہوں تم کافہ کی وجہ سے ری ایکٹ کر رہی ہو۔ کافہ کو لے کر اگر آیا کر رہی ہو تو حماقت کا ثبوت دے رہی ہو۔“ ولید نے خالص ضبط سے کہا تھا دل چاہ رہا تھا کہ اس پتھر کے بُت کو جھنجھوڑ کر کھدے۔

”ایک لڑکی آپ کے لیے اپنی جان کی قربانی دینے کی کوشش کرے اور آپ کی بے حسی کا یہ عالم ہے کہ آپ کے سبھ میں کوئی افسوس بھی نہیں۔“ وہ بولی تو ولید نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

”میں کلیئر کر چکا ہوں کہ میرا کافہ کے کسی بھی ری ایکشن سے کوئی تعلق نہیں اسے ہر نفع نقصان کی ذمہ دار وہ خود ہے۔“ ولید نے کہا تو انا نے استہزاء سے دیکھا۔ ولید نے دیکھا انا کی آنکھیں سرخ اور بوجھل تھیں گویا وہ ساری رات روئی رہی تھی۔



”وہ ایک جذباتی لڑکی ہے جو دوسروں کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھنے کی کوشش کر رہی ہے س کے کسی بھی عمل کا میں ذمہ دار نہیں ہوں۔“

”اس سے دوستی تو کی تھی نا آپ نے؟“

”ہاں لیکن اس کی بھی کوئی وجہ تھی اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ وہ اس طرح الٹا لوہو ہو جائے گا تو شاید میں کبھی بھی ایسی حماقت نہ کرتا۔“ ولید نے کہا تو انا کے ہونٹوں پر استہزاء سیہم لہرایا۔

”پھر بھی خود کو بری اندازہ سمجھ رہے ہیں ایک لڑکی سے دوستی کرتے ہیں اس کے ساتھ وقت گزرتے ہیں اس کو اہمیت دے کر اس سے پھر بےزاری کا اظہار کرتے ہیں اس سے بڑھ کر بے حسی کیا ہوگی۔ میں سمجھتی تھی کہ آپ بہت اچھے انسان ہیں لیکن مجھے کبھی اندازہ ہی نہ تھا کہ آپ نے ایسے شقی القلب اور خالما انسان بھی ہیں کہ ایک لڑکی آپ کی خاطر اس حد تک آجکی ہے اور آپ خود کو بے گناہ کہہ رہے ہیں۔“ وہ بولی نہیں پھٹی تھی جو دل میں آیا کہہ دیا۔

”شٹ اپ۔“ ولید اس کے لب و لہجہ اور الفاظ پر ایک دم مشتعل ہوا۔

”خبردار! مزید تم نے ایک لفظ بھی کہا تو.....؟“ ولید اس کے الفاظ پر ایک دم بھڑک اٹھا تھا۔ ”دس از ٹوئج۔“ انگلی اٹھا کر وارن کیا۔

”کیوں چپ رہیں؟“ سچ اٹھا۔ ”کیوں لگ رہا ہے؟ حقیقت کے آئینے میں اپنی تصویر دیکھیں نا اب کیوں چلا رہے ہیں؟“

”انا خبردار! اس انف.....“ ولید اتنے غصے میں بولا کہ وہ چپ ہو گئی۔ ولید اسے دیکھتے گہرے گہرے سانس لے رہا تھا گویا خود پر بمشکل قابو پا رہا ہو۔

”میرے الفاظ جھوٹ تو نہیں ہیں سچ ہی تو کہا ہے یہ بے کیعتی پھر کاٹھ اور اب میں۔ ہاں نہیں کتنوں کو دھوکہ دیں گے آپ۔“ دوسرے پاؤں تک بدظن ہو چکی تھی زندگی ہوئی آواز میں کہا۔ ولید نے لب بچ کر اسے دیکھا۔

”بات اعتباراً اور مجھ سے کی ہوتی ہے تم نے تو اول روز سے ہی مجھ پر بھروسہ کب کیا تھا جو تمہیں دھوکہ دیتا میں۔“ کچھ لمحے سمجھنے کے بعد ولید نے کہا۔

”ہمیشہ شک کے تناظر میں دیکھا تم کیا سمجھتی ہو میں نا سمجھ تھا کچھ اندازہ نہ لاسکتا تھا۔ تم جو مرضی سمجھتی رہو اب تمہارے یہاں سے ایک لفظ بھی اپنی صفائی میں نہیں کہوں گا۔“ ولید نے سر دھری سے کہتے تیزی سے گاڑی ڈرائیو کی۔

اتانے جی سے اسے دیکھ کر چہرہ موز لیا تھا۔ گھٹوں میں ڈھیر سا راپانی جمع ہو گیا تو وہ سوچتی رہی تھی کہ شاید ولید سب بیانات کی تردید کر دے مگر ولید تو خاموش ہو گیا تھا۔ اس کے دل پر ایک دم بوجھ بڑھ گیا تھا باقی رستہ دونوں کے درمیان بالکل ہی خاموشی رہی تھی۔



تاہذہ بی کا دل بڑا بوجھل سا ہو رہا تھا انہیں شہوار شدت سے یاد آ رہی تھی۔ ایک اپنی کو ان کا جی چاہا کہ وہ ایک بار جا کر اس سے مل لیں وہ کون سا بہت دور تھی اسی شہر میں تو تھی ان کے نزدیک۔ لیکن پھر یہ سوچ کر رہ گئیں کہ وہ اتنے سارے لوگوں کے سوالوں کے بھلا کیا جواب دیں گی۔ وہ کچھ سوالوں کی تلاش میں یہاں آئی تھیں لیکن اب لگ رہا تھا کہ ان کے ہاتھ بالکل خالی ہیں۔ انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اپنے سوالوں کی تلاش کا کام کہاں سے شروع کریں کوئی سراہی نہیں مل رہا تھا۔

کچھ سوچ کر وہ ساجدہ کو بتا کر ایک دفتر میں چلی آئی تھیں یہ ریول انجینی کا دفتر تھا برسوں پہلے وہ کسی کے ساتھ اس دفتر



## نمرہ آرائیں

السلام علیکم جی آپ حیران ہو رہے ہیں کہ یہ کون ہے جو بن بلائے مہمان کی طرح حاضر ہو گئی ہے لیجیے ہم اپنا تعارف کرواتے ہیں میرا نام نمرہ ہے میٹرک کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ 5 مئی کو اس جہان فانی میں تشریف لائی غنڈ والہ یار میں رہتی ہوں مجھے سرخ گلاب بہت پسند ہے رنگوں میں کالا اور سفید بہت پسند ہے۔ لباس میں لائٹ شرٹ اور فلمیگر بڑا اسادو پیٹہ بہت پسند ہے آئچل سے رشتہ تقریباً چار سال پرانا ہے فیورٹ رائٹرز نازیہ نول نازیہ سیدہ نایاب جیلانی ہے۔ پسندیدہ شعرا میں وحی شاہ، ساغر پروین، احمد فراز پسند ہیں۔ اب آتے ہیں میرا فیملی کی طرف ہم پانچ بہن بھائی ہیں میرا نمبر دوسرا ہے مجھ سے دو بڑے بھائی ہیں پھر میں اور میرے بعد دو بہنیں اور ایک بھائی ہے۔ پڑھائی کا بہت شوق ہے اور فوج میں ڈاکٹر بننے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ دعا کیجیے گا کہ میں اپنے اس ارادے میں کامیاب ہو جاؤں غصہ بہت جلدی آ جاتا ہے اور جذباتی تو بہت ہوں سیر و تفریح کا بہت شوق ہے۔ سیڈ سوتلر پسند کرتی ہوں تنہائی پسند بھی ہوں سب سے زیادہ پیارا پتی امی اور ابو جانی سے کرتی ہوں اور دوستی بہت کم ہی لوگوں سے کرتی ہوں اور بیچ تو بہت شوق سے دیکھتی ہوں اور بیسٹ کھلاڑی شاہد آفریدی اور بیسٹ سنگر عاطف اسلم ہے آپ سب ہمیشہ خوش رہیں میں آپ کے لیے ہمیشہ یہ دعا کروں گی اللہ حافظ۔

کے چکر لگا چکی تھیں لیکن اس وقت یہاں ٹرپول انجنیسی کی جگہ کاروباری مراکز کا دفتر تھا۔ دفتر بند ہے کہ وہ بے حد باپوس ہوئی تھیں۔ انہیں لگ رہا تھا کہ جیسے ان کی ہر کوشش ناکام ہو رہی ہے گزرے دنوں میں وہ مختلف جگہوں پر جا چکی تھیں لیکن کوئی سراہا تھ نہیں لگ رہا تھا۔ وہ رکشے میں بیٹھ کر ایک اور جگہ چلی آئی تھیں دو تین دنوں میں وہ یہاں مسلسل آ رہی تھیں۔ بہت ہی خوب صورت گھر تھا تعمیر سے لگتا تھا کہ جیسا چند سال پہلے ہی تعمیر کیا گیا تھا۔ ہر بار کی طرح چوکیدار گیٹ پر موجود تھا وہ تابندہ کو دیکھ کر فوراً پہچان گیا تھا۔

”ہاں بی بی آج ہی آئے ہیں“ فقیر دم میں ان سے پوچھ کر آتا ہوں۔ ”چوکیدار اندر چلا گیا اور پتہ دیر بعد واپس آیا۔“ ”آؤ“ وہ کہہ کر پھر اندر کی طرف بڑھ گیا تو تابندہ اس کے سر پہ پڑنے اندر کی طرف چلی آئی تھیں۔ وہاں ڈرائنگ روم میں صوفے پر ایک درمیانی عمر کی خاتون موجود تھیں۔

”بیگم صاحب! یہ وہ بی بی ہیں جن کا میں نے آپ کو بتایا ہے۔“ چوکیدار نے کہا۔

”السلام علیکم!“ تابندہ نے سلام کیا۔

”وعلیکم السلام! اچی آئیں بیٹھیں۔“ خاتون نے بغور دیکھتے ہوئے کہا تو تابندہ ان کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔

”معذرت چاہتی ہوں میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔“

”جی ہم لوگ کبھی باہر سے ہیں میرا نام تابندہ ہے۔ یہ گھر جس میں آپ لوگ رہ رہے ہیں پچیس چھبیس سال پہلے یہ ہمارا گھر تھا۔ پھر میرے شوہر نے یہ گھر بیچ دیا تھا۔“ تابندہ نے سنجیدگی سے بتایا۔

”اوہ اچھا۔“

”اب تو آپ لوگوں نے گھر کا نقشہ ہی بدل دیا ہے بہت ہی پیارا بن چکا ہے یہ گھر تو۔“ تابندہ نے اطراف میں دیکھتے کہا۔

”شکریہ۔“

”آپ کی باقی فیملی؟“ تابندہ نے اطراف میں دیکھتے خاتون سے پوچھا۔



”یہ گھر ہمارے سر صاحب نے خریدا تھا ہم لوگ پنڈی میں رہتے تھے۔ میرے شوہر کی وہاں جاب تھی پھر ریٹائرمنٹ کے بعد ہم لوگ واپس یہاں شفٹ ہو گئے۔ سر انتقال کر گئے ہیں اور باقی لوگوں کو حصہ دے دیا کر ہم نے یہ گھر رکھ لیا اور دوبارہ اس کی کنسٹرکشن کروائی ہے۔“

”اوہ.....“

”اور آپ کی ساس اور باقی لوگ؟“

”دو ندریں ہیں وہ اپنے گھروں میں آباد ہیں ایک دیور ہے وہ باہر شفٹ ہو گیا ہے اور ساس کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔“ تابندہ کو لگا جیسے وہ ایک دم ناامید ہو گئی ہیں۔

”مجھے کچھ معلومات چاہیے تھیں اسی لیے میں یہاں آ رہی تھی۔“ تابندہ نے بتایا تو لہجے میں مایوسی تھی۔

”ہاں جو کچھ یاد رہا تھا۔“ خاتون نے کہا۔

”بات اصل میں یہ ہے کہ.....“ تابندہ نے آہستگی سے خاتون کے سامنے کچھ کہنا شروع کیا خاتون بہت دھیان سے ان کی بات سن رہی تھیں۔



انا شہوار کے ساتھ لان میں بیٹھی ہوئی تھی اس کا موبائل بچنے لگا تو اس نے موبائل دیکھا۔ کاشفہ کا نام دیکھ کر وہ ابھی تھی وہ رات کاشفہ سے بات کرنے کے بعد اس کا نمبر سید کر چکی تھی۔

”ہیلو۔“ اس نے نہ پتا چتے ہوئے بھی کال ریسیو کی۔

”کاشفہ بول رہی ہوں۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

”تو.....؟“ وہ ولید کے ساتھ ساتھ کاشفہ سے بھی بدظن ہو چکی تھی رکھائی سے بولی۔

”میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔“ کاشفہ نے کہا تو دوچھڑ گئی۔

”وہ کیوں؟“ اس نے تنجیدگی سے پوچھا۔

”مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔“

”ہاں کہو۔“

”ایسے نہیں تم جب ملو گی تو پھر تب ہی بات ہوگی۔“ وہ نخوت سے کہہ بولی۔

”ایم سوری میں تم سے نہیں مل سکتی اور نہ ملنا چاہوں گی۔“ اس نے غی سے انکار کر دیا۔

”مجھ سے مل لیتیں تمہارا ہی فائدہ تھا۔ خیر ولید میری کالز پک نہیں کرتا اسے کہہ دینا کاشفہ اتنی جلدی ہار نہیں مانے گی۔“

میں نے کھیل شروع کر دیا ہے اب انجام بھی دیکھے۔“ دھمکی آمیز انداز میں کہتے اس نے کال بند کر دی تھی۔ انا ایک دم ساکت رہ گئی۔

”کیا ہوا؟“ اسے گھر سمجھ کر شہوار نے پوچھا تو وہ سنبھلی پھر نفی میں سر ہلا کر اس نے موبائل کان سے ہٹا لیا۔

”کس کی کال تھی؟“

”ویسے ہی ایک جاننے والی تھی ملنے کا کہہ رہی تھی تو میں نے منع کر دیا۔“ اس نے خود پر قابو پاتے کہا تو شہوار

نے سر ہلا دیا۔

”مضطرب بھائی آجئے اسلام آباد سے؟“ اپنے ذہن کو اس نے بڑی سنا چاہا۔

”نہ بات ہوئی تھی تب تک تو نہیں آئے تھے پھر میں کالج آ گئی تھی اس کے بعد بھی تک کوئی رابطہ نہیں ہوا۔“ شہوار



<p>جب بارش جم کر برتی ہے۔  اور آنکھیں میری ترستی ہیں  یادوں کے درتے کچے کھل جاتے ہیں  کچھ دوست بہت یاد آتے ہیں  یہ بارش جب بھی آتی ہے  دل بھر کے مجھے رو لیتیں ہیں</p> <p>نزہت جبین ضیاء</p>	<p>جب شام ذرا سی ڈھلنے لگی  موسم بھی تھوڑا بد لنے لگا  کالی کھنائیں چھانے لگی  جب روشنی مدھم ہو جائے  اور پتھری چھپ کر سو جائیں  جب جھولے پھر سے لہرا لگیں  ماحول پہ مستی چھانے لگی  جب کڑک کو کو کرتی ہو اور ٹھنڈی آہیں بھرتی ہو</p>
--	---

نے مسکرا کر بتایا۔

”وہ اب ٹھیک ہیں نا؟“

”ہاں۔“

”تم لوگوں کا دلیدہ کب ہوگا؟“

”پتا نہیں اس پر تو ابھی گھر میں کوئی ڈسکشن نہیں ہوا پھر مصطفیٰ بھی مسلسل بڑی ہیں پتا نہیں انکس یا فیصلہ کرتے ہیں۔“

”مصطفیٰ بھائی بھی بے چارے کیا سوچتے ہوں گے زندگی کا اتنا اہم ایونٹ تھا اور وہ بھی اس عاقلے کی نذر ہو گیا۔“

نے کہا تو شہوار نے ایک گہری سانس لی۔

”ہاں شاید اس میں بھی کوئی مصلحت تھی ورنہ.....“ تاہم بڑا خیال آیا تو وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔

”ایاز کا کوئی پتا چلا؟“ انا اس کا خاموش ہو جانا محسوس نہ کر پائی تھی۔ شہوار نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”مجھے نہیں علم مجھ سے اس ٹاپک پر کوئی بھی بات نہیں کرنی۔“

”ایاز نے جو بھی کیا ہے بہت بُرا کیا ہے خیر بچے کا تو وہ بھی نہیں۔ مجھے یقین ہے مصطفیٰ بھائی اسے نہیں چھوڑیں گے۔“ اس کی بات پر شہوار خاموش ہی رہی تھی۔

”کیا بات ہے میں کل سے محسوس کر رہی ہوں تم ابھی ابھی ہی ہو۔ مصطفیٰ بھائی تو تمہارے ساتھ ٹھیک ہیں نا؟“ وہ جو

خود ابھی ہوئی تھی اس کے باوجود شہوار کی خاموشی اور مزاج کو نوٹ کر گئی تھی۔

”ہاں ٹھیک ہوں میں بس ویسے ہی طبیعت ڈل سی ہو رہی ہے۔“ اس نے مسکرا کر کہا تو انا نے غور دیکھا۔

”اور مصطفیٰ بھائی؟“ اس نے پوچھا تو مصطفیٰ کے نام پر اس کے چہرے پر بے اختیار سرخی سی چھائی تھی۔

”وہ بھی ٹھیک ہیں۔“

”مصطفیٰ کے ساتھ جو واٹس ہو چکا ہے ایسے عالم میں میں پرانی باتوں کو لے کر بیٹھی رہتی تو شاید میں بہت خسارے

میں رہتی۔ میرے پاس تو ویسے بھی بہت سارے رشتے نہیں ہیں اس رشتے کو بھی کھودیتی تو پھر میرے پاس بچتا کیا۔“ انا

کے بغور دیکھنے پر شہوار نے دھیمی آواز میں کہا تو انا ایک دم پرسکون ہو گئی تھی۔

”بہت ہی اچھا فیصلہ کیا تم نے میں جتنا بھی مصطفیٰ بھائی کو جان سکی ہوں اس میں سرفہرست یہی ہے کہ وہ ہمیشہ تمہاری

ذمہ داری بن کر رہیں گے بس تم ان کو دل سے قبول کر لو۔“ شہوار مسکرا دی۔

”ہاں وہ بہت اچھے ہیں۔“ مصطفیٰ نے جس طرح گزرے دنوں میں ہر لمحہ پرل اس کا خیال رکھا تھا وہ ایک دم بدل



مکئی تھی۔

”میں نے کبھی بھی ان کی ذات سے انکار نہیں کیا تھا اور نہ ہی ان کی اچھائیوں کو جھڑپا تھا میں تو بس اپنی ذات کی تسکین چاہتی تھی۔ اپنی پہچان کے بارے میں جانتا تو سب ہی کا حق ہے نا؟ میری سوچ اب بھی وہی ہے لیکن مصطفیٰ کے ساتھ ہونے والے حادثے نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ بعض رشتے قدرت کی طرف سے انعام بن کر ملتے ہیں اگر جان بوجھ کر شکری کریں تو کھو بھی جاتے ہیں اور میں مصطفیٰ کو اب کھوتا نہیں چاہتی۔“ کہتے کہتے اس کی آواز میں کمی مل گئی تھی انا نے بہت محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

”ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا تم آنٹی اور باقی لوگوں کا سناؤ سب ٹھیک تو ہیں نا؟“ انا کے سوال پر اس نے سر ہلادیا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ انا کے سامنے تابندہ بی کے چلے جانے کا ذکر کر دے لیکن بھرپور مسوس کر رہ گئی۔

”نجانے انا کیا سوچتی۔“ اس کے دل میں ہوک سی اٹھنے لگی ایک گہرا سانس خفا میں خارج کیا۔

”اشو کلاس میں چلتے ہیں مجھے ابھی عطیہ سے نوٹس بھی لینے ہیں اور سر سے ڈسکشن بھی کرنا ہے۔“ اپنا دھیان بٹانے کو کہا تو انا بھی سر ہلا کر اپنی چیزیں سمیٹنے لگی تھی۔



”کچھ بتا چلا؟“ تابندہ بی گھڑ آئیں تو بہت مایوس تھیں۔ بے جان انداز میں چارپائی پر بیٹھیں تو خالہ بی نے پوچھا تھا۔ تابندہ نے نفی میں سر ہلادیا۔

”نہیں۔“ لہجے میں حدیوں کی سی جھکن تھی۔

”خالہ بی کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ جیسے میں برسوں سے غلطی پر غلطی کرتی آئی ہوں۔ مجھے شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ کم از کم بابا صاحب کو سب سچ سچ بتا دینا چاہیے تھا۔ میں ہمیشہ اس خوف میں رہی کہ نہیں وہ سب جاننے کے بعد مجھے اور شہوار کو دو حکارندیں اور میری بچی نجانے کن حالوں میں ہوگی۔ ایک عمر تو بے سہارا زندگی میں نے۔ اتنے خط لکھے لیکن کسی ایک کا بھی جواب نہ آیا۔ تھک ہار کر میں نے امید ہی چھوڑ دی تھی لیکن شہوار کے سوالوں نے مجھے پھر مجبور کر دیا اور اب لگ رہا ہے کہ مجھے حوصلہ نہیں چھوڑنا چاہیے مگر نجانے وہاں میرے بارے میں اب کیا رائے قائم ہو چکی ہوگی اور سب سے بڑھ کر نجانے شہوار کیا سوچتی ہوگی۔ میری مامتا کی تسکین تو شہوار کے وجود سے ہوگئی تھی لیکن میری بچی.....“ وہ بات چھوڑ کر سسکنے لگی تھیں۔ خالہ بی نے ایک گہرا سانس لیا۔

”تم واپس چلی جاؤ شہوار کا شوہر پولیس میں ہے اس کو سب بتا دو وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔ تم خود ہی تو کہتی ہو کہ وہ ایک اچھا انسان ہے۔“ خالہ بی نے مشورہ دیا تو وہ چہرہ صاف کر کے انہیں دیکھنے لگیں۔

”اور اگر اس نے سب جاننے کے بعد بھی ہمیں قبول نہ کیا تو؟“ ان کے لہجے میں خدشہ و اندیشہ بول رہے تھے۔

”شہوار اس کی بیوی ہے اب اس کو چھوڑے گا تو نہیں۔“

”وہ بہت خاندانی لوگ ہیں حسب و نسب پر جان دینے والے وہ تو عباس کی شادنی غیروں میں سردی تھی اور شہوار بھی انہی کے سامنے پلی بڑھی تھی کچھ مہر النساء کا خصوصی لگاؤ بھی تھا اور پھر میں نے ان کو یقین بھی دلا رکھا تھا کہ شہوار کسی چھوٹے موٹے خاندان سے نہیں ہے انہوں نے اس کو بہو بنا لیا تھا لیکن مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں حقیقت جاننے کے بعد اس بچی کی زندگی برباد نہ ہو جائے۔ میں نے ساری زندگی اسی کی خاطر تو برباد کی ہے اور اب آ کر سب کچھ تباہ نہیں کر سکتی۔“ تابندہ بی عجیب کشکش میں تھیں خالہ بی خاموشی سے دیکھنے لگی تھیں۔

”میں سوچ رہی ہوں کہ اسے کال کروں اس سے بات کروں نجانے وہ میرے بارے میں کیا سوچتی ہوگی؟“



بہت حساس۔ ان کے لہجے میں شہوار کے لیے محبت ہی محبت تھی۔ خالہ بی نے سر ہلا کر ان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔  
 ”اللہ تمہیں کامیاب کرے اور اس پنچی کی بھی مشکلات آسان کرنے بڑی بد نصیب ہے وہ بے چاری تو اللہ سے بھی  
 مبرور ہے۔“

”آمین۔“ تابندہ بی نے دکھے دل سے آمین کہا اور پھر اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی ان کا ارادہ کسی بی بی او شہوار کو  
 کال کرنے کا تھا۔



شہوار ابھی کالج سے لوٹی تھی، چیخ کر کے وہ ابھی کمرے سے نکلنے والی تھی جب اس کا موبائل بجنے لگا تھا۔ اس نے  
 اسکرین دیکھی، اجنبی نمبر تھا۔

”ہیلو۔“ اس نے جھجکتے ہوئے کال پک کی تھی۔  
 ”ہستلیم علیکم؟“ آواز سن کر وہ ایک دم الجھی گئی۔  
 ”وعلیکم ہستلام! کون؟“  
 ”کیسی ہو شہوار؟“

”یہ آواز..... یہ آواز تو تابندہ بی کی تھی اور فوراً پہچانی تھی۔“

”امی جی آپ؟“ وہ چیخ اٹھی تھی غلط سرت سے اس کی آواز قدرے بلند ہو گئی تھی۔

”کہاں ہیں آپ..... اور آپ کیسی ہیں؟“

”میں ٹھیک ہوں، ابھر ہی ہوں تم بتاؤ کیسی ہو؟“ عطیٰ کیسا ہے؟“ انہوں نے نرم آواز میں کہا تو شہوار کا دل بھرا آیا۔ وہ  
 شدت سے سوئی۔

”پلیز جہاں بھی ہیں آپ واپس آ جائیں میں آپ کو بہت یاد کرتی ہوں۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے کوئی سوال و جواب  
 نہیں کروں گی پلیز لوٹ آئیں۔“ وہ ایک دم جذباتی ہو گئی تھی۔ دوسری طرف تابندہ بی کا دل اس کے آنسوؤں سے پھل  
 گیا تھا۔

”میں آ جاؤں گی..... ضرور آؤں گی لیکن جس مقصد کو لے کر حویلی سے نکلی تھی اس کو چرا کر کے ہی اب لوٹوں گی۔“

”کہاں ہیں آپ؟“ اپنے آپ کو سنبھالتے اس نے سوال کیا۔

”اسی شہر میں ہوں۔“

”مجھے ایڈریس دیں میں آ جاتی ہوں آپ کو لینے۔“

”نہیں شہوار ابھی یہ مکان نہیں میں پہلے ہی پریشان ہوں بس تم سے بات کرنے کو دل بے قرار تھا تو کال کر لی۔ تم  
 پریشان نہیں ہونا میں جہاں بھی ہوں محفوظ ہوں۔ مجھے بس تمہارا خیال تھا کہ میرے اس طرح چلتا آنے سے تم خفا ہو گی  
 اور نجا۔ نے کیا کیا سوچ لوں۔ بیٹا کچھ غلط مت سوچنا بس یہ سمجھ لو کہ تمہاری ماں مجبور تھی میں جو بھی کر رہی ہوں تمہارے لیے  
 اور اپنے لیے ہی تو کر رہی ہوں۔ میری ممتاز بڑ رہی ہے لیکن میں اپنی بیٹی سے نہیں مل سکتی اس سے زیادہ میری بے بسی  
 اور کیا ہو گی۔“ وہ رونے لگیں تھیں۔ شہوار بے دم ہو کر بستر کے کنارے پر ٹک گئی تھی۔

”ایسے مت کریں میں پہلے بھی لوگوں کے لیے ایک سوالیہ نشان تھی۔ پہلے لوگ میرے باپ کا حوالہ پوچھتے تھے اور  
 اب ماں کا بھی پوچھا کریں گے ہوتا نہیں میں کس کس کو جواب دوں گی۔“ وہ اذیت سے چیخ اٹھی۔

”آپ نے اتنے حسب نسب والے بچے لوگوں میں میرا رشتہ جوڑ دیا کس کس کو یا جواز پیش کروں یہ سب ہی سوال



PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY



”مجھے دو میں لے جاتی ہوں۔“ وہ خود لاؤنج میں چائے لے کر آئی۔

آج کتنے دنوں بعد گھر میں رونق لگی ہوئی تھی کبھی لاؤنج میں موجود تھے۔ خوش گپیاں لگائی جا رہی تھیں وہ اندر داخل ہوئی تو یاں جی کے پاس بیٹھے مصطفیٰ نے فوراً اسے دیکھا تھا۔ رنگ اور زیک کبھی نیشن کے لباس میں وہ جگمگ جگمگ کر رہی تھی۔

”اسلام علیکم!“ قریباً نے پر اس نے آہستگی سے مصطفیٰ کو سلام کیا۔ مصطفیٰ نے سر ہلا کر جواب دیا وہ سب کو چائے سرو کر رہی تھی۔

”مصطفیٰ تو کھانا کھائے گا۔ شہوار بیٹا ملازمہ کو کہو وہ کھانا گرم کر دے۔“ وہ چائے دے کر ٹیٹی تو یاں جی نے کہا۔ وہ سر ہلا کر کچن میں آئی اور عظمت کو کھانا لگانے کا کہا پھر خود اس کے ساتھ لگ گئی تھی۔ مصطفیٰ کچن میں آیا تو وہ ٹیبل پر اس کے لیے برتن رکھ رہی تھی۔ مصطفیٰ کی نگاہوں نے اسے پللیں چھکا دینے پر مجبور کر دیا تھا۔ مصطفیٰ مسکرایا اور ٹیبل تک چلا آیا وہ روپشدرست کرتے پٹی تھی وہ جب گیا تھا تو وہ بستر پر راز تھی اور آج اس۔ کتا سننے سانسے چل پھر رہی تھی مصطفیٰ کرسی بھیدٹ کر بیٹھ گیا تھا۔ شہوار نے پانی کا جگ لا کر رکھا تو مصطفیٰ نے ملازمہ کو دیکھا۔

”تم جاؤ کسی بھی چیز کی ضرورت ہوئی تو ہم نے لیں گے۔“ مصطفیٰ نے کہا تو ملازمہ مسکراتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے دیکھا۔

”کیسی ہو؟“ مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے شخص سر ہلا دیا۔

”ٹھیک ہوں۔“

”بیٹھو.....“ اس نے کھڑے کھڑے ہی مصطفیٰ کی پلیٹ میں کھانا نکالا تو مصطفیٰ نے کہا تو وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔

”کھانا کھالیا؟“ مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔ مصطفیٰ کھانا کھانے کا اور وہ خاموشی سے اٹھیاں مسکتی بیٹھی رہی۔ مصطفیٰ کا ہر بگاڑ سہہ دیکھ رہا تھا اور ہر نگاہ پر اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

”کوئی بات کرو یا را!“ مصطفیٰ نے ٹوکا تو اس نے مصطفیٰ کو دیکھا۔

”آپ ٹھیک ہیں؟“ کچھ نہ سوچا تو خیریت پوچھ لی۔

”تمہارے سامنے ہوں کیسا لگ رہا ہوں۔“

”اور آپ کا زخم؟“

”میرے زخم سے کچھ زیادہ اگاؤ نہیں ہو گیا جب بھی خیریت دریافت کرو گی صرف اسی کا پوچھو گی۔“ مصطفیٰ کی بڑھتی پردہ جھینپ سی گئی۔

”میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔“

”کبھی ویسے ہی میرے دل کی حالت کے بارے میں بھی پوچھ لیا ہوتا تو کیا تھا۔“ مصطفیٰ کی بات پر اس کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا تھا۔

”میں چائے بنا لیتی ہوں آپ ہمیں گے نا۔“ وہ فوراً بات بدل کر بھی تو مصطفیٰ نے گھورا۔

”اگر کبھی ہمارے درمیان لڑائی ہوئی تو اس کی سب سے بڑی وجہ تمہارا یہ رویہ ہوگا۔“ مصطفیٰ نے کہا تو اس نے ایک گہرا سانس لیتے مصطفیٰ کو دیکھا۔

”میں نے کیا کیا سب؟“

”یہ بد فہمی اور اس پر یہ اعزاز لا علمی کہیں دکھ سے میں گزر رہی نہ جاؤں۔“ مصطفیٰ کا انداز غیر سنجیدہ تھا وہ مسکراتی تھی وہ



پلٹ کر ساس پین میں پانی ڈال کر جو ہے پر رکھنے لگی تھی۔

مصطفیٰ نے اس کی پشت کو گھورا تھا، ایسی چٹیا پشت پر جمول رہی تھی۔ دو پتہ سلیقے سے سر پر جما ہوا غائبیں بھی کوئی بے ترتیبی نہیں تھی، اندازہ اعتماد تھا۔ مصطفیٰ نے خاموشی سے کھانا ختم کیا، شہوار دل جمعی سے چائے بنا رہی تھی مصطفیٰ کرسی گھسینا اٹھ کر اس کے قریب میں آکھڑا ہوا۔

”مجھے یاد کیا؟“ اس کی طرف جھک کر کندھے پر ٹھوڑی نکاتے مصطفیٰ نے کہا تو وہ ایک دم کنفیوز ہوئی۔  
”پلیز چائے بنانے دیں مجھے۔“ وہ منمنائی۔

”چائے سے زیادہ کسی کو تمہاری چاہ کی ضرورت ہے اور تم ہو کہ لغت ہی نہیں کروا رہیں۔“ مصطفیٰ نے چولہا بند کر دیا اور اسے کندھوں سے تمام کر اپنے سامنے کر لیا۔

”کتنی ظالم ہو تم شوہر اپنے دن بعد گھرا آیا ہے اور تم ہو کہ کوئی رسپانس ہی نہیں دے رہی ہو۔“ مصطفیٰ نے شکوہ کیا تو وہ سر سے پاؤں تک سرخ ہو گئی تھی۔

”پلیز کوئی آجائے گا۔“ مصطفیٰ کی نگاہوں کی وارفتگیوں سے وہ کنفیوز ہو رہی تھی۔  
”تو.....؟“

”آپ بیٹھیں نا میں چائے لاتی ہوں۔“ اس نے نالنا جا ہاتھ مصطفیٰ نے سنجیدگی سے دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ جواباً کچھ کہتا دریدہاں چلی آئی تھی۔ مصطفیٰ ایک دم گہرا سانس لیتا پلٹا اور شہوار بھی رخ موڑ گئی تھی۔  
دریدہ نے خاموشی سے یہ سب دیکھا تھا اس کے دل و دماغ پہلے ہی ٹنگیو رہتے تھے اب بھی تنفر سے شہوار کو دیکھا وہ دوبارہ چولہا جلا کر چائے کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

”مصطفیٰ ایک کام ہے تم سے؟“ شہوار کو نظر انداز کر کے دریدہ نے کہا تو مصطفیٰ نے اسے دیکھا۔  
”ہاں کہو۔“

”مجھے ذہد بھائی کے ہاں جانا ہے تم ڈراپ کر دو گے ذرا؟“ اس نے کہا تو شہوار نے فوراً پلٹ کر دیکھا۔  
”اس وقت؟“ مصطفیٰ نے گھڑی دیکھی تو نو بج رہے تھے۔

”ہاں شائستہ بھابی سے ایک کام تھا تو ابھی جانا ہے۔“  
”یہ ابھی لوٹے ہیں تھکے ہوئے ہوں گے تم کسی اور سے کہو۔“ شہوار کو دریدہ کا اس بے وقت کہنا انا ایک آنکھ نہ بھایا تھا اس نے فوراً کہا تو مصطفیٰ نے پلٹ کر دیکھا اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔

”کوئی بات نہیں میں کروتا ہوں ڈراپ۔“ شخص شہوار کو ستانے کا مقصد تھا شہوار نے حیران ہو کر دیکھا۔  
”کب تک واپسی ہوگی؟“ مصطفیٰ نے دریدہ سے پوچھا۔

”یہ تو وہاں جا کر بتا چکے ہیں۔“ اس نے ایک لڑائی ہوئی۔ ”بڑے فاتحانہ انداز میں شہوار کو دیکھتے دریدہ نے کہا۔ شہوار لب بھینچ کر ابٹنی چائے کو دیکھنے لگی تھی۔

”اوکے میں چائے پی لوں پھر چلتے ہیں۔“ مصطفیٰ نے کہا دریدہ بیک لینے چلی گئی تھی۔ شہوار نے خاموشی سے چائے کپ میں اندلی گئی۔ مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھا تھا شہوار نے کپ اس کی طرف بڑھایا تو مصطفیٰ نے قہار لیا۔  
”تم بھی چلو۔“ اس نے بغور دیکھتے کہا۔

”نہیں مجھے اسٹڈی کرنی ہے میرے پاس وقت نہیں۔“ شہوار کا انداز سنجیدہ تھا۔  
”پتہ نہیں ہوتا یا آ کر کر لینا آؤ تمک ہو جائے گی۔“ مصطفیٰ نے سب لیتے ہوئے کہا تو اس نے سنجیدگی سے مصطفیٰ



کو دیکھا۔

”آپ دیکھو لے کر جائیں مجھے واقعی اسٹڈی کرنی ہے۔“ کہہ کر وہ نخل سے برتن سمیٹنے لگی تھی تب ہی دریا بھی اپنا بیک لے چلی آئی تھی۔  
”چلیں مصطفیٰ۔“

”یہ چائے پی لوں چتے ہیں۔“ مصطفیٰ نے کہا تو شہوار برتن سمیٹ کر سبک میں رکھنے لگی تھی، مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھا تھا۔



وہ اپنے کمرے میں بس کھولے بیٹھی ہوئی تھی جب صبحی بیگم اس کے پاس آ بیٹھی تھیں اس نے جس سے توجہ ہٹا کر انہیں دیکھا۔

”کیا بات ہے میں کچھ دن سے نوٹ کر رہی ہوں تم بہت اکھڑی اکھڑی سی: درہی ہو۔ کالج سے کمرے تک اور کمرے سے کالج تک: کوئی ایکٹیوٹیٹی ہی نہیں۔“ انہوں نے بیٹھتے ہی کہا تو اتانے چونک کر انہیں دیکھا۔

”ایسی کوئی بات نہیں اسٹڈی کا بہت حرج ہو چکا ہے بس اسی لیے بڑی ہوں۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا صبحی بیگم نے بغور دیکھا۔

”تمہیں پتا تو چل گیا ہوگا کہ خیا: بھائی تمہاری اور ولید کی شادی کی تاریخ فائنل کرنے کی بات کی ہیں۔“ انہوں نے کہا تو وہ سر جھکا گئی تھی۔

”جی۔“

”وہ تاریخ مانگ رہے ہیں میں نے سوچا تم سے بھی پوچھ لوں۔ تمہاری اسٹڈی کا شیڈول دیکھ کر ہی کوئی تاریخ رکھتے ہیں۔“ انا کچھ پل کے لیے بالکل ساکت بیٹھی رہی۔

”ہاں تو پھر کون سی تاریخ ٹھیک رہے گی؟“ انہوں نے پوچھا تو اتانے ایک گہرا سانس لیا۔

”ماما میں ابھی اس شادی کے حق میں نہیں ہوں پلیز ماموں کو منع کر دیں۔“ اس نے الجھ سنجیدہ تھا۔ صبحی بیگم نے چونک کر بیٹی کو دیکھا۔

”کیوں؟“

”میں بس ابھی اپنی ایجوکیشن مکمل کرنا چاہتی ہوں۔“ اسے بس یہی بہانہ سوچھا۔

”ایجوکیشن بعد میں بھی مکمل ہو سکتی ہے۔“

”نہیں ماما میں ابھی کسی بھی قسم کے بکھیڑے میں نہیں پڑنا چاہتی۔ میرے لیے سب سے پہلے میری ایجوکیشن ہے پلیز آپ منع کر دیں۔“ اس کا انداز قطعی تھا۔ صبحی بیگم نے بہت الجھ کر اس کے دویے ڈوٹ کیا تھا۔

”اے! کیوں مجھے پریشان کر رہی ہو کیا مسئلہ ہے مینا اولیٰ نے کچھ کہا ہے کیا؟“

”ماما میں کہہ چکی ہوں تاکہ کوئی اور بات نہیں اور میں بس اپنی ایجوکیشن کمپلیٹ کرنا چاہتی ہوں پلیز آپ ماموں کو کہہ دیں اگر پھر بھی وہ اصرار کریں تو میں خود ان سے بات کر لوں گی۔“ اس کا انداز بے لچک تھا صبحی بیگم پریشان ہو گئی تھیں۔

متنگنی کے بعد سے وہ انہیں خوش خوش دکھائی دینے لگی تھی لیکن پھر کچھ عرصے سے وہ پرانے مزاج میں لوٹ گئی تھی۔ نجانے کیا بات تھی وہ اپنی فیملی کو بھی تو کسی سے شیز نہیں کرتی تھی۔ وہ کتنے دنوں سے اس کے انداز و اطوار نوٹ کر رہی تھیں۔ نجانے کیوں انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ انا کے انکار کے پیچھے کوئی اور وجہ ہے۔



”ٹھیک ہے میں بھائی صاحب سے بات کرتی ہوں اور تمہارے پاپا سے بھی۔ تمہاری رخصتی ہو جاتی یہ ہم سب کی خواہش ہے۔ وہ دونوں خود ہی اب تم سے بات کریں گے جو بھی کہنا ہے اپنے پاپا کو ہی کہنا وہ تو مکمل طور پر شادی پر رضامند ہیں۔“ وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

”ایک دفعہ پھر سوچ لو کوئی جلدی نہیں۔ دو تین دن کا وقت ہے پھر جو بھی فیصلہ ہوتا دینا۔“ وہ کہہ کر چلی گئی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد وہ ایک دم لب بلب مچ گئی تھی۔ ہاتھ میں پکڑا ہوا تین کتابوں پر پھینک دیا۔ منج ولید کے ساتھ ہونے والی تلخ کلامی کے بعد اس کا دل جل کر ایسا راکھ ہو چکا تھا کہ اس ابس نہیں چل رہا تھا کہ ولید ضیاء سے جڑا نہ صرف ہر رشتہ ختم کر ڈالے بلکہ ساری زندگی کے لیے خود کو اس کی نظروں سے دور کر لے۔ وہ کچھ دیر تک بے حس و حرکت بیٹھی رہی تھی اور پھر اٹھ کر کمرے سے باہر آئی تو لاؤنج میں ایک محفل جمی ہوئی تھی۔ عی موجود تھے۔ ماما پاپا اسن روشی ماموں اور ولید۔۔۔۔۔ سب سے پہلے ولید کی بنی نگاہ اس پر پڑی تھی وہ لاؤنج کے دروازے میں کھڑی تھی۔ ولید کے چہرے پر ایک دم سنجیدگی چھا گئی تھی اس نے چہرے کا رخ موڑ لیا تھا۔ انا کے اندر سکتی آگ کا لاؤنج پر پھڑکنے لگا تھا۔ دوسری نگاہ ماموں کی اس پر پڑی تھی وہ اسے کچھ کر مسکرائے تھے۔ ”اما بیٹا! یہ میں کیا سن رہا ہوں۔“ انہوں نے کہا تو وہ لب بلب مچ گئی تھی یعنی ماما نے اس کا انکار سب تک پہنچا دیا تھا۔ ”ادھر آؤ میرے پاس۔“ انہوں نے باایا تو وہ ان کے پاس صوفے پر آ بیٹھی تھی انہوں نے اسے بازو کے حصار میں لے لیا تھا۔ سبکی نے ان دونوں کو دیکھا تھا ماموں نے ولید کے وہلی وی کی طرف متوجہ تھا۔ ”صبوحی بتا رہی تھی کہ تم نے ابھی شادی کے لیے اٹار کر دیا ہے۔“ انہوں نے پوچھا تو وہ سر جو کا گئی ولید نے بھی اسے دیکھا انا نے سر ہلایا تھا۔

”کیوں بیٹا!“ انہوں نے پوچھا۔

”میں ماما کو وجہ بتا چکی ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔

”یہ اتنا بڑا پرائیم نہیں ہے کہ تم اس کو وجہ بنا کر شادی سے انکار کرو۔ تم شادی کے بعد ایجوکیشن باری رکھ سکتی ہو تمہاری دوست بھی تو شادی کے بعد پڑھ رہی ہیں۔“ انہوں نے کہا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ ”شہوار کے ساتھ مسئلہ تھا اس لیے اس کی شادی ہو گئی تھی جبکہ میرے ساتھ کوئی پرائیم نہیں ہے۔ اپنی ایجوکیشن مکمل کرنا چاہتی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ میں سے کوئی بھی مجھے فورس نہیں کرے گا۔“ اس کا لبجواب بھی قطعی تھا۔ ”لیکن شہوار۔۔۔۔۔“ صبوحی بیگم نے کچھ کہنا چاہا تو ضیاء صاحب نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

”تمہاری بات ٹھیک ہے، ہم تمہیں فورس نہیں کر رہے ہیں۔ لیکن یہ میری خواہش بھی کہ تمہاری اور ولید کی شادی ہو جاتی۔“ ماموں نے رسائیت سے کہا۔

”میں آپ کی خواہش کا احترام کرتی ہوں ماموں لیکن میں خود کو ذہنی طور پر اس کے لیے تیار نہیں کر پا رہی۔ پلیز مجھے بار بار مت کہیں میرا جواب یہی ہوگا۔“ وہ بہت سنجیدگی سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

”مکسکیو زئی۔“ وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھی ولید نے بہت ضبط سنا سے وہاں سے جاتے دیکھا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے؟

انا کے انکار پر اس کی انا نیت پر ایک گہری چوٹ لگی تھی۔ وہ پہلے ہی اس کے رویوں کو لے کر بھلی تھا اور اب اس کے انکار نے اس کے دل و دماغ کو الجھ دیا تھا۔ اس نے دیکھا انا کے انکار کے بعد ضیاء صاحب کا چہرہ مر جھا گیا تھا۔ ولید کے اندر ایک دم شدید خطرہ کی کیفیت نے جنم لیا تھا۔



”آپ پریشان نہ ہوں میں اس سے خود ہات کروں گا وہ انکار نہیں کرے گی۔“ وقار صاحب نے کہا تو ضیاء صاحب مسکرا دیئے۔

”کوئی بات نہیں وہ انرا بھی راضی نہیں تو کوئی زبردست نہیں۔ یہ تو بس میری خواہش تھی ولید بھی کہاں راضی تھا وہ خود چاہتا تھا کہ پہلے انا کی ایجوکیشن مکمل ہو جائے اور اب وہ بھی یہی کہہ رہی ہے بچوں کی یہی خواہش ہے تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔“ ضیاء صاحب نے خود کو سنبھال لیا تھا جبکہ ولید خود کو سنبھال نہیں پا رہا تھا۔ وہ کچھ دیر بیٹھے رہنے کے بعد وہاں سے اٹھ گیا۔

اس کے اندر ایک عجیب سا طوفان اٹھ رہا تھا وہ اپنے والے پورشن کی جانب جانے کی بجائے انا کے کمرے کی طرف چلا آیا تھا۔ اس نے دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھٹکا چلا گیا تھا۔ انا بستر کے کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی تھی اور گردن بکس موجود تھیں دروازہ کھلنے پر وہ فوراً سیدھی ہوئی تھی۔ ولید کو دیکھ کر اس نے فوراً اپنا چہرہ صاف کیا تھا۔ ولید کمرے میں چلا آیا تھا۔

”کیوں انکار کیا تم نے؟“ اسے دیکھتے ولید نے پوچھا لہجہ میں تیزی تھی۔

”میں آپ کے سامنے جواب دہ نہیں ہوں۔“ انا کے لہجہ میں تیزی تھی۔

”کیا مسئلہ ہے تمہیں؟ سب کچھ سیدھا سیدھا چل رہا ہے کیوں سب خراب کرنے پر تلی ہوئی ہو۔“

”میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی آپ چلے جائیں میرے کمرے سے۔“ انا کی برہمی کا وہی عالم تھا۔

”تمہارا دماغ خراب ہے اور کچھ نہیں۔“ ولید کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کھینچ کر ایک توپڑا اس کے منہ پر لگا دے اس کے اندر آتش فشاں پھٹ پڑنے کو تھا۔ وہ کمرے میں ٹھٹھکا انا اتنے اعصاب سے سیدھا ہی تھی۔

چند لمبے اپنے غصے پر قابو پاتے وہ پلٹا انا اسی طرح بستر کے کنارے بیٹھی ہوئی تھی، ہنر وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔ انداز صلح جو تھا۔

”دیکھو انا جو بھی ہو رہا ہے اچھا نہیں ہو رہا تم جو بھی سوچ رہی ہو وہ سب بے معنی ہے۔“ ولید نے انا کا ہاتھ تھامنا چاہا تو اس نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔

”میں آپ سے کہہ چکی ہوں کہ مجھے کسی بھی سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنی۔“ انا کا انداز بے چلک تھا۔ ولید نے مٹھیاں بھیجنے لگی تھیں۔

”تم میرے اور اپنے لیے بہت سے مسائل پیدا کر رہی ہو۔“ ولید نے تلخی سے کہا۔

”میں سب اچھی طرح جانتی ہوں کہ میں کیا کر رہی ہوں اور کیوں کر رہی ہوں؟ میں آپ جیسے دھوکے باز فلمی انسان کے ساتھ زندگی نہیں گزارنا چاہتی سو میں انکار کر چکی ہوں مجھے کوئی مجبور نہیں کر پائے گا۔“ وہ چیخ کر رہی۔

”شٹ اپ۔“ ولید اس کے الفاظ پر ایک دم آپے سے باہر ہو گیا تھا اس کا ہاتھ بے اختیار اٹھا تھا۔

انا کے چہرے پر اس کی انگلیوں کے نشان ثبت ہو چکے تھے انا نے بے یقینی سے ولید کو دیکھا تھا۔

”آئندہ میرے بارے میں ایسا کچھ کہا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ تم ایک شکی مزاج اور بد تمیز لڑکی ہو دماغ خراب تھا میرا جو تم سے بات کرنے چلا آیا۔ تم میرے ساتھ زندگی گزارنے سے انکار کیا کرو گی اس خود تم سے متعلق ہر تعلق کو رد کرتا ہوں۔“ ولید کے اندر کا آتش فشاں ایک دم پھٹ پڑا تھا۔ انا بے اختیار رخسار پر ہاتھ رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

”میں پاگلوں کی طرح تم کو وضاحتیں دیتا پھر رہا ہوں دماغ خراب ہے تمہارا۔ تم کتنی یا کاغذ سے متعلق جو بھی سوچتی ہو وہ صرف تمہارے دماغ کا فتور ہے اور کچھ نہیں۔“ تلخی سے کہہ کر وہ پلٹا اور پھر دروازے کے پاس جا کر رک رک کر پلٹ کر



ابے دیکھا تھا۔ وہ شدت سے رو رہی تھی اور زندگی میں پہلی بار اسے روتے دیکھ کر کوئی غصہ نہیں ہوا تھا غصے سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن پھر لب بھیج کر وہاں سے نکل آیا تھا۔ انا کے منہ سے دھوکے باز اور قلربی کے الفاظ نہ کرو لید کو لگ رہا تھا کہ قشار خون ایک دم بڑھ گیا ہے۔

ولید کو اپنے ہاتھ اٹھانے پر کوئی شرمندگی نہ تھی وہ ایک دم اپنی انا کے حصار میں مقید ہو گیا تھا۔ وہ اپنے پورشن کی طرف آ گیا تھا اپنے کمرے کی طرف جانے کی بجائے وہ میز پر ٹہل رہا تھا۔ اس کے اندر سے وہ کہتا تھا کہ انا کے لیے غم و غصے کے بادل اٹھ رہے تھے۔ وہ دھیمے مزاج کا انسان تھا لیکن انا کے الفاظ نے گویا اس کے سارے نمبر اسٹ کا حشر نشر کر دیا تھا۔ اس کے اندر گویا ایک دم بھانپڑا جل اٹھے تھے۔

انا کس قدر واضح الفاظ میں اس کی تذلیل کر چکی تھی اس کے اندر وہ کہتا تھا کہ وہ کیوں اس کے روم میں گیا تھا۔ کیا ضرورت تھی اس سے بات کرنے کی؟ جھپٹتے جھپٹتے وہ جھکنے لگا تو بے دم سا ہو کر میز کی سیرجیوں پر جا بیٹھا تھا۔



رات کے بارہ بج رہے تھے مصطفیٰ ابھی تک نہیں لوٹا تھا۔ مصطفیٰ اور درویش کے جانے کے بعد، کمرے میں چلی آئی تھی۔ عشاء کی نماز پڑھ کر وہ اسٹڈی کرنے لگی تھی لیکن بار بار ذہن مصطفیٰ کی طرف راغب ہونے پر وہ سب کچھ سمیٹ کر لیٹ گئی تھی لیکن نیند کو سوں دور تھی۔ وہ لائٹس آف کیے سوئے سے زیادہ مصطفیٰ کی آمد کی منتظر تھی۔ مصطفیٰ کے درویش کے ساتھ چلے جانے سے اس کے اندر عجیب سی کیفیت پیدا ہو رہی تھی بارہ بج کے قریب گاڑی کا مخصوص ہارن سنائی دیا تھا۔ یہ مصطفیٰ کی گاڑی تھی یقیناً وہ آ گیا تھا۔

بہت دنوں بعد وہ اپنی گاڑی خود دروازے کے گیارے کھول کر باہر نکلی۔ مصطفیٰ کچھ دیر بعد کمرے میں داخل ہوا تھا۔

لائٹس آن کیں تو نگاہ سیدھی بستر کی طرف اٹھی تھی۔ شہوار کمرے میں لپٹی ہوئی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا اور یہ کہہ کر اپنے کمرے کی ہامی بھرتا تو محض شہوار کو ستانے کی خاطر تھا لیکن وہاں جا کر اندازہ ہی نہ ہوا تھا کہ اتنی دیر لگ جائے گی۔ مصطفیٰ اپنا نائٹ ڈریس الماری سے نکال کر واش روم میں کھس گیا تو شہوار نے دروازہ بند ہونے کا آواز پر بازو ہٹا کر دیکھا اور پھر آنکھیں موند لیں۔

درحقیقت مصطفیٰ کے اس طرز چلے جانے سے وہ اندر ہی اندر سخت خفا تھی مصطفیٰ لباس بدل کر آیا تو شیشے کے سیانے کھڑے ہو کر بال بنانے لگا تھا خود پر پر فہم اسپرے کیا اور پھر بستر کی طرف چلا آیا۔ شہوار سر تک مبل اوڑھے ہوئی تھی۔ وہ اس کے قریب نہ دروازہ ہو گیا تھا۔

”شہوار.....“ اس نے پکارا تھا لیکن دوپے جس حرکت دی۔

”شہوار.....“ اس نے اس کے منہ سے کہل کھینچا۔

”اٹھ جاؤ یا ر مجھے پتا ہے تم جاگ رہی ہو۔“ اس پر جھکتے ہوئے اس نے شرارتی لہجے میں کہا تھا۔ شہوار نے آنکھیں کھول کر سنجیدگی سے دیکھا اور پھر پلکیں موند کر کرکٹ بھی بدل لی۔

”مجھے شک نہ کریں سونے دیں۔ صبح کالج جانا ہے خواہوا لیٹ ہو جاؤں گی۔“ آواز میں خفگی تھی۔ مصطفیٰ نے اس کا بازو تھام کر اس کا رخ اپنی طرف کر لیا۔

”ماراض ہو۔“

”آپ کو میرے مارض ہونے کی کیا پروا؟“ لہجے میں بے پناہ خفگی تھی۔ مصطفیٰ یک دم مسکرایا۔



”سوری دریہ کو ذرا پ کرنے گیا تھا زہد اور شائستہ بھابی نے روک لیا۔ بس باتوں ہی باتوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہا۔“

”آپ سو جائیں تھک گئے ہوں گے۔“ مشہوار نے کہا تو مصطفیٰ نے گھورا۔  
 ”ہاں گاڑی تو میں اپنے کندھوں پر اٹھا کر لایا ہوں نا۔“ مصطفیٰ کا انداز مسکراتا ہوا تھا مشہوار اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔  
 ”دریہ بھی آگئی واپس یا وہیں رک گئی ہے۔“  
 ”وہیں رک گئی ہے کل آ جائے گی۔“ اس نے کہا۔  
 ”آپ جس کام سے گئے تھے دھمک ہو گیا۔“  
 ”بہت ہی اچھا ہو گیا۔“

”آج ای کی کال آئی تھی۔“ وہ جوابی تک کسی کو بھی بتانہ پائی تھی ایک دم مصطفیٰ کے سامنے کہہ گئی، مصطفیٰ ایک دم چونکا۔  
 ”کب؟“

”آج جب میں کوچ سے لوٹی تھی جب۔“  
 ”ویری گڈ..... کیا کہا تھا کچھ بتایا کہ کہاں ہیں وہ؟“  
 ”نہیں، بس مجھ سے بات کی تھی میں نے کئی بار پوچھا لیکن انہوں نے کچھ بھی نہ بتایا۔“ بتاتے بتاتے اس کی آواز میں نمی کھل گئی تھی۔

”وہ کیوں کر رہی ہیں ایسا؟ میں نے کہا بھی تھا وہ آ جائیں واپس۔ میں کچھ بھی نہیں پوچھوں گی لیکن انہوں نے پھر بھی انکار کر دیا۔“ وہ رو پنے کو بھی مصطفیٰ نے بہت محبت سے اسے ساتھ لگا لیا۔

”اور کیا بات ہوئی؟“ مشہوار دھیرے دھیرے سب بتاتی گئی، مصطفیٰ نے بغور سنا تھا۔  
 ”نمبر لوٹ کیا جہاں سے کال آئی تھی۔“ تمام تفصیل سننے کے بعد مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔  
 ”موبائل میں ریسیڈ کالز کے اندر ہی ہے۔“ سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھا کر نمبر نکال کر اس نے مصطفیٰ کو دیا۔ مصطفیٰ نے چند پل نمبر کو بغور دیکھا تھا۔

”یہ تو لینڈ لائن نمبر ہے۔“ مصطفیٰ نے نمبر دیکھتے ہی کہا۔ وہ اپنے موبائل پر نمبر ڈائل کر کے چیک کرنے لگا تھا، مشہوار خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔ رات کے اس پہر کال جاتی رہی تھی لیکن کسی نے ریسیڈ نہ کی تو مصطفیٰ نے پھر کسی اور جگہ کال کی تھی۔

”کیسے ہو؟ ہاں اللہ کا شکر ہے ایک کام ہے چھوٹا سا ایک لوکیشن ٹریس کروانی ہے۔ نمبر لکھو مجھے سچ بتا دینا کہ یہ کس جگہ کا نمبر ہے اور کس نمبر لکھو۔“ مصطفیٰ نے اسے نمبر لکھوا دیا تھا۔ مشہوار خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔

”جب کال آئی تھی اسی وقت مجھے کال کرتی، اکیس منٹ اور 15 سیکنڈ کال چلی ہے تب تک فوراً لوکیشن ٹریس ہو جاتی تھی۔ خیر اب کل پتا چلے گا میں خود دیکھتا ہوں۔“

”میں نے کال کی تھی آپ بڑی تھے آپ نے کال کاٹ دی تھی۔“  
 ”ہاں اس وقت میں واقعی بڑی تھی بس تم فکر نہیں کرو ان شاء اللہ سب پتا چل جائے گا۔“

”اور جہاں آپ پہلے گئے تھے وہاں کا کچھ پتا چلا؟“  
 ”نہیں اب کل ہی وہاں کا چکر لگاؤں گا دیکھتے ہیں کیا بنتا ہے۔“ وہ سر ہلا رہی تھی۔ لیکن چہرے پر مہرے تلک اور





online magazine .pk.com/recipes

aanchal.com.pk

یہ نکتہ پڑھنے والوں کے لیے ہے

نورجی

نارہ شمارہ شائع

ہو گناہ

## مارچ 2015ء کے شمارے کی ایک جھلک

تفصیل: یہ کہانی ایک ایسے مرد کی ہے جو اس کا آئندہ تھا۔ اس نے ان لوگوں کو اپنی نگاہوں سے دیکھا جو اپنے آپ کو دنیا کی برتری کے لیے لڑنے کی جہنم میں انسانیت کے دشمن بن گئے۔

جنگل سسٹم: تاریخ کے صفحات میں محفوظ سرزمین پہاڑ کی ایسی دنگل اور داستان روزگار و دستوں میں شور مچاتی ہے۔ یہ کہانی ان لوگوں کے لیے ہے جو فساد جبروت ہے جو آئے والی اسلوں کو اتمام اور جہنم کے جذبات سے بھل کر رہے ہیں اور سیدھے سادھے لوگوں "جنگل سسٹم" میں جاتے ہیں۔ "جنگل سسٹم" کہاں سے چلا اور کہاں پہنچا؟ آئیے قارئین یہ جاننے کے لیے ہم بھی زیر نظر کہانی میں "جنگل سسٹم" کے ساتھ ساتھ گاؤں کے سربراہ تیلیوں اور ان کے بچے بچوں اور ان کے گھر گھر رات کے شیبہ و فراز میں سفر کرتے ہیں۔

یاد رکھیں: ہم اور ایک سے دور تک کی داستان۔ ایک مجرم کی روداد جسے اس کے احساس نہ اس نے مجرم نہ رہنے دیا۔ کسی برگزیدہ دوستی کی نظر بگاڑ کر شہر۔ ایک بے وقافی کے دھاتی کافسانہ۔ کسی کی بے لوث چاہت کی کہانی۔ ایک عظیم ذوق کی عظمت کا احوال جو صحت کی اذیت بھلا کر انہماک کے گرد آلوکلو سے پر محاف لکھتا رہا۔ آپ بلند حوصلہ باپ کی چٹا جو اپنے بیٹے کی وصیت پر پابند رہا۔ سلاخوں کے پیچھے چھپے قیدیوں کے لیے امید کی ایک کرن۔ آتش دلوں کے لیے ہلور خاص آسوں کی روشنی سے لکھا جانے والا ناول۔

فیسر سیاسی استعمار اور امارے ملک میں کتنے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں نے اپنے جوتھوں میں ڈگریاں لیے تھیں مگر ان کو کبھی تواری نہیں ملتی تھیں۔ ہمارے ملک کا نظام ہی غراب ہے۔ یہاں صرف ان کو تو کوری ملتی ہے جس کی کوئی بڑی سفارش ہوتی ہے یا پھر وہ رشوت دینے کا اہل ہوتا ہے۔ حالات کی ستانی نیک جرنلسٹ کی کا احسان جس نے ہر کسی اور عزیزی پر درہنہ بھرا دیکھا تھا۔ سیاسی کردارم فیسر کے لیے ہلور خاص ایک غیر سیاسی

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

WWW.PAKSOCIETY.COM



سوج کے سائے تھے، مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ تھام کر دیا تو وہ گہرا سانس لے کر دو گئی۔

”سب ٹھیک ہو جائیں گے گاؤنٹ وری۔“ اس نے سر ہلادیا تھا۔

”میں تمہارے لیے کچھ کفلس لایا تھا وہ دیکھو گی؟“ مصطفیٰ نے پوچھا تو وہ چونکی نفی میں سر ہلایا تو مصطفیٰ نے خود ہی اٹھ کر اپنے ساتھ لائے ہوئے بیگ کو کھول کر اس میں سے کچھ چیزیں نکالی تھیں۔

”نہیں وہاں شاپنگ کے لیے گیا تو سوچا تمہارے لیے بھی کچھ لیتا چلوں۔“ پر فیوم ایک خوب صورت ڈریس کے علاوہ ایک چھوٹا سا جیلری باکس تھا۔ مصطفیٰ نے تینوں چیزیں اسے تمہاری تھیں۔ کبھی کبھار بہت ہی پیارا تھا اور قیمتی بھی۔ شہوار کے چہرے پر خوش گوار سا تاثر ابھرا تھا۔ مصطفیٰ نے جیلری باکس ہاتھ لیا تھا۔

”میں نے وہاں جیلری کی شاپ دیکھی تو یہ پسند آ گیا تھا سو چا کہ تمہارے لیے اہتاپلوں۔“ مصطفیٰ نے باکس کھول کر اس کے سامنے کیا ایک خوب صورت نقش سا برہے سلطیٹ تھا۔

”بہت ہی پیارا۔“ شہزاد کو بریرہ سلیف واقعی پسند آیا تھا اس سے پہلے کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اٹھتی مصطفیٰ نے خود ہی بائیں سے بریرہ سلیف تکلیں کر اس کا ہاتھ تمام لیا تھا۔

”مجاہدیت ہے نہ! اسلام شریعتاً و دیناً جو چاہے مکتبی کی تھی۔ مصطفیٰ نے اس کی کلائی میں وہ برہمیلیف سجادی تھی۔ ایک کلائی میں گولڈ کے ٹکٹن تھے جو مالِ مٹی نے پہنائے تھے۔ دوسرے میں برہمیلیف اس۔ یہ دونوں ہاتھ جگ سے گئے تھے۔“

”جبرِ اخیال ہے کہ اب ہماری مٹی والی صلح ہو گئی ہے۔“ مصطفیٰ نے چھیڑا تو سر پہ پاول ایک سرخ پڑ گئی تھی۔

”خیر تمہارا تو وہ روغنائی والا گٹ بھی مجھ پر ڈلو ہے یا کھد ہے تھے کہ ویسے کا فٹ لکسن ارج کرنا ہے تب تک ڈیو ہی سمجھو اب تو مجھ سے کوئی گلہ نہیں ہے۔“ وہ بار بار اپنے ہاتھوں کو یکدم ہی تھپی جب مصطفیٰ نے پوچھا۔

”مجھے پہلے بھی کوئی گلہ نہیں تھا۔“

”ارے.....!“ مصطفیٰ حیران ہوا پھر ہنس دیا۔ ”انتہرا اجموٹ؟“

”لو کہ جو مجھ سے ایسا لڑتا وہ سب تو محض شوق تھا۔“ وہ شرمندہ ہو گئی تھی۔

”میں اپنے ان سب رویوں کی وجہ سے تنہا ہوں اگر آپ نے دوبارہ ان کا ذکر کر کے شرمندہ کیا تو پھر میں واقعی آپ سے ناراض ہو جاؤں گی۔“ مصطفیٰ کی محبت نے اس کے اندر عجیب سا احساسِ تضرع پیدا کر دیا تھا اس نے بڑے مان سے کہا تو مصطفیٰ کھٹکھٹا ہنس دیا۔

”تمہارا ہر روپ سراسر آنکھوں پر ناخوش ہو کر دیکھو تو سب کی دیکھنا کیسے منانا ہوں تمہیں۔“ مصطفیٰ نے والہانہ اعجاز میں کہتے اسے گرم جوشی سے خود میں سمیٹ لیا تھا۔

شہوار نے مصطفیٰ کو دیکھا اس کی آنکھوں میں اس کے لیے بے پناہ محبت اور جذبول کا ایک شہا نہیں رہتا سمندر تھا وہ بے اختیار دنگا ہیں جھکا گئی تھی۔ مصطفیٰ اپنے گزرے دنوں کی دل پر بھی ایک ایک و رعات سنانے لگا تھا اور وہ شرمیلی مسکراہٹ لیے پوری توجہ سے اس کی تمام حکایات سن رہی تھی۔



وہو کر بھی تو سر سے پاؤں تک نہال تھی مصطفیٰ کی محبتوں اور شدتوں نے اسے گویا سر سے پاؤں تک خرید لیا تھا اس کے ہونٹوں پر ایک شریکی سی مسکان تھی اس نے بڑی محبت آمیز نگاہوں سے مصطفیٰ کو دیکھا تھا۔ مصطفیٰ اس کے پہلو میں بے خبر سو رہا تھا چہرہ پر مغرور نقوش اپنی تمام تر آن و بان سے اس کے دل کو اپنی طرف متوجہ ہے۔



شہوار نے جبکہ کراس کی پیشانی پر بکھرے بال نرمی سے پیچھے ہٹائے تھے۔ ایسے عالم میں: جب وہ اپنی ذات کے اعتماد سے محروم ہو چکی تھی مصطفیٰ کی محبتوں نے اسے خرید لیا تھا۔ دوسرے پاؤں تک اس کی محبت کی پھوار میں بھیگ چکی تھی۔ مصطفیٰ پر کبل درست کرتے اپنے لیے بال سینٹے وہ بستر سے اتر آئی تھی۔

نماز ادا کر کے وہ باہر نکلے تو ماں گئی لالہ لاؤں میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں وہ ادھر ہی آ گئی تھی۔  
 ”السلام علیکم!“ اس نے سلام کیا تو انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ پچھلے تمام تردنوں کے رُخس شہوار مکمل طور پر نکھری اور تر و تازہ دکھائی دے رہی تھی۔ انہوں نے ایک مسکراتی گہری نگاہ اس کے وجود پر پھجھوڑ کی ان کا دل اک اطمینان سے بھر گیا تھا۔

”وعلیکم السلام!“ انہوں نے محبت سے کہا۔ ”جیتی رہو سدا سہا گن رہو۔“ انہوں نے دعا بھی دی تھی۔ شہوار جھینپ گئی۔  
 ”میں باہر لان میں جا رہی ہوں۔“ وہ انہیں بتا کر کچھ دیر تک لان میں شہلتی رہی تھی۔  
 اس وقت اس کے ذہن و دل میں مصطفیٰ کے علاوہ اور کوئی بھی احساس نہ تھا۔ چلتے چلتے اس نے گلاب اور موتیا کے پردوں سے پھولوں کو اکٹھا کیا اور وہ بارہ روم میں آئی تو مصطفیٰ ابھی بھی سو رہا تھا۔  
 شاید گزشتہ دنوں کی ہماگ دوز کی تھکن تھی اس نے دوپٹے میں مقید تمام پھولوں کی کلیاں ڈر بنگ ٹیبل پر رکھ دی تھیں کمرے میں پھولوں کی بھیننی بھیننی معطر سی مہک پھیل گئی تھی بڑا خواب ناک سا ماحول تھا اس نے وقت دیکھا سات بج رہے تھے پھر وہ مصطفیٰ کی طرف چلی آئی تھی۔

”مصطفیٰ.....“ اس نے مصطفیٰ کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے فوراً ہلکیس وا کر دی تھیں شہوار کا چہرہ اس کے سامنے تھا تمام تر دلکشی و معطر پن لیے۔ مصطفیٰ نے ہاتھ بڑھا کر چھونا چاہا تو سیدھی ہو گئی تھی۔  
 ”آپ نے آفس نہیں جانا سات بج رہے ہیں۔“ وہ کمرے میں بکھری چیزیں سینٹنے لگی تھی۔ مصطفیٰ نے لیٹے لیٹے ہی دیکھا شہوار کے انداز میں وقار اور رکھ رکھاؤ تھا۔

لیجے بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے جنہیں دوپٹے سے ڈھانپ رکھا تھا۔ شرم و حیا اور جبکہ ضرورتی لیکن عام لڑکیوں کی طرح سمجھو راہن نہ تھا۔

”آپ ناشتے میں کیا لیں گے؟“ چیزیں سینٹ کر وہ بستر کی طرف چلی آئی تھی۔  
 آج میرا موڈ تمہاری پسند سے ناشتا کرنے کا ہے جو دل چاہے کھلا دو۔“ مصطفیٰ کبل ہٹا کر بستر سے اتر کر اسے قریب کر کر اپنی محبت کا مظاہرہ کرتے مسکرا کر کہا تھا وہ سرخ پڑ گئی تھی۔  
 ”آپ فریش ہو لیں میں ناشتہ تیار کرواتی ہوں۔“

مصطفیٰ سے نگاہیں چمکے پیچھے ہٹے اس نے کہا تھا۔ الماری سے اس کا لباس نکال کر وہ واش روم میں لٹکا آئی تھی۔ مصطفیٰ واش روم میں گھسا تو وہ باہر آ گئی تھی۔ کچن میں لائے بھابی ملازمہ سے ناشتا تیار کر رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر مسکرائی تھیں۔

”مصطفیٰ رات کب سونا تھا؟“ وہ فریج کھول کر دیکھ رہی تھی جب بھابی نے پوچھا۔  
 ”سو با رہے کے قریب آئے تھے۔“

”ذرا اس در پہ پر نظر رکھنا اچانک ہی بیٹھے بٹھائے اس کا بروگرام شائستہ کے یہاں جا۔“ نے کابین گیا تھا عباس بھائی نے کہا بھی تھا کہ وہ ڈراپ کر دیں گے لیکن منع کر دیا کہ وہ مصطفیٰ کے ساتھ جائے گی مجھے تو ہالکا بھی اچھا نہیں لگتا لیکن چپ رہی کہ خواہ مخواہ لاشون بن جائے، ماں جی کو بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔“ بھابی کی بات سن کر وہ الجھتی تھی۔



”جہیں مصطفیٰ بہت اچھے ہیں میرا نہیں خیال کہ وہ در یہ جیسی لڑکیوں پر توجہ بھی دیں۔“ شہوار نے کہا تو بھابی نے گھبرا۔  
 ”اتنا اعتماد بھی اچھا نہیں ہوتا در یہ جیسی لڑکیوں کا کوئی بھروسہ بھی نہیں ہے تو ہمارے خاندان کا حصہ لیکن ہمارے  
 خاندان والی کوئی خوبی اس میں موجود نہیں ہے۔ مصطفیٰ بھی مرد ہے نہ جانے کب در یہ کا جادو چل جائے۔“ لائبہ کے الفاظ پر  
 وہ پریشان ہو گئی تھی۔

”اور ہاں اچھی لگ رہی ہو مصطفیٰ سے نظر ضرور اتر وانا۔“ اس کے سراپے کو دیکھتے لائبہ نے معنی خیز انداز میں  
 کہا تو وہ مسکرا دی۔

ناشتہ سب ہی نے ایک ساتھ کیا تھا ناشتے کے بعد وہ کمرے میں تیار ہونے کی تو مصطفیٰ بھی چلا آیا تھا۔  
 ”وہاں سینے کے سامنے کھڑی بال ہمارے تھی جب مصطفیٰ نے اسے عقب سے تھام لیا۔  
 ”آج کالج مت جاؤ۔“ لہجہ میں فرمائش تھی۔ بالوں میں برش کرتا ہاتھ رک گیا تھا۔  
 ”کیوں؟“

”مجھے آفس میں کچھ کام ہے وہ دیکھ لوں پھر آؤ ٹھیک پر چلتے ہیں آج سارا وقت تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔“  
 مصطفیٰ کے پردگراں پر حیران ہوئی تھی۔ رات تک تو مصطفیٰ کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔

”کیا خیال ہے؟“ اس نے اثبات میں سر ہلادیا۔  
 ”گڈ گرل میں تیار ہو کر آفس کا چکر لگا لوں پھر گھر آتا ہوں تم بھی تیار رہنا۔“ مصطفیٰ اپنی محبت کا والہانہ اظہار کرتا  
 وہاں سے دوش مدم کی طرف چلا گیا تھا جبکہ وہ اپنے دل کی دھڑکنوں کو سنبھالی مسکرا کر مصطفیٰ کی گود بٹھکتی رہی تھی۔  
 آفس کا چکر لگا کر مصطفیٰ ایک اور جگہ چلا آیا تھا۔ مصطفیٰ نے اپنا تعارف کر لیا تو مقابل شخص فوراً چوکنہ ہو گیا تھا۔ مصطفیٰ  
 نے اس سے سکند اور اس کی فیملی کے بارے میں پوچھا تو جواب اس شخص نے جو انکشافات کیے تھے مصطفیٰ سن کر ششدر  
 رہ گیا تھا۔ مصطفیٰ اس سے مختلف سوال کرتا رہا اور وہ شخص مختلف جواب دیتا رہا تھا۔ اس سے بات کرنے کے بعد مصطفیٰ  
 بہت الجھ گیا تھا ہر جواب غیر یقینی تھا۔

مصطفیٰ کے ذہن کے کسی بھی گوشے میں نہ تھا کہ یہاں آ کر اسے ایسی معلومات ملیں گی۔ وہ جو ہمیشہ کچھ اور ہی سوچتا  
 رہا تھا اس مقام پر آ کر اس کی سوچ یکسر بدلتی تھی۔ وہ اس شخص کا شکریہ ادا کرتے وہاں سے نکل آیا تھا۔ وہ اب ایک اور جگہ  
 جا رہا تھا۔ کافی سا مافاصل طے کرنے کے بعد وہ جس جگہ پر آیا تھا وہ وہی سی اوتھا۔ مصطفیٰ نے وہی سی لو کے مالک سے باز پرس  
 کی تو وہ پریشان ہو گیا تھا۔

”صاحب یہاں روز کی لوگ کال کرتے آتے ہیں اب ہمیں کیا علم کہ کون کیا ہے ہمارے دو تین عورتوں نے کال کی تھیں  
 اور جو وقت آپ ہمارے ہیں ایک عورت آئی تو تھی تنہا تھی کچھ دیر بات کی تھی اور پھر پے پیسہ کر کے چلی گئی تھی۔“  
 ”تم جانتے ہو کہ وہ عورت کہاں سے آئی تھی؟“ مصطفیٰ نے پوچھا تھا اس نے نفی میں سر ہلادیا۔  
 ”جہیں صاحب، میں نہیں جانتا۔“

”اوکے اب اگر وہ عورت آئے تو تم نے فوراً مجھے اس نمبر پر کال کرنی ہے تم نے کوئی کوتاہی نہیں کرنی۔“  
 ”جی صاحب؟“ مصطفیٰ نے اسے اپنا کارڈ دیا تو وہ فوراً رضامند ہو گیا تھا۔

”دوبارہ وہ عورت آئے تو تم پہچان لو گے نا؟“ مصطفیٰ نے پوچھا۔  
 ”جی صاحب فوراً پہچان لوں گا۔“

”اوکے..... اپنا نمبر لکھاؤ مجھے۔“ مصطفیٰ نے اس کا سیل نمبر لے لیا تھا۔



## باتیں یاد رکھنی

- غم کتنا ہی سنگین کیوں نہ ہو نیند سے پہلے تک ہوتا ہے۔
  - کائنات کا کوئی غم ایسا نہیں جو برداشت نہ ہو سکے۔
  - جوانی سولہ سال کی عمر کا نام نہیں ہے ایک اندازہ فلکڑا اندازہ زندگی کا نام ہے ہو سکتا ہے ایک شخص سولہ سال کی عمر میں بوڑھا ہو اور ساٹھ سال کی عمر میں جوان ہو۔
  - جو بات آپ کے دل میں اتر گئی وہی آپ کا انجام ہے اگر آپ کو موت آ جائے تو جس خیال میں آپ مریں وہی آپ کی عاقبت ہے۔
  - جو کسی مقصد کے لیے مارتے ہیں وہ مارتے نہیں جو بے مقصد جیتے ہیں وہ جیتے نہیں۔
- کائنات عابد..... فیصل آباد

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے مصطفیٰ کا ذہن تابندہ ہوا اور سکندر کے بارے میں بہت کچھ سوچ رہا تھا۔



عبدالقیوم لیاڑ کے پاس آئے۔ متعدد دن بعد کی اس کی سیٹ کنفرم ہو گئی تھی۔ لیاڑ بہت خوش تھا جبرہ عبدالقیوم نجید۔ آج کل ان کے گرد پولیس کا گھیراؤ تھا۔ ہوتا جا رہا تھا ان کے کچھ ذرائع نے انہیں خبردار کیا تھا کہ وہ جلد از جلد اپنا سب کچھ سمیٹ کر کہیں اور شفٹ ہو جائیں اگر ایک بار ان پر گرفت ہو گئی تو بہت سخت ہوگی۔ لیاڑ کا معاملہ بینڈل ہو گیا تھا بس اس کے یہاں سے نکلنے کی دیر تھی اب باقی معاملات وہ جلد از جلد بنانے کی کوشش میں تھے۔

”تم یہاں سے جانے کے بعد ایسی ویسی کوئی حرکت نہیں کرو گے مجھے بھی دو تین ماہ لگ جائیں گے یہاں سے شفٹ ہونے میں اس کے بعد دیکھیں گے کیا کرتا ہے ہمیں۔“ وہ لیاڑ کو سمجھا رہے تھے اس نے ٹھنڈے سر ہلایا۔ ورنہ اس کے دل و دماغ میں یہ پھانس رہ گئی تھی کہ وہ شہور اور مصطفیٰ سے انتقام نہیں لے سکا تھا۔

مصطفیٰ کا بیج جانا اور شہور کا بالکل محفوظ رہ جانا اس کے سینے پر سانپ بن کر لوٹا تھا اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ ایک بار تو ضرور یہاں سے نکل کر مصطفیٰ پر حملہ کرے لیکن عبدالقیوم سے باہر کے حالات سن کر وہ خاموش تھا۔

”تم تیار رہنا پرسوں تمہیں وقت پر پک کر لوں گا اور خبردار باہر نکلنے کی کوشش کی مجھے خبر ملی ہے۔ تم ایک بار باہر نکلے ہو یہاں میں تمہارے لیے اتنی کوششیں کر رہا ہوں کہ وہ کوہ سارا کیا کر یا مٹی میں ملاو۔“ وہ اسے تنبیہ کر رہے تھے اس نے خفا کی سے باپ کو دیکھا۔

”نہیں کچھ کتاب تک بچا ہوا ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ احتیاط سے ہی رہ رہا ہوں آگے بڑھی کچھ نہیں ہونگا۔“ اس نے کہا تو وہ اسے بس دیکھ کر رہ گیا۔ ذہن پہلے ہی الجھا ہوا تھا ورنہ اس کو سمجھانے کی مزید کوشش کرتے۔

”میں چلتا ہوں کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو تین دو میں انتظام کر دوں گا۔“ انہوں نے کہا تھا اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

وہ اس کو مزید چند ہدایات دے کر چلے گئے تھے وہ کچھ پر کچھ سوچتا رہا اور پھر ذہن میں ایک منصوبہ ترتیب دے کر مسکرا کر بستر پر گر گیا تھا۔



آج کا سارا دن بہت اچھا گزرا تھا مصطفیٰ کے ساتھ گزرا ایک ایک پل اس کی زندگی کا یادگار لمحہ تھا وہ بہت عرصے بعد



خود کو ہر طرح کے ذہنی دباؤ سے محفوظ تصور کر رہی تھی۔ دونوں کئی جگہوں پر گھومے تھے مصطفیٰ نے اسے ڈھیر ساری شاہجگہ کرائی تھی اور پھر رات کے وقت دونوں نے ڈنر بھی باہر ہی کیا تھا۔ ڈنر کے بعد مصطفیٰ اسے لوگ ڈرائیور پر لے آیا تھا۔ ”اب گھر چلیں۔“ وہ مصطفیٰ کے پہلو میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی مصطفیٰ خود ڈرائیور پر ہاتھ بچھلے دونوں کے برعکس آج نہ دونوں کے ساتھ کوئی باڈی گارڈ تھا اور نہ ہی کوئی ڈرائیور وہ سارا وقت تنہا رہے تھے۔ مصطفیٰ نے اس کو دیکھا۔

”کیوں تھک گئیں۔“

”ہاں، میں کبھی اتنا سارا وقت گھر سے اس طرح باہر نہیں رہی۔ بہت تھکن ہو رہی ہے۔“ مصطفیٰ مسکرایا۔

”ابھی آفس میں کچھ ضروری کام چل رہے ہیں ادھر سے فارغ ہوں تو چھٹیاں لے کر کسی جگہ ہنی مون ٹرپ کے لیے چلتے ہیں۔“ مصطفیٰ نے کہا۔

”اس کی کیا ضرورت ہے میری اسٹڈی کا پہلے ہی بہت خرچ ہو چکا ہے۔“ اس نے دھیمے سے کہا۔

”آپ محترمہ کو بچھلے ضرورت محسوس نہیں ہوئی لیکن مجھے تو خیال ہو رہی ہے میں اپنی پیاری سی اور خوب صورت بیوی کے ساتھ ڈھیر سارا وقت گزارنا چاہتا ہوں یار۔“ مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے ہاتھوں کے نیچے اسٹیرنگ پر رکھ لیا تھا۔

شہوار سرخ ہو گئی تھی۔ اس کے لیے یہ سب کچھ بہت نیا نیا سا تھا۔۔۔۔۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہر بار پزل ہو جاتی تھی۔ مصطفیٰ کی محبتیں اس کا والدینا انداز اور سب سے بڑھ کر اسے اہمیت دینا۔ وہ تو دل سے اس کے لیے ہار چکی تھی۔

”لیکن میری اسٹڈی۔“

”وہ بھی ہو جائے گی مجھے یقین ہے تم کو کر لو گی تم کون سا نالائق ہو۔“ وہ خاموش ہو گئی تھی۔

”یار میںی وقت سے لائف انجوائے کرنے کا اگر ایک بھی بے بی آ گیا تو تم نے پھر کہاں ہاتھ آتا ہے۔“ مصطفیٰ کے الفاظ پر وہ تو جھینب کر رہی تھی ایک دم چہرہ کھڑکی کی طرف کر لیا تھا وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کا سارا وجود ہولے ہولے لرز رہا ہے۔ خصوصاً مصطفیٰ کی گرفت میں دبا اس کا دایاں ہاتھ۔

”بابا کا ارادہ فی الٰہی ویسے کے فنکشن کا ہے وہ ہو جائے تو پھر چلتے ہیں تم ڈیسا اینڈ کرنا کہ کہاں چلیں گے۔“ جواباً وہ خاموش رہی تھی۔

مصطفیٰ نے اس کی طرف دیکھا اور پھر مسکرا دیا تھا۔

”گھر چلیں؟“ کچھ وقف کے بعد شہوار نے پھر کہا تو مصطفیٰ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

”بھانگنا چاہ رہی ہو مجھ سے یا میرا ساتھ چھان نہیں لگ رہا؟“

”ایسی بات نہیں ہے ہم کئی گھنٹوں سے گھر سے نکلے ہوئے ہیں ماں جی اور باقی دوگ انتظار کر رہے ہوں گے۔“ اس نے سنبھل کر کہا۔

”سبھی کی فکر رہتی ہے تمہیں ایک سوائے میرے۔“ مصطفیٰ نے مظلومیت بھرا لہجہ کیا۔

”اب میں نے کیا کیا ہے۔“

”میرے اس معصوم سے دل پر یہ ستم تھوڑی ہے کہ اتنے دن شادی کو ہونے کے باوجود تم مجھ سے اول دن کی دلہن کی طرح شرماتی پھرتی ہو کبھی حل کر بات نہیں کی، کبھی میرے دل کی کہانی نہیں سنی، کبھی میری آنکھوں میں دیکھ کر میرے جذبات کو پڑھنے کی کوشش نہیں کی۔“ مصطفیٰ نے شرارتی آواز میں کہا تو اس کے ہاتھ جینٹل لگے تھے۔

”آپ کے ساتھ ہوں کیا یہ کافی نہیں۔“ دھیمی آواز میں کہا۔



”بالکل بھی نہیں، میں سیدھا سادا بندہ ہوں جو دل میں ہے کہہ دیتا ہوں جو بابت مجھے بھی ایسی ہی گرم جوشی چاہیے۔“  
 ”میں تو ایسی ہی ہوں شادی سے پہلے سوچنا چاہیے تھا آپ کو۔“ اس نے اپنی طرف سے بہت ہمت کر کے کہا تو مصطفیٰ کھلکھلاہٹس دیا۔

”تب تمہارے ساتھ اتنے خوش گوار تعلقات کب قائم تھے سوچا تھا یہی ہوگی تو میری محبت کا اثر پڑے گا لیکن یہاں تو وہی کیفیت ہے۔“

”اب بچہ تہہ ہے ہیں۔“ پہلی بار مصطفیٰ کی طرف سنجیدگی سے دیکھا تھا۔  
 ”اگر کہوں ہاں بچہ تہہ رہا ہوں تو۔“ آنکھوں میں جذبول کا ایک جہاں لیے والہانہ پن سمونے کہا تو شہوار کے لیے مصطفیٰ کی آنکھوں میں دیکھنا مشکل ہو گیا تھا۔ خسار گرم ہونے لگے تو ہلکوں کی جھار خود بخود گر۔ اگلی تھی۔  
 ”تو بچہ تو آپ پر انہوس ہی کر سکتی ہوں۔“ اپنی طرف سے اس نے چھیڑا تھا۔

### جگہ میں آنجل میں

جہل کے ائمہ مردوں کو جگہاتے ہیں  
 جگہ میرے آنجل میں جھللاتے ہیں  
 مصنف ہستی کے اوراق تیزی سے پلٹتے جا رہے ہیں اور وقت کی گردش اپنی مخصوص رفتار سے جاری ہے۔ کتاب ماضی کے چند اوراق پلٹیں تو معلوم ہوتا ہے کہ 1978ء سے شروع ہونے والا آنجل کا سفر ایک طویل دوامیہ ہے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ابھی کل کی بات ہو سناج آپ کے ہاتھوں میں آنجل کا 433 واں شمار اپنی بہار دکھ رہا ہے۔ ہم لوگ آپ کے پچھلے 36 برسوں سے آنجل کے ہم سفر ہیں لیکن کسی وہ بے قراری کا عالم اب بھی وہی ہے اور یہی بہار سے بہترین کی جستجو انسان کو منزل کی جانب کا مزن رکھتی ہے اسی جستجو میں ہم بھی مصروف عمل ہیں کہ آپ کے آنجل کو بہتر سے بہتر بن کر آپ کے لیے مشکل حیات بنا دیا جائے۔ اس سفر میں آنجل کے جگہوں نے اپنی تصانیف، تعارف و تنقید سے آنجل کے اقی پرستاروں کی کہکشاں اجاگر کر دی سناج ان کی روشنی سے آنجل جھلکار رہا ہے وہاں جو ہماری عزیز و پرہیزگار احمد قریشی کی کاوشوں سے لگایا گیا تھا آج اپنی بہار دکھار رہا ہے اور عالم یہ ہے کہ گلدستہ معنی کو نئے ڈھنگ سے پیش کرنے میں اپنی مثال آپ ہے۔ آنجل کی سالگرہ کے موقع پر ہم نے اس بار بھی بزم یادیں ترتیب دی ہے اس سلسلے میں رائٹرز و دیگر ہمنوں کی شرکت ہمارے لیے کسی تحفہ سے کم نہیں۔ سروے کے سوالات مندرجہ ذیل ہیں۔

1: آنجل کے سابقہ سالگرہ نمبر سے اس نعتیہ شائع ہونے والی ایسی تحریر جسے آپ برسوں یاد رکھیں گی؟  
 2: کوئی ایسا جملہ یا جملہ اگر آپ کے ذہن کی سرزمین پر ثبت ہو گیا ہو جسے بے ساختہ آپ نے ڈائری کی زینت بنایا ہو؟

3: افسانوں کی دنیا میں سب جھوٹ نہیں ہوتا۔ کوئی ایسا کردار جسے آپ نے اپنے گرد و پیش میں دیکھا ہو یا اس جیسے فرد سے آپ کی ملاقات ہوئی ہو؟

4: اس سال آپ کا پسندیدہ مثبت و منفی کردار کون نمبر؟

5: آپ کی زندگی کا کوئی خوب صورت لمحہ جسے آپ کو ذہنی و جسمانی تحکات میں بھی گفتگو و مسکراہٹ عطا کر دے؟

6: سال بھر کس ٹائٹل سے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟

7: آنجل کے کس سلسلے میں آپ کی تہذیبی چاہتیں ہیں؟

8: آنجل رائٹرز میں سے کوئی ایک مصنف جن سے آپ ملنے کی خواہش رکھتی ہیں؟

ان سوالات کے جوابات مختصر تحریر کر کے ہمیں 8 مارچ تک ارسال کر دیں۔



”تم اپنا یاغسوس بھی اپنے پاس ہی رکھو، مجھے محبت کرنا بھی آتی ہے اور کرنا بھی۔“

”لگتا ہے بڑا تجربہ ہے اس معاملے میں۔“

”بالکل ایک عرصہ امریکہ جیسے ماڈرن ملک میں گزار کر آیا ہوں تمہیں مجھ پر اس معاملے میں ڈاؤٹ نہیں ہونا چاہیے تھا۔“ مصطفیٰ بھی فوراً سنجیدہ ہو گیا تھا۔ وہ فوراً انگلی تھکی۔

”مذاق کر رہے ہیں؟“

”نہیں بھئی تین چار فیئر زکی کہانیاں تو میں تمہیں سنا سکتا ہوں ہاں باقی تین چار ایسی نہیں ہیں کہ تمہیں سنا سکوں۔“ مصطفیٰ کا انداز ہنوز سنجیدہ تھا۔ شہوار کا دل ڈرنے لگا۔

”مذاق مت کریں مجھے یقین ہے ایسا کچھ نہیں ہوا ہوگا۔“

”ایک بالکل تھا نقص امریکہ جیسا ملک دولت کی بھی فراوانی ہو تو تمہارا کیا خیال ہے بگڑنے میں کتنا وقت لگتا ہے۔“ شہوار کا دل ڈوبتا تھا مصطفیٰ نے اسے ڈرا کر دکھایا تھا۔

”میں ولید بھائی سے پوچھوں گی مجھے یقین ہے ایسا کچھ نہیں ہوا ہوگا۔“ وہ ابھی بھی ماننے کو تیار نہ تھی مصطفیٰ کھل کر ہنس دیا تھا۔

”حیرت ہے بھئی اتنا یقین بجا ہے شوہر نامدار پر؟“ محبت سے پوچھا تھا۔

شہوار قدرے بے یلکس ہوئی تھی اور اسے خطی سے دیکھا تھا۔

”شرم تو نہیں آتی اگر میں سچ مان لیتی تو۔“

”لیکن مانا تو نہیں نا۔“ مصطفیٰ نے چھیڑا تھا اور سر جھٹک کر باہر دیکھنے لگی۔ مصطفیٰ گھر کے رستے پر گاڑی ڈال چکا تھا۔

”اور اگر واقعی یہ سچ ہوتا تو؟“ مصطفیٰ نے پھر پوچھا۔

”تو میں آپ سے بھی شادی نہ کرتی۔“ اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”اور اگر شادی کے بعد تمہیں پتا چلتا کہ میرے بعد عواں دھار قسم کے چند فیئر تھے تو؟“

”تو میں آپ کو چھوڑ دیتی۔“ اس کی سنجیدگی برقرار تھی مصطفیٰ نے گہرا سانس بھرا۔

”بڑی ظالم ہو پھر تم تو کیا مجھ جیسا فرماں بردار، سعادت مند شوہر چھوڑنا ممکن تھا تمہارے لیے۔“

”میں نے ہمیشہ ایک صاف، قہری زندگی گزاری ہے پھر اللہ میرے ساتھ نا انصافی کیسے کر سکتا تھا۔“ اس کا یقین کامل تھا۔

”میں نے ساری زندگی آپ لوگوں کے درمیان گزاری ہے مجھے کبھی بھی کسی نے میلی نگاہ سے نہیں دیکھا عاشر اور صبا کا سا مقام ملا تھا جی کتا آپ کے کسی کزن تک نے میرے ساتھ مس لبی ہی نہیں کیا پھر میں بھلا کیسے سوچ سکتی تھی آپ ایسے ہوں گے۔“ شہوار کے الفاظ پر مصطفیٰ نے بہت سرائتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”میری زندگی میں سوائے ایاز کے اور کوئی خاص حادثہ نہیں ہوا اور جب آپ پاکستان آئے آپ نے بھی مجھے وہی مقام اور عزت دی جو باقی لوگ دیتے تھے کسی کے کردار کو جج کرنے کے لیے یہ بات کافی ہوتی ہے کہ اس کی نگاہوں میں ہمارے لیے کیا مقام ہے اور اس کے لفظوں میں ہمارے لیے کتنی عزت ہے۔“ شہوار کی سوچ کی چٹنگی نے مصطفیٰ کو ایک دم ہائریکٹ کیا تھا۔

”ویل ڈن ماتا یقین ہے مجھ پر۔“ وہ اس پر ثنار ہی تو ہو گیا تھا۔

”مجھے آپ سے زیادہ اللہ کے فیصلے اور آئی جی کی ترجیح پر یقین ہے۔“ وہ صاف دامن بچا گئی تھی۔



## صیبحہ کمال

ارے بھئی دروازہ کھولیتا آپ کتا نچل میں اتری دی ہے چلے پہلے میں تعارف کروا دیتی ہوں جی ہاں دل تھام کے بیٹھیے میں ہوں صیبحہ کمال جولائی کی نرم گرم دوپہر میں اس دنیا میں قدم رکھا۔ میرا تعلق فیصل آباد سے ہے میری دو بہنیں اور ایک بھائی ہے میں نویں کلاس کی طالبہ ہوں اور پڑھائی کے میدان میں بہت سے معرکے مارنے کے ارادے ہیں آپ سب کی دعاؤں سے۔ مجھے کھانے میں بریانی، شامی، کباب، گول گپے اور سمن اچاری (منہ میں پانی آ گیا نا) بہت پسند ہیں۔ رنگوں میں لال، کالا، میرون اور پنک میرے فوریٹ کلرز ہیں۔ موسم سردیوں کا بے انتہا پسند ہے اور سردیوں میں آکس کریم کھانا اور سڑک پر واک کرنا میرے پسندیدہ مشغلے ہیں۔ لباس میں لمبی فرائگ پسند ہے میک اپ پسند نہیں۔ ہنسنے ہنسانے والے لمبے خلوص لوگ پسند ہیں۔ دو غلے اور طائر کرنے والے بالکل پسند نہیں میری بہن کرن سے میری بہت نوک جھونک ہوتی ہے لیکن میں اپنی ہر بات بھی کرن سے ہی شکر کرتی ہوں۔ میرا چھوٹا بھائی احمد بہت شرارتی ہے چونکہ اکلوتا ہے اس لیے اس کی شرارتیں بھی مزادیتی ہیں۔ میں چائے بہت زبردست بناتی ہوں۔ آنچل رسالہ بہت پسند ہے اس میں بہت عمدہ کہانیاں، کامیاب باتیں اور دلچسپ سلسلے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کافی پور کر دیا اچھا اب مجھے اجازت دیں تعارف کیسا لگا ضرور بتائیے گا اللہ حافظ۔

مصطفیٰ ہنس دیا تھا۔

”بڑی ڈپلومیٹ ہو تم تو۔“ وہ مسکراتی رہی تھی۔

”اور محبت کے معاملے میں بھی اپنے خیالات کا اظہار کر دو را۔“

”اتنی جلدی کیا ہے آپ کا ہستا ہستا چل ہی جائے گا۔“ آواز شرارتی تھا۔ مصطفیٰ نے گھبرا۔

”ہماری بلی اہی کو میاؤں۔“ شہوار کی ہنسی بے اختیار تھی مصطفیٰ نے بے اختیار اسے دیکھا تھا وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

”دھیان سے گاڑی چلائیں ایکسیڈنٹ کرادیں گے ابھی تو پرانے زخم ہی مند مل نہیں ہوئے ہوں گے۔“ پاس سے ایک گاڑی زن سے گزری تو اس نے ٹوکا تھا۔

”ہالومت، گھر چلو پھر بات کرتے ہیں۔“ مصطفیٰ نے کہا تو اس نے سیر ہلا کر سیٹ کی پلٹت، گاڑی سے سرگادیا تھا۔ وہ آج اپنی زندگی کا سب سے خوب صورت اور سب سے یادگار دن گزار رہی تھی۔ اس کا ذہن بالکل فریش اور تروتازہ تھا وہ دھیسے سے مسکراتی تو مصطفیٰ اسے مسکراتے دیکھ کر ایک دم مطمئن ہوا تھا وہ شہوار کا ذہن بنانے میں ہونیف صد کا میاں رہا تھا۔



وہ عشاء کی نماز پڑھ کر دعا مانگ رہی تھی جب ساجدہ بیٹا ہوا موہا لے لیے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

”آپ کی کال ہے۔“ اس نے موہا لے ان کی طرف بڑھایا تھا۔ وہ ہنسی تھیں۔

”میری؟“

”جی ایک خاتون ہیں پہلے بھی کال کی تھی آپ نماز پڑھ رہی تھیں انہوں نے کہا تھا کہ وہ آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں میں نے کہا تھا کہ پھر کال کر لیں۔“ تاہم وہ نے اس کے ہاتھ سے موہا لے لے لیا تھا۔

”السلام علیکم! انہوں نے کال ریسیو کی تھی۔“



”وعلیکم السلام۔ تائبہ بی بات کر رہی ہیں؟“ دوسری طرف سے پوچھا گیا تھا۔  
 ”جی لیکن آپ کون؟“ انہوں نے پوچھا تھا وہ جائے نماز سے کھڑی ہو گئی تھیں ان کے ہتھے ہی ساجدہ نے مصلاتہ کیا تھا۔

”آپ ہمارے گھر آئی تھیں آپ نے خود ہی یہ نمبر دیا تھا رابطہ کرنے کے لیے۔“  
 ”جی..... جی یار کیا۔“ وہ فوراً سمجھ گئی تھیں کہ دوسری طرف کون ہو سکتا ہے۔  
 ”کوئی اطلاع ملی، کوئی خیر خبر۔“

”جی میری اپنے شوہر سے بات ہوئی تھی انہوں نے بتایا تھا کہ ان کے والد صاحب نے ان سے ذکر کیا تھا بہت سالوں پہلے تک کچھ لوگ یہاں جو نام آپ نے بتائے تھے ان کی تلاش میں آئے۔“ تھے میرے سر کو اطلاع کرنے کا بھی کہا تھا لیکن جو رابطہ نمبر دیا تھا تو سر صاحب کو بھی ظلم ہو گا اور وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔“ تائبہ بی جو دم سا دم سے سن رہی تھیں ایک دم غڑھال سے انداز میں بستر پر گر گئی تھیں۔

”کوئی تو رابطہ ہو گا کوئی مل؟“ انہوں نے لہزہ رنی آواز میں پوچھا۔  
 ”معذرت جانتی ہوں اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔“ انہوں نے ایک۔ گہرا سانس لیا تو آنکھوں میں نمی آٹھری تھی۔

”پھر بھی اپنے شوہر سے کچھ اور پوچھئے گا شاید کوئی نکسلی جائے میں برسوں۔۔۔ تڑپ رہی ہوں برسوں سے میرے لیے ہوئے ہوں میں اب سب کشتیاں جلا کر نکلی ہوں کسی کا مستقبل تاریک ہو جائے گا اگر مجھے کوئی راستہ نہ ملے۔“ وہ رو دی تھیں دوسری طرف موجود خاتون نے شدت سے ان کا دھمکس کیا تھا ساجدہ جو لا شعوری طور پر وہیں کھڑی رہ گئی تھیں الجھ گئی تھیں۔ وہ اب بھی تائبہ بی کی کہانی سے یکسر انجان تھیں۔

”آپ امید رکھیں اللہ بہتر کرے گا۔“ دوسری طرف۔۔۔ تسلی دی تھی۔  
 ”ہاں اللہ سے ہی تو سب امیدیں لگا رکھی ہیں آپ کا بہت بہت شکریہ آپ نے اتنا تعاون کیا ایک امید تو بندھی کہ کوئی کسی کی تلاش میں آ یا تھا ہے شوہر سے پوچھئے گا کہ وہ کون تھا اور کس کا پوچھتا رہا تھا۔“ انہوں نے ایک امید سے کہا تھا۔  
 ”جی میں ضرور پوچھوں گی۔“

”میں انتظار کروں گی۔“ ان کی زندگی تو آج کل شب و روز کا انتظار بن چکی تھی۔ دوسری طرف اللہ حافظ کہہ کر کال بند ہو چکی تھی انہوں نے بھی موہاٹل مکان سے ہٹا لیا تھا اپنے آنسو صاف کیے تو ساجدہ ان کے پاس بیٹھ گئی۔

”ایک بات پوچھوں؟“ انہوں نے سر ہلا دیا۔  
 ”میں نہیں جانتی کہ آپ کی کہانی کیا ہے اور نہ کسی نے مجھ سے ذکر کیا لیکن آپ کو اس طرح پریشان دیکھ کر میں الجھ گئی ہوں آپ کس کو تلاش کر رہی ہیں ساجدہ نے پوچھا۔  
 ”بہت لمبی کہانی ہے کہاں سے شروع کروں کیا بتاؤں؟ میرے بہت سے رشتے کھو گئے ہیں جن کا سراغ نہیں مل رہا۔“

”لیکن آپ کی بیٹی تو آپ کے پاس تھی جسے آپ خود چھوڑ کر آئی ہیں۔“  
 ”ہاں وہ میری بیٹی تھی میری بیٹی ہے اور ہمیشہ بیٹی ہی رہے گی اس کے وجود نے ہمیشہ مجھے کم مائیگی کے احساس سے بچایا تھا لیکن جن کو تلاش کرتی ہوں وہ لوگ تو میری ذات کا حصہ تھے۔“ وہ رو۔۔۔ نے لگی تھیں ساجدہ کے دل کو تکلیف ہوئی تھی ان چند لمحوں میں اسے ان سے ایک خصوصی لگاؤ ہو چکا تھا۔



اور میں.....	حق مہر
حق مہر میں اپنی ساری خوشیاں دیتا ہوں	آؤ کہ ہم نکاح دوستی کر لیتے ہیں تم سے تم جہیز میں اپنے غم لانا
ریحہ شبیر..... شاہ خدو	

”یہ گھر تو آپ کا تھا اگر کوئی موجود ہوتا تو آپ کو یہاں تلاش کرتے آتا۔“  
”آیا تھا وہ لیکن تب میں یہاں موجود نہیں تھی خالہ بی موجود تھیں انہوں نے بتایا کہ میں یہاں نہیں ہوں وہ بھتار ہا کہ  
میں سر جکی ہوں تب میں کہیں غائب تھی اور جب واپس لوٹی تو وہ چلا گیا تھا خالہ بھی مجھے دیکھ کر حیران ہوئی تھیں وہ بھی  
سمجھتی رہیں کہ میں سر جکی ہوں پھر میں نے تلاش کیا اسے کئی جگہ لیکن نا امید ہو کر واپس لوٹ آئی اس کے بعد کئی خط لکھے  
اس کے پتے پر جو مجھے معلوم تھا لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا شاید ایڈریس غلط تھا خط واپس طے نہ رہے اور سال بیتتے گئے  
میری شہوار اب مجھ سے سوال کرتی ہے اور میرے پاس اس کے کسی بھی سوال کا کوئی جواب نہیں اس کی شناخت کم ہے اور  
میرے اندر اتنی ہمت نہیں کہ اسے بتا دوں کہ وہ کون تھی کن لوگوں کی عزت ہے میں بہت مجبور ہوں اب مجبور ہو کر یہاں آ  
تو گئی ہوں لیکن کوئی سر لہا تھ ہی نہیں لگ رہا۔“

”اس شخص سے آپ کا کیا رشتہ تھا؟“ سوال ایسا تھا کہ تائبندہ بی نو لگا کہ جیسے کسی نے دل کو زخم زخم کر دیا ہو۔  
”وہ میرے شوہر تھے۔“ ان کی آواز سسکی نہا سی۔

”اوہ.....“ ساجدہ نے ایک گہرا سانس لیا۔  
”خدا نخواستہ اس کے ساتھ کہیں کچھ ہونہ گیا ہو وہ زندہ ہوتے تو آپ کے خطوط کے جواب تو ضرور دیتے۔“ ساجدہ کی  
بات پر وہ اضطراب سے نفی میں سر ہلا گئی تھیں۔  
”بس اسی بات پر آ کر میری ہمت ٹوٹ جاتی ہے لیکن ان کی نفی۔“ وہ کچھ کہتے کہتے ایک دم رک گئی تھیں اور پھر نفی  
میں سر ہلا کر کھڑی ہو گئی تھیں۔  
”شاید میری قسمت میں ہی آؤ زائش لکھی تھی۔“ وہ سسکتے ہوئے کمرے سے نکل گئی تھیں ساجدہ نے خاموشی سے انہیں  
جاتے دیکھا تھا۔

نجانے اہل کہانی کیا تھی؟ لیکن ساجدہ کا دل ان کے غم پر ایک دہر بنجیدہ سا ہو گیا تھا۔



وہ آج کالج نہیں گئی تھی سارا وقت اپنے کمرے میں بند رہی تھی شام کو صبحی بیگم نے ہی آ کر اس کا دروازہ کھلوا دیا تھا  
لیکن اسے بخار سے پھٹکتے دیکھ کر حیران ہوئی تھیں۔ انہوں نے اسن کے ہمراہ اسے ڈاکٹر کے پاس بھیجا لیکن درحقیقت  
وہ اس کے مریضوں سے پریشان ہو چکی تھیں۔

عشاء کے بعد اسن اسے لے کر گھر آیا تھا ولید اور باقی سبھی لوگ گھر میں ہی تھے وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔  
صبحی بیگم نے ہی زبردستی اسے میڈیسن دی اور کھانا بھی کھلایا تھا اس کی آنکھیں سرخ انگارہ تھیں اور جسم بخار سے دھک  
رہا تھا۔

”کیا بات ہے..... کوئی برڈن ہے دل دو ماغ پر؟“ وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے لیٹی ہوئی تھی صبحی بیگم نے پوچھا تو اس  
نے ہاتھ ہٹائے تھے۔



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety1](https://twitter.com/paksociety1)



”کیا برڈن ہو سکتا ہے بھلا۔“ نقاہت سے بھری آواز تھی۔  
 ”تو پھر کیا بات ہے ایسی حالت تو تمہاری بھی بھی نہ تھی کم مسم، بے زار۔“ انہوں نے تشویش سے دیکھتے پوچھا تو وہ چڑی۔

”میں ٹھیک ہوں ماما کچھ نہیں ہوا مجھے۔“ انہوں نے خاموشی سے اسے چند لمبے دیکھا اور پھر باہر نکل گئی تھیں۔ انا خاموشی سے لٹی رہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں نمی سمیٹنے لگی تو اس نے ہانقا آنکھوں پر رکھ لیا تھا۔ آنکھوں کا پانی بازو کی آستین میں جذب ہونے لگا تو اس نے لب بچھ کر اپنی سسکیوں کو روک لیا تھا اس کی آنکھوں میں کچھ دیر پہلے کا منظر تازہ ہونے لگا تھا۔

احسن کے سہارے جتنی وہ گھر میں داخل ہوئی تھی ولید راہداری میں تھا جب وہاں سے گزرتے ان کا سامنا ہوا تھا۔  
 ”آج تم جلدی چلتے تھے؟“ ولید نے اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتے پوچھا تھا۔

”ہاں انا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو ماما نے کال کی تھی ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا تھا۔“  
 ”تم کم از کم بتا کر تو جاتے وہاں تمہیں پتا تو ہے میٹنگ تھی تمہیں کل جو فائل دی تھی مل ہی نہیں رہی تھی ساما شیڈول خراب ہو گیا تھا اب کل پر میٹنگ ملتوی کی ہے میں نے۔“

”چلو کوئی بات نہیں، انا کی طبیعت اتنی خراب تھی صبح سے کمرے میں بند تھی اور کسی و علم ہی نہ تھا روشنی نے ہی عصر کے قریب دیکھا تو یہ بخار سے تپ رہی تھی۔ اس نے ماما کو کال کی تھی ماما گھر آ گئی تھیں لیکن ڈاکٹر سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا تو مجھے ماما نے بلوایا تھا شکر ہے بخار کا زور قدرے کم ہوا ہے۔“ احسن نے بتایا تھا لیکن اس کے باوجود ولید نے اس کی طرف

ندیدیکھا اور نہ ہی حال دریافت کیا تھا۔

”میں چلی جاتی ہوں بھائی آپ بات کر لیں۔“ بخار سے بخار حال اس سے کھڑا ہوتا ہی دو بھر تھا۔ وہ بیٹکی پلکوں کو جھٹکاتی رندگی واز میں کہہ کر وہاں سے اپنے کمرے میں چلی آئی تھی اور اب دل جل رہا تھا آنکھیں بہہ رہی تھیں لیکن دل کو کسی بھی لمبے قرار نہ تھا۔ روشنی کمرے میں داخل ہوئی تو وہ اسی طرح لپٹی ہوئی تھی۔

”انا.....“ اس نے ہاتھ میں پکڑا سوپ کا پیالہ سرائیڈ پر رکھ کر اسے پکارا تھا دوسرا کت ہو گئی تھی۔  
 غیر محسوس انداز میں آستین سے اپنی آنکھیں صاف کی تھیں۔ روشنی اس کے پاس ہی بستر پر بیٹھ گئی تھی۔

”اشو یہ سوپ پی لو۔“ اس نے کہا تو انا نے اپنی بازو ہٹا کر اسے دیکھا۔ روشنی ٹھنک کی بھی بیٹکی آنکھیں نہیں اس کی۔  
 ”کیا ہوا اور ہی نہیں تم۔“

”بس بخار میں آنکھوں سے پانی بہہ رہا ہے۔“ اس نے کہا تو روشنی قدرے مطمئن ہوئی۔  
 ”لو یہ سوپ پی لو، بخار میں کچھ فاقہ ہو گا کھانا بھی بس تم نے برائے نام ہی کھایا ہے۔“ روشنی کے انداز میں اپنا بیت تھی

دو ٹی میں سر ہلا گئی تھی۔

”نہیں، کسی بھی چیز کے لیے دل نہیں مانتا۔“  
 ”کھاؤ کی تو پتا چلے گا ماما صبح لیٹ اٹھی تھی کہ تم کالج جا چکی ہو وہ تو اچانک دھر سے گزر رہا تو پتا چلا کہ تم بخار میں

تپ رہی ہو مجھے بہت افسوس ہوا کہ پہلے کیوں نہ دیکھا اور۔“ چلو اب اشو تھوڑا سا ہلکا۔“ اس کے لہجے میں اصرار تھا۔ وہ آہستگی سے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

روشنی نے اسے سوپ کا پیالہ تھما دیا تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے سپ لینے لگی تھی۔  
 ”تم نے شادی سے انکار کیوں کیا؟“ وہ پوچھ رہی تھی انا کا ہاتھ ساکت، ہو گیا وہ سوپ کے پیالے میں جھج



### عالیہ شانز

میری طرف سے آنجل کی پوری ٹیم کو اور تمام بہنوں کو اسلام علیکم! میں فرسٹ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہوں آنجل کو پڑھتے ہوئے سات آٹھ سال ہو گئے ہیں اس لیے کآ آنجل میں تفریح کے ساتھ ساتھ اچھی باتیں بھی ہوتی ہیں تاریخ پیدائش 19 دسمبر ہے سالگرہ نہیں مناتی۔ ہم تین بہنیں اور تین بھائی ہیں ایک بہن کی وفات ہو چکی ہے اب ہم دو بہنیں ہیں میرا نمبر تیسرا ہے۔ موسموں میں سردیوں کا موسم بہت زیادہ پسند ہے۔ بلیک اور میرون کلر بہت پسند ہے لباس میں لہنگا پہننے کا بہت شوق ہے اور فیشن کے مطابق ڈریس پہننے اچھے لگتے ہیں۔ فلم سٹار میں سلمان خان اور کرشمہ کپور پسند ہیں۔ ہر کام کر سکتی ہوں پر غصہ بہت زیادہ آتا ہے اور رونا بہت جلدی آ جاتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد موڈ خود ہی ٹھیک ہو جاتا ہے۔ مجھے مری اور سوات جانے کا بہت شوق ہے۔ دوستوں میں شمسہ لایہ، مصباح سدرہ عمارہ اور بہت سی دوستیں ہیں ہر کسی سے بہت جلدی فریک ہو جاتی ہوں۔ اپنی ہر خوشی اور غم اپنی دوست شمسہ سے شیئر کرتی ہوں۔ قلمس لوگ بہت زیادہ پسند ہیں جن کی اب بہت کمی ہو گئی ہے حسن میری کمزوری ہے میرے آنیڈیل میرے چاچو تھے جن کی اب ڈیڑھ ہو چکی ہے۔ جانے والے لوٹ کر نہیں آتے مگر اپنے پیچھے اچھی بویں اور اچھی باتیں چھوڑ جاتے ہیں آنجل رائٹرز میں مشاکیر نازیہ کنول نازی اور سمیرا شریف بہت پسند ہیں۔ پسندیدہ شاعر احمد فراز اور موسی شاہ ہیں آنجل کی پوری ٹیم کے لیے دعائیں کآپ ہمیشہ آنجل کو ایسے ہی جاتے رہیں۔

گھمانے لگ گئی تھی۔

”کیا کوئی بات ہوئی ہے؟“ اسے بخود کہتے روٹی نے پوچھا تھا۔

”کیا میں بغیر کسی وجہ کے محض اپنی ایجوکیشن کو لے کر انکار نہیں کر سکتی۔“ کچھ توقف کے بعد اس نے کہا تو روٹی

نے سر ہلا دیا۔

”لیکن یہ بابا کی خواہش ہے ان کی طبیعت خراب رہتی ہے وہ چاہتے ہیں کہ جلد از جلد تمہاری لاورولی کی شادی

ہو جائے۔“ روٹی نے کہا۔

”جو بھی ہے میں خود کو ذہنی طور پر اس کے لیے تیار نہیں کر پارہی۔“

”لیکن نا.....“

”پلیز روٹی۔“ روٹی نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن ماما نے ٹوک دیا۔

”پلیز میرا سر پہلے ہی دکھ دیا ہے میں اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی اب۔“ اس کے نیچے میں قلمی بن تھا۔

”تم کچھ اور کھانا پینا چاہو تو میں بنا دیتی ہوں۔“ اس کے قلمی انداز پر روٹی نے فوراً بات بدل دی تھی۔

”جی نہیں، ابھی کچھ دیر پہلے ماما نے کھانا کھلا کر میڈیسن دی ہے اب یہ سوپ پی رہی ہوں بہت ہے یہ۔“ اس نے

پیالے میں موجود سوپ کھل کر روٹی نے اس کے ہاتھ سے خالی پیالہ لے کر سائیڈ پر رکھا۔

”سر میں اگر درد ہو رہا ہے تو میں دبا دوں۔“ روٹی کا پر خلوص و محبت آمیز اعزاز برقرار تھا انا ایک دم اپنے قلمی انداز کا

احساس ہوا تو ایک گہرا سانس بھر کر رہ گئی۔

”میں میں ٹھیک ہوں میڈیسن لی ہے ڈاکٹر نے انجکشن بھی لگایا تھا کافی بہتری آئی ہے میں لیٹوں گی تو آرام

آ جائے گا۔“ قہریت ذدعا واز میں کہا تو روٹی نے بخود یکھا۔

”مو کے ٹھیک ہے تم آرام کرو اگر کسی بھی چیز کی ضرورت محسوس ہو تو بتانا۔“ محبت سے کہہ کر وہ اٹھ گئی تھی۔



انہوں نے سر ہلا دیا تھا وہ خاموشی سے اسے کمرے سے جاتا دیکھتی رہی تھی۔ وہ جاتے ہوئے دروازہ بھی بند کر گئی تھی انا خاموشی سے دوبارہ بستر پر لیٹ گئی تھی کچھ دیر تک وہ مختلف لالچیں سوچیں سوچتی رہی تھی لیکن پھر دوا کا اثر غالباً نے لگا تو وہ خود کو سونے سے سندوک پائی تھی۔



مصطفیٰ گہری نیند میں تھا جب اس کی آنکھ موہاں کی مسلسل بجتی سیپ سے کھل گئی تھی۔ نائٹ بلب روشن تھا مصطفیٰ نے اٹھنا چاہا تو ایک دم رک گیا۔ شہوار اس کے بازو پر سر رکھے سو رہی تھی۔ وہ اسی طرح لیٹا، ہا اور ہاتھ بڑھا کر مسلسل بیچتے موہاں کو سائید وراز سے اٹھا لیا تھا۔ سکرین پر امجد خان کا نام جگمگا رہا تھا اس نے فوراً کال پک کی۔ رات کے اس پہر یقیناً کوئی ایمر جنسی تھی جو وہ کال کر رہا تھا ورنہ وہ کسی اس وقت ڈسٹرب نہ کرتا۔

”ہاں بولو امجد خان..... خیریت.....!“ اپنی آواز کو دھیمار کھتے اس نے پوچھا۔

”ایک اچھی خبر ہے سر۔“ دوسری طرف سے امجد خان نے کہا۔

مصطفیٰ نے آہستگی سے اپنے بازو کے حصار میں مقید شہوار کے وجود کو پیچھے ہٹایا اور خود اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

”کیسی خبر؟“

”لیاز کا ہتھ چل گیا ہے۔“ امجد کی پر جوش آواز سنائی دی۔ مصطفیٰ فوراً اٹھ نکلا۔

”واقعی۔“

”لیس سر۔“

”کہاں چھپا ہوا ہے وہ؟“

”سر وہ عبدالقیوم کے ایک ٹھکانے میں موجود ہے ابھی ایک مخبر کی اطلاع ہے آج دن کے اوقات میں عبدالقیوم وہاں

گیا تھا اس کا پیچھا کرتے ہمارے چلا کہ وہاں لایا بھی موجود ہے۔“

”دیری گڈ۔“ کفرم اطلاع ہے۔“

”لیس سر ہنڈرڈ پرسنٹ۔“

”اوکے۔“

”سر میں نے چند آدمیوں کو اس کے ٹھکانے کی نگرانی پر لگا دیا ہے بس آپ کو اطلاع کرنا تھی اور پوچھنا تھا کہ

ٹیکسٹ کیا کریں۔“

”اور کون کون جانتا ہے اس خبر کے بارے میں؟“

”سر میں آپ اور اللہ اللہ دیکھنے والا مخبر۔“

”اوکے اب اگر رینڈ کی تیاری کرو مجھے ایڈریس بتاؤ میں بھی لکھتا ہوں۔“ مصطفیٰ نے فوراً لائحہ عمل تیار کیا تھا۔

”لیس سر۔“ امجد خان سے ایڈریس سمجھ کر مصطفیٰ نے کال بند کی اور ایک نظر شہوار کو دیکھا جو بے خبر سو رہی تھی۔ خوب

صورت و جود اپنے تمام تر حسن کی تابناکیوں سمیت بخواب تھا۔

مصطفیٰ کے اندر ایک دم جذبات کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا تو اس نے جھک کر بہت نرمی سے اس کی پیشانی پر مہر

ثبت کی تھی۔ وہ ذرا سا کسمپاسی اور پھر سو گئی تھی۔

مصطفیٰ اٹھ کر الماری کی طرف بڑھا اور ملجے اندھیرے میں ہی اس نے اپنا لباس نکالا تھا شب خوابی کا لباس بدل کر وہ

واش روم سے نکلا تو شہوار بستر پر بیٹھی ہوئی تھی۔



<p>ظلم جنہوں نے بیڑ حایا ہے  قوم کی ان کو بددعا ہے  کوئی حرف تسلی نہ جواب دکھوہ ہے  جن ماؤں کی گودوں کو اباڑ گیا ہے  جہاں کو بھر سے عمر دے یارب  میری عمر زندگی کے لیے یہی دعا ہے  نبیہ بلال صبح..... ظاہر ہیر</p>	<p>سانحہ پشاور  میرے وطن کے شہید طلباء  تمہاری شہادت پر لکھتے ہوئے  ظلم میرا یہ لہو لہاں ہے  16 دسمبر کے زخم پر  وقت کھڑا رو رہا ہے  میتوں کو دیکھ کر تمہاری  سوت نے مانگی پناہ ہے</p>
--	--

”کیا ہوتا ہے اس وقت کہاں جا رہے ہیں۔“ مصطفیٰ کو دیکھتے ہی پوچھا تھا وہ مسکرا دیا۔  
”بس آفس کی طرف سے ارجنٹ کال ہے مجھے فوراً پہنچنا ہے۔“  
”کیوں خیریت ہے؟“ وہ فوراً فکر مند ہوئی تھی۔ مصطفیٰ نے مسکرا کر دیکھا۔  
”بالکل خیریت ہے مدت کے اس پہر اس طرح اٹھ کر جانا ہماری لائف کا حصہ ہے یو ڈیوٹ ڈری۔“  
”لیکن پھر بھی پتا تو چلے کہ کہاں جا رہے ہیں؟“ وہ شب خوابی کے لباس میں تھی۔  
کتنے بالوں کو سینے سے خود پر دھٹا پیٹتے وہ اٹھ کر مصطفیٰ کے پاس آ کر کھڑی ہوئی تھی جو سائیدہ از میں سے اپنی گن نکال کر اس کا جیمبر چیک کر رہا تھا۔  
”ایک پرانا مجرم ہے کافی عرصے سے لاپتا تھا ابھی ایک تجربے اس کے ٹھکانے کی اطلاع ملی ہے۔ میرا وہاں پہنچنا بہت ضروری ہے۔“ گن پاکٹ میں ڈال کر باقی ضروری چیزیں لے لی تھیں۔  
”کوئی پریشانی والی بات تو نہیں ہے نا۔“ اس کے لہجے میں فکر مندی تھی۔ مصطفیٰ نے مسکرا کر اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔  
”بالکل بھی نہیں۔ میرا جانا تو محض فارملٹی ہے اچھا خد خد ساتھ ہوگا اور کچھ اور ساتھی بھی سب ہر طرح کی ٹینشن سے فری ہو کر سو جاؤں گا میں فارغ ہو کر دن میں گھر کا چکر لگاؤں گا۔“ اس کا رخسار سہلا کر کہا تو شہوار خاموش ہو رہی۔  
مصطفیٰ نے اسے گرم جوشی سے ساتھ لگا کر خود سے جدا کیا تھا۔  
”اب جاؤں اگر تمہاری اجازت ہو تو؟“ شہوار سے لہجے میں پوچھا تو وہ جھینپ کر مسکرا دی تھی۔  
”جی۔“

”مجھے دیر سویر ہو سکتی ہے تم انام سے سو جانا اور کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں صبح خود ہی سب کو غم ہو جائے گا۔“ شہوار نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ مصطفیٰ اس کا رخسار تھپتھپاتے وہاں سے چلا گیا تھا۔ شہوار نے خانہ وحشی سے جا تے دیکھا اور اس کی کامیابی اور حفاظت کی دعا کی۔



جنہوں نے لیاڑ کے ٹھکانے پر پڑنے کی تھی وہ سو رہا تھا انہوں نے بے خبری میں اسے جالیا تھا وہ اکیلا تھا اور ساتھ ایک کم عمر ملازم اڑکا ان کے سامنے تھا وہ فوراً بے بس ہو گئے تھے۔  
لیاڑ کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی ایسے اس طرح آ کر پکڑ لے گا اور خصوصاً مصطفیٰ وہ تو رات بجا نے مصطفیٰ کو



ٹھکانے لگانے کے کیا کیا منصوبے بناتا رہا تھا۔ مصطفیٰ کو دیکھ کر تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔  
 ”میں تم کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تم مجھے اچھی طرح نہیں جانتے میں کس حد تک جاسکتا ہوں۔ تم مجھے گرفتار کر کے اچھا نہیں کر رہے۔“ وہ ہڈیاں بک رہا تھا۔ مصطفیٰ کے اندر ایک دم غصے کا ابال اٹھا تھا۔  
 اس نے سمجھنا شروع کیا کہ اس کے منہ پر پھڑپھڑا رہا تو وہ لڑکھڑا کر رہ گیا تھا لیا ز کے منہ سے خون نکلنے لگا تھا۔  
 ”لے چلو اسے اس کے ہوش حواس تو میں ٹھکانے لگاتا ہوں۔“ مصطفیٰ کا لہجہ سخت اتر آنکھوں میں سر دہن تھا۔ لیا ز کے اندر ایک دم خوف اتر آیا تھا۔ وہ پہلے ہی سے مصطفیٰ کے ہاتھوں پٹ چکا تھا اسے اندازہ تھا کہ مصطفیٰ کے ہاتھوں پکڑے جانے پر اب اس کا کیا حال ہونے والا ہے۔  
 ”تم غصیا ذلیل انسان، میں زندہ نہیں چھوڑوں گا تمہیں میرا باپ تمہیں چھوڑے گا نہیں۔“ وہ غصے دھڑے سے پاگل ہو رہا تھا۔

”اسے لے چلو۔“ مصطفیٰ نے سختی سے اپنے اہل کاروں کو حکم دیا تو وہ اسے گھسیٹ کر ہر لے گئے تھے۔  
 لیا ز کا ملازم ہاتھ باندھے کھڑا کانپ رہا تھا جبکہ امجد خان کمرے کی تلاشی لے رہا تھا۔  
 ”کب سے ہو یہاں؟“ مصطفیٰ نے پوچھا۔  
 ”صاحب بہت عرصے سے ہوں صاحب نے کافی عرصے سے یہاں کی دیکھ بھال کے لیے رکھا ہوا تھا۔“ ملازم نے فوراً بتا دیا۔

”امجد خان اسے بھی لے چلو، اگر کوئی قابلِ ذمت بات نکلی تو لیا ز کے ساتھ ہی ڈال دینا اسے بھی ورنہ ضروری کارروائی کر کے چھوڑ دینا۔“ مصطفیٰ نے امجد کا رڈر کیا تو فوراً الرٹ ہو گیا تھا۔  
 ”سرسر۔“ کمرے کی تلاشی سے انہیں اس کا پاسپورٹ نکلت اور کچھ ضروری چیزیں مل گئی تھیں انہوں نے وہ سب تحویل میں لے لیں تھیں۔ وہاں سے نکل کر مصطفیٰ ابھی گاڑی میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ سوار کی کال آ گئی تھی۔  
 ”کیسے ہیں آپ؟“ اس کے لہجے میں تشویش تھی۔ ”مصطفیٰ مسکرا دیا تھا۔  
 ”بالکل اچھے۔“

”اور جس کام کے لیے گئے ہوئے تھے وہ ہو گیا۔“ مصطفیٰ نے دوسری گاڑی میں جو دیا ز کو دیکھا۔  
 ”ہاں الحمد للہ ہو گیا۔“  
 ”شکر ہے میں تو بہت پریشان ہو رہی تھی۔“ اس کے لہجے میں تشویش تھی مصطفیٰ ہنس دیا۔  
 ”یہ سب تو میری جانب کا حصہ ہے کبھی دن کبھی رات نجانے کون سی گولی کبت آئے۔“  
 ”اللہ نہ کرے۔۔۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر رہے ہمیشہ آمین۔“ مصطفیٰ کے الفاظ پر وہ تڑپ ہی تو گئی تھی مصطفیٰ بے اختیار ہنسا تھا۔

”محبت ہو گئی ہے کیا؟“ انداز چھیڑنے والا تھا دوسری طرف وہ خفا ہو گئی تھی۔  
 ”آپ کی فکر کرنا ایک فطری سی بات ہے بیوی ہوں آپ کی۔“ خفگی بھرا لہجہ مصطفیٰ کے اندر گویا کسی نے جذبات کی تاروں کو چھیڑ دیا تھا۔

”ذرا نوازی ہے آپ کی مانتے سے بھی نوازدیتی ہیں، نہ نوازیں تو ہم نے کون۔“ کوئی گلہ شکوہ کر لیتا تھا۔ ”مصطفیٰ نے مصنوعی بے چارگی سے کہا۔ اس کے سامنے بھی اس کے گلے حکم کے خطر کھڑے تھے وہ فوراً ہار لگاتا تھا۔ اس نے سب کو دیکھا اور پھر فوراً بات سہٹی تھی۔



”او کے ابھی ضروری کام ہے آفس ہی جا رہا ہوں جب فارغ ہوا تو گھر کا چکر لگاتا ہوں ٹھیک ہے۔“ مصطفیٰ نے کہا اور پھر اللہ حافظ کہہ کر کال بند کر دی۔

”ایک ساتھی میرے ساتھ آجائے باقی سب کو امجد خان تم لے چلو میں بھی آفس ہی چلتے ہوں۔“ کہہ کر وہ گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے دوڑا نہ ہوئی تھیں۔



اما اور سب کے منع کرنے کے باوجود وہ کالج آگئی تھی۔ بخاری تورات بھر میں اتر چکا تھا۔ بن نقاہت سے زیادہ اس پر کسمندی اور بیزاریت نے غلبہ یار کھا تھا۔

شہباز بھی کالج آگئی تھی اسے دیکھ کر تشویش ہوئی تھی۔

”تمہیں بخاری تھا اور مجھے علم ہی نہیں کل سارا دن مصطفیٰ کے ساتھ گزرا سو کالج آنا سکی تھی ورنہ یہاں تو چل جاتا تھا۔“

”ہاں بس معمولی سا بخاری تھا آج کل میں کور کڑوں گی۔“ سنجیدگی سے کہہ کر وہ اپنی بکس کی برف متوجہ ہو گئی تھی۔

پھر دوپہر کے بعد دونوں کو کچھ ریلیف ملا تو لان کے گوشے میں اپنی مخصوص جگہ پر آ بیٹھی تھیں۔ ان کے ساتھ دو تین اور لڑکیاں بھی آ بیٹھی تھیں۔ اسٹڈی پریڈکشن ہوتی رہی تو دونوں مصروف رہی تھیں۔ شہباز کو کسی سر سے ملنا تھا وہ چلی گئی تو وہ بیزاریت سے بیٹھی رہی۔ نہانے کیا کیا سوچ رہی تھی موبائل بجا تو چوگی۔ کال کی کال تھی۔ نہانے کیوں یہ لڑکی اس کے پیچھے سیب کی طرح چٹ چٹ چٹ تھی۔

”میں تمہارے کالج کے سامنے موجود ہوں مجھے تم سے ملنا ہے تم بہراؤ کی یا پھر میں اندھا باؤں۔“ چھوٹے ہی وہ کہہ رہی تھی انا کے تیرے بڑے تھے۔

”کیا چاہتی ہو؟“

”لوگی تو بتا بھی دوں گی ویسے تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں کس سلسلے میں ملنا چاہتی ہوں۔“ دوسری طرف بلا کی سنجیدگی تھی۔

”میرا تم سے کوئی لینا دینا نہیں براہ مہربانی مجھے ڈسٹرب مت کرو، میں نے زندگی کی سب سے بڑی غلطی یہ کی تھی کہ تمہیں کال کی تھی۔“ وہ ایک دم بہت پڑی۔

وہ تو شکر تھا کہ اس وقت بھی لڑکیاں ادھر ادھر ہو گئی تھیں وہ اس وقت یہاں تھا موجود تھی۔

”سوچ لو اگر میں اندھا گئی تو پھر بات بڑھ بھی سکتی ہے۔“ انداز دھمکانے والا تھا۔

”کیا کہنا ہے تم نے۔“ اس کا دماغ ایک دم چٹکی تھی۔

”میرا اور تمہارا مشترکہ مسئلہ ولید ضیاء ہے اگر تم آرام و سکون سے میری بات سن لوگی تو اس مسئلہ کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے اور خصوصاً تمہارا۔“ کالہ کی بات پر وہ کچھ دیر کے لیے ساکت ہو گئی تھی۔

ولید تو واقعی اس کی ذات کا ایسا مسئلہ بن چکا تھا جس سے دستبردار ہونا زندگی سے منہ موڑنے کے مترادف تھا اور اسے ان حالات میں اپنا لینا ساری عمر کا نونوں پر لوٹنے کی اذیت سہنا تھا۔

”تو پھر آ رہی ہو تم؟“ انا نے گہرا سانس لیا تھا۔ وہ شش و پنج میں تھی ذہن کوئی بھی بات سوچنے نہ بھنے سے قاصر تھا۔ بس وہ پتا ہوتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح اس اذیت سے نکل جائے۔

”ہاں سویت کرو میں آتی ہوں۔“ اس نے ایک دم حتمی فیصلہ کیا اور دوسری طرف کالہ نے کال بند کر دی تھی۔

وہ کچھ دیر پریشان سی بیٹھی رہی اور پھر ارد گرد دیکھتے وہ اپنی چیزیں سیٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ



کاشف سے جان لے گی کہ بنید اور اس کا تعلق کس حد تک ہے اس کے بعد ہی وہ کوئی فیصلہ کرے گی۔ وہ اپنی بکس، فائل اور بیک لیے باہر نکلی تو کاشف نے اپنی بلیک گاڑی اس کے عین سامنے لاکھڑی کی تھی۔ کاشف کے ساتھ ایک لڑکی اور بھی تھی شاید اس کی دوست۔ وہ اتر کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی جبکہ کاشف کے کہنے پر انفرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

”یو لو کیا کہتا ہے؟“ اس کا انداز بہت بگڑا ہوا تھا کاشف مسکرائی تھی۔  
 ”اتنی جلدی بھی کیا سنا رام وسکون سے کسی جگہ بیٹھ کر بات کریں گے بی کول یار۔“ انا چونگی۔  
 ”لیکن کہیں اور جانے کی ہمارے درمیان بات طے نہیں ہوئی۔“

”تو کوئی بات نہیں اب طے کر لیتے ہیں تم میرے ساتھ چل رہی ہو اور جب تک مگر انہیں چاہوں گی تم واپس نہیں جاسکتی۔“ کاشف کا انداز بلا کا عجیبہ تھا۔ انا نے حیرت سے دیکھا تھا۔  
 ”کیا مطلب ہے تمہارا میں تمہارے ساتھ کہیں بھی نہیں جا رہی میں صرف تمہاری بات سننے آئی ہوں۔“ وہ اندر ہی اندر پریشان ہو چکی تھی۔

”پریشان مت ہو تم بھی صرف بات ہی کریں گے بس آرام وسکون سے بیٹھ کر۔“ لب کی بار کاشف کی بجائے اس کی دوست بولی تھی۔

انا نے ناگہی سے دونوں کو دیکھا تھا اور خاموشی سے بیٹھ رہی تھی۔ جبکہ گاڑی تیزی سے سڑک پر رواں دواں تھی۔



مصطفیٰ سارے امور نمٹنا کر لوٹا تو گھر میں مہر النساء اور شاہزیب دونوں موجود تھے شاہزیب صاحب آج شاید آفس نہیں گئے تھے باقی لائیب آؤنا فاق نظر نہیں آ رہے تھے۔ مصطفیٰ نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے بغور دیکھا۔

”امجد خان کا فون تھا وہ بتا رہا تھا کہ رات کے آٹھ بجے پہر یاز کو گرفتار کر لیا ہے تم لوگوں نے۔“ انہوں نے پوچھا امجد خان مصطفیٰ سے زیادہ ان کا وفادار تھا ہر چھوٹی موٹی بات ان کو ضرور بتاتا تھا مصطفیٰ ان کے پاس ہی بیٹھ گیا اور ساری کارروائی کے متعلق ان کو بتانے لگا تھا مہر النساء نے بھی خاموشی سے سب ہی کچھ سنا تھا۔

”چلو اچھا ہوا اب کچھ غرمہ تک سکون رہے گا۔ رات جب تک مصطفیٰ گھر سے باہر رہتا تھا میرا دل ہولناک رہتا تھا۔“ ماں جی نے ساری بات سن کر کہا تھا مصطفیٰ مسکرا دیا۔

”ایسے لوگوں کا آخر کار یہی انجام ہوتا ہے۔“ شاہزیب صاحب نے تبصرہ کیا۔

”اللہ سب کی اولاد کو ہدایت دے۔ ماں باپ کے لیے تو دکھ کی بات ہوتی ہے۔“ ان کا دل بھر بھی نرم تھا۔

”ہاں اس کے باپ اور گھر والوں تک اطلاع پہنچ چکی ہے وکیل کے ہمراہ اس کا باپ آج آفس آیا تھا لیکن اس بار کیس ایسا ہے کہ اس کی ضمانت بھی نہیں ہونے دوں گا میں۔“ مصطفیٰ کا انداز اٹل تھا۔ ماں جی نے اسے دیکھا اور گہرا سانس بھرا۔

”آپ دادلہ کے باپ سے ملیں اور اسے سمجھائیں تاکہ خواہ مخواہ کی دشمنی پالنے سے کیر فائدہ۔ عادلہ ہمارے بچے آفاق کی ماں ہے ہم سب بھول کر اسے واپس لانے کو تیار ہیں اس کے باپ کو کہیں تاکہ وہ اپنی بیٹی کو سمجھائے۔“ مہر النساء کی بات پر شاہزیب صاحب ایک پل کو ٹھٹھکتے تھے۔

”اب یہ ممکن نہیں۔“ انہوں نے کہا تو مہر النساء نے انہیں دیکھا۔

”لیکن آفاق کے لیے تو کتنا بڑے گانا جو بھی ہے جیسی بھی ہے ماں جی کی۔“

”وہ سب ٹھیک ہے لیکن عباس اسے طلاق کے پیچھے نہ بھجوا چکا ہے۔“ انہوں نے دھڑپے سے انکشاف کیا تو مصطفیٰ اور



جب	مقدر	دعا	غزل	کرتا	کرتا
میں	بھی	کوئی	نہیں	نہیں	ہو
دل	کا	دروازہ	بند	رکھتا	کرتا
خوف	دنیا	سے	وا	نہیں	کرتا
وقت	میری	عادت	بد	درد	کرتا
اس	میں	کبھی	تو	نہیں	کرتا
	سے	ہاتھ	جھکا	ملا	کرتا
	کے	آگے		نہیں	کرتا
				رانی اسلام..... گوجرانوالہ	

مہر النساء دونوں چونک اٹھے تھے۔

”کیا؟“ ماں جی نے گویا سینے پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

”کب؟“

”کچھ دن پہلے کی بات ہے۔“

”اور مجھے بتایا بھی نہیں۔“ ان کی زبان سے شکوہ پھسلا تھا۔

”باقی لوگ پریشان ہوتے ہم نے عباس کو منع کر دیا تھا۔“ شاہزیب صاحب کالب دلچہ پر سکون تھا۔

مہر النساء کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تو مصطفیٰ نے آہستگی سے انہیں ساتھ لگا لیا تھا۔

”میرا بیٹا، میں جانتی ہوں اس نے کس طرح عادلہ کے ساتھ گزارا کیا تھا لیکن آفاق کا کیا قصور تھا وہ تو ساری عمر کے

لیے ماں کی ممتا سے محروم ہو گیا۔“ ان کے رونے میں شدت آگئی تھی۔ لائبریا آفاق کو لیے اٹھ آئی تو ٹھٹھکی تھی۔

”کیا ہوا؟“ پریشان ہو کر پوچھا۔

”عباس نے عادلہ کو طلاق دے دی ہے۔“ انہوں نے روتے ہوئے بتایا تو لائبریا بھی سانس رو گئی انہوں نے اٹھ کر

آفاق کو اٹھا لیا اور ساتھ لگا کر جو ماتو پچھ اس قدر پیار پر لوکھلا کر رونے لگا تھا۔ مصطفیٰ نے اسے تھم لیا تھا۔

”ماں جی پریشان نہ ہوں یہ سب شاید ایسے ہی ہوتا تھا ہم سے عادلہ بھابی کے حوالے۔“ ایک غلطی ہوئی تھی رو گیا

آفاق تو اللہ بہتر کرے گا ان شاء اللہ آپ دل چھوٹا نہ کریں۔ ہم سب موجود ہیں۔ رہ گئے عباس، بھائی اللہ نے ان کے لیے

بھی کوئی نہ کوئی خوشی لکھی ہی ہوگی۔“ مصطفیٰ نے ساتھ لگا کر تسلی دی۔

لائبریا نے اپنی آنکھوں کو دھپٹے سے صاف کیا تھا۔

”عباس کے سامنے اب ہر باریہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں وہ زبان سے کچھ نہیں کہتے لیکن میں سمجھ سکتا ہوں کہ

اندرونی طور پر خود بہت ہرٹ ہوا ہے۔ اس کے لیے کوئی اچھی سی لڑکی دیکھیں چاہے خاندان سے ہا ہر اب میں اس کے

محالے میں مزید تاخیر نہیں کروں گا۔“ شاہزیب صاحب کہہ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

”میرا بچہ۔“ مہر النساء کے دل سے پھر ایک ہوک اٹھی تو انہوں نے دھپٹے سے اپنی آنکھیں رگڑنا شروع کر دی



تھیں۔ سب نے خاموشی سے ان کو دیکھا تھا۔



وہ ان دونوں کے ہمراہ جس جگہ آئی تھیں وہ ایک چھوٹا سا گھر تھا ان کے ہمراہ چلتی وہ ایک کمرے میں آ گئی تھیں۔ انا کو وہ کمرہ اپنے فیصلے پر پچھتاوے کا احساس ہوا تھا کہ اسے ان دونوں کے ہمراہ نہیں لایا چاہیے تھا۔ اسے ان دونوں لڑکیوں کے تئیں اچھے نہیں لگ رہے تھے وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی تھیں کلاخہ اور اس کی ساتھی نے اس سے بکس اور بیگ لے لیا تھا۔

”یہ تم کیا کر رہی ہو۔“ انا ایک دم حیران رہ گئی تھی۔

”تم ہماری مہمان آؤ آرام و سکون سے بیٹھ جاؤ چائے منگواتی ہوں وہ پیو اور ہماری بات سنو۔“ کلاخہ کا انداز زہد بنجیدہ تھا اس نے اس کے بیگ کو کھول کر دیکھنا شروع کر دیا تھا اور پھر ایک کونے سے موہاں لٹکا کر اس کا سوچ آف کر دیا تھا۔

”یہ سب کیا ہے؟“ وہ چیخی۔

وہ سمجھ سکتی تھی کہ وہ ان دونوں لڑکیوں کے ہاتھوں دھوکہ کھا چکی ہے نجانے اب ان دونوں کا کیا ارادہ تھا اور اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔ وہ ایک دم اپنا چکر اٹا سر تھام کر بستر پر گری پڑی تھی۔

”اگرے ابھی تو ہم نے کچھ کیا ہی نہیں تم ابھی سے ہمت ہار گئی۔“ کلاخہ طنزیہ انداز میں کہتے اس کے قریب آئی تھی۔ وہ جو پہلے ہی غمزدہ حال ہی تھی ایک دم بے دم ہی ہو گئی تھی۔

”کیا چاہتی ہو تم؟“ اس کی آواز بالکل لرز رہی تھی۔

”ولید کو“ وہ گھٹیا انداز میں ہنسی تھی۔

”مجھے یہاں کیوں لانی ہو۔“

”اپنی صحیح کرلو میں لانی نہیں تم خود اپنی مرضی سے چل کر آئی ہو۔“ انا کو لگا اس کی آنکھوں کے آگے تارے بنا چنے لگے ہوں اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دونوں کو دیکھا۔

”مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی، جاری ہوں میں۔“ بے یقینی کے سحر سے نکل تو ایک دم اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ کلاخہ ایک دم اس کے رستے میں آئی اور اس کی دوست نے آگے بڑھ کر دروازہ ہلاک کر دیا تھا۔

”اب تم ہماری قید میں ہو اور تم تب تک یہاں سے نکل نہیں سکتی جب تک میرا نہیں چاہوں گی۔“ کلاخہ کا لب و لہجہ کسی بھی قسم کے احساس سے عاری تھا۔ انا کو لگا کہ جیسے کمرے کی چھت اس کے سر پر آن کر رہی ہے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دونوں کو گھورے جا رہی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)







ستارہ خوب صورت ہے کہ ذرہ خوب صورت ہے  
ابھی یہ فیصلہ ہونے کو ہے، کیا خوب صورت ہے  
یہ مانا عشق کی تقدیر میں اجرت نہیں کوئی  
مگر یہ بھی تو دیکھو، کام کتنا خوب صورت ہے

شندری گہری آہ لے کر اپنی دوسری سمت دیکھا تو میرے  
شہر دونوں بچوں کے ہمراہ اپنے میل میں مگن بال اجمال  
اجمال کر ایک دوسرے کی طرف۔ پھینک کر لطف اندوز  
ہو رہے تھے۔ مجھے اپنے سیدھے ہاتھ کی بند مٹھی پسینے سے  
تر محسوس ہوئی تو میں نے اپنی بند مٹھی کھول دی چاہیوں کا  
ایک چھوٹا سا گچھا پھسل کر میری انگلی میں آ کر لہرانے لگا۔  
چاہیوں کے اس کچھے کی کھنک۔۔۔ میں الجھ گئی۔ میرے  
ہاتھ پر کئی شکنیں نمودار ہوئیں میں نے جلدی سے وہ  
چاہیوں کا گچھا اپنی بند مٹھی میں دو، وہ قید کر لیا۔ دل زور زور  
سے دھڑکنے لگا ایسا لگا جیسے کسی۔۔۔ دل کا دروازہ مری طرح  
کھٹکھٹا دیا ہو دروازے کے باہر بہت سا شور اٹھنے لگا۔

”جایاں..... میرا..... اپنا گھر..... میرا اپنا  
گھر..... گھر.....“ میری آنکھیں بھیکنے لگیں میں نے  
بیٹگی آنکھوں سے سمندر کی سمت دیکھا، سمندر کا پانی  
شور مچا رہا تھا۔

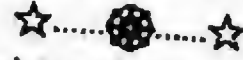
میرے اندر سے اٹھنے والی آوازیں اور تیز ہو گئیں اتنی

سمندری گیلی ریت میں میرے خشک کمرے  
پاؤں دھنسنے جا رہے تھے میرے پیاسے پاؤں گیلی ریت  
کی نرمی و ٹھنڈک کا احساس پا کر ایک عجیب سی لذت سے  
سرشار تھے۔ میرا ہستا ہستا قدم اٹھائی ایک الگ سمت کی  
جانب رواں گئی میں نے گردن موڑ کر سمندر کی  
وسعتوں میں جھانکا۔ کتنا دل فریب منظر تھا ہوا کے تھینے  
پر اپنی جھومتی موجوں کو کچھ اوپر تک اجمال رہے تھے یہ  
چھلتی کودتی موجیں کنارے پر آ کر سست پڑ جاتیں۔  
دھیرے سے لہروں کا میرے پیروں کو چھو کر گزر جاتا مجھے  
چھا لگ رہا تھا۔

سمندر کے کنارے کھڑے رہ کر یونہی دیر تک انہی  
سوجوں سے لطف اندوز ہوتا میری کمزوری گئی۔ یہ ٹھنڈی  
لہریں میرے پیروں کو چھوتی تو جیسے پورے جسم میں  
ٹھنڈے کرنٹ کی لہریں دوڑنے لگتیں۔ میرے وجود پر  
ابھی بھاری نہیں آہستا ہستا سرک رہی تھیں۔ میں آج خود  
کو سترہ برس بعد ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ میں نے ایک



تیز..... اتنی تیز کہ انہیں سمندر کا شور بھی نہ لگ سکا۔



میں جلدی جلدی روٹین کے کام سمیٹنے میں مصروف تھی کہ اچانک میری نظر بتامے کے ستون سے ہوئی کچن کی چھت پر آ کر جم سی گئی۔ چڑیا منہ میں تنکا دباے چھت کے چاروں طرف پھڑپھڑا رہی تھی میں اس چڑیا کو روز ہی منہ میں تنکا دباے دیکھتی وہ بھی ایک طرف پھڑپھڑاتی تو کبھی دوسری طرف شاید اسے اپنا گھونسلہ بنانے کے لیے کسی خاص جگہ کی تلاش تھی۔ کچن کی چھت دھوپ اور بارش کے لیے شیش کی طرز پر بنائی گئی تھی اس کے ساتھ لگے پتیل کے درخت کی سوچی جڑیں اس شیش پر گرتی رہتی تھیں۔ اس کی مستقل مزاجی مجھے بہت اُبھائی اور میں ہر روز کچھ دیر یہ منظر بونہی دیکھنے کے لیے کھڑی ہو جاتی۔

آج چڑیا نے کچن کی گھڑکی کے نیچے کھیلے میں گئے منی پلانٹ جو چھت کے گرد چکر لگاتے جا رہی تھی اپنا ٹھکانہ ڈھونڈ ہی لیا۔ یہ منی پلانٹ اس کوٹنے میں کچھ ماہ پہلے میں نے اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا۔ میں نے مسکرا کر چڑیا کی اس جگہ دو دو سوراہتی نظروں سے دیکھا پھر کچن کی جھاڑو دینے کا خیال آیا۔ اندر سے خالہ ساس کی مستقل آوازیں آ رہی تھیں۔

میں نے سر جھٹک کر جھاڑو تھام لی اور کسی شیشین کی طرح جیسے میرا بن آن ہو گیا تھا۔ میں جانتی تھی میری خالہ ساس وقت کی بے حد پابند ہیں وہ گھر کے طے شدہ کاموں میں پارچ منٹ کی تاخیر بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ شادی کے بعد زندگی کی ڈور جیسے گھڑی کی سوئیوں کی نذر ہو گئی تھی۔ اگر کسی کام میں دیر ہو جاتی یا خالہ ساس کے بتائے ہوئے کاموں میں میں کچھ رو دبدل کر دیتی تو اس کا خمیازہ خالہ ساس کے لٹکے منہ اور کڑے تیوروں کا سامنا کر کے دینا پڑتا پھر ساس کے آگے پیچھے کتنا ہی پھر لو معافی تلافی مانگنے کے باوجود وہ اپنا موڈ ایک ماہ سے پہلے بحال نہ کرتیں۔

میں ان کے رویوں کی جلد ہی عادی ہوئی شروع میں

آنجل مارچ ۲۰۱۵ء 184

مشکل ضرور ہوئی تکلیف جی ہوئی لیکن جب دیکھا ساس کا رویہ شوہر کی بے حسی۔ کتا گے مزید سرچڑھ کر بولتا تھا تو میں نے خود سے ہی ہار باریں لی اور اپنے معاملات اللہ کے سپرد کر دیئے۔ میری اکلوتا خالہ نے اپنے اکلوتے بیٹے کی پسند کی خاطر اس رشتے کے لیے کتنی ہی شیشیں کیس شاید میں ان کی ذاتی پسند میں شامل نہ تھی اور جب شادی کے ذکر پر حسن نے مجھ ہی سے شادی کی خواہش ظاہر کی تو خالہ چپ سی ہو گئیں شاید انہیں یہ توقع ہو کہ ان کا فرماں بردار بیٹا یہ حق انہیں بیاہ کسی تردد کے سونپ دے گا لیکن مجھ سے ہی شادی پر اصرار شاید ان کی انا کوٹھیں پہنچا گیا تھا۔

ہم دونوں کی شادی دھوم دھام سے ہوئی جس دن میں خالہ کے گھر لوہن بن سآ کی میں بھاگتی سے بہو اور وہ خالہ سے ساس بن گئیں۔ وہ پرت د پرت میرے سامنے کھلتی چلی گئیں شادی کے دوسرے دن میں خود سے ناشتا بنانے کچن میں چلی آئی خالہ کو کام میں مگن دیکھ کر میں نے چاہا کہ ان کا ناشتا اپنے ہاتھ سے بناؤں۔

”میں اپنا ناشتا خود بناتی ہوں تمہیں جو ناشتا کرنا ہے بناؤ حسن کا بھی۔ ہاں ناشتا بجے سے پہلے کر لیا کرو یوں گیارہ گیارہ بجے سب کراٹھنے کی عادت اپنا کر میرے گھر میں فحوت نہ ڈال دینا۔“ وہ بڑے آرام سے کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں شاید وہ بھول گئی تھیں کہ وہ ایک دن کی دہن سے ہی سب ہیں پھر آہستہ آہستہ مجھے احساس ہونے لگا کہ خالہ ساس ”اپنے گھر“ میں مقررہ کاموں میں رو دبدل برداشت نہیں کرتی تھیں۔

”حسن! میں سوچ رہی تھی کہ میں نہ گھر کی تھوڑی سی سیٹنگ بدلی جائے۔“ میں نے اپنے دل میں دبی خواہش کا ذکر اپنے شوہر سے کیا جو اخبار پڑھنے میں مشغول تھے۔ میں آرت کی دلربا خود بھی آرتش بھی فائن آرت کا ڈپلومہ میرے سائڈ چیمبر میں کر بول رہا تھا۔

”ہاں تو تمہارا اپنا گھر ہے امی سے پوچھ لو جو کرنا چاہ رہی ہو کر لو۔“ وہ بے پروائی سے مجھ پر نگاہ ڈالے بغیر بولے۔



رنگارنگ کہانیوں کے آسٹریلیائی چمپ جزیہ

AANCHALPK.COM

تازہ شمارہ شائع ہو گیا ہے



قلندر ذات

دنیا کو بخیر کرنے اور انسانیت کو اپنی انگلیوں پر چمپالے  
دلالت کے قلندر کا حوالہ دینا جلدی کی قلندر جزیہ

دید بان

علی سادوں کے پس منظر میں وطن پرستوں کے  
لیے بطور رہنما رہی ارشد ایک دلچسپ ناول

جگر سینگ

تاریخ کے صفحات میں خندہ درخشاں پنجاب کی ایسی  
دلگداز داستان جو کلاں کا داستان میں شامل ہوتی ہے

AANCHALNOVEL.COM

قارئین کی دلچسپی کیلئے خوبصورت سلسلے

خوشبو سخن، منتخب غزلیں، نظمیں۔۔۔ وقت آگئی اقتباسات

اقوال زریں احادیث وغیرہ معروف دینی اسکالر حافظ

شبیر احمد سے اپنے دنیاوی مسائل کا حل جانے

پیشہ کی صورت میں روزانہ (021-35620771)

”اپنا گھر۔“ میں منمنائی ماہوں دل میں گرہ ڈال کر بیٹھ گئی۔ یہ دو لفظ جیسے میں نے کتنی بار سن رکھے تھے خالہ ساس سے اپنی اس خواہش کا ذکر میں پہلے ہی کر چکی تھی لیکن وہ سنتے ہی بھڑک اٹھیں۔

”بی بی! میرے مرحوم شوہر نے اس گھر کو جس محبت سے جیسے سجایا ہے وہ ویسا ہی رہے گا جب تک میں زندہ ہوں اپنے گھر کو پس نہیں کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دوں گی۔“

”مگر امی اسے پس نہیں کرنے کو میں نے ہرگز نہیں کہا میں تو صرف تھوڑی سی جاوٹ کر کے گھر کی سیٹنگ بدلنے کا کہہ رہی ہوں۔ دیکھیں تھوڑی سی تبدیلی آپ کی آنکھوں کو بھی اچھی لگے گی اور گھر میں نیا پن بھی جھلکے گا۔“

میں نے نرمی سے ان کے ہاتھ تھام کر سمجھانا چاہا تو انہوں نے میرے ہاتھوں کو پرے کر دیا۔

”بس میں نے کہہ دیا جو کہنا تھا اب جا کے کچن میں جھانک لو کچھ تو جاس طرف بھی دے لیا کرو۔ دیواروں پر چالے لگ رہے ہیں صرف چار برتن دھو کر کمرے میں گھس جانے سے صفائی نہیں ہو جاتی۔“ خالہ ساس کا دو ٹوک انداز دیکھ کر میں مزید کچھ سننے بغیر کچن میں آ گئی۔

پورا کچن بے ترتیبی سے پھیلا ہوا تھا ناشتے کے برتن دھونے کے بعد میں نے کچن میں پھیلی چیزیں ان کی جگہ پر رکھنی شروع کیں۔ شادی سے پہلے میں کتنی موڈی ہوا کرتی تھی لیکن شادی کے بعد اپنے سارے موڈ بھول گئی اب تو صرف ساس کا خراب موڈ سر پر سوار رہتا۔

حسن سے جب بھی خالہ ساس کی شکایت کرنے کی کوشش کرتی تو ان کا رویہ سرد ہو جاتا پھر میں نے اپنے ہونٹوں پر چپ سادھ لی۔ اپنی ذہنی پورش سے بچنے کی خاطر اپنے آپ کو جسمانی طور پر گھر کے کاموں میں مصروف کر لیا سال بھر میں میری گود میں آ مشا گئی۔ سارا دان آ منہ اور گھر کے کاموں میں مصروف رہنے لگی۔ اب کوئی خواہش دل پر مسلط نہ تھی آ منہ کو تو وہیں لیے گھر کا کام مٹا بے حد کٹھن تھا لیکن کیا کرتی خالہ ساس آ منہ کو کسی طور سنبھالنے کے لیے تیار نہ تھیں یہ نہیں تھا کہ انہیں پوتے کی



خواہش تھی بلکہ ان کی عبادت میں خلل پڑتا۔ تسبیح کے دانے تیزی سے گراتی وہ آمنہ کو میری گود میں دیکھ کر نظریں پھیر لیتیں۔ کیا ہمیں ایسی ہی عبادتوں کی تلقین کی گئی ہے کیا مخلوق کی خدمت کسی عبادت میں شامل نہیں۔ کیا اخلاقیات بھی عبادت کے حصے سے خارج ہے؟ میرا دل خالہ ساس کے بے حس رویے پر کلستا رہتا لیکن ان کے رویوں کے آگے میں بے بس تھی۔ آمنہ کو ساتھ لیے گھر کے کام کرنا میرے لیے کتنے مشکل ہو جاتے اس کا اندازہ رات کو گھٹن سے چوڑھرا جسم ہلایا کر دیتا تھا۔

”اے اللہ مجھے اپنی مخلوق سے بے نیاز کر دے۔“ یہ دعا اکثر میرے لبوں پر رہتی اور میں آمنہ کو اپنے آئینہ میں چھپائے اسی دعا کا ورد کرتے کرتے سو جاتی۔

☆.....☆

”خالہ امی! آمنہ کی طبیعت بھر خراب ہوئی تھی ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ گھر سے کارپٹ اٹھا لیں۔ قالین اس کے لیے خطرناک ہے آمنہ کو المی ہو گئی ہے سب یہ گھنٹوں گھنٹوں چلنے لگی ہے کہاں تک اسے روکوں گی۔ ہمارا پورا حرف کارپٹ ہے اگر آپ کہیں تو کچھ عرصے کے لیے گھر سے قالین اٹھا دیتے ہیں۔“ میں نے جھپکتے ہوئے کہا۔

”اسے المی ہے تو اپنے کمرے تک رکھو میرے پودے گھر کو ویسے ہی اس نے تم پلیڈ نہیں کر رکھا۔ ڈرائنگ روم کے قالین کا بھی تمہاری بیٹی نے ہاس مار دیا ہے۔“ خالہ تنگ کر بولیں اور نماز کی پابند نہیں اور اس معاملے میں خاصی دھی بھی نہیں۔ آمنہ کی طبیعت کافی دن سے خراب تھی اسے المی ہو جاتی ڈاکٹر نے اس کا حل جو تجویز کیا وہ خالہ ساس کی نظروں میں کسی اہمیت کے لائق نہ تھا پھر میں نے مجھ پر آہستہ آہستہ آمنہ کو کمرے تک محدود کر دیا۔ آمنہ تین سال کی ہوئی تو فواد میری گود میں آ گیا اور میری مصروفیت کا دائرہ مزید بڑھ گیا جبکہ خالہ ساس کی تنگ نظری کا دائرہ مجھ پر مزید تنگ ہونے لگا۔ وہ گھر جسے اپنا بنانے کی خاطر میں نے خود کی لٹی کر ڈالی اصل میں میرا تھا ہی نہیں۔

خالہ ساس کا جتلیا ہوا انداز کہ یہ گھر ان کا ہے اب معصوم بچوں پر بھی رہنے لگا تھا اس گھر میں رہتے ہوئے بھی اس کا ایک ایک کونا میرے اور میرے بچوں کے لیے بیگانہ تھا۔ اپنے ہی گھر میں اجنبیوں کی طرح رہتے پندہ برس بیت گئے۔ میری ساس جو کئی برس سے دل کی مریفہ تھیں رضائے الہی سے، ایک دن اچانک اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ موت برحق۔ بدقت بھی ایک جیسا نہیں رہتا۔ زندگی کا پیہر بھی ایک جانا نہیں رکا رہتا چلتا رہتا ہے لیکن اپنے تلخ نقوش دلوں پر چھوڑ جاتا ہے۔ اپنی وفات سے چند دن پہلے بستر پر بیٹی خالہ ساس نے خاموشی سے وہ چابیوں کا پلٹھا میری قفل پر رکھ دیا میں انہیں حیرت سے دیکھتی رہی۔ یہ وہ چابیوں تھیں جسے چھونے کی بھی مجھے اجازت نہ تھی۔

”یہ لو..... اب یہ گھر تمہیں سونپ کر جا رہی ہوں تمہیں اب اندازہ ہو گیا ہوگا کہ تنگ سے گھر کس طرح بنتا ہے۔“ خالہ ساس دنیا سے رخصت ہو گئیں میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا میں پھوٹ پھوٹ کر رو دی لیکن حقیقت میں وہ مجھے بہت کچھ سمجھا گئی تھیں۔

☆.....☆

ہر طرف خاموشی تھی سمندر کی لہروں کا شور بھی پر سکون تھا ایک گہرا سکون..... ایسا لگتا تھا جیسے میرے جذلوں کا بحر بن پہنے سمندر بھی بہت شہر بچانے سے گریزاں تھا۔ میں نے اپنی بند مٹھی کھول کر چابیوں کے کچھ کی طرف دیکھا۔

”لو سنبھالو اپنا گھر.....“ خالہ ساس کا مجھے چابیاں دیتے وقت کہا جملہ کانوں میں گونجا میں نے اپنی مٹھی بند کر لی۔ اپنے گزروے تلخ پلوں کو وہیں مٹی کے ڈھیر میں دفن کر دیا۔ میں نے اپنے شوہر کو بچوں میں گمن دیکھا اور ان کی طرف بڑھ گئی یہ وہی سمت ہے جہاں میری منتظر صرف خوشیاں ہی خوشیاں ہیں اور میرا ”اپنا گھر.....!“







دن تمہارا ہے شب تمہاری ہے  
 عمر جتنی ہے سب تمہاری ہے  
 کیوں نہ رشک اپنی زندگی پر کروں  
 پہلے میری تھی، اب تمہاری ہے

خوف و ہراس کو جنم دے رہا ہے..... ہر طرف دھول اور مٹی  
 اڑ رہی ہے درخت اپنے سوکے زرا پتوں کو تارہ کارہ بوجھ کی  
 طرح اتار کر پھینک رہے ہیں اور کچھ ایسا ہی طوفان بلا خیر  
 تمہارے عائد بھی جاری ہے۔  
 فراہادی کی محبت کی کٹی تمہارے من کے آنگن میں  
 اس وقت کھلی ہے جب ہر طرف پرورد موسم کی  
 راہدہ جانی ہے اور اب تم یادوں کے پتے جھڑ درختوں  
 میں بیٹھی ہو اور تمہارے جسم و جاں بھی اسی موسم کی زد  
 میں ہیں۔ ملن کی رت کی تنہا کی محسوس اب گہری  
 اداس اور ویران شاموں میں ڈھال گئی ہیں اور تم بھی  
 انہی اداس شاموں کا ایک حصہ ہو۔

فراہادی..... جو تمہارے لیے ایک عام سالز کا تھا۔  
 دراز قد گندی رنگت بھورے بال جو ہمہ وقت اس کی  
 کشادہ پیشانی پر بکھرے رہتے تھے، بھوری آنکھیں جو  
 اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتی تھیں۔ اردو ڈیپارٹمنٹ کا وہ  
 سب سے ذہین و فطین اسٹوڈنٹ اور کمال کا شاعر تھا وہ

ایڈلف ہٹلر کہتا ہے  
 ”میں آپ کے لیے جنگ کا انتخاب کرتا ہوں تاکہ  
 محبت کا کیونکہ جنگ میں آپ یا تو زندہ رہتے ہیں یا  
 مر جاتے ہیں لیکن محبت میں آپ نہ تو زندہ رہتے ہیں نہ  
 مرتے ہیں۔“

پھر ایڈلف ہٹلر کے اس قول کو فراہادی کی محبت نے سو  
 فیصد سچ ثابت کر دیا اور شیریں ریحان..... تم زندگی اور  
 موت کی درمیانی کشمکش میں دن رات زندگی اور موت کی  
 جنگ لڑ رہی ہو۔ شیریں ریحان تمہارا دل آج فراہادی کی  
 محبت میں قطرہ قطرہ لہو کی بوند بن کر پھل رہا ہے اور تم  
 فراہادی کی کیفیت میں کرب و اذیت کی دلدل میں ہی  
 دھنکتی جا رہی ہو۔“

”محبت..... ہا.....“ یہ چار حرفی غظ اپنے اندر دو کے  
 اتنے گہرے پاتال رکھتا ہے کہ تم اس پاتال کی انتہا  
 گہرائیوں میں نیچے اور نیچے ڈوبتی جا رہی ہو باہر تند و تیز  
 آندھی چل رہی ہے ہوا کا شور اور درختوں کا احتجاج ایک



ضرور بن گیا۔

”فرہاد! یہ کیا پاگل پن ہے؟“ مجھے دور شدید کھرے میں ڈوبی سڑک پر دم سا ہیولہ دکھائی دیتا تو میں دوڑتا ہوا اس کے پاس جاتا اور کندھوں سے پکڑ کے جھنجھوڑتا وہ چند ثانیے خالی خالی نظروں سے مجھے نکلتا پھر آہستگی سے میرے ہاتھ کندھوں سے ہٹا کر پھر کہیں دور گہری دھند میں گم ہو جانے کے لیے ہڑلالتا۔

”فرہاد مت کرو یہ ظلم۔“ میں اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے احتجاج کرتا۔

”دیکھ فرہاد! یہاں بہت شہنشاہی ہے تم بیمار پڑ جاؤ گے چلو گھر چل کے گریبا گریم کافی اور ڈرائی فروس پر ہاتھ صاف کرتے ہیں۔“ لیکن وہ میری طرف دیکھتا تک نہیں جیسے کسی گہرے خیال میں ہو میری طرف دیکھے گا تو اس کا گیان ٹوٹ جائے گا۔

”میں تمہیں ایک وظیفہ بتاتا ہوں محبوب کو زیر کرنے کا۔“ میں شرارت سے کہتا تو لمحہ بھر کے لیے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں اور پھر فوراً ہی ان میں دھند سی بھر جاتی اور میرے وجود میں دور دور تک سنساہٹ دوڑ جاتی لیکن اس کی بے پرواہی میں سرسفرق نہ آتا۔

”دیکھ فرہاد! تم نے اپنی یہ روش نہیں چھوڑی تو میں خودکشی کر لوں گا۔“ نہیں پتا ہے ناں میں اپنے والدین کا اکھوتا چشم و چراں ہوں اگر مجھے کچھ ہو گیا تو انہیں کتنا دکھ ہوگا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری اوج سے کسی کے ناں باپ کو دکھ پہنچے؟“ میں اس کے پیچھے بھاگتا ہوا کہتا تو وہ رک جاتا اور شاید یہی اس کی دمکٹی رنگ تھی۔ سارے جہاں کا درد اپنے دل میں رکھ سکتا تھا لیکن کسی کو دکھ دینے کے خیال سے مجھی اس کی جان جاتی تھی۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے میرے ساتھ ہولیتا میں اپنی مثال اتار کر اس کے گرد لپیٹتا۔ اپنے جو گرز اتار کر نہ بروسی اس کے پاؤں میں پہناتا پھر ہم گھر پہنچتے۔ میں اسے چٹکے سناٹا لوٹ پٹانگ حرکتیں کرتا اس کے سروں کی ٹانگیں توڑتا اور اسے ہنسانے کی ہر ممکن کوشش کرتا لیکن اس کی سنجیدگی کی دیوار میں دراڑ تک

نظروں کا کھلاڑی بلکہ جاوہر تھا۔ خوب صورت لب و لہجے میں جب وہ بات کرتا تو گویا مقابل سے اس کی قوت گویائی سلب کر لیتا۔ سونے پر سہاگہ اس کی طبیعت کا ٹھہراؤ اس کی شخصیت کو پڑاؤ اور بادقار بنانے میں مدد و معاون تھا بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ شخص اپنی وجاہت اور سادگی میں اپنی مثال نہ رکھتا تھا۔ عام سی شکل و صورت کے باوجود وہ اپنے اندر اتنی خوبیاں رکھتا تھا جو کسی بھی لڑکی کو اس کا دیوانہ بنا سکتی تھی۔

شیریں ریحان! وہی شخص تم جیسی عام سی لڑکی کی محبت میں زندگی سے ہاتھ چھڑا کر موت کی تاریک وادیوں میں گم ہو گیا۔

شیریں ریحان! تم نے فرہاد علی کی آخری کتاب ”کیا دیا محبت نے“ کے پیچھے چھپی تصویر کو دیکھا اس کی کشادہ پیشانی پر نکھرے سنہرے بال اور دو چمک دار سنہری آنکھیں جو مجسم سوال بنی تم سے پوچھ رہی ہیں۔

”کیا دیا محبت نے“ تمہاری آنکھوں سے آنسو ٹپک کر تصویر پر گرے۔

”فرہاد علی! تمہیں محبت نے کچھ بھی دیا ہو مجھے تو صرف آنسو دیئے ہیں۔“ تم نے کہتے ہوئے اس کی تصویر پر اپنے لب رکھ دیئے باہر طوفان ایک دم غضب ناک ہو گیا تھا پھر تم نے گلاس وٹو سے لان کا منظر دیکھا جہاں کئی درخت اس طوفان کی زد میں آ کر جڑ سے اکھڑ چکے تھے۔ کچھ ایسی ہی اکھاڑ پھماؤ تمہارے اندر بھی جاری تھی تمہارے ہاتھ میں پکڑی کتاب کے اوراق پھر پھڑا رہے تھے۔ میں خاموشی سے تمہارے پاس سے اٹھ کر چلا گیا۔



سرد ٹھنڈی راتوں میں بخ بستہ سڑکوں پر بیٹھے پاؤں چلتے جب وہ ٹھنڈی آہ بھرتا تو میرے دل پر چوٹ لگتی۔ میں تڑپ کے اپنے گرم بستر سے لٹھکا اور دیوانہ وار اسے ڈھونڈتا۔

”شیریں ریحان! تمہاری محبت نے اسے کوچہ گرد بنا دیا ہے تمہارے عشق میں اگر وہ کوئکن نہیں بنا تو مجھوں



نے اس کے بازو پر چنگی کاٹی تو وہ کراہ اٹھی۔  
 ”آئیے میں آپ کو بتاتی ہوں۔“ تم نے لٹھتے ہوئے  
 سنجیدگی سے کہا۔

”شہرینہ غم؟“ وہ ساری لڑکیاں بے ہوش ہو کر ایک دوسرے کے اوپر گر گئیں جب کہ تم نے انہیں نظر انداز کر دیا اور ہمیں چلنے کا اشارہ کیا۔ تم نے اسٹینک کلر کا سوت پکڑ رکھا تھا جو تمہارے چہرے سے تقریباً ہم رنگ تھا۔ گلابی دوپٹے کے بالے میں تمہارا چہرہ بہت روشن تھا، خوب صورت آنکھیں اور گھنی چمکیں گلابی ہونٹ۔

ختم تو اچھے خاصے شہر حسن کی، لکھنؤ میں نے کن  
 اکھیروں سے تمہیں دیکھا۔

”اسی کوریڈور سے دائیں طرف۔ مڑ کر سیدھے چلتے جائیں سامنے اردو ڈیپارٹمنٹ ہے۔“ تم نے بتایا تھا۔  
 ”شکریہ ڈیئر سسٹر!“ میں نے شہادت سے کہا۔  
 ”خیر۔“ تم مسکرا کر بولیں اور پھر ایک اجنبی ہوئی سی نگاہ فریادگی پر ڈال کر واپس مڑ گئیں۔

”کیا قیامت تھی یا را“ میں تمہارے جاتے ہی اپنی  
حلیت برآ آ یا۔  
”شرم کو تمہاری تو سسر ہے۔“ فرہا نے جتا کر کہا تو  
میں ہنس دیا۔

”اور تمہاری؟“ میں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا تو اس نے بے نیازی سے کندھے چکا دیئے تمہارے بتائے ہوئے راستے پر چلتے جب ہم مطلوبہ مقام پر پہنچے تو وہاں کنسٹرکشن کا کام ہو رہا تھا۔ تم بہت سہولت سے ہمیں فول بنا گئی تھیں میں غصہ سے بے قابو ہونے لگا تم جیسی چمٹا تک بھر کی لڑکی کے ہاتھوں فول بن جانا میرے لیے سراسر توہین تھی جبکہ فراہادی بہت محفوظ ہو رہا تھا۔

محبت پہلی نظر میں ہو جاتی ہے یا ہر بار بار ملنے پر بھی نہیں ہوتی اور فرہادی پہلی ہی نظر میں تنہا را اسیر ہو گیا تھا۔ اس تمہاری اس معصوم سی شرارت نے فرہادی کے دل میں ایک بیٹھا بیٹھا سا درد جگا دیا تھا اور فرہادی کے دل اور راتیں

189 12-15 \*



کوئی نہ کوئی حسب حال شعر سوجھ جاتا تھا اب بھی وہ اپنی ازلی بے ساختگی سے، موسمِ جھوم کر بڑے والہانہ انداز میں گنگنائی تھی اور نتیجے میں مس مریم نے اسے زبردست جھاڑ پلائی تھی۔



ایک دلچسپ واقعہ یہ ہوا تھا کہ تم جو بھی شہرینہ رحمان تھیں اب محض شیریں رحمان بن کر رہ گئی تھیں۔ تمہاری سہیلیاں سب کلاس نیوز حتیٰ کہ پروفیسر بھی تمہیں شیریں کے نام سے پکارتے، لگے تھے آج تم نے نیلے رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا اور یہ رنگ فرہاد کے پسندیدہ رنگوں میں سرفہرست تھا فرہاد علی کی نظریں بار بار بھٹک کر تم تک جاتی تھیں۔ تم بھی تو عجیب پہیلی تھیں بظاہر سنجیدہ اور لیے دیئے رہتی لیکن حقیقتاً سب سے زیادہ شریں تھیں۔

بے دھیانی میں ہی فرہاد نجائے تمہیں کتنی دیر تکتا رہا اسے خبر ہی نہ ہوئی۔

”نظر لگاؤ گے کیا؟“ تم نے شرارت سے کہا تو وہ چونک اٹھا۔ اسے ایک خوش گوار حیرت نے آلیا ور نہ شاید اسے تم سے یہ توقع نہیں تھی۔

”یہ دنیا کتنی دل نشیں ہے؟“ فرہاد نے مدہوشی کے عالم میں کہا۔ دراصل تمہارے اس چھوٹے سے جملے نے اسے تن من سے سرشار کر دیا تھا۔ میں نے فرہاد سے کہا۔

”تمہاری آنکھوں کو کچھ لو یا تمہاری آنکھوں سے دیکھ لو دنیا ہر دو صورتوں میں دل نشیں نظر آئے گی۔“ اور وہ بڑے جذب کے عالم میں گنگنا رہا تھا۔

دھوپ چھاؤں سی اس کی طبیعت رہی  
وہ نگاہیں ملاتا چھاتا رہا



دل بیٹھے تجھ پر ہار پیا کر تو بھی ہم سے پیار پیا  
تیری راہوں میں کچھ کھو آئے دل روئے زار و زار پیا  
برگد کے گئے بیڑ کے پاس گزرتے ہوئے ایک پُر سوز  
آواز نے ہمارے قدموں کو ٹھکنے پر مجبور کر دیا تھا یہ گانے  
اور گنگنائے کی عادت تو رائیل کی تھی۔ اس کی آواز بہت

اسی درد اور تمہارے تصور میں گزرنے لگیں اور ہم وقت وہ اس شعر کی گروان کیے جاتا۔

رات سختی رہی میں سنا رہا  
درد کی داستاں میں سنا رہا



وہ دن بھی بہت خوش گوار تھا خصوصاً فرہاد علی کے لیے جب اس نے یہ جانا کہ تم اس کی کلاس فیو ہو لیکن تم نے تو سرے سے ہمیں پہچاننے سے انکار کر دیا تھا لیکن میں جب تمہیں دیکھتا میرا خون کھول اٹھتا۔ آج کلاسیکل شاعری کے حیرت میں مس مریم سے سب کا انٹروڈکشن ہو رہا تھا۔

”میں فرہاد علی ہوں۔“ اپنی باری پر فرہاد علی نے پراعتماد انداز میں کہا تھا۔

”اور میں شیریں ہوں۔“ عقب سے ایک مترنم آواز ابھری اور ساری کلاس تھمھوں اور کھٹکھٹا ہٹوں سے گونج اٹھی۔

”یہ کون میڈم شیریں ہیں ذرا رخ روشن تو دکھائیے؟“ مس مریم نے مسکراہٹ دہا کر قدرے سخت لہجے میں کہا۔

”میم..... پہلے یہ خود کو فرہاد ثابت کریں۔“ پھر وہی آواز ابھری۔

”اچھا وہ کیسے؟“ اب کے مس مریم نے حیرت و دلچسپی سے پوچھا۔

”دراصل میم! دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ واقعی پہاڑ کھود کر دودھ کی نہر نکال سکتے ہیں یا بس نام کے فرہاد ہیں۔“ فرہاد علی کے لیے تمہارا یہ سراسر استہزا ایسا انداز مجھے سوتی کی طرح چبھا تھا۔ جی تو چاہتا تھا کہ ابھی مزہ چکھا دوں لیکن فرہاد علی کی مسکراہٹ کے ساتھ سودا کرنا مجھے ہرگز منظور نہیں تھا سو میں دل مسوس کر رہ گیا کیونکہ فرہاد علی کی مسکراہٹ لمحہ بہ لمحہ دلکش ہوتی جا رہی تھی۔

نہ میں کو لیکن ہوں نہ میں قیس ہوں مجھے اپنی جان عزیز ہے مجھے ترکِ عشق قبول ہے جو تمہیں یقین و فائدہ ہو یہ بے چہن طبیعت کی ملکہ رائیل تھی جسے ہر بات پر



لا تعلق (بلکہ کج روی کہنا زیادہ بہتر ہے) کمال کی تھی۔  
 ”کسی جذبہ کو دکھانا کر دل میں مار رکھ لینے سے اور تو کچھ  
 نہیں ہوتا دل میں چھید ہو جا۔ تے ہیں۔“ وہ مایوسی کے  
 سمندر میں غوطہ زن تھا۔ اس کے چہرے کی رنگت بھیگی پڑ  
 رہی تھی اور آنکھوں میں دھند سی چمانے لگی تھی۔ وہ ایک دم  
 واپس مڑ گیا اور میں سائے کی طرز اس کے پیچھے۔

اک میں ہی پیارا رہا دوستو!  
 لوگ پیتے رہے وہ پلاتا رہا

.....☆☆☆.....

محبت کا جذبہ اگر سچا اور بے غلوں ہو تو ضائع نہیں جاتا اتنا  
 کی فصیلیں کشی ہی بلند کیوں نہ آجائیں۔ محبت بلا آخر  
 نہیں تو زوالی ہے بشرطیکہ کے آپ کے پاس صرف  
 خواہش نہیں پالینے کا عزم اور حوصلہ بھی ہو۔ اس روز بزم  
 ادب سوسائٹی کی طرف سے مشاعرے کی تقریب تھی۔  
 فرہادی اس سوسائٹی کا ممبر تھا اور آج اس نے خصوصی طور پر  
 اپنی ڈیرینگ کا اہتمام کیا تھا۔

”کسی پر بجلی گرانی ہے یا؟“ میں نے ستائشی  
 نظروں سے اسے دیکھ کر پوچھا وہ جواباً مبہم سا مسکراتا  
 ہوا ہل سنوارتا رہا۔

”شیریں رحمان! تمہیں تو شعر و شاعری سے کوئی  
 شغف نہیں تھا اور اس روز تم نے راتیل کے اصرار پر اس  
 تقریب میں شرکت کی تھی۔“

”سنو! یہ شاعر حضرات سے آتی لچھی ٹھیک نہیں یہ  
 بس ایویں ہوتے ہیں ہر وقت چوڑا کھانے کے لیے تیار  
 رہتے ہیں اور دل بھی پریے پھر۔ یہ ہیں جہاں کوئی حسینہ  
 و جمیلہ نظر آئی وہیں ان پر آم ہو جاتا ہے اور وہ ایک عدد  
 غزل کے ساتھ دل بھی ہتھیلی پر رکھ کر پیش کر دیتے ہیں اور  
 تمہارے وہ حضرات الف اے صاحب بھی یقیناً کوئی دل  
 پھینک قسم کے ہی ہوں گی۔“

تم نے اس وقت الف اے کے بارے میں صرف سن  
 رکھا تھا اور اسے دیکھنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔

”اب دیکھو ناں جو بندہ ہر دوسرے مینے کتاب لکھ لیتا

خوب صورت تھی اور یقیناً اسے اس کا ادراک بھی تھا جیسی تو  
 وہ اپنی آواز کا جادو جگاتی رہتی تھی لیکن اس وقت جو اس کی  
 آواز میں سوز و گداز تھا۔ وہ کم از کم میرے لیے بہت انوکھا  
 تھا جیسے کوئی کسی گہرے درد میں ڈوب کر گاتا ہے اس کا  
 سب وجہ اس کی دلی حالت کا آئینہ دار تھا اور اس کی یہ خوب  
 صورت آواز میرے دل پر دستک دے رہی تھی۔ میں اور  
 ابراہو برگد کے اس گھنے جڑ کے تنے کے گرد چکر کاٹ کر  
 تمہارے پاس آئے۔

”بیاد۔“ ہماری آواز پر تم چونک اٹھیں تم اس وقت  
 راتیل کے کندھے پر سر رکھ کر آنکھیں موندے بیٹھی تھی۔ تم  
 نے سر اٹھا کر اور آنکھیں کھول کر فرہادی کو دیکھا تمہاری  
 آنکھوں میں سرخ زورے تیر رہے تھے۔ تم نے ہلکے زور  
 رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا اور تم بالکل سرسوں کا پھول لگ  
 رہی تھیں۔ اداسی کا ایک سنہرا سا غبار تھا جس نے تمہارے  
 سارے وجود کو اپنے ہالے میں لے رکھا تھا۔

صدائے شے سے جو نکلی دل شیریں سے اٹھتی تھی  
 چمن خسرو کا تھا لیکن رہا فرہاد کا موسم  
 راتیل اپنا گیت بھول کر بڑی خوش دلی سے کوئی اور ہی  
 راگ الاپ رہی تھی۔ اس کی عادت تھی وہ جب بھی فرہاد کو  
 دیکھتی کوئی نہ کوئی ایسا شعر ضرور کہتی جس میں شیریں فرہاد کا  
 ذکر ہوتا۔ فرہاد اگر جس کی اس عادت سے خوب خطا اٹھاتا  
 تھا اب بھی مسکرایا مگر اس کی مسکراہٹ بھیگی سی تھی۔ وہ  
 تمہیں پریشان دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔

میں ڈوب جاؤں تمہاری اداس آنکھوں میں  
 تم اپنے درد کی گہرائیاں مجھے دے دو  
 کے مصداق... لیکن تم نے نہ کی اسے درخود اعتبار ہی  
 نہ سمجھا تھا کہ اپنے دکھ درد اس کے ساتھ شیر کر تیں۔

”آئیے پلیز بیٹھے۔“ من نے کہا۔  
 ”ہم آپ کو بالکل بھی بور نہیں ہونے دیں گے۔“  
 راتیل نے کہا۔

فرہاد نے پھر ایک نظر تمہارے چہرے پر ڈالی یہ بات  
 اگر تم کہتیں تو فرہاد شاید نہیں یقیناً زنجیر ہو جاتا لیکن تمہاری



ہے تو ضرور اس کی کوئی وجہ بھی ہوگی جو واردات اس کے دل پر گزرتی ہوگی وہ اسی کو رقم کرتا ہوگا اور تم بے وقوف لڑکیاں ان پر مڑتی ہو اور ان کا کیا پتا کہ وہ کس کے ہجر و وصال میں کتابوں کی کتابیں لکھ لیتے ہیں۔“ تم نے اس روز شاعروں کے خلاف اچھی خاصی تقریر کر ڈالی تھی۔

”شیریں! جب تمہیں کچھ پتا ہی نہیں تو تم اس پر تبصرہ بھی نہ ہی کرو تو اچھا ہے اب میں نے جو نظم لکھی ہے تو کیا مجھ پر کوئی واردات گزری ہے؟ ارے پاگل یہ تو خدا داد صلاحیت ہوتی ہے اس کے لیے دل پر چوٹ کھانا ضروری نہیں ہے۔“ رائیل نے احتجاج کیا۔

”لیکن تم نے تو نیل پر چوٹ کھائی تھی جب مس مریم نے تمہیں ساری کلاس کے سامنے ڈانٹا تھا۔ یہ نظم تو اس کے بعد ہی تم پر نازل ہوئی ہے۔“ تم نے شرارت سے کہا اور رائیل ہنس پڑی۔

”خیر! آج تمہارے نمونے بھی دیکھ ہی لیں گے۔“ تم نے رائیل پر احسان کرتے ہوئے کہا تھا۔

”کیا مطلب..... کیا شاعر انسان نہیں ہوتے؟“ رائیل ہرمان گئی۔

”بھئی تمہاری باتوں سے تو کوئی اور مخلوق ہی لگتے ہیں۔“ تم نے ہنس کر کہا۔

”میں نے تمہاری اس بحث سے خوب حظ اٹھایا تھا لیکن یہ فرہاد نجانے کہاں رہ گیا تھا۔ میں نے تمہارے خیالات فرہاد علی تک پہنچانے کا فریضہ بھی انجام دیا۔ میں چٹکے سے اٹھ کر فرہاد کو بلانے کے لیے چلا گیا آج تم نے نیلے رنگ کی شیلوں کی گھیر دار فراک اور چوڑی دار پاجامہ زیب تن کر رکھا تھا یہ رنگ فرہاد کو جنون کی حد تک پسند تھا اور پھر تمہارے وجود پر سجایہ رنگ آج کچھ زیادہ ہی انمول لگ رہا تھا آج تو تمہاری چھپ ہی نرالی تھی۔ تم نے لمبے

کٹنے بالوں کو آڑا چھوڑ رکھا تھا اور ہلکے پھلکے میک اپ میں آج تم بہت سی نظروں کا محور بنی ہوئی تھیں۔

”شیریں! تم اتنی خوب صورت لگ رہی ہو کہ میرا دل کرتا ہے کہ میں کوئی لڑکا ہوتی اور تمہاری تعریف میں

قصیدے پڑھتی اور..... اور.....“

”مکڑ! یہ سب کرنے کے لیے میں جو موجود ہوں۔“

تمہاری گفتگو کا ماسوع بدل چکا تھا۔ رائیل بڑے جذب کے عالم میں اپنی نادان خواہشات کا اظہار کر رہی تھی جب فرہاد کی گیسمر آواز پر تم دونوں یک دم مڑی تھیں۔

فرہاد علی نے پہلی بار زبہن کھولی تھی مجھے بہت اچھا لگا کہ وہ میرے اکسانے سے پہلے ہی اس نے اتنی ہمت کر ڈالی اور یہی میں چاہتا تھا۔

ہم پر ہتوں سے لڑتے رہے اور چند لوگ کیلی مٹی کھود کر فرہاد بن گئے

رائیل نے فرہاد کو دیکھتے ہی حسب عادت شعر کہا میں نے دیکھا شیریں! تمہارے چہرے پر برہمی کے واضح تاثرات تھے۔ تم بہت خود پسند تھیں اور فرہاد جانتا تھا کہ تم سے کوئی توقع رکھنا پھر سے سرنگرانے کے مترادف ہے۔

میں تم سے اس ناراضگی کی وجہ جانتا چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ تمہارے اندر فرہاد علی کی محبت کی سرنگیں کھودوں۔ اتنے میں مجھے ذرا فاصلہ، پرٹمن نظر آئی میں فرہاد کو اشارہ کر کے اس کی طرف بڑھ گیا۔

”آئی او یو جس!“ میں یک دم شمن کے رستے میں آ کر بولا۔ دراصل میں نے فرہاد علی کو اشارہ کیا تھا کہ تم شیریں سے اپنے دل کی بات کہہ دو۔ وہ اثبات میں سر ہلا کر مڑ گیا۔ تم مجھ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھیں میں یہاں سے تمہاری باتیں بآسانی سن سکتا تھا۔

”شیریں! میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ فرہاد تم سے محبت کرتا ہے۔ سنو! اگر وہ تم سے بھی محبت جتائے تو تم ضرور اس کی پذیرائی کرنا وہ بہت اچھا انسان ہے۔“ رائیل بطور تسخیم تم سے کہہ رہی تھی۔

”اوشہ فرہاد! میرے لیے وہی رہ گیا ہے کیا؟“ تم نے بہت کھیلے لہجے میں تنفر سے کہا تھا۔ تمہارے اس انداز پر میرا دل لہو لہو ہو گیا تھا اور فرہاد علی کی آنکھوں میں جیسے کسی نے ریت سی ضروری تھی وہ اٹنے قدموں مڑ گیا۔



”تو..... تم نے اس سے اپنے دل کی بات کہہ دی؟“  
میں نے انجان بن کر پوچھا تو وہ زچے لہجے میں گنگلیا۔  
لوگ لوگوں سے چاہت بھاتے رہے  
اک وہ تھا میرا دل جلاتا رہا  
❀.....❀.....❀

اس روز مشاعرہ خاصا کامیاب رہا تھا مشاعرے کے  
آخری شاعر ایف اے کی آمد کا سب کو بڑی بے تابی اور  
شدت سے انتظار تھا اور وہ ایف اے کوئی اور نہیں فرہاد علی  
تہی تھا۔ اس کی شاعری بے حد خوب صورت تھی جب وہ  
غزل کہتا تو سب کو ایک سحر میں باندھ دیتا اور اس سحر سے  
ڈلنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ مشاعرے کا اختتام پر تم اور  
رائل فرہاد کے پاس آئیں تو تم نے فرہاد سے پوچھا تھا۔  
”تو آپ ہی وہ ایف اے صاحب ہیں جن کی اتنی  
دھوم مچی ہوئی ہے؟“ تمہارے انداز میں حیرت تھی  
تمہارے اس پل پل بدلتے رویے پر میں جی بھر کے  
کڑھتا تو سوچتا تھا کہ فرہاد کے دل پر کیا گزرتی ہوگی؟

”دراصل مجھے کسی شاعر کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق  
پہلی بار ہوا ہے لیکن آپ تو بالکل ہمارے جیسے ہی انسان  
لگ رہے ہیں یعنی دو گنا انھیں دوکان ایک ناک دو ہاتھ اور  
دو پاؤں۔“ تم بہت سنجیدگی کے ساتھ کہہ رہی تھیں لیکن  
تمہاری آنکھوں میں شرارت ہلکورے لہے ہی تھی۔  
”جی نہیں ایک دم اور دو سینک بھی ہوتے ہیں۔“  
رائل نے جل کر کہا۔

”اچھا تو پھر ان کے کیوں نہیں ہیں؟“ تم نے فرہاد علی  
کو آگے پیچھے اور اوپر نیچے دیکھ کر کہا۔ جواب میں فرہاد علی  
زور سے ہنس دیا تھا۔

”اچھا آنو گراف تو دے دیں۔“ تم نے اچانک اپنی  
پتیلی فرہاد علی کے سامنے پھیلا دی تھی اور وہ اس کا یا پلٹ کو  
چند لمحے حیرت سے نگہا رہا۔

دل کے مہمان خانے میں رونق رہی  
کوئی آتا رہا کوئی جاتا رہا  
وہ نجانے کس دھیان میں تھا کہ اس نے تمہاری پتیلی

پر یہ شعر نگہ دیا۔  
”دیکھا رائیل! یہ اصلیت ہوتی ہے اور یہ حقیقت  
کی۔“ تم نے اپنی تھکی کوراٹیل آن ٹیموں کے سامنے  
لہراتے ہوئے استہزائیہ انداز میں کہا اور جن ذات دار  
نظروں سے فرہاد علی کو دیکھا تھا میرا جی چاہا کہ تمہاری  
آنکھیں فوج والوں لیکن کیا کرتا فرہاد علی تو تمہیں دیکھ کر  
جیتا تھا۔

❀.....❀.....❀  
”ہم جس سے ایک بار محبت کرتے ہیں پھر تمام عمر اس  
سے نفرت نہیں کر سکتے نہ ہی ہم اس سے اپنے ذہن و دل اور  
زندگی سے نکال سکتے ہیں۔ دل کرپ کسی تاویل کو مانتا ہے  
دل تو محبتوں کے قبیلے کا سردار ہے جو صرف فیصلے کرنا جانتا  
ہے۔ جو اس کے حکم سے انحراف کرے وہ اس کا سر تو قلم  
کر سکتا ہے مگر اپنا فیصلہ نہیں بدل سکتا۔“

آج فیشن کے پیریڈ میں مسز مریم سید امتیاز علی تاج  
کے ڈرامے ”انارکلی“ پر لیچر دے رہی تھیں۔ وہ لیچر دینے  
کے بعد حسب دستور اپنے لیچر کا اذکار کرتے ہوئے سوال  
کر رہی تھیں۔

”انارکلی آپ کے خیال میں کس کالمیہ ہے؟ انارکلی  
کا۔ شہزادہ سلیم کا یا اکبر اعظم کا؟“ مس مریم کا روئے سخن  
فرہاد علی کی طرف تھا میں نے کئی بار اسے شہو کا دیا لیکن وہ کس  
سے مس نہ ہوا۔

”مسٹر فرہاد علی؟“ اچانک مس مریم کی آواز قریب سے  
ابھری۔ فرہاد علی نے سر اٹھا کر دیکھا اس مریم نے فرہاد کے  
ہاتھ سے نوٹ بک چھین کر دیکھا اور پھر تاسف اور  
ملامت بھری نظروں سے فرہاد علی کو دیکھا۔ فرہاد علی نے  
خائف سا ہو کر سر جھکا لیا وہ عمر میں دم سے تقریباً چار پانچ  
سال بڑی ہوں گی لیکن ان کی شخصیت کا رعب و دبدبہ فرہاد  
جیسے قابل اور بے اعتماد بندے کو بھی نائف کر دیتا۔ دوسری  
بات وہ پڑھائی کے معاملے میں تانت تھیں۔ اتنی بڑی  
کلاس میں وہ ہر طرف سے چوکنی رہتی اور ان لیچر وہ کسی کی  
کم تو جہن کو براشت نہیں کرتی تھیں۔ اب بھی کچھ ایسا ہی



”اسے کیا ہوا ہے؟“ پھر اس نے قدرے سنبھل کر پوچھا۔

”اس کا ایک گروہ زاب ہے اور اب اس کے بچنے کی امید نہیں ہے تمہارے لیے خوشی کی خبر یہ ہے کہ شیریں جس کے قبضے میں ہے وہ کوچہ عدم سدھارنے والا ہے اس کی موت کے بعد شیریں آزاد ہوگی تو تم اسے حاصل کر سکو گے۔“ میں نے کہا۔

”محبت میں پالیہ اسی سب کچھ نہیں ہوتا محبت کرنے والے بہت بڑے ظرف کے مالک ہوتے ہیں ان کی صرف ایک ہی خواہش ہوتی ہے کہ ان کا محبوب خوش رہے۔ ہنستا ہنستا اور شہو آ باد رہے یہ محبت تو ایک الوہی جذبہ ہے جب اس میں سے غرض نکل جاتی ہے تو یہ بہت ارفع ہو جاتی ہے اور میری محبت ہر طلب سے بے نیاز ہوئی ہے۔ تمہیں شرم آتی چاہیے بھی ایسی بات کرتے ہوئے۔“ وہ مجھے ملامت کرتا وہاں سے چلا گیا لیکن میں اس کی حالت سے بے خبر نہیں تھا۔

”میں نے آپ فیصلہ کیا ہے۔“ ایک روز اچانک اس نے کہا۔ ”میں خسرو کو اپنا گروہ دے رہا ہوں۔“ اس نے کہا۔

”کیا.....؟“ میں بھونچکا رہ گیا۔ ”تمہارا دامخ خراب ہے کیا؟“ میں چیخا اٹھا۔ ساتھ ہی اس گھڑی کو ہچکتا جب میں اسے ہسپتال لے گیا تھا۔

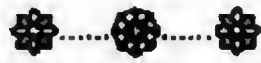
”مجھے ثابت کرنا ہے کہ میں انسان ہر حد سے گزر جاتا ہے تاکہ صرف اس حد تک جہاں اسے اپنی جان کے نقصان کا احتمال ہو تم نے کسی سے محبت نہیں کی اس لیے تم نہیں جانتے کہ محبت قربانی مانگتی ہے اور میری خوش نصیبی ہے کہ محبت مجھ سے قربانی مانگ رہی ہے پھر میرا اس دنیا میں ہے کون کہ پروا کروں۔“

”اور میں..... میں تمہارا کچھ نہیں لگتا۔“ اس کی سفاکانہ بی نیازی پر غم سے میری آواز بیٹھ گئی۔

”تم بھی چند روز کے لیے یاد رکھو گے پھر بھول جاؤ گے۔“ اس نے ہنسنا شروع کیا۔

ہوا تھا انہوں نے لوٹ بک فرہاد علی کے سامنے تقریباً پھینک دی جس کے دودھریانی صفحات فرہاد علی کی بے خودی کے ہاتھوں شہرینہ عرف شیریں کے اسم مبارک سے سیاہ ہو چکے تھے اور فرہاد علی.....

ہم کتب نے سارا سبق پڑھ لیا  
میں تیرا نام لکھتا مٹاتا رہا  
کی عملی تفسیر بتا بیٹھا تھا۔



رائیل نے ایک روز مجھے بتایا تھا کہ خسرو جس کی تم منکوحہ ہو بیمار ہے اور کئی مہینوں سے ہسپتال میں ہے تم ہر روز اس سے ملنے جاتی ہو اور اسے زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا دیکھ کر روئی ہوئی دایس لوٹ آتی ہو اور یہ تمہاری زندگی کا وہ راز ہے جسے بہت کم لوگ جانتے تھے۔ میں نے تمہاری فرہاد سے لافعلی کا سبب جان لیا شاید تم خسرو سے محبت کرتی تھیں اور اگر محبت نہیں تو پھر تم کو اس سے انیسیت ضرور ہوگی۔ کاش تم فرہاد کی محبت کی حدوں کا اندازہ کر سکتیں جو کہتا تھا ”محبت میں انسان ہر حد سے گزر جاتا ہے“ تمہیں یاد تو ہوگا کہ فرہاد کے اس جملے سے تم تھی چراغ پا ہوئی تھیں۔

”مسٹر فرہاد علی! محبت میں انسان صرف اس حد تک جاتا ہے جہاں تک اسے اپنی جان کے نقصان کا احتمال نہ ہو۔“ تم نے جس روکھے انداز میں فرہاد علی کی ٹہنی کی تھی مجھے بہت ناگوار گزرا تھا لیکن میں خاموش ہی رہا ہمیشہ کی طرح پھر ایک روز میں فرہاد علی کو ہسپتال لے گیا۔ خسرو کی حالت بہت نازک تھی کسی زمانے میں وہ خور برد رہا ہوگا لیکن اب بیماری نے اسے نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ مجھے اس کی یہ حالت دیکھ کر بیک وقت اسوس بھی ہوا اور خوشی بھی۔

”یہ کون ہے اور تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟“ فرہاد نے حیران ہو کر پوچھا۔

”یہ خسرو ہے شیریں کا نازک“ تمہیں اسی سے ملانے کے لیے لایا ہوں۔“ وہ یہ سن کر ساکت رہ گیا جیسے اب کہنے کو کچھ نہ رہا ہو۔



بھول جاؤ۔ باؤ  
بھول جاؤ کساپنے ماضی میں رکھا کیا ہے؟  
یہی نا.....  
دو چار ملاقاتیں  
ادھورے شکوے  
ادھوری باتیں  
اور کچھ اداس شاہیں  
چند ٹوٹی ہوئی انگلیں  
فون کی چند بے ربط کالیں  
اور کیا ہے اپنے ماضی میں  
بھول جاؤ.....!

نادیہ عباس دیا آورش تابیاب..... موسیٰ خیل

فرہاد کی محبت کی سرنہیں کھود رہی تھی جانے کب خود بھی اس  
گم نامہ دستے کی مسافر بن گئی تھی۔

راتیل کی دعائیں اور سجدے فرہاد علی کو کھینچ کر زندگی کی  
طرف لے آئے۔ خسرو چند روز میں ٹھیک ٹھاک ہو گیا اور  
اگلے ہی ماہ اس نے تمہیں تمہارے بائل کے آنگن سے  
رخصت کر لیا۔

قدرت نے فرہاد علی کو ایک موقع دیا تھا زندہ رہنے کا  
لیکن وہ تھا کہ ہاتھ دھو کر اپنی جان کا دشمن بن بیٹھا تھا۔ وہ  
بالکل ٹھیک ٹھاک بظاہر لیکن پھر بھی ایک کی تو تھی اسے  
زندہ رہنے کے لیے بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے تھا وہ  
میری تو ایک نہیں سنتا تھا کبھی بھی تو مجھے اس کی ذہنی  
حالت پر شبہ ہونے لگتا تھا۔ وہ سردراتوں میں ننگے پاؤں  
سڑکوں پر گھومتا رہتا تھا۔

”میں نے کہا تھا ناں کامران! کہ اگر میں جان سے  
گزر گیا تو میرے حق میں بہتر ہوگا میں زندہ رہا تو سلگتا  
رہوں گا۔ مجھ پر سردی اثر نہیں کرتی تم میری فکر نہ کیا  
کرد۔“ وہ رساں سے کہتا۔

”شیریں سے ملے ہو بھی۔“ میں نے پوچھا۔

”فرہاد ہم سائے کی طرح ساتھ رہے جب سایہ  
انسان کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے تو انسان مرجاتا ہے۔  
خدا خواستہ تمہیں کچھ ہو گیا تو میں بھی مرجاؤں گا۔“ وہ میرا  
جگری دوست تھا غم زاد تھا۔ ہم نے جنگلے نما گھر میں رہنے  
کے باوجود ہمیشہ ایک ہی کمرہ شیئر کیا تھا اور اب اس کی  
جدائی کے تصور سے ہی میرا دل ڈوبا جا رہا تھا۔

”کیسا باتیں کر رہی تم! جن سے تمہیں بعد میں  
شرمندہ ہونا پڑے۔“ اس کا اطمینان قائل دیدہ تھا۔ ”پھر میں  
نے اپنے سارے فیٹ کروالیے ہیں۔ میرا سب کچھ اس  
سے بیچ کر رہا ہے۔“ فرہاد نے حتمی انداز میں کہا۔  
”تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟“ میں نے احتجاج کیا۔

”محبت فائدے اور نقصان کے حصوں میں نہیں  
پڑتی کیا یہ کافی نہیں ہے کہ میں اپنی محبت کا ثبوت دے  
دوں گا۔ ایک انسان کو نئی زندگی مل جائے گی شیریں ہمیشہ  
مجھے یاد رکھے گی اور یہ بھی مان لے گی کہ میں ہم کا فرہاد نہیں  
ہوں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خسرو کے چمن میں  
فرہاد کا موسم رہے گا۔ میرا تو فائدہ ہی فائدہ ہے اگر میں اس  
امتحان میں جان سے گزر گیا تو میرے حق میں بہتر ہوگا اگر  
میں زندہ رہا تو شاید سلگتا رہوں۔“ اس نے کچھ اس انداز  
میں کہا تھا کہ میں لا جواب سا ہو گیا اور میں نے جان لیا تھا  
کہ اسے سمجھانا عبث ہے اور مجھے کیا ضرورت تھی اس کے  
رستے کھونے کرنے کی۔ جب وہ سر پر کفن باندھ کر سوتے  
مقتل جانے کا عزم کر چکا تھا اور چند روز بعد اس نے اپنا کہا  
پورا کر دیا۔

وہ اسپتال میں تھا اور راتیل پر والوں کی طرح اس کے  
گرد و گھوم رہی تھی وہ دن رات فرہاد کی عیادت کرتی۔ اسے  
ہوش آچکا تھا اس کی آنکھوں میں وہی فاتحانہ چمک تھی جو  
محبت کرنے والوں کی آنکھوں میں اس وقت ہوتی ہے  
جب وہ اپنی محبت کو حاصل کر لیتے ہیں اور وہ مجھے دیکھ کر  
مسکرایا تھا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن کمزوری کے سبب  
کہہ نہیں پا رہا تھا اور راتیل اس کا ہاتھ تھا اسے برستی ہوئی  
آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ جو شیریں کے دل میں



کیونکہ شیریں اور فرہاد کا جوڑک ممکن نہیں ہے کیونکہ ہمارے درمیان رسم و رواج۔ سراج اور خسرو سے بندھن کی طویل فصیلیں ہیں جنہیں عبور کرنا ناممکن تھا۔

میں ہر روز ہسپتال جاتی تھی یہ دیکھنے کے لیے خسرو کب زندگی کے بندھن سے آزاد ہوگا اور میں کب خسرو کے بندھن سے فرہاد نے اپنی دانست میں مجھے خوشی دی تھی چاہی تھی لیکن درحقیقت وہ مجھے دائمی غم دے گیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس کی قربانی سے میں شاد و باد ہو جاؤں گی لیکن یہ نہیں جانتا تھا اس شادی اور آبادی میں ہی میری بربادی ہے۔“

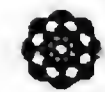
تم یہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ محبت بھی عجیب، گورکھ دھند ہے تمام عمر اپنے پیچھے دوڑاتی ہے لیکن پھر بھی کسی کے ہاتھ نہیں آتی۔

خسرو کو اس اجنبی شخص سے عقیدت ہے جو اپنی جان کو جوکھوں میں ڈال کر اسے زندگی دے گیا اور وہ ہر روز اس کی قبر پر فاتحہ پڑھتا ہے۔

رائل فرہاد کی محبت میں جو گن بن گئی ہے۔ مجھے اس بات کا اطمینان ہے کہ خسرو کے چمن میں فرہاد کا موسم ہے اور ہمیشہ رہے گا لیکن میں..... نجانے کیوں فرہاد کی یاد سے غافل ہونے لگا ہوں شاید اس لیے کہ میں بھی.....

جی ہاں..... میں بھی اس جو گن سے محبت کرنے لگا ہوں۔ جو صبح شام فرہاد کی قبر پر حاضری دیتی ہے جس کے کتبے پر میں نے لکھوایا ہے۔

تم سے پھوٹ کے زندہ ہیں  
دوست! بہت شرمندہ ہیں



”نہیں اور مجھے اب اس سے ملنے کی طلب محسوس نہیں ہوتی“ میں مکمل تو اس کا نہیں ہوسکا لیکن میرے جسم کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اس کے کہیں آس پاس ہے اور میں اسی میں خوش ہوں مجھے اب زندگی کی طلب نہیں۔ میں اپنی سانسیں گن رہا ہوں دیکھو کب کتنی پوری ہو۔“

پھر ایک روز اس کی سانسوں کی کتنی پوری ہو گئی اور وہ آزاد ہو گیا ہر فکر و غم سے۔ شیریں تمہاری محبت نے آخر اس کی زندگی کا چراغ بجھا ڈالا اس کی وفات کے تیسرے روز اس کی کتاب ”کیا دیا محبت نے؟“ منظر عام پر آئی تو میں نے سب سے پہلے یہی کام کیا کہ وہ کتاب تمہارے لیے لے کر تمہارے گھر چلا آیا۔

میں نے تمہیں بتایا کہ خسرو کے پھر سے جی اٹھنے کا سبب کیا ہے تو تم حیرت سے دنگ رہ گئیں۔

”اب تو تمہیں یقین آ گیا ہوگا کہ انسان محبت میں کس حد تک جاسکتا ہے۔ اب تو تم ماں لوگی کہ فرہاد صرف نام کا فرہاد نہیں۔ اب تو تمہیں پتا چل گیا ہوگا کہ شاعر حضرات کیسے ہوتے ہیں؟“

”تم کیا سمجھتے ہو کامران! کہ میں فرہاد سے محبت نہیں کرتی؟“ تم نے ایک دم سے غیر متوقع سوال کیا کہ شہر کچھ بول ہی نہ پایا۔

”پہلی نظر میں ہی فرہاد کی محبت نے میرے دل پر دستک دے ڈالی تھی۔ فرہاد علی ایسا شخص تھا جس کو دیکھ کر بے ساختہ میرے دل نے خواہش کی کہ میں چند قدم اس کے گھر لو چلوں۔“

تمہارے اس انکشاف پر میرا دل چاہا کہ میں دھاڑیں مار کے روؤں اور تم جی بھر کے کوسوں اگر ایسا ہی تھا تو تم نے ہمیشہ میرے دوست کا دل کیوں دکھایا۔

”مجھے ”فرہاد“ سے محبت نہ ہوتی تو میں شہرینہ سے ”شیریں“ کیسے بن جاتی؟“ تم نے پھر سوال کیا۔

”میں مانتی ہوں کہ میں نے ہمیشہ فرہاد کا دل دکھایا اور میں نے ایسا قصدا ہی کیا کیونکہ میں چاہتی تھی کہ فرہاد کے دل میں شیریں کی محبت کی کوئٹل پھوٹنے ہی نہ پائے





محبت دل کا سہرا  
سیا نیگل

WWW.PAKSOCIETY.COM



کس قدر انوکھا ہے رابطہ محبت کا  
کب نہ جانے ہو جائے معجزہ محبت کا  
اپنی ذات سے بھی وہ اجنبی لگتا ہے  
جس کے ساتھ ہو جائے حادثہ محبت کا

”رائل آرہی ہے۔“ وہاب احمد نے ڈرنیکل پر  
لوشین کو بتایا۔  
”آپ سے کس نے کہا؟“ لوشین کی آنکھوں میں  
حیرت تھی۔  
”تیمور کا فون آیا تھا وہ لوشین بھابی پھوپھو پاجان  
جج کے لیے جا رہے ہیں۔ رائل کا ویزا نہیں لگ سکا اور  
نیکل کے بھی ایگزٹر شروع ہونے والے ہیں اس لیے وہ  
بھی بہت مصروف ہے اپنی پڑھائی میں رائل آج کل  
گریجویشن کے بعد فارغ ہے اور بورڈ امتحانوں کر رہی  
ہے تو میں نے تیمور بھائی سے کہہ دیا کہ رائل کو پاکستان  
بھیج دیں۔“ وہاب احمد نے بڑی رسائی سے پوری بات  
اس کے گوش گزار کی۔  
”ہاں تو وہ اپنے ماموں کے گھر رہے گی۔“ لوشین  
نے نوالہ چباتے ہوئے کہا۔  
”رائل یہاں ہمارے گھر رہے گی تیمور بھائی  
اینڈ فیملی جج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد یہاں  
آئیں گے تو رائل کو ساتھ لیتے ہوئے واپس لندن  
چلے جائیں گے۔“  
”رائل یہاں رہ کر کیا کرے گی؟ اور وہ بے بھی جوان  
لڑکوں کا گھر ہے یہ وہ بگڑ گئی یا کل کلاں کو کوئی ایسی ویسی  
بات ہو گئی تو.....“  
”گویا آپ اپنے بیٹوں کے کردار پڑھنا اصل اپنی ہی  
تربیت پر انگلی اٹھا رہی ہیں۔“ وہاب احمد نے تاسف زدہ  
نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پانی کا گلاس اٹھایا تو وہ شیشا

کرہات کی وضاحت کرنے لگی۔  
”ارے میرا یہ مطلب نہیں تھا ایک تو آپ سمجھتے نہیں  
ہیں رائل اپنے ماں باپ پھر بھائی کی لاڈلی سوخڑے ہوں  
گئے اس کے ذرا سی اور بچ ہو گئی تو کل کو وہ تو ہمیں الزام  
دیں گے۔ آپ بھی ہمیں ہی نام دھریں گے جو ان لڑکی کی  
ذمہ داری اٹھانا کوئی خاص جی کا گھر نہیں ہے۔“  
”لیکن پیدائش کی خالہ جی کا گھر ہے اور وہ یہاں  
ضرور آئے گی اور ادھر ہی رہے گی۔ تم پتا نہیں کیا کیا  
سوچتی رہتی ہو بیکار کی پریشانیاں مت پالو اور اپنی  
ایکٹو لائیف پر دھیان دو یہ جتنے دن گھر میں ٹیٹ ٹو گیدر  
رکھ لیتی ہو اسے اپ ختم کر دو اپنے حالات اور اپنی اولاد  
پر بھی دھیان دو کلینا جوان ہے گھر میں جونپٹ نئے  
نمونے (لڑکے) آتے رہتے ہیں ناں یہ سب کلین کو  
کوئی اچھی چیز نہیں سہار ہے۔“  
”بات رائل کی اور ہی تھی اور آپ کہاں پہنچ گئے؟“  
لوشین نے تنک کر کہا۔  
”ایک لڑکی کی وجہ سے میں اپنے روز مرہ کی  
مصروفیات اور ملنا جونا ختم کر دوں یہ کہاں کی دانش مندی  
ہے اور لندن میں تو بیسے وہ مصلحتی پھرنی ہوئی باپردہ باحیا  
شرقی لڑکی کی طرز از دھکی چھپی رہتی ہوگی نا۔“  
”تو ٹھیک ہے رائل کے لیے فکرمند ہونے کی  
ضرورت نہیں ہے اور جو لڑکوں کے گھر کا وہم تمہیں ستا رہا  
ہے تو وہ بھی اپنے دل و دماغ سے باہر نکال دو ذوالنون اپنی  
اسٹڈی اور فرینڈز کے سلسلے میں اسلام آباد ہوتا ہے دو



ڈھائی ماہ میں چکر لگتا ہے اس کا اور نفل وہ راتیل سے دو سال چھوٹا ہے۔ تمہاری بے پروائی کا منہ بولتا ثبوت ہے مگر میرا خیال ہے کہ راتیل اسے سدھار لے گی۔ ابھی اتنا بھی نہیں بگڑا کہ اسے واپس نہ لایا جاسکے۔ یہاں کوئی راتیل کو تنگ نہیں کرے گا۔“ وہاب احمد نے سنجیدگی سے کہا وہ تاسف زدہ نظروں سے نوشین کو دیکھ رہے تھے۔

”اور علی اس کا کیا؟“ ایک دم سے نوشین کو وہاب احمد کے بھانجے علی عثمان کا خیال آیا جو آج کل ان کے گھر مقیم تھا۔

”علی ایک میچور اور سمجھدار لڑکا ہے اپنے کام سے کام رکھتے والا اس بے چارے کو تو بخش دو راتیل آٹھ برس چھوٹی ہے علی سے اور علی کا مزاج تم جانتی ہو وہ لڑکیوں سے کوسوں دور بھاگتا ہے۔“

”مگر.....“

”کیا اگر مگر بیگم؟ خواہ وہ کسے اور پریشانی اپنے دل و دماغ سے نکال دو۔“

”کب آرہی ہے راتیل؟“ نوشین نے بے زاری سے پوچھا۔

”دو دن بعد کیسی خالہ ہو تم؟ اپنی سگی بھانجی کو اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتیں وہ بھی چند ہفتوں کے لیے۔“

”ہمیں بھی تو لندن جانا ہوا گلے مہینے اس کا کیا ہوگا؟ ہم راتیل کی نگرانی کے لیے یہاں تو نہیں رک سکتے؟ اس کی وجہ سے اپنا پروگرام تو ملتوی نہیں کر سکتے۔“

”نوشین بیگم.....“ وہاب احمد نے اپنا ہاتھ اٹھا کر سے مزید بولنے سے روک دیا اور قدرے درشت لہجے میں بولے۔

”ایک بات تم بھول رہی ہو اور وہ یہ کہ یہ گھر راتیل کے پاپا کا ہے اور ان کی محبت و مہربانی ہے کہ ہم اس گھر میں بننا بنا کر آئے۔ کئے محروم سے رہ رہے ہیں۔ اور میرے پردیس کا دیوالیہ ہو جانے پر تیمور بھائی نے ہی میری مدد کی تھی آج جو ہم یہ عیش کر رہے ہیں ناں تو تیمور بھائی اور انوشین کی عنایتوں کی وجہ سے کر رہے ہیں اللہ کا لاکھ کرم جس نے

تیمور بھائی کو وسیلہ بنا کر بھیجا مجھے، ہمارا دینے کے لیے۔ ہم ان کی محبتوں کا یہ قرض مرتے دم تک نہیں ادا کر سکتے اور تم ہو کہ ان کی بیٹی اور اپنی سگی بھانجی کو اس گھر میں چند دن رہنے سے منع کر رہی ہو۔ کیا ہو گیا ہے تمہارے احساس کو؟“

”میری بھانجی سوہار آئے میرے گھر میں تو بس اس کے آرام کے خیال سے کہہ رہی تھی۔“ نوشین نے کھیلی ہو کر حیرت لہجے میں کہا تو وہ غمی سے بولے۔

”تم کس خیال سے کہہ رہی تھیں یہ میں ابھی طرح سے جانتا ہوں۔ ملازم سے کہہ کر راتیل کے لیے کمرہ میٹ کرادو۔“ وہاب احمد کی بات پر نوشین ناظرین چراگئی۔

علی نے اتفاقاً ان دونوں کی ساری باتیں سن لی تھیں اور خاموشی سے گیسٹ روم کی طرف ہٹا گیا تھا۔



پاپا جانی! کیا خالہ اور سب گھر والے مجھے وہاں خوش سے سو تکیم نہیں گئے؟“ راتیل نے بہور حسن سے سوال کیا۔

”ہاں کیوں نہیں؟ ان ٹیکٹ آپ کے بابا جانی کو آپ کے وہاب ڈیڈی نے ہی وہاں انویٹ کیا ہے یونہی آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔“ تیمور حسن نے راتیل کے بالوں کو سہلاتے ہوئے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”بس آئی نو اسی لیے تو میں ان کو ڈیڈی کہتی ہوں۔“

”ہاں وہاب احمد کی دلی خواہش تھی کہ ہماری راتیل انہیں ڈیڈی کہا کرے۔ ڈیڈی ان کے بچے انہیں ڈیڈی کہتے ہیں۔“

”بٹ پاپا جانی میں کبھی بھی آپ کے ماما کے اور بھیا کے بناتے دن اکیلی نہیں رہی ایک دن بھی نہیں رہی آپ سب کے بغیر تو اب..... تنہ سارے دن کیسے رہوں گی آپ سب کے بغیر؟“

”بیٹا جانی وہاں سب آپ کے اپنے ہوں گے آپ دیکھیے گا وہ سب آپ کو ہماری گواہیوں بھی نہیں ہونے دیں گے۔“

”جی نہیں آپ سب کی کمی کبھی کوئی بھی پوری نہیں کر سکتا۔“ وہ بچوں کی طرح کچھ دھمکے دھمکے اور کچھ پیارو



تھا۔ اس کی سیاہ پتلیوں سے عین بڑی بڑی آنکھیں  
ذہانت اور شوخی سے بھر پور تھیں۔ گلابی ہونٹوں کی  
مسکراہٹ بہت دلنشین تھی۔ نکمین رائیل کے بے تحاشا  
حسن سے مبہوت رہ گیا۔

”لندن کی آب و ہوا نے بہت اچھا اثر ڈالا ہے  
تمہاری رنگت پر لگتا ہے ملک اینڈ روز کھاتی ہیتی رہی  
ہو۔“ نکمین نے اس کے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے قدرے  
طریقہ لہجہ میں کہا۔

”رائیل تو پیدائش کے بعد نو سال تک پاکستان میں  
ہی رہی تھی یہ تب بھی اتنی ہی حسین تھی اب ماشاء اللہ اور  
زیادہ نکھر گئی ہے اور ظاہر ہے پیار کرنے والے ماں باپ  
نے پھولوں کی طرح پالا ہے رائیل کو۔“ وہاب احمد نے  
مسکراتے ہوئے کہا اور رائیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ بھی بہت پیاری ہیں نکمین آئی۔“  
”آئی نو میں اپنی فرینڈز کے گروپ میں سب  
سے زیادہ خوبصورت اور اٹریکٹو ہوں۔“ نکمین نے  
اتراپتے ہوئے کہا۔

”نکمین یہ تم کیا باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو جاؤ بہن کو اس کا  
کمرہ دکھاؤ تاکہ یہ فریش ہو جائے پھر سب مل کر نر کریں  
گے۔“ وہاب احمد نے نکمین کو دیکھتے ہوئے سنجیدہ مگر نرم لہجہ  
میں حکم دیا۔

نکمین منہ نہ کرنا۔ کمرہ دکھانے لے گئی۔  
”شی از سو پرٹی مام۔“ نوفل نے رائیل کے  
حسن کو سراہتے ہوئے نکمین کی طرف تائیدی نظروں  
سے دیکھا تھا۔

”نوفل یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا رائیل تم سے  
بڑی ہے اور بہن ہے تمہاری۔“ وہاب احمد نے براہی سے  
جواب دیا۔

”خالد زاد بہن۔“ نوفل نے صحیح کرنا ضروری سمجھا۔  
”بہن..... بہن ہی ہوتی ہے اور ایک بھائی کو اس  
رشتے کا اس کے تقدس کا خیال رکھنا چاہیے اور کان کھول کر  
سن لو نوفل جب تک رائیل یہاں ہے تم اپنے آوارہ

مان بھرے انداز میں بولی تو وہ ہنس دیے۔

”میری پیاری بیٹی سدا خوش رہو۔ آپ تو ہمارے  
آنگن کی بلبل ہو ہماری مینا ہو چڑیا ہو جس کی چہکار سے  
ہمارا بیٹا نکمین مسکراتا رہتا ہے۔“ تیمور حسن نے اس کے  
چہرے کو ہاتھوں کے ہالے میں لے کر اس کی روشن پیشانی  
پر بوسہ دے کر پیار سے کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

”مما دیکھیں پاپا جانی اپنی بیٹی کے لیے شاعری  
کر رہے ہیں حالانکہ شاعری تو انہیں آپ کے لیے کرنی  
چاہیے نا۔“ رائیل نے انہیں کو شوخ نظروں سے دیکھتے  
ہوئے شریر لہجہ میں کہا تو وہ دونوں ہنس پڑے۔ انہیں  
نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”بھئی جس باپ کی رائیل جیسی پیاری بیٹی ہو وہ  
شاعری کیسے نہیں کرے گا۔“  
”آئی لو یو سوچ پاپا جانی۔“ وہ ان کے گلے  
سے لگ گئی۔

”لو یو ٹو پاپا کی جان۔“ انہوں نے اس کے  
ہاتھ چومے۔

”وہ بھئی باپ بیٹی اپنی محبت میں ماں اور بیوی کو بھول  
ہی گئے۔“ انہیں نے پیار بھرا شکوہ کیا وہ ہنس پڑی۔  
”ارے انہیں بیگم آپ تو ہماری پہلی محبت ہیں ہم  
آپ کو کیسے بھول سکتے ہیں۔ بھلا سانس لیتا بھی کوئی بھولتا  
ہے جب تک قصداً نہ ہو؟“

”اف تیمور.....“ انہیں نے تیمور کے اس قدر پیار  
بھرے اظہار پر شرم و حیا سے نشکر اور محبت سے لبریز ہو کر کہا  
تو وہ خوش دلی سے ہنس پڑے۔



”وہاب لاج“ میں رائیل کا استقبال بہت گرم جوشی  
سے کیا گیا۔ رائیل سفید ٹراؤزر اور شاٹنگ پنک ہلکے کام  
والے کرتا نما شرٹ میں سیاہ ہل دالے جوتے پہنے سادہ  
سے چہرے میں غضب کی حسین لگ رہی تھی۔ گلاب اور  
دودھ میں مکلی رنگت سیاہ سلی زلفیں شانوں پر لہرا رہی تھیں  
لیئرنگ اسٹائل میں اس کا چہرہ اور بھی دلکش دکھائی دے رہا



دوستوں کو گھر نہیں بلاؤ گے سمجھ۔“ وہاب احمد نے سنبھہ کی تو نوشین بیچ دبا کھا کر رہ گئیں۔

”اور یہی حکم اور ہدایت تمہارے لیے بھی ہے نوشین بیگم تم جوائے دن گھر پر ایک ہنگامہ اور طوفان بد تمیزی پھاڑ رکھتی ہو نا اپنے سوشل سرکل کے مردوں اور عورتوں کو بڑا کر یہ سب بھی ختم ہونا چاہیے اب۔“ وہاب احمد نے سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں حکم جاری کیا۔

”آپ اس بالشت بھر کی لڑکی کی خاطر ہم سب کا بیٹا نام کرنا چاہتے ہیں۔ میں سب جانتی ہوں یہ کس کی محبت اسٹڈ رہی ہے آپ کے دل میں جو ہمیں پابند سلاسل کرنے کا سوچا جا رہا ہے۔“

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ذہنی عقل نہیں ہے تم میں کہ وہ بچی جو تمہاری بھانجی بھی ہے پردیس سے آئی ہے ایک الگ گھر سے آئی ہے وہ یہاں اپنے ملک میں انہوں کے گھر میں جب یہ کھیل تماشے دیکھے گی تو اسے کتنی مایوسی ہوگی۔“ وہاب احمد غصیلے لہجے میں بولے۔

”ہوا کرے ہم اس کے لیے اپنے طور طریقے اور انداز نہیں بدل سکتے۔“ نوشین نے بد تمیزی سے جواب دیا۔

”تمہارا تو وہ حال ہے کہ کواچلاؤ اس کی چال اور اپنی بھی ببول گیا۔ اللہ تمہیں ہدایت دے تم نے اپنی اولاد کو بھی آدھا تیرا آدھا شیر بٹا دیا ہے خندین کے دنیا کے دے تم لوگ۔“ وہاب احمد تاسف زدہ لہجے میں کہتے اسٹڈی کی طرف چلے گئے۔

”ہونہ! آئے بڑے مجھ پر حکم چلانے والے اپنی مرنی مسلط کرنے والے مائی فرس۔“ نوشین نے خود کلامی کرتے ہوئے دانت پیسے۔

”مئی اب کیا ہمیں رائیل بی بی کی پسند ناپسند اور مزاج کے مطابق رہنا ہوگا۔ رائیل جس ملک سے آئی ہے وہاں کون سے شرم و حیا کے چشمے بہتے ہیں۔ لندن سے آئی ہے وہ جہاں بوائے فرینڈز کسٹوٹائٹ کلب یہ سب چلتا ہے اور وہ اتنی پرکشش دنیا میں رہ کر ان چیزوں سے دور رہی ہوگی کیا؟ نو نیو رائیسی کوئی دودھ کی

دھلی نہیں ہے ڈیڈ کی یہ رائیل۔“ نکسین سپاٹ بچے میں بولتی چلی گئی اور اپنے کمرے سے مائی رائیل نے اس کی ساری باتیں سن لی تھیں وہ دنگ اور حیران پریشان سی واپس پلٹ گئی۔ وہ ان سب کے لیے گفتگو بھی لائی تھی مگر اس وقت دینے کو دل نہ چاہا۔

”ڈونٹ وری مائی چائلڈ تم دیکھنا میں کیسے اس نیک پروین کا ہتھ صاف کرتی ہوں جس نے آتے ہی ہمیں غلام بنادیا ہے ہمارے ہی گھر میں۔ تم کیوں اپنی سرگرمیاں ترک کر رہی اس رائیل کے لیے؟“ نوشین نے سازشی انداز میں مسکراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”لوگاؤ! سوائے ڈیڈی جی۔ کے یہاں تو کسی کو بھی میرے آنے کی خوشی نہیں ہوئی۔ نالہ اور نکسین آپلی مجھے کیا سمجھ رہی ہیں؟ ماما اور بابا جانی۔ نے مجھے میرے مذہب کچھ اور اپنی ویلیوز کا سبق ہمیشہ پڑھایا ہے۔ شاید یہ سب بہت مڈرن لائف گزار رہے ہیں۔ جنہی ان کو غصہ آ رہا ہے کہ میری وجہ سے انہیں اپنی روٹین چیلنج کرنی پڑی گی۔ میں تو یہاں صرف انہوں کی محبت دیکھنے چند دن ان کے ساتھ گزارنے آئی ہوں میں بھلا کیوں ان کی روٹین خراب کروں گی۔“ رائیل اپنے کمرے میں بیٹھی بہت دکھ اور افسردگی سے سوچ رہی تھی۔

”بابی کھانا لگ گیا ہے۔“ ملازمہ شمیم نے آ کر بتایا تو وہ خاموشی سے اٹھ کر چلی آئی۔ ڈنر کے بعد ماما بابا اور نکسین سے بات کی اور سونے کے لیے لیٹ گئی۔ شدید ٹھنکن کے باوجود نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس نے وال کلاک پر نگاہ ڈالی رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے لندن اور لاہور کے وقت میں کافی فرق تھا کچھ اس وجہ سے بھی اسے نیند نہیں آ رہی تھی اور پھر نئی جگہ تھی اور آتے ہی نوشین اور نکسین کی دلچسپی باتوں نے اس کی سماعتوں میں خراشیں ڈال دی تھیں اس کی وجہ سے وہ بہت بے کل اور بے چین تھی۔

”بابا جانی! کہاں بھیج دیا آپ نے مجھے؟“ رائیل کی آنکھیں بھی رات کے آنکھل کے ساتھ ساتھ بھیگنے



تو علی کو حیرت ہوئی کہ مغربی معاشرے میں پرداں چڑھنے والی راتیں کتنے مہذب، انیماز میں ہر بات کا جواب دے رہی تھی اپنی روایات کو جاتی تھی وہ۔

”او کے فیک کیئر۔“ علی نے دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور جانے لگا تو اس نے سفید گلاب اس کی طرف بڑھا دیا۔

”یا آپ کے لیے۔“

”میرے لیے مگر کیوں؟“ علی نے سفید گلاب کو دیکھا اور پھر حیرت سے اس کے چاند چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ معصومیت سے کہنے لگی۔

”انچولی میں سب کے لیے نفیس لائی ہوں آپ کے لیے نہیں لائی مجھے پتا نہیں تھا کہ آپ بھی یہاں ہوتے ہیں۔ اس لیے یا آپ کے لیے ہے۔“

”اوسو سویت“ تھیں۔ ”یو دیری ٹیج۔“ علی کو اس کی بے پناہ حساسیت اور معصومیت پر بے اختیار ہیرا یا اس سے سفید گلاب لے کر کہا ورنہ اندر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ راتیں کی صبح مزید خوش گوار ہو گئی اس احساس کے ساتھ کہ علی کو اس کے یہاں آنے سے خوشی ہوئی ہے اس نے اسے دیکھ کر کہا۔

”نہیں جانی میں آج یونیورسٹی نہیں آسکوں گی انچولی میری ایک عدد کرن آئی ہے لندن سے۔“ ٹین فون پر اپنے بوائے فرینڈ جاوید سے بات کر رہی تھی آواز راتیں کے کانوں تک پہنچ رہی تھی وہ کوریڈور سے گزر رہی تھی۔

”لندن سے واؤ میس ہے گوی رنگت بلو آئیز گولڈن ہیر والی ہے یاد کیسی انگریزی ہے؟“ جاوید نے دھچکی سے پوچھا تو ٹین ٹینڈ میں ڈوبی اور بیڑا آواز میں بولی۔

”دس سال لندن میں رہی ہے اور وہ کیسی ہے یا ولایتی تمہیں اتنی ایکساٹو کیوں ہو رہی ہے؟“

”یار میں تو یونہی پوچھ رہا تھا ورنہ مجھے تم سے آگے کچھ نظر ہی کہاں آتا ہے؟“ جاوید نے فوراً اسے کھنکھایا۔

”ہاں آج میں یونیورسٹی نہیں آ رہی تو ادھر ادھر منہ مارنے کی کوشش مت کرنا اور خبردار اگر کسی لڑکی کو دیکھنا بھی

لگیں۔ وہ شاید دو گھنٹے ہی سو سکی تھی۔ موزن کی صدا اللہ اکبر اللہ اکبر سارے ماحول کو بیدار کر رہی تھی۔ راتیں کی آنکھ بھی کھل گئی تھی۔

رات کا پردہ چاک کر کے سورج دھیرے دھیرے زمین پر اپنی کرنیں بکھیر رہا تھا۔ راتیں نے پاؤں میں ہلیپر پہنے اور باہر لان میں چلی آئی۔ گلاب کے نئی رنگ کے پودے لگے ہوئے تھے۔ اس نے گلاب کے پودوں کو بہت دلچسپی سے دیکھا اور ایک سفید گلاب جو اسے بے حد خوبصورت لگ رہا تھا اس نے وہ گلاب توڑ لیا۔

علی رات دیر سے آیا تھا جیسی راتیں سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ اس وقت وہ حسب معمول جو گنگ کے بعد ٹیٹ سے اندر داخل ہوا تو اس کی نظر پھولوں کے پاس کمری راتیں پر پڑی۔

”آئی تھنک سی از راتیں۔“ وہ مزید بولا۔

”رات اس سے ملاقات نہیں ہو سکی اب مجھے اس سے منا چاہیے۔“ لیکن کہنا چاہیے۔“ علی نے سوچا اور دھیرے دھیرے قدم ہاتھ تالان میں اس کے قریب پہنچ گیا۔

”راتیں۔“ علی نے اس کا نام لے کر مخاطب کیا تو وہ بری طرح چونک کر مڑی تھی۔

”میں علی ہوں آپ کی ایند خانہ کا بڑا بیٹا۔“

”السلام علیکم؟“ راتیں نے فوراً سلام کیا۔

”وعلیکم السلام کیسی ہیں آپ۔۔۔۔۔ ستر کیسار ہا؟“

”فائن۔“ راتیں نے مختصر جواب دیا۔

”گنڈ ویکم ان پاکستان کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہہ دیجیے گا۔“ علی پورے طریقے سے حق میزبانی ادا کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”بھینٹس۔“ وہی مختصر جواب علی نے ایک ہل کو غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

”آپ ٹھیک سے سو نہیں سکیں نا نئی جگہ ہے اور پھر نا سٹنگ بھی مختلف ہے نا آہستہ آہستہ آپ ایڈجسٹ ہو جائیں گی۔“

”ان شاء اللہ۔“ راتیں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا



تو آنکھیں پھوڑ دوں گی تمہاری۔“ نکسین نے اسے دھمکاتے ہوئے کہا تو وہ ہنس کر بولا۔

”ڈارلنگ! اس کا تو ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ آج میں بھی یونیورسٹی بنک کر لوں! کیونکہ یونیورسٹی گیا تو چاروں طرف رنگ برنگی تھیلیاں نظر آئیں گی۔“  
”اوکے کل ملتے ہیں۔“ نکسین نے نیند میں جھولتے ہوئے کہا۔

”آج کا دن کیسے گزرے گا تمہیں دیکھے بنا؟“  
”میری تھوڑی دیر دیکھ کر دل بہلا لو جانی! اوکے گڈ بائے۔“  
نکسین نے یہ کہہ کر موبائل آف کر دیا اور سر تک کمرے میں سوئے گئی۔ رائیل مسکراتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی۔  
”نکسین آپنی کسی کو پسند کرتی ہیں داؤ امیزنگ۔“ رائیل نے دل میں کہا۔

رائیل کے لائے ہوئے تحائف سب کو بہت پسند آئے تھے۔ نوفل تو رائیل کے آنے کی خوشی میں گھر میں ایک گرینڈ پارٹی کرنے کی تجویز دے رہا تھا مگر نکسین نے صاف منع کر دیا۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے گرینڈ پارٹی کی مفت کا پیسہ ہے کیا؟ جسے بہت خوشی ہو رہی ہے رائیل کے آنے کی وہ باہر کسی ہوٹل میں ڈنر یا لنچ کرادے اسے۔“ نکسین نے سپاٹ نیچے میں کہا اور اٹھ کر چلی گئیں۔ رائیل کے ساتھ ساتھ وہاب احمد بھی اپنی جگہ شرمندہ رہ گئے۔ انہیں نکسین سے اتنی بے مروتی اور بد اخلاقی کی توقع نہیں تھی کہ وہ رائیل کے سامنے ایسی بات کر سکتی ہیں۔

”ڈیڈی! میں رائیل کو اپنے ساتھ ڈنر پر لے جاؤں! تھوڑی آؤٹنگ بھی ہو جائے گی۔“ نوفل نے باپ کی شرمندگی کو ختم کرنے کی غرض سے فوراً کہا تو وہ بھی مسکھیل کر بولے۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں ضرور لے جاؤ اور رائیل کو کچھ ٹنا چنگ بھی کروادینا یہ پیسے رکھ لو۔“ وہاب احمد نے اپنے والٹ سے ہزار ہزار کے کچھ نوٹ نکال کر نوفل کی طرف بڑھا دیئے۔ رائیل وہاب احمد کی شرمندگی کو محسوس کر رہی

تھی اسے ان پر بے اختیار ہنسی آیا تھا۔  
”رائیل تم تیار ہو جاؤ! ہم ایک گھنٹے بعد ڈنر پر چلیں گے۔“ نوفل رائیل سے مخاطب ہو کر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہاب احمد کی رکی رکی سانس بحال ہوئی انہیں خدشہ تھا کہ کہیں نکسین کی باتوں کی وجہ سے رائیل منع نہ کر دے۔ درحقیقت وہ نکسین کی باتوں سے رائیل کا دھیان ہٹانا چاہتے تھے اور رائیل کو بھی اس بات کا احساس تھا جسے منع نہیں کیا۔

نوفل اسے فائو اسٹار ہوٹل میں ڈنر کے لیے لایا تھا۔ رائیل بہت دلچسپی سے ادھر ادھر کے مناظر اور ہوٹل میں موجود کھلے اور فیسلمز کو دیکھ رہا تھا جو وہاں ڈنر انجوائے کرتے آئے تھے۔

”کیسی لگی یہ جگہ؟“ نوفل نے رائیل کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہوں! اچھی ہے۔“ وہ مسکرائی۔  
”یہاں کا کھانا بہت مزیدار ہے میں اپنے فرینڈز کے ساتھ اکثر ویک اینڈز پر اوروہ ہی آتا ہوں۔“ نوفل نے مزید بتایا۔

”اچھا۔“ وہ مسکرا دی۔  
”لو دوستوں کا ذکر کیا اور آگئے۔“ نوفل نے اپنے دوستوں بابر، جمی، پرویز اور احمد وگلاس ڈور سے اندر داخل ہوتے دیکھا تو خوش ہو کر بتایا۔

”تم نے اپنے فرینڈز کو بھی ڈنر پر انوائٹ کیا ہے؟“  
”ہاں۔“

”دس انوائٹ فیئر ڈیڈی۔“ نے مجھے تمہارے ساتھ ڈنر کے لیے بھیجا تھا۔“ رائیل کو اس کی یہ حرکت بری لگی تھی مگر اسے یہ سن کر ڈال کر کہا۔

”ہاں تو تم میرے ساتھ ہی ڈنر پر آئی ہو میرے دوست بھی ہمیں جوائن کر لیں گے تو کیا ہے گھر پر تو ہو نہیں سکتی پارٹی، ممانے منع کرو۔“ ہے تو میں نے سوچا کیوں نہ میں اپنے فرینڈز کو انوائٹ کر دوں اور ہم سب مل کر پارٹی کریں۔“ نوفل نے بے نیازی سے مسکراتے ہوئے



رہنے والی لڑکی تھی ہر کسی سے بے تکلف نہیں ہوتی تھی اس کے ممانا پانے اس کی تربیت ہی ایسی کی تھی کہ وہ اپنی اقدار کا لحاظ رکھے۔

”نوفل تم یہ بکواس سن کر خوش ہو رہے ہو اپنی بہن کا تماشا بنوا کے اسے نمائش میں لگا کر اس کی خوب صورتی کی دلا وصول کر رہے ہو۔ شرم آتی چاہیے تمہیں مجھ سے عمر میں تو چھوٹے ہو ہی مگر تمہارے کام بھی بہت چھوٹے اور گرے ہوئے ہیں۔“ رائیل نے غصے اور درشت لہجے میں کہا تو وہ بھی بھڑک اٹھا۔

”لسن پیا رٹاٹ مالی کس۔“

”ہاں جب نگاہ میں شرم اور حیا باقی نہ رہے تو ہر لڑکی تم جیسوں کو آئٹم گرل ہی دکھائی دیتی ہے۔ چلو میں نہیں ہوں تمہاری سسز اگر ٹکین ہوتی میری جگہ تب بھی تم اپنے فرینڈز کی یہ بکواس اسی فخر کے ساتھ سنتے اور مسکراتے رہتے؟“

”مگر مسلمان ہو شرم و حیا والے عزت والے ہو تو تم سب کی نظروں میں میرے لیے بھی عزت ہوتی احترام ہوتا مگر تمہیں تو ہر لڑکی آئٹم گرل دکھائی دیتی ہے تم میں سے کون ہے کسی کی۔“

”ہاں..... ہم سب کا ہیں؟“

”تو کیا تم اپنی بہنوں کو یہاں لاسکتے ہو اپنے دوستوں کے درمیان بٹھا کے اسی طرح خوش ہو سکتے ہو جیسے نوفل ہو رہا تھا جو کچھ تم نے میرے بارے میں کہا اگر وہی کچھ تمہارے دوست تمہارے منہ پر تمہاری بہن کے متعلق کہیں تو کیا کہو گے تم؟ تمہارا رد عمل کیا ہوگا اس وقت؟ کتنے خوش ہو گے تم بتاؤ؟“

”میں اس سالے کا منہ تو زوروں کا جو میری بہن کے بارے میں ایسی بے ہودہ بکواس کرے گا۔“ امجد نے جذباتی پن سے کہا۔

”میں بھی۔“ جمی بولا۔

”میں منہ توڑنے کے ساتھ ساتھ دوستی بھی توڑ دوں گا۔“

جواب دیا۔ اتنی دیر میں اس کے دوست ان کی ٹیمبل کے قریب آ چکے تھے۔ رائیل کو اپنا آپ ان پانچ لڑکوں کے بیچ بہت ان کمزٹ مہمل ٹیل ہو رہا تھا۔ وہ چاروں اسے سر سے پاؤں تک ایسے دیکھ رہے تھے جیسے پہلے کبھی کسی لڑکی کو دیکھا نہ ہو رائیل نے نیوی بلو فراؤزر پر ہلکے کام والا پریل کرتا بہن رکھا تھا اور اسے کارف سر پر سلپتے سے پہنا تھا کہ اس کا سر ڈھک گیا تھا۔ وہ چاروں لڑکے بھی نوفل کی طرح عجیب و غریب حلیے میں تھے۔ گھٹنوں سے پٹنی ہوئی جنز کی پینٹ پہنے کسی نے سیلوئس شرٹ پہن رکھی تھی کسی نے لی شرٹ اور کسی نے ہاف ہازروں والی شرٹس چڑھا رکھی تھی۔ رائیل نے حیرت سے ان کا جائزہ لیتے ہوئے سوچا کہ یہ کس دنیا کی مخلوق ہیں۔

”یہ میری کزن ہیں رائیل فرام لندن۔“ نوفل نے رائیل سے ان چاروں کا تعارف کرانے کے بعد رائیل کا ان سے تعارف کروایا۔

”آپ سب اسی ملک کے باشندے ہیں ناں؟“ رائیل نے کمال معصومیت سے ان چاروں کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”جی..... کیا مطلب؟“ وہ چاروں ایک ساتھ بولے۔

”آئی مین یہ حلیہ وہاں لندن میں تو چیرٹی مانگتے والوں کا ہوتا ہے آئی مین بھیک مانگنے والوں کا۔“

”یاد تیری کزن تو ہماری بے عزتی کر رہی ہے۔“ جمی نے نوفل سے کہا۔

”رائیل..... ڈارنگ! یہ فیشن ہے آج کل یہ سب بہت ان ہے۔“ نوفل نے وضاحت کی اسے بھی رائیل کا اس طرح سے اس کے دوستوں کے بارے میں کھوٹ کرنا کچھ اچھا نہیں لگا تھا۔

”یاد نوفل تیری کزن تو پوری آئٹم ہے قسم سے۔“ اور باقی دوستوں کی اس قسم کی رائے پر جہاں نوفل اتر رہا تھا وہاں رائیل غصے سے لال ہو رہی تھی ایسی باتیں تو کبھی اس نے لندن میں بھی کسی سے نہیں سنی تھیں۔ وہ لیے دیئے



”ہاں بالکل میں بھی ایسا ہی کروں گا۔“ پرویز کی بات پر باہر نے بھی تائید کرتے ہوئے کہا۔

”گڈ ویری گڈ۔“ راتیل نے مسکراتے ہوئے تالی بجائی۔ ”اس کا مطلب ہے کہ ابھی کچھ شرم لٹاؤ آپ لوگوں میں باقی ہے آگے بڑھیں ضرور ہے لیکن ابھی پوری طرح سے آنکھوں کا پانی مرا نہیں ہے جب آپ سب اپنی بہنوں کے بارے میں ایسی کوئی بات نہیں سن سکتے تو مجھے ایمان داری سے بتائیے کہ کیا آپ کو یہ زیب دیتا ہے کہ آپ اپنے دوست کی بہن کے بارے میں میرے بارے میں کسی کی بھی بہن بنی کے بارے میں ایسی بے ہودہ بات کریں ایسی رائے دیں جو آپ نے مجھے دیکھ کر دی کیا میں کسی کی بہن نہیں ہوں میری کوئی عزت نہیں ہے آپ کی نظر میں..... مجھے آپ لوگوں نے کیا سمجھا تھا کہ میں لندن سے آئی ہوں تو بے حیائی کا نمونہ ہوں گی؟ میرے بارے میں ایسا کیوں کہا آپ نے؟ آپ کے والدین نے آپ کو عورت کی کسی لڑکی کی عزت کرنا نہیں سکھایا کیا؟ آپ کی عمر اپنی تعلیم پر توجہ دینے کی ہے لڑکیوں پر توجہ دینے کی نہیں ہے۔ آپ کو پہلے خود آئینہ دیکھنا چاہیے کہ آپ ہیں کیا؟ لڑکیوں کو بعد میں دیکھیے گا ابھی تو عمر بڑی ہے پہلے کچھ بن تو جائیں کسی قابل تو ہو جائیں اس بے شکے اور بڑھکے چلے کو اپنا کر اپنے ماں باپ کی دولت پر اترا کر آپ کون سا تیر مار رہے ہیں آپ کا اپنا کیا ہے اس میں؟ آپ نے ایسا کیا کا نامہ انجام دیا ہے کہ کوئی لڑکی آپ سے متاثر ہو جائے۔ میرے ملک کے نادان نوجوانو! میرے نا سمجھ بھائیوں! ہوش اور عقل کے ناخن لٹھری لٹھری کو دیکھ کر آوازیں کسنا کسوت پاس کرنا شریف اور اچھے لڑکوں کو ذیبت نہیں دیتا کیا سمجھے؟“

”ہم یہاں لپکھ رہے ہیں آئے تھے۔“ پرویز نے منہ بنا کر کہا۔

”تو کیا کرتے آئے تھے؟“ راتیل نے کڑے تیوروں سے اسے ٹھوٹا اچھد نے پرویز کو کہنی ماری نوفل خاصا شرمندہ اور خاموش بیٹھا تھا۔

”چھوڑ یار جانے دے۔“ امجد نے پرویز کو خاموش کرایا۔

”سوری سسڑ ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے راتیل ہمیں یہ باتیں پہلے کہنا چاہیے تھیں۔“ باہر نے سنجیدگی سے کہا۔

”بتانا کون ہر لڑکی ان جیسی تو نہیں ہوتی کہ سمجھانے بیٹھ جائے۔ سارا قصور لڑکوں کا تو نہیں ہوتا سسڑ جب لڑکیاں بے پردہ پھرتی ہیں ہر طرح کا فیشن کر کے تو مردوں کی نظر کا پردہ آپ ہی اڑا جاتا ہے خیر آئندہ میں تو اپنی پوری توجہ اپنی انجکشن پر دوں گا لڑکی کا جب ٹائم آئے گا تب دیکھا جائے گا۔“ امجد نے سنجیدگی اور صاف گوئی سے کہا تو راتیل مسکرا دی۔

”نوفل تم اپنے فریڈز کے ساتھ پارٹی انجوائے کرو اور مجھے کوئی ٹیکسی منگوا دو مجھے گھر لے جائے۔“ راتیل نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر نوفل کو دیکھتے ہوئے کہا اور باہر دوڑنے کی طرف بڑھ گئی تو نوفل تیزی سے اس کے پیچھا آیا۔

”آئی ایم سوری۔“ نوفل نے راتیل کے غصے سے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھتے ہوئے شرمندگی سے کہا مگر وہ خاموش گاڑی میں بیٹھی رہی۔

”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ.....“

”اب تو اندازہ ہو گیا ہو گا نا سو بی کیئر نوفل ان فلو جو۔“ ”بس۔“ راتیل کے غصے اور اس کی باتوں نے نوفل کی ساری اکر نکال دی تھی۔ آہستگی سے جواب دیا۔ دراصل اس میں نوفل کا بھی قصور نہیں تھا اس نے جب سے ہوش سمجھ لیا تھا اپنی ماں نوشین کو باپ کے ساتھ بدتمیزی سے ہی پیش آتے دیکھا تھا۔ یہی بدتمیزی اور بے پرواہی نوفل اور نوشین میں بھی سرایت کر گئی تھی۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ماں نے بھی ان کے باپ کو اہمیت نہیں دی ان سے کبھی سیدھے منہ بات تک نہیں کی۔ انہیں محبت کے لائق نہیں سمجھا ان کا خیال نہیں رکھا تھا وہ اب احمد نے ہمیشہ ان سب کی ضروریات کا خیال رکھا تھا انہیں کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی پھر بھی نوشین کو ان سے شکایتیں ہی رہتی تھیں وہ



کبھی وہاب احمد سے خوش نہیں ہوئی تھیں اور نہ ہی وہاب احمد کو کوئی خوشی دی تھی۔ اولاد بھی قدرت نے قسمت میں لکھی تھی جو ان کے درمیان ایک پل بن گئی تھی اور وہ بھی باپ کے نقش قدم پر چل رہی تھی۔ نوشین کی دیکھا دیکھی ہی نکسین بھی یونیورسٹی میں لڑکوں سے بے تکلفی سے ملتی تھی۔ جاوید کے ساتھ تو اس کا باقاعدہ فہم چل رہا تھا۔ جاوید بڈل کلاس سے تعلق رکھتا تھا مگر پینڈم ہونے کی وجہ سے نکسین کی نظر عنایت و محبت اس پر جیسے ٹپ سی گئی تھی۔ وہ اسے قیمتی تھا کہ ابھی دے چکی تھی۔ مرد و خواتین دونوں ہی نوشین کے حلقہ احباب میں شامل تھے۔ اور اکثر گھر بھی آتے رہتے تھے یہ بات وہاب احمد کو سخت ناپسند تھی۔ انہوں نے نوشین کو کوئی بار غیر مردوں کا جنہیں وہ اپنا دوست کہا کرتی تھیں انہیں گھر لانے سے منع کیا تھا مگر وہ نوشین ہی کیا جو ان کی بات مان لیتی وہ تو ہر وہ کام کرتی تھی جس سے وہاب احمد کو تکلیف اور ذہنی اذیت پہنچتی تھی۔ تین سال سے وہاب احمد کا بزنس بھی خسارے میں جا رہا تھا۔ فیکٹری قرض لے کر چل رہی تھی۔ اسپورٹ ایکسپورٹ بری طرح متاثر ہوئی تھی۔ بہت سے بینک لونز واجب الادا تھے۔ وہ دیوالیہ ہو گئے تھے ایسے میں بھی انہیں بیوی کی طرف سے تسلی بخشی اور حوصلے کی امید نہ تھی اور نہ ہی نوشین نے انہیں اس کڑے وقت میں سہارا دیا نہ حوصلہ دیا۔ انہیں اذیت سے دوچار کیا۔ اس وقت تیمور حسن نے ہی وہاب احمد کو سہارا دیا ان کا تو گھر بھی رہن رکھا گیا تھا تیمور حسن نے اپنا گھر جو کے کرائے پر دیا ہوا تھا ڈیڑھ کینال کا شاندار بنگلہ تھا وہ انہوں نے وہاب احمد کو بتا کسی کرائے کے رہنے کو دے دیا تھا۔ مالی مدد بھی کی تھی جس سے وہ پھر سے اپنے بزنس کو کھڑا کر سکے تھے وہاب احمد تیمور حسن کے بے حد ممنون اور احسان مند تھے۔

”وہاب لاج“ میں گاڑی رکھتے ہی رائیل گاڑی سے نیچے اتری اور تیزی سے اندر کی جانب بھاگی کہ سامنے ساتے علی سے ٹکرائی۔ علی کو اس کے چہرے پر غصہ اور بے زاری صاف دکھائی دے رہی تھی۔ رائیل انہیں دیکھ

کر پشیمانی۔

”اوہ سوری۔“

”اٹس اوکے..... آری حال رائٹ؟“

”ایس فائن۔“ وہ جواب دے کر سائیڈ سے نکلنے لگی تھی کہ علی نے پوچھ لیا۔

”اتنی پریشان اور غصے میں کیوں ہو؟“

”ویڈی نے نوفل کے ساتھ ڈنر پر بھیجا تھا بٹ نوفل نے اپنے فریڈز کو بھی وہاں انوائٹ کر لیا تھا۔ دے آر ٹاٹ گڈ ٹائمز۔“

”ہوں..... تو ڈنر نہیں آیا؟“

”نہیں۔“

”چلو اکٹھے ڈنر کر۔“ ہیں مجھے بھی بہت بھوک لگ رہی ہے۔“ علی نے مسکراتے ہوئے کہا وہ اس کی کیفیت کو کسی حد تک سمجھ رہا تھا۔ اور نوفل کے دوستوں کا بھی اسے علم تھا کہ وہ کس مزاج کے ہیں۔

”آئندہ نوفل کے ساتھ اکیلی باہر مت جانا۔“ علی نے کھانے کی ٹیبل پر رائیل کو ہدایت دی تو اس نے چونک کر اسے دیکھا وہ بھلا اس کی اتنی پروا کیوں کر رہا تھا؟

”تم..... تم تو نوفل کے ساتھ ڈنر پر گئی تھیں پھر یہاں ڈنر کس لیے؟“ اسی وقت نوشین باہر سے آئیں اور رائیل کو علی کے ساتھ ڈنر کرتے دیکھ کر تیز لہجے میں پوچھا تو وہ گھبرا گئی اور علی کو تنگنے لگی۔

”ایکجائی نوفل نے اپنے فریڈز کو بھی انوائٹ کر لیا تھا۔“

”تو یہ تو اچھی بات ہے وہ تمہارا خیال کر رہا تھا تمہارا دل بھلانے کو اس نے پارٹی کا آرینج کیا اور تم چھوڑ کر چلی آئیں۔ یہی میسر نہ کئے ہیں تمہیں تمہارے اماں باوا نے میرے بیٹے کی انسلٹ کر کے اب تم یہاں مزے سے ڈنر اڑا رہی ہو۔ وہاں لندن میں کیا سات پردوں میں کھانا پینا کرتی تھیں۔ ہونہ بڑی آئی پارسیا۔“ نوشین نان اسٹاپ رائیل پر طنز و تغریک کے تیر برساتی گئیں۔ وہ اندر تک سے چھلنی ہو گئی تھی۔ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ علی



دیکھا اور دماغ میں ایک خیال ابلی کی سی تیزی سے گوندا تھا۔  
 ”سوری رائگ نمبر۔“ دشین نے یہ کہہ کر ریسور  
 کریڈل پر دکھ دیا اور ماتھے پر ٹمکن ڈال کر تیزی سے رائٹل  
 کی طرف آتے ہوئے بولیں۔

”ایک دن نہیں ہوا تمہیں یہاں آئے ہوئے اور تم نے  
 اپنے آشنا کو میرے گھر کے فون نمبر بھی دے دیئے۔“  
 ”یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟“ رائٹل پر جیسے حیرتوں  
 کے پہاڑ ٹوٹے تھے۔ علی بی لب کانٹے ہوئے اسے  
 دیکھ رہا تھا۔

”یہ رائٹل کون ہے؟“ تو شین نے جھوٹ بولا۔

”میں کسی رائٹل کو نہیں جانتی۔“

”اچھا! تو وہ تمہیں کیسے جانتا ہے؟ لندن سے کال کی  
 تھی اس نے تم سے بات کرنے کے لیے میں نے کہہ دیا  
 کہ رائگ نمبر ہے۔“

”میں کسی رائٹل کو نہیں جانتی تو اسے یہاں کا نمبر  
 بھلا کیوں دوں گی؟ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔“  
 رائٹل نے سنجیدگی سے کہا: ”اس کا دل تو چاہ رہا تھا کہ اڑ  
 کر اپنے ماما پاپا اور بھائی کے پاس پہنچ جائے“ اس کا  
 دل دکھ سے بھٹ رہا تھا۔

رائٹل نے دگنی نظروں سے علی کی طرف دیکھا اور اپنی  
 ہی نظروں میں شرمندہ اور چوڑی بن گئی اور خاموشی سے اس  
 کمرے میں چلی آئی جو اسے نمبر نے کے لیے دیا گیا تھا۔  
 علی نے اس کی پلیٹ کو دیکھا: ہار روٹی، سالن ویسا ہی رکھا  
 تھا اور وہ خالی پیٹ ہی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ علی کی  
 بھی بھوک مرنی تھی۔ سو اس نے بھی کھانا نہیں کھایا۔  
 جاتے جاتے علی کو نجاب نے کیا ڈال آیا اس نے ٹیلی فون کے  
 قریب جا کر سی ایل آئی پر نمبر چیک کیا، کچھ دیر پہلے آنے  
 والی کال کا نمبر اور وقت دیکھ کر وہ حیران رہ گیا کہ وہ کال تو  
 لاکل تھی۔ اور پچھلے چار دن کی، لڑ میں کوئی بھی کال لندن کی  
 نہیں تھی۔ علی گیسٹ روم کی طرف آتے ہوئے سوچ رہا تھا  
 کہ ممائی نے جھوٹ کیوں بولا؟ ممائی کو رائٹل سے اتنی چڑ  
 بلکہ نفرت کیوں ہے؟

بھی ششدر تھا کہ یہ تو شین ممائی کو ہوا کیا ہے جو ایک دن  
 کی مہمان سے ایسا برتاؤ کر رہی ہیں؟  
 ”آئی وہ لوگ بہت فضول گفتگو کر رہے تھے آئی ایم  
 سوری! بٹ نوفل کے فریڈ زبالکل بھی اچھے نہیں ہیں۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟ تم میرے بچے کے  
 کریکٹر پر انگلی اٹھا رہی ہو اس کے دوستوں کو برا کہہ  
 رہی ہو گویا تم میری تربیت پر انگلی اٹھا رہی ہو۔ میرا بیٹا  
 آوارہ ہے جیسی اس نے برے دوست بنائے ہیں۔  
 یہی مطلب ہے تمہارا۔“

”نہیں آئی! میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔“  
 ”ممائی! آپ غلط سمجھ رہی ہیں پلیز ریلیکس اتنا غصہ  
 آپ کی صحت کے لیے ٹھیک نہیں ہے آپ کا بی بی شوٹ کر  
 جائے گا۔ ریلیکس۔“ علی نے آگے بڑھ کر تو شین کو شانوں  
 سے تمام کرنی سے کہا۔

”علی بی! تمہیں نہیں معلوم یہ کیسی لڑکی ہے اس کے  
 ماں باپ نے اپنی بلا ہمارے سرمندہ دی تاکہ خود بدنامی  
 سے بچے رہیں یہ یہاں آ کے پارسائی کے ڈرامے کر رہی  
 ہے جیسے میں اسے جانتی نہیں ہوں۔“ تو شین نے رائٹل  
 کے کردار کی دجیاں نکھیر دی تھیں رائٹل صدمے سے  
 گنگ کھڑی تھی۔

”آئی آپ میری ماما کی بہن تو نہیں لگ رہیں آپ  
 کو کسی نے یہ حق نہیں دیا کہ آپ میرے کردار پر کچھڑ  
 اچھالیں! جھوٹ بول کر آپ کون سا ثواب کما رہی ہیں؟“  
 رائٹل نے ہمت کر کے کہا۔

”دیکھا تم نے علی سنا کیسی زبان چلتی ہے اس کی نگین  
 یہ نگین کہاں ہے؟“ تو شین نے علی سے ہڈیانی انداز میں کہا  
 اور نگین کے کمرے کی طرف جانے لگی کہ اسی وقت علی  
 فون کی گھنٹی بجی۔

”ہیلو۔“ تو شین نے رک کر ریسور اٹھایا۔

”السلام علیکم! جی یہ ارشاد صاحب کا نمبر ہے نا پلیزان  
 سے بات کرنا دیجئے میں طاہر بول رہا ہوں۔“ دوسری جانب  
 سے آواز آئی تو تو شین نے چوڑی نظروں سے علی اور رائٹل کو



وہ راتیل کے ساتھ اتنا ناز یا سلوک کیوں کر رہی  
ہیں؟ آخر کیا راز ہے اس سارے کھیل کے پیچھے؟ وہ جوں  
جوں سوچتا جا رہا تھا لگتا چلا جا رہا تھا۔

”نکسین.....“ وہ لپ لپ ٹاپ پر جاوید سے چینگ کر رہی  
تھی نوشین کی آواز سن کر ہڑبڑا گئی۔

”اف مام آپ نے تو مجھے راضی دیا۔“

”لڑا تو تم مجھے ہی ہوا پتی بے پروائی سے۔“

”کیوں مام..... کیا ہوا؟“

”میں نے تم سے کہا تھا نا علی پر نظر رکھو اس کا خیال رکھا  
کرنا اسے توجہ نہ دے مگر تمہاری توجہ تو کہیں اور ہی مبذول  
ہے۔“ نوشین نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”مام وہ بہت ان روٹنگ آؤی ہے آنکھ اٹھا کر بھی  
نہیں دیکھتا میری طرف اب مجھ سے نہیں ہوتی حریف  
ایکٹنگ۔“ نکسین نے بے زاری سے کہا کیونکہ جب علی آیا  
تھا یہاں تب شروع دنوں میں وہ اس کے بہت آگے پیچھے  
پھرتی تھی یہاں نے یہاں سے اس کے پاس جاتی اس سے  
بات کرنے کی باہر لے جانے کی کوشش کرتی مگر سب  
بیکار..... اسے تو شاید اپنے کام اور اپنے والدین کے نام  
کے علاوہ کچھ یاد ہی نہیں تھا اور نکسین کو اس کے اس رویے  
سے اپنی بہت تنگ محسوس ہوتی تھی اور وہ غصے میں آ کر اس  
سب کئی کئی دن بات بھی نہیں کرتی تھی۔

”چار دن ڈرامہ کر لو گی تو ساری زندگی عیش سے گزارو  
گی۔ اس کم بخت راتیل کی تو دیکھو نفل کا ڈنر چھوڑ آئی اور  
علی کے ساتھ ڈنر کر رہی تھی میں نے بھی ایسا ہنگامہ کیا کہ  
ایک نوالہ بھی حلق سے یہ نیچے نہیں اترنے دیا موصوفہ کے۔“  
نوشین نے بڑے فالتوا انداز میں بتایا۔

”موم چھوڑیں راتیل کی ٹینشن مت لیں اس کی ماں  
یہاں نہیں گلے والی۔“

”میں گلے دوں گی تب نا۔“ اور وہ دونوں تہقہہ لگا کر  
بہس پڑیں۔

”اچھا میری بات غور سے سنو! راتیل کو علی کی نظر میں  
معتبر نہیں ہونے دینا علی کی اپنی ٹیکسٹری نے کام شروع

کر دیا ہے بنگلہ بھی مکمل ہی سمجھ و علی سے اگر تمہاری شادی  
ہو گئی تو راج کرو گی۔ اس کے گھر میں ماں باپ کے علاوہ  
کوئی ہوگا بھی نہیں۔ دونوں بہنوں کی شادی ہو گئی ہے چھوٹا  
رضی تو اپنے نفل کی عمر کا ہے اس کا حصہ نہیں ہوگا علی کی  
پر اپنی میں لہذا علی کو راتیل سے بدگمان کر دو اور خود اس کے  
دل میں جگہ بنانے کی کوشش کرو۔ باقی اینٹا پا کو تو میں تمہی  
میں کر لوں گی وہ علی کے لیے تمہیں خود ہی مانگ لیں گی۔“  
نوشین کے سازشی دماغ نے جو پلاننگ کی تھی وہ نکسین کو بتا  
رہی تھیں جبکہ نکسین کی دلچسپی کچھ خاص نہیں تھی۔

”موم ٹھیک ہے علی گڈ لٹنگ اور ڈشنگ ہے مگر مغرور  
بہت ہے وہ مجھے پسند نہیں کرتا تو میں محض اس کی پر اپنی  
کے لیے اس سے شادی کیوں کر لوں؟“

”یہ پسند پیار کچھ نہیں ہوتا وقتی اہال ہے سب ذرا  
حالات نے کروٹ بدلی دل بھی بدل گیا اور پیسے کے بغیر  
پیار بھی آزار بن جاتا ہے خانا پیٹ تو محبت کے خواب بھی  
نہیں آتے سمجھو میری نادان بیٹی۔“

”مگر موم میں جاوید سے محبت کرتی ہوں۔“

”ششاپ۔“ وہ غصے سے بولی۔

”کچھ ہے، اس کا ہی خیال کر لیا ہوتا یہ مل کلاس  
کے لڑکے صرف محبت کے خواب ہی دکھا سکتے ہیں۔ پیار  
بھری باتیں اور تھوڑا کلاس، ومانوی شاعری سنا سنا کر جملے  
بول بول کر تم جیسی امیر لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنساتے  
ہیں اور سب کچھ لوٹ کر سی اور کو لوٹنے کے لیے نکل  
پڑتے ہیں۔“

”اف موم پلیز بس کریں آپ تو بہت خوف ناک  
باتیں کر رہی ہیں۔“

”یہ محض باتیں نہیں ہیں زندگی کی تلخ حقیقتیں ہیں۔  
جنہیں تم جتنی جلدی سمجھ جاؤ اتنا ہی اچھا ہے اور فائدہ مند  
بھی۔“ نوشین نے نہایت سنجیدگی سے اپنی بات ختم کی تھی  
نکسین نے گہرا سانس لیور اسے خارج کیا۔



آج پہلی بار وہ اس قدر روٹ کر بکھری تھی۔ آنسو جن



”ہاں گئی میری جان، رے پاس اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں ہے۔“ جاوید پیار سے سمجھا رہا تھا۔  
”مگر یہ سب اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ میرے ماں باپ کی عزت و دُور لنگ جائے گی اور وہ مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے۔ پر اپنی سے بھی عاق کر دیں گے۔“

”ارے جان! تم خواہو، کی ٹینشن پا رہی ہو کچھ نہیں ہوگا جب وہ تمہیں میرے ساتھ خوش دیکھیں گے تو خود ہی ہمیں معاف کر کے گئے سے لگا لیں گے ان کا غصہ بھی ٹھنڈا پڑ جائے گا۔“ جاوید نے پیار سے سمجھایا۔  
”اور تمہارے گھر والے۔“

”میرے گھر والے تو بے پنی سے انتظار کر رہے ہیں کہ کب تم ان کے گھر میں دلہن بن کر آؤ اور کب ان کو تم پر اپنی بکثیتیں بچھاؤ کرنے کا موقع ملے خاص طور پر مجھے۔“ وہ شرارت بھرے لہجے میں بولا تو وہ ہلش ہو گئی۔  
”ٹھیک ہے میں سوچ کر خواب دوں گی۔“

”لو کے ڈار لنگ! ٹیک کینہ جلد بات ہوگی اور ہاں اپنی شادی کی شاپنگ بھی کر لینا۔ میں تو سیدھا مارکیٹ جا رہا ہوں۔ اپنے لیے کچھ نئے ڈر بزو خریدنے۔“ وہ شرارت سے بولا۔

”او کے بائے ڈار لنگ۔“ نگین نے ہنس کر جوابا کہا اور موبائل آف کر دیا۔ راتیل کو دور سے ہی اس کے چہرے پر پھیلی حیا اور خوشی کی سرخی دکھائی دے رہی تھی۔ مگر نگین غلط کرنے جا رہی تھی، اس غلط کو کسی بھی صورت اسے روکنا تھا۔ مگر کیسے؟ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اس سلسلے میں وہ کس سے بات کرے؟ گھر میں ایسا تو کوئی بھی نہیں تھا جو اس کی بات سننا اور سمجھنا۔ نگین اور نونل سے تو بات کرنا گویا بھڑوں سے، جیسے میں ہاتھ ڈالنا تھا۔ وہ اب احمد سے ایسی بات وہ ایک لڑکی ہونے کے ناطے کر نہیں سکتی تھی اور کس سے کہتی کہ وہ نگین کو غلط اور انتہائی قدم اٹھانے سے باز رکھے وہ اپنی ہی نہیں اپنے ماں باپ کی عزت بھی مٹی میں ملانے جا رہی تھی۔ دو دن ہو گئے

سے کبھی آشنائی نہ تھی دکھا جس سے کبھی دور کا واسطہ تک نہ تھا، ناقدری جس نے کبھی اس کو چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ آج وہ سب اس کے پورے وجود میں نگین نے اتار دیئے تھے۔  
”پاپا جانی یہ کہاں بھیج دیا آپ نے مجھے؟“ وہ ہچکیاں لے کر رو رہی تھی اور اپنے پاپا سے سوال کر رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ جتنے ناز و نعم میں وہ اپنی بڑی تھی، جتنی محبتوں کے حصار میں وہ ہنسی مسکراتی رہی تھی، اب تک یہاں آ کر اسے اتنی ہی تکلیفوں اور دکھوں سے آزمائشوں سے گزرنا پڑے گا۔



”جاوید تم نہیں جانتے ماں میری شادی تم سے کبھی نہیں کریں گی ان کے خیال میں تم مجھ سے ہی کیا سکتے ہو سوائے جھوٹی باتوں کے پیار کے۔“ نگین لان میں ٹہلتے ہوئے موبائل پر جاوید سے بات کر رہی تھی۔ راتیل کے کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اس کی آواز راتیل کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔

”مجھے یقین ہے کہ تم مجھ سے کچی محبت کرتے ہو لیکن ہم کبھی ایک نہیں ہو سکیں گے۔“ نگین کے لہجے میں پریشانی تھی۔ راتیل مسکرا دی۔

”ایسا تو نہ کہو نگین میں مر جاؤں گا۔“ جاوید کے لہجے میں بے قراری تھی۔

”میں کون سا جی سکوں گی تمہارے بغیر؟ تم ہی بتاؤ کیا کروں میں؟“

”ہم کورٹ میرج کر لیتے ہیں۔“ جاوید نے فوراً مشورہ دیا۔

”واٹ کورٹ میرج؟“ نگین جس طرح حیرت سے چیختی تھی راتیل کو بھی اس کی بات سن کر دھچکا لگا تھا۔ وہ اتنا تو سمجھ رہی تھی کہ نگین کچھ غلط کرنے جا رہی ہے سچا پیار کرنے والا عزت کرنے والا شخص کبھی بھی کسی لڑکی کو گھر والوں سے چھپی چھپ کر شادی کرنے، کورٹ میرج کرنے کا مشورہ ہرگز نہیں دے سکتا تھا۔ جاوید ضرور اسے بے وقوف بنا رہا تھا۔



اسے جاتا دیکھتا رہ گیا۔



”السلام علیکم بیٹا جی!“ کسی بزرگ خاتون کی آواز رائیل کی سماعت سے ٹکرائی تو اس نے فوراً ہی سر اٹھا کر دیکھا، سامنے چھپن برس کی بواجی کھڑی تھیں۔ ہلکے بادامی رنگ کے شلوار ٹیٹس اور سفید دوپٹے میں وہ بہت سوہر دکھائی دے رہی تھیں۔ گندی رنگت چہرے پر نرمی اور ممتا کی سی روشنی تھی۔ رائیل سے ان کا غائبانہ تعارف تو سنا تھا ہی فوراً ہی پہچان لیا تھا انہیں اور اسے ایک دم سے جیسے خوشی کا احساس ہوا تھا انہیں یوں سرمے پا کر۔

”علیکم السلام بواجی آپ بواجی ہیں ناں۔“

”ہاں میں بواجی ہوں، میری بچی نے پہچان لیا مجھے جیتی رہو کیسی ہے میری گزیرا رانی تمہارے ماں باپ کیسے ہیں؟“ بواجی نے اسے اپنے گلے سے لگا کر اس کا ماتھا چوم لیا۔

”سب ٹھیک ہیں آپ کیسی ہیں..... کہاں تھیں اب تک؟“

”میں گاؤں گئی ہوئی تھیں اپنے بھائی کے گھر رات دہا ب مہال کا فون آیا کہ رائیل آئی ہے لندن سے اور بہت اکیلی اکیلی ہی ہے یہاں آپ واپس آ جائیں اور میں آگئی اور وہ مجھے نہ بھی بلائے تو میں تو تمہارے آنے کا سن کر ہی دوڑی چلی آتی۔“ بواجی نے اس کے چاند چہرے کو ہاتھوں میں لے کر محبت سے کہا۔

بواجی انشین اور نوشین کے میکے میں شروع سے ہی کام کرتی تھیں نمازی پر بیہزار اور سراپا محبت تھیں شہید کی بیوہ تھیں۔ سب ان کا بہت احترام کرتے تھے انشین نوشین زہد عابدانہ کی گود میں لے بڑھے تھے ان کے سارے کام اور ان چاروں بچہ قرآن پاک پڑھانے کی ڈیوٹی پر مامور تھیں۔ فوج کی طرف سے پینشن انہیں مل رہی تھی وہ اسی میں گزارہ کر رہی تھیں اور جو رقم انہیں انشین اور نوشین کے گھر یعنی ماجد ہاؤس۔ یہ ان کی خدمت کے عوض بطور اجرت ملا کرتی تھی وہ اس رقم کو اپنے غریب بھائی شا کر کو

تھے اور رائیل کا سوچ سوچ کر دماغ بھی تھک گیا تھا۔ جانک اسے خیال آیا کیوں نہ علی سے بات کر کے دیکھے۔ شاید وہ کوئی مشورہ دے سکے۔ علی صبح نو بجے تک گھر سے فیکٹری کے لیے لکھتا تھا اور رات دس ساڑھے دس بجے تک گھر لوٹتا تھا آج اتفاق سے وہ نو بجے ہی گھر آ گیا تھا۔ ڈنر کے بعد لاؤنڈری میں بیٹھا ریموٹ کنٹرول سے نیوز چینل بار بار بدل رہا تھا۔ ہر طرف ایک ہی خبر چل رہی تھی، بم دھماکے مارٹ ٹکنگ، بہتہ خوری جعلی دواؤں سے سریشوں کی اموات رائیل تو یہ سب دیکھ اور سن کر بہت افسردہ اور خوف زدہ ہو گئی تھی۔

”ہاں بھئی رائیل کیسا لگ رہا ہے اپنے وطن لوٹ کر؟“ علی نے اسے خاموش بیٹھا دیکھ کر خود ہی پوچھ لیا۔

”بہت برا۔“ وہ صاف گولی سے بولی۔

”کیوں؟“

”کیوں۔“ کا جواب آپ کے سامنے بھی ہے آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔ جیسے حالات ملک میں ہیں ویسے ہی گھر میں ہیں۔ یہ سب بہت تکلیف دہ ہے۔“

”ہاں نیل کہتی ہو اللہ اس ملک پر رحم فرمائے۔“

”آمین۔“ رائیل نے کہا۔

”مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔“ رائیل نے ہمت کر کے کہا تو علی نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

”مجھ سے..... ہاں کہو۔“

”مجھے یمن، یمن کے بارے میں بات کرنی ہے۔“

”تو یمن یا نوشین آنٹی سے بات کرو، یمن کے بارے میں مجھ سے کیوں بات کرنی ہے؟“ رائیل کو ان کے اس غیر سنجیدہ جواب سے اندازہ ہو گیا کہ وہ اس کی کسی بات میں انٹرنٹ نہیں ہیں اسے بہت برا محسوس ہوا علی کا جواب اسے یہ تھا کہ تو گیا تھا۔

”انسان اگر کسی کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تو کم از کم مشورہ تو معقول دے سکتا ہے۔ یہاں تو آدے کا آدہ ہی بکرا ہوا ہے۔“ رائیل نے سپاٹ لہجے میں کہا اور وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ علی انھیں آمیز نظروں سے



بھی اب افسین کا رشتہ اپنے بیٹے کے لیے مانگ کر پریشان کن صورت پیدا کر رہا تھا۔ افسین نے آپس میں مشورہ کرنے کے بعد نوشین کو اپنے وہاب احمد کے لیے مانگ لیا۔ ماجد حسین اور یاسین کے لیے تو یوں بہت خوش گوار اور یادگار تھا کہ ان کی دونوں بیٹیوں کے لیے استے اچھے اور اپنے ہی گھروں کے لڑکوں کے رشتے آئے تھے۔ ہاں بھی کر دی گئی تھی اور سب کو مٹھائی بھی کھلا دی گئی۔ سبھی بہت خوش تھے سوائے نوشین کے وہ تو جملے جبر کی ملی کی طرح پورے گھر میں پھرا رہی تھی۔ تیمور حسن اس کے سامنے اس کی بہن کا شوہر بن کر دلہا بن کر آئے گا اس خیال سے ہی نوشین کے سینے پر سانپ لوٹ رہا تھا۔

”مجھے یہ شادی نہیں کرنی کہہ دیجیے امی بابا سے۔“ نوشین نے بواجی سے بہت اچھے لہجے میں کہا افسین نے پریشانی کے عالم میں اسے دیکھا تھا۔

”آہستہ بولو نوشین بٹیا کہی سنے گا تو کیا کہے گا؟“ بواجی نے اسے نرمی سے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

”نوشین! کیا کسی ہے وہاب میں وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔“ افسین نے بھی سمجھانا پاپا تو وہ پلڑے لہجے میں بولی۔

”اچھا! اگر وہ اتنا ہی اچھا ہے تو تم کر لو وہاب سے شادی میں تیمور سے شادی کر رہی ہو۔“

”شٹ اپ! تیمور اب میرے منگیتر ہیں میں کیوں کروں وہاب سے شادی؟“ وہ بے ماں باپ نے جو بھی فیصلہ کیا ہے ہمارے لیے وہی بہتر ہے۔“ افسین نے تیزی سے کہا تو وہ جی سے بولی۔

”ہاں تمہیں تو بہتر لگے گا کیونکہ تمہیں تمہاری محبت جوتل رہی ہے اگر میں کہوں کہ تم تیمور سے میری شادی ہونے دو وہاب سے تم شادی کر لو تو کیا تب بھی تمہیں یہ فیصلہ بہتر لگے گا بولو؟“

”نوشی! بیٹی! اپنے نصیب پر راضی ہونا سیکھو رشتے تو آسانوں پر طے ہوتے ہیں۔“ بواجی نے افسین کو بے بسی سے خاموش دیکھا تو اسے پیار سے سمجھانے لگیں۔

”یہ رشتے اس گھر کی لڑائنگ دم میں طے ہوئے

کاؤں بھیج دیا کرتی تھیں۔ شاکر کے چھ بچے تھے وہ پرچون کی دکان کرتا تھا استے بڑے کنبے کا گزراہ مشکل سے ہوتا تھا مگر بواجی کی تنخواہ سے وہ آسانی سے مہینہ گزار لیتے تھے۔ بواجی کو ان کے بھائی کے بچے بواجی کہتے تھے ان کی دیکھا دیکھی چھوٹے بڑے سب نے انہیں بواجی کہا شروع کر دیا۔ بواجی کا اصل نام تو فاطمہ بی بی تھا۔ یاسین ماجد اور ماجد حسین نے اپنی اولاد کو اعلیٰ تعلیم دلوائی تھی۔ تیمور حسن اور وہاب دونوں ہی خاندان کے لڑکے تھے وہاب احمد یاسین کے بھائی احمد بخش کے بیٹے تھے اور تیمور حسن ماجد حسین کے بھائی حسن کے بیٹے تھے۔ زائد عابد کے بعد افسین کا نمبر تھا اور پھر نوشین تھی۔ نوشین تیمور حسن کو بہت پسند کرتی تھی۔ تیمور کی پرستاشی ہی اتنی شاندار تھی کہ کوئی بھی لڑکی اس کے خواب دیکھ سکتی تھی مگر تیمور کو افسین اپنے دھیمے پن، فہانت اور سلیقے کی وجہ سے شروع سے پسند تھی اور اللہ نے اسے حل صورت بھی خوب دی تھی۔

خوب صورت تو نوشین بھی بہت تھی لیکن افسین کے برعکس نوشین بہت تیز طراز منہ پھٹ اور ماڈرن لڑکی تھی اسے سر پہ دو پٹا اوڑھ کر سر جھکا کر بیٹھنا بالکل پسند نہیں تھا۔ وہ تو ہلہ گلہ کر کے ہنگامہ کر کے خوش ہونے والوں میں سے تھی۔

نماز روزے سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ بواجی اور اباجی کی ڈانٹ سن کر بھی کبھی نماز پڑھ لیا کرتی۔ وہاب احمد کو نوشین بظاہر تو اچھی لگتی تھی مگر جب شادی کا وقت آیا تو ان کا نظر انتخاب بھی افسین ہی ٹھہری۔ خود وہاب احمد کی والدہ کی بھی خواہش تھی کہ افسین ان کی بہو بنے مگر جوڑے تو آسانوں پر طے ہوتے ہیں افسین اور تیمور حسن کا ساتھ لکھا جا چکا تھا لہذا ان دونوں کا رشتہ طے پا گیا۔

تیمور حسن کے گھر والے رشتہ لے کر آئے تو ”ہاں“ کر دیا کے ہی گئے۔ افسین اور منہ جبین بھی وہاں موجود تھے مگر ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہاں جس اور جیلہ بیگم افسین کو اپنے بیٹے تیمور کے لیے مانگنے آئے ہیں وہ تو اسے معمول کی گید رنگ سمجھ کر آئے تھے۔ مگر اب جب انہوں نے رشتے کی بات کی تو انہیں مناسب نہ لگا کہ وہ



ہیں اور میں راضی نہیں ہوں اس رشتے سے اور نہ ہی یہ رشتہ مجھے کبھی کوئی خوشی دے سکتا ہے۔ اگر میری شادی وہاب احمد سے کی گئی تو یاد رکھیے گا میں جینا حرام کردوں گی سب کا اور انہیں تم..... تیمور سے دستبردار ہو جاؤ ورنہ.....“

”نوشین.....“ یا سمین بیگم جانے کب آئی تھیں اس کی اس بات پر ایک زوردار طمانچہ اس کے گال پر سید کیا تھا۔ ”تم اس قدر خود غرض اور بدتمیز ہو سکتی ہو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔“ یا سمین نے دکھ سے دیکھا۔

”تو اب سوچ لیں مجھے تیمور سے شادی کرنی ہے۔“ خاموش ہو جاؤ نوشین، ہر رشتے طے کر چکے ہیں اور تم اگر تیمور سے شادی کر بھی لو گی تا تب بھی تمہیں اس کی محبت کو ترسنا پڑے گا کیونکہ تیمور تم سے نہیں انہیں سے محبت کرتا ہے تم تیمور سے شادی کی بات کر کے ہمارا ہی نہیں اپنا بھی تماشا بنواؤ گی خانہ ان بھروسے میں سب تھوکر کریں گے تم پر اور تمہاری اس بے حیائی پر۔ بواجی سمجھا دیں اسے یہ اپنے ماتھے پر زلت اور رسوائی کا کلنگ لگانے سے اپنی بہن سے اس کی محبت اور خوشی چھین کر کبھی سکون سے نہیں جی سکے گی۔“ یا سمین بیگم نے غصے سے پہلے نوشین کو لٹاڑا پھر بواجی کو ہدایت کی اور نوشین پر ایک نگاہ ملامت ڈال کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔ پھر بواجی نے نوشین کو بہت سمجھایا نوشین نے بھی دل میں تہیہ کر لیا کہ وہ وہاب احمد کو بھی پیار نہیں دے گی کیونکہ اس نے بھی پہلے انہیں کا ہاتھ مانگا تھا۔ انہیں کی بات طے ہونے پر نوشین کے لیے اس کے گھر والوں نے بات کر لی تھی۔ اور یہ بھی کہ وہ انہیں کو بھی تیمور کے ساتھ کبھی خوش نہیں رہنے دے گی۔ انتقام اور غصے کی آگ میں جلتے جلتے نوشین نے وہاب احمد سے شادی تو کر لی تھی مگر ۲۰ سال گزر جانے کے باوجود وہ وہاب احمد کو اپنے دل میں جگہ نہ دے سکی تھی۔ حالانکہ وہاب احمد نے ایک اچھے شوہر ہونے کی ہر ذمہ داری نبھائی تھی۔ ہر حق دیا نہ داری سے ادا کیا تھا۔ انہیں اور نوشین کی شادی ایک ساتھ ایک ہی دن ہوئی تھی۔ ان کی پہلی اولاد میں دو ماہ کا فرق تھا۔ انہیں کو اللہ نے پہلی اولاد دیا تھا اور نوشین کو

بچی سے نوازا تھا۔ نوشین کو اس پر بھی آگ لگ گئی تھی کہ انہیں کے پہلی اولاد بیٹا کیوں ہوا اور اس کے ہاں بیٹی کیوں پیدا ہوئی۔ دو سال بعد انہیں کے ہاں بیٹی رانیل پیدا ہوئی اور نوشین کو اللہ نے س بار بیٹا دیا تھا جس کا نام انہوں نے ذوالنون رکھا تھا۔ بیٹے کی پیدائش پر تو نوشین کے باؤں ہی زمین پر نہ نکلتے تھے۔ پھر ۲ سال بعد نوافل پیدا ہوا تو نوشین کی گردن مزید اکڑ گئی کہ وہ دو بیٹیوں کی ماں ہے اور انہیں صرف ایک بیٹے اور ایک بیٹی کی ماں ہے۔ تیمور نے لندن کے ویزے کے لیے کافی عرصے سے اپلائی کیا ہوا تھا اس کا ٹیکسی ویزا لگ گیا۔ وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ لندن روانہ ہو گیا اور اپنے والد کی گارمنٹ فیکٹری کا کام وہاں بیٹھ کر مزید وسیع کیا۔ آفس بنایا اور اپنی تعلیمی قابلیت کے مطابق وہاں ملازمت بھی کی۔ ذوالنون کو تعلیمی ویزے پر انہوں نے اپنے پاس بلا لیا تھا۔ نوشین نے پہلے تو بہت مخالفت کی مگر پھر کچھ سوچ کر اسے جانے دیا۔ ذوالنون اولیول کرنے کے بعد واپس پاکستان آ گیا اسے آری کالج میں پڑھنے کا بہت شوق تھا اس لیے وہاب احمد نے آری میڈیکل کالج اسماء آباد میں اس کا ایڈمیشن کروا دیا۔ وہ خود بھی چاہتے تھے کہ ذوالنون نوشین کے ذریعہ رہے۔ روتہ بھی انہیں اور نوافل کی طرح بگڑ جائے گا۔ انہیں اور تیمور حسن نے جس طرح اس کی دیکھ بھال اور تربیت کی تھی اس کا اثر زائل ہونے نہیں دیکھنا چاہتے تھے وہ لہذا انہوں نے ذوالنون کو نوافل سپرٹ کیا اور ذوالنون سے ان کی دوستی اور محبت بھی بہت زیادہ تھی۔

رانیل کے آنے سے، نوشین کے غصے اور بدلے کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ پرانے زخم پھر سے تازہ ہو گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ رانیل کو ہر لمحہ آزمائش میں ڈال رہی تھیں۔ اسے بے عزت کر رہی تھیں۔ دراصل وہ رانیل کو دکھائے کہ تیمور اور انہیں کو دکھ دینا چاہتی تھی۔



”تکین آپی“ کیا میں آپ کے ساتھ آپ کی یونورسٹی چل سکتی ہوں؟“ رانیل نے ناشتے کی میز پر



تکین سے پوچھا۔

”میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ آپ کی یونیورسٹی کیسی ہے  
میں یہاں کی فوٹو گرافس لینا چاہتی ہوں واپس جا کر نیل  
بھائی کو دکھاؤں گی اور آپ مجھے اپنی فرینڈز سے نہیں  
ملوائیں گی کیا؟ اور آئی ایم شیو آپ اپنی فرینڈز میں سب  
سے زیادہ پرہیزگار ہوں گی۔“ رائیل نے بہت نرمی سے  
طریقے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں بھتیجی ہے۔“ تکین نے اتراتے ہوئے کہا۔  
”تو پھر میں تیار ہو جاؤں۔“ رائیل نے پرجوش  
ہو کر پوچھا۔

”ٹھیک ہے مگر جلدی۔“ اس نے جلدی سے جوش ختم  
کیا اور تیار ہونے کے لیے دوڑی۔

”واؤ اس رئیلی گریٹ! کیا شاندار عمارت ہے۔“  
رائیل نے یونیورسٹی کی عمارت کو دیکھتے ہوئے سراہا۔

”آؤ میں تمہیں اپنی فرینڈز سے ملوایں۔“ تکین یہ  
کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایسے لے گئی جیسے وہ چار پانچ  
سال کی بچی ہو اور جیسے دس میں کھوجانے کا ڈر ہو۔

”ہیلو گئی۔“ زرین اور مبشرہ نے اسے اور رائیل کو  
دیکھتے ہی کہا جواباً اس نے بھی ”ہیلو“ کہا اور ساتھ ہی رائیل  
کا تعارف کر لیا۔

”میٹ مائی کزن رائیل فرام لندن۔“  
”ہائے رائیل! ٹائکس نیم۔“ زرین نے مصافحے کے  
لیے مسکراتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”السلام علیکم۔“ رائیل نے اس سے ہاتھ ملاتے  
ہوئے سلام کیا تو ان دونوں کو حیرت بھی ہوئی اور شرمندگی  
بھی کہ انہیں بھی سلام کرنا چاہیے تھا۔ وہ پردیس میں رہ کر  
اپنے ملک کے مذہب کے طور طریقے پر عمل کر رہی تھی اور  
وہ انگریز کی زبان بول رہی تھیں۔

”وعلیکم السلام ٹائکس ٹو میٹ یو۔“ مبشرہ نے خوش دلی  
سے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

”سیم ہینئر۔“ رائیل نے بھی اخلاقاً کہا۔  
”زرین! تم لوگ رائیل کو یونیورسٹی دکھاؤ میں

بچ جو دل کو بھاجائے  
غلطی ماننے اور گناہ چھوڑنے میں کبھی دیر مت  
کچھے کیونکہ سفر جتنا طویل ہو جائے واپسی اتنی ہی دشوار  
ہوتی ہے۔

”شکرا ادا کرتے رہو! رب کا جو برداشت سے  
زیادہ دکھ نہیں دیتا مگر اوقات سے زیادہ سکھ دیتا ہے۔“  
”زمانہ بڑے لوگوں کا برائی کی وجہ سے خراب  
نہیں ہوتا بلکہ اچھے لوگوں کی خاموشی کی وجہ سے خراب  
ہو جاتا ہے۔“

”زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کا سب سے  
بڑا راز یہ ہے کہ پریشانیاں نہیں گھرا ہونے کے باوجود  
ہمت اور حوصلے سے آگے بڑھا جائے۔“

”موت کی طرح جدائی بھی محبوب کی یاد کو دھندلا  
دیتی ہے اور ہمیں محسوس بھی نہیں ہوتا کہ وقت نے بچ  
میں کیسی کیسی دیواریں کھڑی کر دی ہیں۔“

”ہماری خوش قسمتی یہ ہے کہ ہم اللہ کو ایک مانتے  
ہیں لیکن ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ ہم اللہ کی ایک نہیں  
مانتے۔“

”ہر حال میں رب کا شکر ادا کرتے رہو بے شک  
خالق کائنات وہ جانتا ہے جو تم نہیں جانتے۔“

”ہماری ہر آزمائش کے پیچھے ہماری بھلائی پوشیدہ  
ہے کہ ہر آزمائش انسان کو کتنا بناتی ہے اور نکھار پیدا  
کرتی ہے۔“

”ناکامی جرم نہیں مقصد ناپست ہونا جرم ہے۔“  
سرساگرد دل پازیر..... پورے والہ

ابھی آتی ہوں۔“ تکین نے ان دونوں سے کہا اور  
آگے بڑھ گئی۔ رائیل اصل میں تکین اور جاوید کے  
بارے میں ہی کچھ دیکھنے اور سمجھنے آئی تھی اسے جاوید کو  
دیکھنا تھا کہ وہ کیسا ہے؟  
”تکین آپ کہاں گئیں؟“ رائیل نے ان دونوں  
سے پوچھا۔

”اپنے بوائے فرینڈ سے ملنے گئی ہے۔“ مبشرہ نے



ہنس کر بتایا۔

”تمہارا کوئی بوائے فریڈ ہے؟“ زرین نے

سوال کیا۔

”نہیں تو۔“

”ریٹی تجب ہے۔“ زرین نے حیرت سے ہنستے

ہوئے کہا۔

”ہم جہاں کہیں بھی چلے جائیں دنیا کے کسی بھی خطے

کسی بھی سرزمین پر کسی بھی ملک میں بس جائیں ہمیں

اپنی اقدار کو اپنی جڑوں کو اور اپنے کلچر کو کسی نہیں بھولنا چاہیے

یہ مجھے میرے ماما پاپا نے بتایا اور سکھایا ہے اور یہ جاوید کون

ہے؟“ رائیل نے زرین سے پوچھا۔

”ہائیں تم نے اس غیبت کو کہاں دیکھ لیا؟“ زرین

نے حیرانگی سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

”دیکھا تو نہیں ہے مگر سنا ہے مٹی آپا اور اس کے بچے

کچھ ہے کیا؟“

”کواس ہے سب دھوکا جھوٹ فراڈ ہے۔“ زرین

نے برا سامنہ بنا کر مٹی سے کہا۔

”کیا مطلب؟“

”رائیل تم اگر اپنی اس بے وقوف کزن کو کنوئیں میں

گرنے سے بچا سکتی ہو تو بچاؤ وہ جاوید اول درجہ کا

فلرٹ ہے۔ بیسیوں لڑکیوں کو محبت کا فریب دے کے

لوٹ چکا ہے اس کا تو کام ہی یہ ہے مٹی جیسی بے وقوف

دولت مند لڑکیوں کو اپنے دام الفت میں پھنسانا شادی کا

جھانسدے کر لوٹ لیتا۔“ زرین نے جو کچھ بتایا تھا وہ

رائیل کے اوسان خطا کرنے کے لیے کافی تھا۔

”اومائی گاڈ! آپ کیا کہہ رہی ہیں؟“

”ٹھیک کہہ رہی ہوں۔“

”آپ میری سیلپ کریں گی مٹی آپا کے سلسلے میں؟“

”ہاں کیوں نہیں مٹی میری دوست ہے اور میں

نہیں چاہتی کہ وہ ایک گھنیا آدمی کے پیچھے اپنی

لائف برباد کر لے۔“

”تو آپ میرے کیم ہیں مٹی آپا اور جاوید کی تصویر کھینچ

دیں کسی طرح اور مٹی آپا کے اپنے موبائل میں بھی۔“

”نوریا بلیم مائی ڈیرٹی تو میرے باپ میں ہاتھ کا کھیل ہے

آج ہی سچے دلوں کی بلکہ ابھی سچے دیتی ہوں انہیں پتا بھی

نہیں چلے گا مجھے پتا ہے یہ ریویو جیولیسٹ کی جوڑی اس

وقت کہاں تشریف فرما ہوگی۔“ زرین نے چٹکی بجا کر کہا۔

”بچی تھینک یوزری آپا۔“ رائیل بچوں کی طرح

خوش ہوئی ہوئی اس کے گلے سے لگ گئی تو وہ ہنس پڑی اور

اس کی کمر تھپکتے ہوئے بولی۔

”جاوید نے بہت سی لڑکیوں سے زیورات اور رقم لوٹی

ہے محبت کا فریب دے کر ایک رات میں سب کچھ لوٹ

کے بھاگ جاتا ہے۔“ زرین نے مزید تفصیل بتائی۔

”تو پولیس اسے اریسٹ کیوں نہیں کرتی کسی نے اس

کی کسٹین نہیں کی کیا؟“

”کون کرے گا کسٹین؟“ زرین نے اٹھتے

ہوئے کہا۔

”لڑکیاں اور ان کے گھر والے اپنی بدنامی کے ڈر

سے خاموش ہو جاتے ہیں اسی لیے یہ دیدہ دلیری سے

شکار کرتا ہے۔“

”اف یہ تو بہت برا آدمی ہے۔ مٹی آپا کو ہمیں ہر حال

میں اس شخص سے بچانا ہے۔“ رائیل نے سہم کر کہا۔

”ان شاء اللہ ہم مٹی کو چالیں گے تم اپنا سیل نمبر مجھے

دے دو اور میرا سیل نمبر اپنے موبائل میں فیڈ کر لو بوقت

ضرورت کام آئے گا۔“ زرین نے اپنا موبائل نکالا اور

دونوں نے ایک دوسرے کے نمبرز سیو کر لیے۔

رائیل نے بواجی کو اعتماد میں لے کر ٹکین اور جاوید کے

اغیر کے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا اور زرین کے والد جلیل

صاحب آئی جی پولیس تھے زرین نے وقت پڑنے پر ان

سے مدد لینے کا بھی سوچ رکھا تھا۔ رائیل اور زرین کی دودان

میں اچھی خاصی انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی تھی۔ رائیل نے

اسے مشورہ دیا کہ وہ اپنے موبائل میں کسی نئی سیم کے ساتھ

ٹکین اور جاوید کی نمٹنور کارڈ کر لے تاکہ ان کی آنکھ

خدمت عمل کا پتا چل سکے۔ ٹکین اور جاوید ٹینشن کی طرف



جارے تھے بھی ذرین نے نگین کو روک لیا۔

”نگی رکویا رکھاں جارے ہی؟“

”جائے برگر کا موڈ ہو رہا ہے تم بھی چلو ہمارے ساتھ۔“ نگین نے اس کی بات کا جواب دینے کے ساتھ ہی اسے بھی آنے کی پیشکش کی۔

”نہیں یار مجھے ڈرائیگ سوسائٹی کی انچارج مزر حشمت نے بلایا اینڈ یونو کہ وہ ایک گھنٹے سے پہلے جان نہیں چھوڑتیں تم میری یہ چیزیں سنبھالو تب تک تم نہ کر دے تا میں ذرا مزر حشمت کی کلاس اینڈ کراؤں۔“

”کو کے بیسٹ آف لک۔“ نگین نے اس کا موبائل اور بکس پکڑتے ہوئے ہنس کر کہا۔

رائٹل کی ہدایت کے مطابق ذرین نے اپنے موبائل میں ریکارڈنگ سسٹم آن کر دیا تھا۔ موبائل کور میں تھا مگر ریکارڈنگ ہو سکتی تھی۔ نگین اور جاوید نے کمیشنین پہنچ کر چائے اور برگر منگوائے۔

”ہاں تو ڈارلنگ کیا سوچا ہے تم نے؟“ جاوید نے اس کی براؤن آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

”مام نہیں مانیں گی جاوید۔“

”گھر سے بھاگنے کے لیے۔“ وہ مذاق سے بولا۔

”جاوید تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔“ نگین نے خفگی سے گھورا۔

”سوری جان! تم بھی تو احمقانہ بات کر رہی ہو یہ بات طے ہے کہ تمہارے پیرش ہمارے شادی کے لیے بھی راضی نہیں ہوں گے تو اگر تم مجھ سے محبت کرتی ہو تو بس یہی ایک راستہ ہے کہ ہم بھاگ کر شادی کر لیں بعد میں ہم ان سے معافی مانگ لیں گے پھر بے شک وہ تمہیں اپنے گھر سے رخصت کر دیں۔“ جاوید نے سنجیدگی سے کہا تو وہ برگر کھاتے ہوئے بولی۔

”ہوں ٹھیک ہے مگر کب؟ اور گھر والے مجھے گھر میں نہ پا کر پریشان ہوں گے میری تلاش میں نکلیں گے تب ذہنی کو بہت دکھ ہوگا جاوید۔“

”تو تم کوئی بہانہ بنا دو دو تین دن کے لیے ہم ساتھ تو

کمرشیا بریک

پولیس..... یہ پیٹ مائے اور

چور..... صفائی کرے ذرا ہٹ کے

ڈاکو..... سر اٹھا کہ جیو

محکمہ صحت..... خالص تو سب کچھ ہے

ڈاکٹر..... شاید زندگی شاید موت

صدر..... جیسے چاہو جیو

انٹی کرپشن..... یہی تو ہے دو غلا پن

اسسبلی..... چھوڑو گرما کر دیار ہو کول یار

سیاستدان..... دو پیہ کھا، پیا، مضمم کیا

راستی افسر..... کھاؤں گا، بن تو بڑا کیسے ہوں گا

صحافی..... نام ہی کائی ہے

جواری..... یہی تو زندگی ہے

شوہر..... پٹائی سے طبعیت نہ صاف چہرہ شاداب

رمشاء عظمت..... صدف مختار..... بوسال مصور

رہیں گے ناں کورٹ میرج کے بعد۔“

”میں اسٹڈی ٹور کا بہانہ بنا دیتی ہوں کیسا ہے؟“

نگین اپنے ہی خیال پر خوشی سے مسکراتے ہوئے بولی۔

”ہاں یہ اچھا رہے گا کیونکہ اسٹڈی ٹور تو ایک ہفتے کا ہوتا ہے۔ بس یہی ٹھیک ہے مگر تم اپنے زیور کپڑے ساتھ لے آنا میں تمہیں دلہن بنا دیکھنا چاہوں گا کورٹ میرج کے بعد اور ہم شادی اسلام آباد جا کر کریں گے وہاں میرا ایک دوست ہے وہ سارا انتظام کر دے گا۔“ جاوید نے سوچ کر بھی پلاننگ سے استا گاہ کیا۔

”مگر ہم کورٹ میرج تو یہاں بھی کر سکتے ہیں اور کہیں جانا بھی نہ پڑے ہم روز ملتے ہیں یہاں۔“ نگین نے ہنسنے پریشانی سے کہا تو وہ افسردگی سے بولا۔

”نگین بے بی مائی ڈارلنگ تم شاید خوف زدہ ہو رہی ہو مگر تم مجھ سے شادی نہیں کرتا۔ باتیں تو ہم یہ بات نہیں ختم کر دیتے ہیں تمہیں بھی نر کے مل جائیں گے شادی کے لیے اور لڑکیوں کی تو میرے لیے بھی نہیں ہے۔ بس یہ دکھ ساری عمر رہے گا کہ جسے بابا اسے پانہ سکا شریک



”جانے دیں نا جائے گی تو طبیعت بھی بہل جائے گی۔“ نوشین نے بھی اس کی حمایت کی تو وہ فوراً بولی۔

”جی ڈیڈی میری سب فریڈز جارہی ہیں، ہم خوب انجوائے کریں گے، اسلام آباد سے مری سوات اور ہنزہ ویلی، اف ڈیڈی مجھے تو سوچ کر ہی اتنی ایکسیٹ منٹ ہو رہی ہے، وہاں جا کر کتنا مزہ آئے گا۔ جانے دیں ناں پلیز۔“

”ایک تو مجھے ان یونیورسٹی والوں کی سمجھ نہیں آتی اسنڈی ہوتی نہیں ہے اور اسنڈی ٹور پر سیر کرنے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ ٹھیک ہے چلی جانا مگر دھیان سے رہنا، اور مجھ سے رابطے میں رہنا، گرم کپڑے رکھ لینا، اور کچھ رقم اپنی ماں سے لے لینا، پیسوں کی ضرورت وہاں پڑتی رہے گی۔“ وہاب احمد نے سنجیدگی سے کہا تو وہ خوش ہو کر بولی۔

”تھینک یو ڈیڈی، تھینک، یو سوچ۔“



نکین اپنا سامان پیک کر رہی تھی اپنے اور نوشین کے تمام ہونے کے زیورات اس نے ایک بیگ میں رکھ لیے تھے۔ وہاب احمد کی الماری سے دو لاکھ گیش وہ پہلے ہی نکال چکی تھی جو انہوں نے بینک بند ہو جانے کے باعث گھر میں رکھ لیے تھے تاکہ ہیر کوٹس چاتے وقت ساتھ لے جائیں اور بینک میں جمع کر دیں۔ نکین اپنے ڈر۔سز رکھ رہی تھی کہ رائفل اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دے کر اندر چلی آئی۔ نکین اسے دیکھ کر گھبرا گئی۔ اس کے ہاتھ میں پکڑا رقم کا لفافہ نیچو لڑ گیا اور نوٹ لفافے کے منہ سے جھانکنے لگے۔ جنہیں جس سرعت کے ساتھ نکین نے لفافے میں واپس ڈالا تھا، رائفل نے اسی تیز نگاہی سے دیکھ لیا تھا کہ لفافے میں خامی کثیر رقم ہے۔

”تم اس وقت کیا بات ہے؟“ نکین نے رقم کا خاکی لفافہ اپنے بیگ میں رکھتے ہوئے اس کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

”مجھے نینڈ نہیں آ رہی تھی میں بوریت محسوس کر رہی تھی

زندگی نہ بن سکا۔“

”نہیں ایسا کچھ نہیں ہوگا، ہم کل ہی یہاں سے چلے جائیں گے۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں مجھے کسی اور سے شادی نہیں کرنی، میں کل ہی اپنا سامان لے کر آ جاؤں گی۔ تم بکنگ کروالو۔“ نکین نے فوراً دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنا فیصلہ سنا دیا۔

”یہ ہوئی نا بات نکین، کی ڈیر آئی لو یو سوچ۔“ جاوید نے فرط جذبات سے مغلوب ہو کر اس کے ہاتھ تھام کر کہا۔

”کی.....“ مبشرہ کی آواز پر نکین اٹھ کر اس کی بات سننے چلی گئی تو جاوید نے اپنے موبائل پر مسلسل آتی کال اینڈ کی۔

”ہائے میری جان سوری ڈارنگ! میں مینٹگ میں پھنس گیا تھا سوری رمنا ڈیر، ہم رات کو مل رہے ہیں ناں۔“ جاوید بہت پیار دلایا۔ اسے بات کر رہا تھا دوسری جانب اس کی گرل فرینڈ رمنا تھی جسے وہ اپنی محبت کے جال میں پھنسا چکا تھا۔

”پنی سی میں بکنگ ہے آج رات کی اور اگلے ہفتے ہم اسلام آباد مری کی سیر کو نکلیں گے۔“ وہ کہہ رہا تھا اور اس کی یہ باتیں زرین کا موبائل اپنی سموری میں ریکارڈ کر رہا تھا۔



”ماشاء اللہ آج تو ڈر پر پوری فیملی موجود ہے، شہریت ہے نا؟“ وہاب احمد نے رات کو کھانے کی میز پر سب کو دیکھتے ہوئے کہا جہاں علی سے سوا کبھی وجود تھے۔

”ایچو لی ڈیڈی مجھے اسنڈی ٹور پر جانا ہے یونیورسٹی کی طرف سے آپ کی اجازت چاہیے گی۔“

”کتنے دن کا ٹور ہے؟“ وہاب احمد نے نکین کے چہرے کو دیکھا جو انہیں کچھ گھبرائی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ ہاتھ میں چمچ تھا مگر ہاتھ کانپ رہا تھا۔

”ایک ہفتے کا۔“ اس کی زبان سے پھسلا۔

”تم اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟ مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی گی مینا تم گھر پر آرام کرو۔“



سوچا آپ کے پاس جا کر کچھ دیر گپ شپ کر لوں۔“  
رائیل نے ہنسنے سے جواب دیا۔  
”تو تم ٹی وی دیکھ لو میں تو پیکنگ میں مصروف ہوں۔“  
”کل شام کو جائیں گی نا آپ۔“

”ہاں۔“

”میں نے سنا ہے کہ مری سوات اور ہنزہ ویلی میں تو لوگ شادی کے بعد ہنی مون منانے جاتے ہیں۔ ازراٹ ٹرو؟“

”ہوں جاتے تو ہیں یہاں لوگ چھٹیاں گزارنے کے لیے اپنی فیملی کے ساتھ بھی جاتے ہیں۔ فیملی اور فرینڈز کے ساتھ خوب مزا آتا ہے ہمیں ڈوانوں لے کر گیا تھا پچھلے سال سر ویکینڈ میں نونفل اور ڈیڈی بھی ساتھ تھے۔ نام نہیں مٹی تھیں۔ گئے تو ہم تین دن کے لیے تھے مگر بہت انجوائے کیا تھا۔ ہم سب نے ڈوانوں کو بہت شوق ہے فیملی کے ساتھ رہنے کا آؤٹنگ پر جانے کا کہیں لگانے کا شاید وہ ہم سے زیادہ عرصے دور رہا ہے نا تو اسی لیے وہ ہمیں مس کرتا ہے بہت کیرنگ بھائی ہے میرا۔“ ٹین نے جواب دیا کیوں خود بخود بتاتی چلی گئی شاید چارٹیجی اس خیال سے یا پھر اسے کوئی چاہیے تھا اپنی باتیں شیئر کرنے کے لیے۔

”اور نونفل۔“

”نونفل تو میرے جیسا ہی ہے۔“ وہ ہنسنے سے جواب دیا۔  
”اسرہ سی لگی تھی۔“

”او آپ کس کے جیسی ہیں؟“

”میں.....“ ٹین نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کا چہرہ دیکھا۔ ”میں وہی ہوں جو نام ہیں سنا ہے بیٹیاں اپنی ماں کا ٹکس ہوتی ہیں۔“

”آپ اپنی ماں سے زیادہ پیاری اور حساس ہیں۔“  
رائیل ایک دم سے بڑھ کر اس کے گلے لگ گئی اسے گرم جوش سے پیچھا اور اس کے گال پر بوسے کر مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ ٹین جیسے اس کے اس پیار پر سن کر مری رہ گئی تھی۔



لوگ

ساتھ چلنے والے جب ساتھ چھوڑ جاتے ہیں وقت تقسیم نہیں جاتا، کوئی نہیں جاتا، کوئی سر بھی جائے تو زندگی نہیں رکتی۔ راستوں کو چلنا ہے راستے تو چلتے ہیں۔ یار دوست ملتے ہیں، زخم ایسے سلتے ہیں بس عمر کٹ ہی جاتی ہے۔ کچھ مافروں کو بس منزلیں نہیں ملتیں۔ نہ جانے کیوں چھوڑ جاتے ہیں وہ لوگ جن کی یادیں بن جاتی ہیں عمر بھر کا راز۔

عائشہ لیم..... اورنگی ٹاؤن کراچی

علی کو آتے دیکھ کر ٹوشین نے فوراً ٹیلی فون کار سیور اٹھایا اور اونچی آواز میں بولنے لگا۔

”دس بارنگ نمبر مسٹر ڈونڈ کالی آگین۔“

”ہزار بار کہہ چکی ہوں۔ یہاں کوئی رائیل نہیں رہتی مگر مجال ہے جوان گور۔ تم بختوں کے کان پر جوں تک رہنکی ہو دن میں چھ دفعہ فون کریں گے۔ رائیل سے بات کرادو میں ان کی نوکرانی ہوں جو اس میم صاحبہ کو بلاتی پھروں۔“

”کیا ہوا ممانی؟ اتنا غصہ کیوں کر رہی ہیں؟“ علی حسب توقع ان کی باتیں سن چڑھا تھا ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

”ارے بیٹا غصہ کروں تو کیا کروں؟ کبھی کسی جان کا فون نہ رہا ہے، کبھی مائیکل کا تو کبھی کرس کا رائیل کے لیے دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے اس لڑکی کی حرکتوں نے تو مجھے دیکھنے میں کتنی معصوم اور بھلی بھالی ہے اور کام دیکھ لو اس کے چہرے کتنے بولے فرینڈ ہیں میم کے۔“ ٹوشین نے تاسف زدہ لہجے میں کہا تو علی نے نرمی سے کہا۔

”تو آپ رائیل سے کہیے کہ وہ اپنے دوستوں کو اپنے موبائل سے کال کر کے اپنا موبائل نمبر دے دے تاکہ وہ آپ کے گھر کے نمبر پر بار بار کال کر کے آپ کو ڈسٹرب نہ کریں۔“

”ہاں سہی کرنا پڑے گا اب تم نے کھانا کھایا بیٹا۔“

”میں ممانی میں چینیج کر لوں پھر کھاؤں گا۔“



وہیں کھڑا تھا اور نچلا ہونٹ، انتوں تلے دبائے جانے کیا سوچ رہا تھا اس کی باتوں سے اتنا تو وہ سمجھ گیا تھا کہ اس نے نوشین کی باتیں سن لی تھیں اور یقیناً اسے بہت دکھ بھی پہنچا تھا اس کی سیاہ آنکھوں میں امنڈتے پانیوں کو وہ دیکھ چکا تھا۔ جیسی دل مضطرب تھا کیوں؟ یہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔



”بیڈی مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔“ رائیل نے موقع دیکھ کر وہاں احمد سے کہا وہ ناشتے کے بعد آفس جانے کے لیے باہر نکل رہے تھے۔

”ہاں کہو بیٹی کیا بات ہے؟“ وہ رک کر اسے دیکھنے لگے۔

”کیا ہم اس کیلے بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں؟“

”کیا ہوا کچھ گڑبڑ ہے کیا؟“

”جی اگر مکانہ گیا تو بہت بڑی گڑبڑ ہو سکتی ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ محل سے میری پوری بات سن لیں۔“ رائیل نے انہیں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

”اوکے اور دم میں محل کی بات کرتے ہیں۔“



”آخر تم اتنا اتراتے کیوں ہو؟“ کرن نے غصے سے لال پیلے ہوتے ہوئے ذوالنون کل بازو پکڑ کر کھینچا تھا۔

”اف جنگلی بی بی“ ذوالنون کرلہ کر اپنا بازو سہلاتے ہوئے بولا۔

”آخر تم سمجھتے کیا ہو خود کو آج بتائی دو مجھے؟“ کرہ ہاتھ رکھا سے کڑے تیوروں سے گھونپتی تھی۔

”تمہیں کیا مسئلہ ہے؟“ ذوالنون چڑھ کر بولا۔

”کبھی کوئی خوب ضرورت خورد وینڈ سم لڑکا نہیں دیکھا کیا؟“

”دیکھا ہے دیکھ رہی ہوں میری نظروں کے سامنے ہے۔“ کرن اس کے چہرے کو بے خودی سے نکتے ہوئے بولی۔

”تو کیا نظر لگاؤ گی مجھے؟“

”تو کیا نظر لگاؤ گی مجھے؟“

”ٹھیک ہے میں سنو سے کہتی ہوں تمہارے لیے کھانا گرم کرے۔“ نوشین نے مسکراتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

”ٹھینک یومانی۔“ وہ مسکراتے ہوئے تشکر سے بولا۔

وہ گیسٹ روم سے باہر نکل رہا تھا تو رائیل کو پھولوں کے کینج کے بیچ بیٹھے دیکھا وہ گھنٹوں پر بازو اور سر رکھے سوچوں میں گم تھی۔

”رائیل.....“ علی نے اس کے قریب جا کر اسے پکارا۔

”آپ.....؟“ وہ چونک کر سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

”تمہارا کوئی بوائے فرینڈ ہے؟“ علی نے اس سے سوال تو کر لیا مگر جل سا بھی ہو گیا گویا وہ اس پر شک کر رہا تھا رائیل کو بہت دکھ ہوا تھا وہ کھڑی ہو گئی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تیز لہجے میں بولی۔

”ہاں ہے میرا بوائے فرینڈ مگر مائیکل جان یا کرس نام کا کوئی لڑکا میری زندگی میں نہیں ہے اور نہ ہی میں نے اپنے کسی بوائے یا گرل فرینڈ کو اس گھر کا فون نمبر دیا ہے۔ میرے فرینڈز کے پاس میرا موبائل نمبر ہے انہیں جب بھی مجھ سے بات کرنی ہوتی ہے وہ مجھے میرے موبائل پہ کال کر لیتے ہیں۔“

”دیش گڈ۔“ علی یہی کہہ سکا۔

”بات پتا ہے کیا ہے مسٹر علی؟“ رائیل نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

اس نے اسے مسٹر علی کہہ کر مخاطب کیا تھا وہ بری طرح ٹھنکا تھا۔

”جھوٹ بول کر انسان کسی دوسرے کا کردار و اخلاق نہیں کر رہا ہوتا دراصل وہ اپنے کردار کا پرچار کر رہا ہوتا ہے کہ اصل میں وہ خود کیا ہے؟ انسان اپنی خامیاں اپنی کمزوریاں اور اپنی چوریاں دوسرے میں تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ایک دم اس کوشش میں اپنا آپ گنوا بیٹھتا ہے۔ اپنی آن بان کھودتا ہے۔ کتابے ذوق ہے نا انسان؟“ رائیل جا چکی تھی اپنی بات مکمل کر کے مگر علی



”نہیں نظر اتاروں گی تمہاری اگر تم بھی پیار کی نظر سے دیکھو تو۔“

”اے..... اے ہوش میں آؤ محترمہ اپنی عمر دیکھو اور اپنے ارادے دیکھو میں نہایت شریف لڑکا ہوں۔“ ذوالنون نے تیزی سے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

”تو میں کون سا تم سے بد معاشی کرنے کو کہہ رہی ہوں۔“ کرن نے استا تکھیں دکھائیں۔

”تو آخر چاہتی کیا ہو تم؟“

”میں چاہتی ہوں کہ تم..... مجھے چاہو۔“ اس کے بے باک انداز پر وہ ہلکلا کے رہ گیا۔ کرن اس کے سنیر کرل اہمار کی بیٹی تھی آری کے انداز تربیت کی وجہ سے خاصی بے باک بھی ماحول کا اثر تھا شاید۔

”کیوں؟“ ذوالنون کو پیسے بھونے ڈنک مارا ہو

وہ چلا اٹھا۔

”تم میں کون سے سرخاب کے پر گم ہیں جو میں تمہیں چاہوں؟“

”محبت کی نظر سے دیکھو گے تو سرخاب کے پر بھی نظر آنے لگیں گے۔“ کرن نے سنجیدگی سے کہا تو وہ ابھمن آ میر نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ گوری جتنی اٹھارہ سال کی خوب صورت لڑکی تھی تھکتھکے بالے بالوں شریقی آنکھوں سے تو بالکل کوئی گڑبالی تھی۔

”تو نظر آئے؟“ کرن نے پوچھا۔

”کیا؟“ اس نے بھنویں سکھیں۔

”سرخاب کے پر اتنے غور سے جو دیکھ رہے تھے مجھے۔“

”غور سے دیکھ رہا تھا محبت سے نہیں دیکھ رہا تھا۔“ ذوالنون پہ کہہ کتا گے بڑھ گیا وہ اس کے پیچھے لپکی۔

”ذولی۔“ کرن نے اس کا نام پیار سے پکارا۔

”اے میرا..... نام ذوالنون ہے زیادہ فریک ہونے کی ضرورت نہیں ہے سمجھیں۔“ ذوالنون نے رک کر نہایت کی انگلی اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے نہایت سپاٹ لہجے میں کہا۔

غزل  
ہوش کب جان جگر آئے گا  
تیرا چہرہ جو نظر آئے گا  
شاخ مرگاہ چہری جان جان  
تیری یادوں کا شہر آئے گا  
کیا خبر تھی غم دہراں کا رنگ  
غم جاناں میں اتر آئے گا  
میرے خوابوں کا حسین شہزادہ  
نے کے خوشیوں کا خبر آئے گا  
منتظر پائے گا ہم کو اپنا  
جب بھی ثلوت آئے گھر آئے گا  
شام آئی تو وہ دیش چہرہ  
چاند تاروں میں نظر آئے گا

احتشام وہامہ...

”میں نے تو تمہیں پیار سے ذولی کہا ہے۔“ وہ منہ بسورتے ہوئے آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے بولی۔

”میں نے تمہیں ایسا کوئی حق نہیں دیا۔“

”تو دے دوتا۔“ کرن نے معصومیت سے کہا تو ذوالنون کے دل میں ہلچل سی مچ گئی۔ وہ پچھلے ایک مہینے سے کرن کو نظر انداز کر رہا تھا۔ لہذا رہا تھا مگر وہ پھر بھی اس کے پیچھے چلی آتی تھی۔

”دیکھو کرن ہماری عمر اپنی تعلیم پر فوس کرنے کی ہے ان فضولیات میں وقت برباد کرنے کی نہیں ہے۔“ وہ نرمی سے اسے سمجھانے لگا۔

”تم محبت کو فضولیات سمجھتے ہو ویری سید جب تمہیں محبت ہوگی تا تب پوچھوں گی۔“ کرن نے غصے سے کہا اور وہ ہنسنے لگا کرن روٹی ہوئی وہاں سے بھاگ گئی۔

”یار..... میں کدھر کھنٹ گیا؟“ وہ جھلا کر بولا۔

”میں یہاں میڈیکل پڑھتا آیا ہوں اور یہ لڑکی مجھے کوئی اور ہی سبق پڑھانا چاہتی ہے۔ کرنل اہمار کو پتا چل گیا تو وہ اپنی لاڈلی کو تو کچھ نہیں کہیں گے البتہ مجھے ہی ڈس مس کر دیں گے۔ کتنی آزا خیال فیملی ہیں یہاں آری والوں



کی لڑکے لڑکیاں سب ہی ایک ڈگر پر چل رہے ہیں۔“  
 کرن ذوالنون سے دو سال جونیئر تھی اس کے ہیڈ کٹرل  
 ڈاکٹر ایرار ملک کی بیٹی تھی ذوالنون کی ذہانت اور شخصیت پر  
 مر مٹی تھی۔ سالانہ فٹلشن میں اس نے ذوالنون کے ساتھ  
 ہلکسپیئر کے ڈرامے ”رومیو جولیٹ“ میں اداکاری کی تھی۔  
 دونوں ہیر و ہیر وٹن تھے۔ ان کا وہ ڈرامہ بہت زیادہ پسند کیا  
 گیا۔ دونوں بہت خوب صورت لگ رہے تھے۔ رومیو  
 جولیٹ کے گیٹ اپ میں سب حاضرین نے ان کی  
 اداکاری کو بہت سراہا تھا۔ ذوالنون چونکہ لندن کی ڈگری  
 لے کر آیا تھا کچھ اس لیے بھی اس کا انداز لب و لہجہ  
 انگریزی تھا اور ایک کرن ہی کیا کالج کی کئی لڑکیاں اس پہ  
 دل ہار گئی تھیں مگر ذوالنون کی دوستی صرف عبید اور کریم سے  
 تھی۔ کرن تو تب سے اس کے پیچھے پھر رہی تھی جب  
 سے انہوں نے رومیو جولیٹ کا کردار کیا تھا۔ کرن کو تو دن  
 رات سوئے جاتے جاتے ذوالنون ہی دکھائی دیتا تھا۔ وہ اسی  
 کے خواب دیکھتی رہتی مسکراتی رہتی۔ وہ ذوالنون کو پیار بھری  
 شاعری ایس ایم ایس کرتی وہ کوئی جواب نہ دیتا بلکہ اسے  
 سمجھاتا کہ خوابوں کی دنیا سے باہر نکل آؤ زندگی ناظر اور  
 ڈراموں کے حساب سے نہیں اپنے حالات کے حساب  
 سے گزارنا پڑتی ہے مگر کرن کے سر پہ تو اس کے پیار کا  
 بھوت سوار تھا وہ بھلا کہا جھکتی تھی ان باتوں کو وہ تو ان  
 خوابوں میں ہی جینا چاہتی تھی جن میں ذوالنون اس کے  
 ساتھ ہوتا تھا۔



نگین کو جاوید کا میچ میو دل ہوا تھا۔ اسے ڈائیو بس  
 سروس کے اڈے پر پہنچنا تھا اور نگین نے نوشین اور وہاب  
 احمد کو بھی بتایا تھا کہ یونیورسٹی بس سے جانا ہے۔ سب  
 اسٹوڈنٹس یونیورسٹی جا میر گے وہاں سے ایک ساتھ روانہ  
 ہوں گے۔ وہ گھر سے اکیلے جانا چاہتی تھی۔ مگر اس وقت  
 سبھی موجود تھے۔

”ہاں بھئی لگی تیار ہو۔“ وہاب احمد نے اسے دیکھتے  
 ہوئے پوچھا نگین نے ایک بڑا سوٹ کیس اور ایک چھوٹا

سفری بیگ پکڑ رکھا تھا۔  
 ”جی ڈیڈی۔“ وہ کچھ مبرا رہی تھی۔  
 ”چلو میں تمہیں یونیورسٹی تک ڈراپ کر دیتا ہوں  
 تمہارے پرہل اور پروڈیو سر فواد مرزا سے بھی اس بھانے  
 ملاقات ہو جائے گی۔“

”نن..... نہیں ڈیڈی آپ کیوں تکلیف کر رہے ہیں  
 میں ڈراموں کے ساتھ چلی جاؤں گی۔“ نگین نے ہکلاتے  
 ہوئے کہا اس کے پسینے چھوٹ گئے تھے۔

”بیٹا تکلیف کیسی میرا فرض ہے تمہاری حفاظت کرنا  
 تمہیں صحیح راستے پر لے جانا آؤ شاہاں۔“

”ڈیڈی میں کوئی بچی تو نہیں ہوں کہ آپ مجھے انگلی پکڑ کر  
 اسکول یونیورسٹی چھوڑنے جائیں میں اب بڑی ہو گئی ہوں  
 اور خود جا سکتی ہوں۔“ نگین نے تیز اور قدرے گستاخ لہجے  
 میں کہا، علی اور رائیل کو اس کا یہ انداز قطعاً نہ بھلایا۔

”دکھ تو اسی بات کا ہے، بیٹی کہ تم بڑی ہو گئی ہو تم جیسی  
 بیٹی کو پیدا ہوتے ہی مرجانا چاہیے تھا۔“ وہاب احمد کے اس  
 جملے نے نہ صرف نگین کے ہروں تلے سے زمین کھینچ لی  
 تھی بلکہ سب گھروالوں کے سر پر بھی حیرتوں کے پہاڑ توڑ  
 دیئے تھے۔ نگین کے ہاتھ سے بیگ چھوٹ کر نیچے گر گیا  
 تھا۔ وہ بری طرح شیشا چکی تھی۔

”یہ کیا کہہ رہے ہو وہاب احمد؟“

(ان شاء اللہ باقی آئندہ...)







خدا شہرت  
بنا دے



افسردگی کے ہاتھوں جل جل تھک گئے ہیں

اے دل ذرا ٹھہر! ہم چل چل کے تھک گئے ہیں

جیسے کہ بے یقینی تعبیر ہو چکی ہو

ہم اہل خواب آنکھیں مل مل کے تھک گئے ہیں

کے چاند میں ابھی تک۔ نازگی تھی لیکن رباب کے دل کا  
بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔ سرا کی اس رخ بستہ رات کے پچھلے  
پہر عباس شاہ کے انتظار کے لمحے ایک ایک کر کے رباب  
کے سر ہانے کھڑے اٹھ رہے تھے۔

”وہ ضرور آئے گا۔“ دل نے امید کا سراپ بھی تھام  
رکھا تھا وہ ٹکٹی باندھے اس سیاہ ہنی گیت کو گھور رہی تھی۔

”عباس شاہ تم مجھ سے دور رہ کر خوش رہتے ہو۔“ اس  
کی بے بسی پر پھر سے دل نے داویلا چایا ایک بارگی  
دھڑکنیں تیز ہو کر اعتدال پر آ گئیں۔ تب رباب شاہ نے  
پردے برابر کر دیئے اب سرے میں نیلی مدھم روٹی اسے  
اپنے حصار میں۔ لپٹتی تھی۔ امید کا اس کے غناؤں پر  
رہے دیئے ایک ایک کر کے بجھنے لگے۔ وہ بیداریات گئی تو  
اس کی یاد آگئیں۔ اس سے وہ مہینہ رات کے غناؤں میں  
سازن بھاؤں رات کو ہاتھ نہ روٹ کر رہیں۔

”عباس شاہ وہ۔“ سر کے تم آج پھر نہ آئے اگر تمہیں  
میری ذرا بھی پروا ہو تو تم ضرور آتے۔“ ابھی تک رباب  
کی نگاہ نیچے کے قریب بڑے موبائل پر پڑی۔ سچ چمک رہا  
تھا اس نے جلدی۔ تڑپا کھولا۔  
”پلیز ربابی فون اٹھاؤ۔“

”ہوں۔۔۔۔۔۔“ آہ۔ نے زور سے پیدائی پر باتھ رافون  
کی آواز تو بند تھی۔ کوئی اس سے اوپر عباس کی کافر تھیں وہ سختی  
سے نچا، ہونٹ کھلتی تھیں۔

”ہیلو عباس۔“ تھیں۔ ہاتھ کر رہے تھے۔  
”ربابی یا رافون؟“ تھیں۔ ہاتھ کر رہے تھے۔  
”کی؟“ تھیں۔

”میرے لفظ انتہائی عقیدت سے تمہاری محبت کی تسبیح  
پڑھتے ہیں جو میں نے ہل ہل تمہاری پرستشوں میں ادا  
کیں۔“ رباب کے دائیں ہاتھ کی پشت اب بھی شیشے کی  
اس دیوار پر منبھولی سے جمی ہوئی تھی جس کے سامنے وہ  
جانے کب سے کھڑی تھی۔

”عباس شاہ میں نے اپنی اس جنونی محبت کو کھرنے  
سے بچانے کی بھرپور سعی کی۔۔۔۔۔۔ تم نے مجھے چاہا نا چاہا  
میں آج تک وثوق سے اس کا جواب نہیں تلاش کر پائی  
تم سے پاگل پن کی حد تک لے جانے والی شدت  
پسندانہ محبت کرنے کا فیصلہ بھی تو میرا تھا۔ کوئی کیا سوچتا  
تھے میں تو صرف اپنی مرضی کے رنگ اپنی سوچوں میں  
بھرنے کی عادی تھی۔ عباس شاہ ایسا تم کیوں نہیں مان  
لیتے روز اول سے ہم دونوں ایک۔ دو بجے کی تقدیر میں لکھ  
دیئے گئے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں کیوں ناں اپنے  
مکلیتر غمار احمد کی بن گئی۔ میرے احساسات کی سچائی  
مجھے باور کراتی ہے یہ سب رب کی مرضی تھی۔ ہم دونوں  
اپنی اپنی جگہ سچے ہیں۔ الوہی پاک۔ جذبات انسان کے  
اختیار سے باہر ہوتے ہیں۔“ رباب اپنی خود ساختہ  
سوچوں قیاس آرائیوں کو اپنی من چاہی سوچ کے تابع  
اپنے من پسند دھاروں پر چلانے کی عادی تھی۔ عباس  
بھی رباب سے محبت کرتا تھا لیکن رباب کو عادت  
ہو چکی تھی بے اختیار ہوں میں ٹھکتے رہنے کی۔

”عباس شاہ تمہیں مجھ سے چاہوں گا تمہیں پورا حق ہے  
میں تمہیں اب تک۔ پانچویں یہ میرا حق ہے اس قدر  
سے تم مجھے روکنا چاہو بھی تو نہیں روک سکتے۔“ آدمی رات

آنچل سارچ ۲۰۱۵ء ۲۲۲



تر بیت کردی تھیں۔ عارفہ کو گم، ہنسناوشل حلقہ بنانا ایسا کوئی شوق نہیں تھا وہ مکمل گم رہا خاتون تھیں وہ اپنی اس جنت میں خوش تھیں میاں بہوی میں انڈراستینڈنگ بھی جب کسی بات پر اختلاف ہوتا تو معین لدین کو ہی درگزر کرنا پڑتا رہا باب کے بعد حارث اور رافع تھے۔

عارف کی خواہش تھی خدا انہیں پہلے بیٹا دے لیکن رب اب آگئی جس کی انہوں نے کبھی ذرا ہش نہیں کی تھی لیکن معین الدین رب اب کی پیدائش پر بے حد خوش تھے۔ پنک مبل میں کپڑی گول مٹول چمک داما گھوٹوں والی رابی اب انہیں بہت پیاری لگنے لگی تھی۔ یہ تو پیری ننھی پری ہے وہ روکی جیسے اس کے گال چھوتے اب، ابھی ہر پل عارفہ کے دل میں بیٹے کی خواہش ہمکنی ازا کی سچائی سے مانگی گئی دعاؤں کے بدلے سال بعد انا کی گود میں حارث آ گیا

عارف کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی مارٹ کو گود سے نہ اتارتی رہا۔ کوہ یکسر بھول چکی تھیں۔ چند روزہ ماہ کی رہا باب کو گورنس گل پلویشہ کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ گل پلویشہ بڑھی لکھی سمجھدار کی تھی، ایسے باد سے تعلق

رکھتی تھی، معین الہیہ نے شیلٹر دم سے بلوایا تھا۔ گل  
کا گود میں رابی کیا آئی اسے زمکی ایک دم سے خوب  
صدمت لگنے لگی۔ رہاب ماں سے زیادہ گل کو پھیلتی تھی۔  
حادثہ ابھی ایک سال کا تھا تو رابع اس دنیا میں آ گیا۔  
اب عارفہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی دنوں بیٹوں کی کیر

میں وہ گھن چکر بن چکی تھیں اور افسوس کتا جانے سے قور باب  
اب مکمل انور ہونے لگی تھی۔ اس روز وہ ماں کے قریب بیٹھ  
کر بیٹھ گئی تھی۔

”ماما بھائی کو میری گود میں لائیں۔“

"میری جان بھائی ابھی بہت چھوٹا ہے بڑا ہو جائے  
 گا ناں پھر آپ اسے اٹھنا دونوں؟ مائی سو رہے ہیں آپ شور  
 نہیں کرو۔"

”ماما تھوڑی دیر کے لیے میں آپ کے پاس بیٹ  
جہوں۔ زرب نے ماں کو دوسری جانب سرک کر  
”سنا چاہا۔“



”میری جان بھائی ڈسٹرب ہوں گے ناں۔“ عارف نے رباب کا گل تھپتھپایا، لیکن وہ بھندھی ماں کے پہلو میں لیٹنے کے لیے اس کی نکمیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

”جاؤ گل ماں کو دیکھو وہ کہاں ہیں ان سے بولنا آپ کو چپس بنا کر دیں جاؤ شاہباش میرا بیٹا۔“ عارف نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر بیڈ سے نیچا اتارا۔

”ماما مجھے آپ کے پاس رہنا ہے۔“ وہ روہاٹی ہوتی دوبارہ بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی۔

”راہی کہنا کیوں نہیں مانتی ہو بھائی اٹھ جائیں گے۔“ عارف ڈپٹ کر بولیں اور اسے بازو سے پکڑے دروازے کی طرف دھکیلا۔ وہ ہونٹوں پر ہاتھ رکھے سسکیاں روکے تیزی سے باہر کی طرف بھاگی۔

”آپ کہاں تھیں گل ماں۔“ اپنے کمرے میں آتے ہی وہ گل کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔

”مائی سویٹ ہارٹ کیا ہوا؟“ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر گل ٹپ اٹھی۔

اس دن کے بعد رباب کبھی ماما کے کمرے میں نہ گئی۔ جب پاپا آفس سے آتے تو پہلے رباب کے کمرے میں آتے اسے گود میں بھر لیتے رباب لاشعوری طور پر ماں سے متفر ہوتی جا رہی تھی۔ اسے ماما سے خوف آتا پھر مجھے بازو سے پکڑ کر کمرے سے نکال دیں گی۔ ڈر پر ہی شہ ماما

حادث اور رافع کو ہی ڈسکس کرتیں جیسے ان کی صرف دو ہی اولادیں ہیں۔ رباب فوراً کلاس میں بھی خامی سمجھ رہی تھی۔

گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ ماما سے کتراتا ان سے خائف رہتا بھائیوں کو تھکی لگا ہوں سے گھورتا اس کے مزاج کا حصہ بن گیا۔ بھائی اس کے قریب آنا چاہتے لیکن وہ ماما کی نگاہ بچا کر انہیں زور سے چٹکیاں کاٹتی۔ وہ بلبلاتا اٹھتے تو وہاں سے کھسک جاتی کئی مرتبہ رباب نے رافع کے بازو میں اسی طرح اپنی انگلیاں پیوست کی تھیں جیسے ماما

نے ایک بار رافع کی خاطر زور سے اسے بازو سے پکڑ کر دروازے کی جانب دھکیلا تھا۔ ایسا کرنے سے رافع کو چند

”تم راہی کو ہمیشہ انور کرتی ہو اس طرح وہ تم سے بدظن ہو کر دور ہو جائے گی یا تم راہی کی بھی ماں ہو۔“

”معین مجھے پتہ ہے ماما راہی کی ماں ہوں آپ ایسے لیکچر مجھے مت دیا کریں آپ جانے کیا کیا سوچتے رہتے ہیں میرے لیے تینوں بچے برابر ہیں۔“ وہ آگ بگولہ ہوتے ہوئے بولتیں۔

”حادث اور رافع چھو۔ نے ہیں جبکہ وہ بڑی ہے خود کو سنبھال سکتی ہے۔“

”عارف..... وہ کتنی بڑی ہے؟ آٹھ سال کی پھر تو حادث اور رافع بھی خود کو سنبھال سکتے ہیں تم نے جان بوجھ کر انہیں اپنا عادی بنا لیا ہے۔“ وہ محبت سے بیوی کو سمجھانے کی کوشش کرتے۔

ماما کی نرم گرم گداز غوش کی منسا کرنی رباب نے چھوڑ دی تھی۔ اس کے اندر جذبات کا مد و جزر ماند پڑ چکا تھا۔ ماما

جب دونوں بیٹوں میں گھری لاؤنج میں بیٹھی ہوتیں وہ جان بوجھ کر چیزیں پختی گھاس توڑتی جگہ جگہ بے ترتیبی

بیمانی ملازموں پر چلتی چلاتی موقع پا کر بھائیوں کو بھی نوحتی کھسکتی اپنے اندر کی فرسٹریشن وہ عجیب عجیب حربوں سے باہر نکالتی۔ ماما خشکی لگا ہوں سے گھومتیں لیکن اب

اسے پروا نہیں تھی۔ وہ بی ایس سی میں پہنچ چکی تھی اور اب بھی اپنی زندگی کو بے ہتکم ہی محسوس کرتی تھی۔ گزرتے تھے ماہ و سال کی بے دخلی نے اسے ضدی وہٹ دھرم بنا دیا تھا۔ اسے کسی کی پروا نہیں

تھی ماما کی بے توجہی ایسا گھاؤ تھا جو مندل نہ ہو پار تھا۔ پھر ایک رات گل ماں بھی اسے روٹا بلکتا چھوڑ کر چلی گئی اس کا کئی سالوں سے محمرا شوہرا سے چانک لینے گیا تھا

زندگی کی اس بے حس رات وہ پہلی بار دھڑکیں مار مار کر روئی تھی وہ گل ماں سے لپٹی اسے چھوڑ نہیں رہی تھی۔

”نہ جاؤ گل ماں ایک آپ ی تو میری ہو آپ کے بتاؤ میں کیسے جیوں گی۔“

آئیچل عارف ۱۰۱۵

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN

RSPK.PAKSOCIETY.COM





”گڑیا میں تم سے ملنے آتی رہوں گی۔“ تب رباب کو ایسا لگا تھا آج اس کی ماں مر گئی ہے اس تمام رات خیالوں میں وہ گل ماں کی میت کے سر پہنے بیٹھی نوحہ کناں رہی رباب تنہا ہی تو تھی یہ مہیب رات کسی خونی سرنگ کی مانند طویل تھی۔

ماما کو اکثر رباب سے شکایت رہتی تھی کہ وہ ان کے ساتھ کچھ شہر نہیں کرتی ان کے ساتھ نام نہیں گزاریں۔ ”رابی میں تمہاری ماں ہوں کالج سے آنے کے بعد اپنے کمرے میں چلی جاتی ہو کچھ ٹائم میرے اور بابا کے ساتھ بھی گزارا کرو حادث اور رافع کالج سے آنے کے بعد ایک کرکٹ کلب چلا جاتا ہے تو رافع اکیڈمی جاتا ہے میرے لیے تو تم تینوں کے پاس ٹائم نہیں ہے۔“ ماما رباب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے نرمی سے کہہ رہی تھیں۔ ”ابھی چٹھی ہوں نا۔“ اس کے کچھ میں رکمانی تھی۔

”میرا بچہ“ مانا نے اسے کندھے سے اگالیا لیکن رباب کو اب کچھ ٹپل نہیں ہوتا تھا جب ٹپل کرانے کی عمر تھی تب ماما کے پاس اس کے لیے فرمت نہیں تھی۔

ان دنوں وہ پیمبرز سے فارغ تھی شدید پوریت محسوس کر رہی تھی جیسی عمار احمد کا فون آ جاتا عمار کی والدہ نرگس ناما کی فرسٹ کزن تھیں کالج میں دونوں نے ساتھ پڑھے تھے اس لیے خاصی بے تکلفی تھی مگر خالہ اور ماما کی دوستی بھی تھی وہ اکثر آتی تھیں خاموش رہنے والی رباب کو عمار جیلوں بہانوں سے ہنسانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ عمار کا سنس آف ہیومر کمال کا تھا وہ عمار کی کہن میں خوش رہتی گل ماں کے بعد عمار ہی تو تھا جس سے تھوڑی بہت بات کر لیا کرتی۔ جب بھی عمار آتا حادث اور رافع بھی ان کی کہنی میں شامل ہو جاتے لیکن رباب کو ان کی موجودگی ایک آنکھ نہ بھاتی۔

اس کے برعکس وہ دونوں رابی آپنی سے بہت محبت کرتے تھے وہ اس کی ہر تھوڑے پراسے یاد رکھتے لیکن اسے وہ دونوں پسند نہیں تھے۔ وہ صرف اپنی مرضی پر چلتی تھی دل کی سنی دل کی مانتی وہ اپنی زندگی میں کسی کی انٹرفیرر برگز

برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ رباب کو کسی سے انس نہیں تھا نہ ہی کسی کی کمی محسوس کرتی وہ پھر دل ہو چکی تھی۔ گل ماں کو وہ اسٹریا کرتی آج کل وہ ہری پود ہزارہ میں تھیں اگر عمار سے سمجھانے کی کوشش کرتا تو اس سے تمام تعلق توڑ دینے کی دھمکی دیتی۔ بودیت سے اکتا کر رباب نے لائبریری جانا شروع کر دیا تھا۔ عمار نے پنجاب یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا تھا اس نے رباب کو بھی شہر دیا تم بھی ایم بی اے میں داخلہ لے لو۔ وہ رباب کے لیے فارم بھی لے لیا تھا عمار احمد بڑھا کوسم کالڑ کا تھا وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے کچھ بننا چاہتا تھا مگر خالہ کو رباب بہت پسند تھیں وہ اس انتظار میں تھیں کہ عمار پڑھائی سے فارغ ہو کر رباب کرنے لگے تو وہ عارفہ سے رباب کا رشتہ مانگیں عمار نے اس کا رشپ کے لیے پلائی کیا ہوا تھا۔ اور اس کا نا آ بھی گیا تھا۔ وہ دوبارہ بعد انگلینڈ جا رہا تھا اعلیٰ تعلیم کے لیے۔ عمار رباب کو پسند کرتا تھا اس نے اپنی امی کو بتا دیا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ میرے باہر جانے کے بعد خالہ رباب کا کوئی اچھا رشتہ آنے پر اس کی شادی ہی نہ کر دیں۔ بھلا عارفہ کو یا اعتراض ہو سکتا تھا عمار گھر کا بچہ تھا اچھی طرح دیکھا عمار تھا۔ رباب کو بھی عمار پسند تھا۔ وہ اس رشتے سے بھلا یوں انکار کرتی۔ اس کے لیے تو جو بھی پہلا رشتہ آتا وہ اس کے لیے ہاں کر دیتی۔ ویسے بھی وہ جلد از جلد اس شخص کو ماحول سے نکلنا چاہتی تھی۔ مگر خالہ کے گھر کا ماحول بہت اچھا تھا سبھی ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے مگر خالہ اپنے سب بچوں سے یکساں محبت کرتی تھیں۔ رباب جانتی تھی عمار بہترین اوصاف کا مالک ہے۔ یقیناً اسے، باہر اچھی جاب بھی مل جائے گی پھر وہ ہمیشہ کے لیے اس جگہ کو خیر یاد کہہ دے گی عمار کے جانے سے ہفتہ پہلے ان کی منگنی ہو گئی تھی۔ عمار بہت خوش تھا لیکن رباب نارمل لگا۔ اسے شادی تو کرنی ہی تھی کیونکہ وہ جلد اس گھر کو چھوڑنا چاہتی تھی عمار کی صبح کی فلائیٹ تھی رات کو وہ اسے ڈر کرانے لے آیا تھا۔

”رابی تم خوش ہونا۔“

”عمار تمہارے نام کی انگوٹھی اپنی انگلی میں سجائی ہے



اب بھی اکثر گزشتہ راتوں کے روتے بلکتے لمحے چپکے سے اس کا دامن تھام لیتے تھے۔



عباس شاہ رباب کے لیے نہایت خوب صورت ڈریسز لایا تھا وہ دیکھی سے ڈریسز دیکھ ہی گئی۔

”عباس اپنے لیے بھی کچھنی شرٹ لے لیتے۔“  
 ”رانی جب تمہارے لیے شاپنگ کرنے لگتا ہوں اپنا خیال ہی نہیں رہتا ذہن میں صرف تم ہی رہتی ہو۔“

”سنو عباس شاہ ہمیشہ میں نے ہی رہنا ہے ان نگاہوں میں اس دل میں۔“ رانی نے فگلی اس کد کے مقام پر گئی۔

”ملکہ عالیہ ہماری ایسی مجال کہ ہم کسی اور حسینہ کے بارے میں سوچیں ہماری نیکو صاحبہ ایسی اہل ہیں جنہیں محسوس کر کے زندگی سانس لگتا ہے۔“ محبت پاش نگاہوں سے رباب کو دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ زور سے اپنی جانب کھینچا اس کی محبت کی شدت میں دیکھ کر خود پرنازاں ہوتا غرور اس کی آنکھوں میں گلابی ڈور۔ پھر جاتا۔۔۔

عباس شاہ علی شاہ کی اکلوتی اولاد تھے۔ ایک بہن بھائی عباس سے بڑے تھے جو بچپن میں انتقال کر گئے تھے عباس بہت منتوں مرادوں سے والدین کو حاصل ہوئے تھے۔ علی شاہ ایک معروف کنسٹرکشن کمپنی کے مالک تھے۔ جو کمرشل بلڈنگز بناتے تھے۔ عباس شاہ نے حال ہی میں بزنس ایڈمنسٹریشن میں ماسٹرز کیا تھا جو ان کی فرم کے لیے سوومند تھا۔ عباس کی والدہ رخسانہ شاہ ایک سوشل وومن تھیں۔ رباب رخسانہ شاہ کی پروا نہیں کرتی تھی کیونکہ رخسانہ شاہ نے آج تک رباب کو قبول نہیں کیا تھا۔ رباب ان کے ضدی بیٹے کی پسند تھی۔ علی شاہ نے اس شادی پر قطعی اعتراض نہ کیا تھا۔ وہ رباب سے خوش بھی تھے۔ دونوں نے اکٹھے ہی بزنس ایڈمنسٹریشن میں ماسٹرز کیا تھا۔ رباب کی بوریٹ کے خیال سے علی شاہ اور عباس نے اسے آفس جوائن کرنے کو کہا تھا۔ رخسانہ شاہ کی جلدن قاتل تھی انہیں اچھا نہیں لگتا تھا کہ باپ بیٹا رباب کو امپورٹنس دیں

میری خوشی کا اس سے بڑا ثبوت تمہیں اور کیا چاہیے۔ عمار تمہیں بھر دے ہونا چاہیے آپ پر اور مجھ پر بھی۔“

”وہ سب ٹھیک ہے لیکن میں چاہتا ہوں تم اپنی محبت کا اظہار کرو جس طرح میں والہانہ پن سے تمہیں چاہتا ہوں۔“

”سوری عمار میں ایسی نہیں ہوں جیسی ہوں مجھے ویسا ہی رہنے دو کسی کے دباؤ میں آ کر میں نے تمہارا پر پوزل قبول نہیں کیا بس تم زیادہ مت سوچو اپنی توجہ اسٹیڈی پر ہی رکھنا۔“

”نیٹ پر تم سے بات کیا کروں گا۔“  
 ”کوئی ضرورت نہیں۔“ بات جواب تھا اس کا۔

”میں رات دس بجے تک سو جاتی ہوں۔ تم ایسی فضولیات میں مت بڑنا وقت پر سونا نہ ہی کوئی گریل فرینڈ بنانا سمجھے۔“ وہ خود ہی مسکرا دی۔

”یار یہ کسی پابندیاں مجھے غریب پر عائد کر رہی ہو۔ اچھا یہ بتاؤ مجھے یاد کرو گی؟“  
 ”ہر گز نہیں۔“

”یہ کیا بات ہوئی۔“ عمار نے کاٹا زور سے پلیٹ پر پٹا۔ رباب نے مسکرا کر عمار کی طرف دیکھا۔

”آف کورس عمار تمہیں یاد نہیں کروں گی تو کس کو کروں گی۔ تم بھی تو لوٹ پٹا تک سوال کرتے ہو۔“

عمار کے جانے کے بعد واقعی وہ اسے مس کرتی تھی کبھی کبھار نیٹ پر تھوڑی سی بات ہو جایا کرتی۔ عمار نے اسے بتایا تھا اپنے رہائشی اپارٹمنٹ کے نزدیک ایک فوڈ کمپنی میں اچھی سیکری ہمارے جاب بھی مل گئی ہے۔ عمار ہر بات رباب سے شیئر کرتا تھا عمار اس سے محبت کرتا ہے یہ سبج کر د رباب کو اچھا لگتا۔ وہ اکثر سوچتی۔

”کیا مجھے عمار احمد سے محبت ہے؟“ کوئی تسلی بخش جواب اسے نہ مل پاتا۔ ”مجھے برا بھی نہیں لگتا اسی لیے تو اس سے منگنی کر لی ہے۔ مجھے تو بس اس گھر سے جانا ہے۔ شاندار زندگی جینے کے خواب میں نے کبھی خود پر مسلط نہیں کیے تھے۔“ اسے تو اس شخص زرد ماحول سے فرار چاہیے تھا۔



محبت پر بھروسہ نہیں ہے؟“  
”بہت ہے۔“

”پھر۔“ سوال مت کیا کہ تم نے ہی تو مجھے اس زیست کی دوشی کے دروہام سے ہم آہنگ کر لیا ہے۔“ عباس نے اس کے گال پر انگلیات شہادت سرسراہی۔ تو رباب کے یاقوتی ہونٹوں پر مسکان پھیلی جس میں مکمل اطمینان تھا۔ تب وہ بھی اپنی ڈارک براؤن شہد آئیں آنکھوں میں کتنے جگنو بھرے۔ حد یکدہا تھا۔



عمار کے انگلیٹڈ جانے کے بعد رباب کا کہیں دل نہیں لگ رہا تھا۔ اضطرابی وبے گلی تھی کہ اس کے اطراف منڈلائی وہ عمار احمد کو اکثر مس کرتی، ویک اینڈ پر جب نیت پر عمار سے بات ہوتی تو وہ اپنی بے تابیوں رباب کے سامنے بیان کرتا، لیکن رباب نے ایک دفعہ بھی نہ کہا عمار میں بھی تمہیں مس کرتی ہوں۔ ویڈیو سٹی میں رباب نے کوئی فریڈ نہیں بتایا تھا۔ زبردستی نہ انرا انرا اور حیرانے اسے اپنے گروپ میں شامل کر لیا تھا۔ وہ زیادہ تر پڑھتے ہوئے پائی جاتی، کبھی ان کے پاس بیٹھ بھی جاتی تو ان میں ایڈ جسٹ نہ ہو پائی، وہ ساری دیا سے خفا دکھائی دیتی تھی، بچپن سے جس گروپ میں جگہ کی ہوئی تھی وہ اس سے باہر نکلنا چاہتی تھی۔ یہ چار سو اماد دکھائی دیتی اصل میں تو وہ ماما سے ہی فرار چاہتی تھی، پراس نے عمار سے منگنی کر لی تھی۔ ماما تو اب بدل گئی تھیں اس پر خاصی توجہ دیتیں، جب ان کی توجہ کی ضرورت تھی تب انہوں نے اسے نظر انداز کر رکھا تھا۔

اس کا بچپن خوف کی نذر ہو چکا تھا جس نے اس کی پرسنالٹی کو بری طرے بھروج کر لیا تھا اسے کسی سے پیار نہیں تھا وہ خود پسند بن چکی تھی، بے آپ کو کوئی نہ سرا ہے تو آپ اپنی ذات کو خود سراہنے لگتے ہیں وہ باقی زندگی اپنی مرضی اپنے حساب سے گزارا دیتی تھی اپنی زیست کے کیونوں پر اپنی منشا کے رنگ بھرنا چاہتی تھی۔ اس نے پختہ ارادہ کر لیا تھا اب کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرے گی وہ

وہ چاہتی تھیں متوسط طبقے کی رباب صرف گھریلو عورت بن کر رہے۔ رباب چھٹی کے دن پورے گھر پر توجہ دیتی تھیں وسیع و عریض محل نما بیچنے کی صفائی اپنی نگرانی میں نوکروں سے کرواتی پھر کچن میں مٹھی خانہ سالن کے ساتھ عباس اور علی شاہ کی پسندیدہ ڈشیں بناتی، علی شاہ اس کی تعریفیں کرتے نہ تھکتے۔

رباب، رخسانہ شاہ کا اس حد تک احترام کرتی تھی کہ وہ اس کے شوہر کی والدہ تھیں اسے بخوبی علم تھا رخسانہ اسے پسند نہیں کرتیں، رخسانہ شاہ ہنستے ہوئے طنزیہ جملے کہنے سے نہ چوکتی رباب کی اچھی خاصی بے عزتی کر دیتیں۔ رخسانہ بیٹے کی شادی ایک ملٹی پھیل کمپنی کے مالک شیخ حامد کی اکلوتی بیٹی صالحہ سے کرنا چاہتی تھیں۔ انہیں تو وہ بہو چاہیے تھی جو جہیز میں فیکٹری اور بے حساب بینک بیلنس لائے۔ ان کی ابھی تک صالحہ پر نظر تھی وہ باہر سے پڑھ کر آئی تھی۔ وہ رباب کا کاٹنا کٹانے کے لیے نئے نئے پلان سوچتی رہتی تھیں۔

اس جالوگر نے میرے بیٹے پر جانے کیا جالو کروا ہے اسے اس ساحرہ کے علاوہ کوئی اور دکھائی ہی نہیں دیتا۔ عباس شاہ سے رشتہ جوڑتے ہوئے رباب نے کسی کی پروا نہیں کی تھی۔ پھر عباس کیوں کسی کی پروا کرتا، کیونکہ وہ بھی رباب کو بہت چاہتا تھا، رباب اس کی خاطر اپنے گھریلوں سے نمرائی تھی۔ عمار احمد کی نگاہوں میں ہر جانی بنی تھی۔ اسے کسی کی پروا نہیں تھی۔ عباس کے ساتھ اس کے دل کا سچا رشتہ جڑا تھا، عمار کے لیے اس نے ایسا بھی ٹیل نہیں کیا تھا۔ عباس بھی رباب سے بے شمار محبت کرتا تھا، رباب نے اسے اپنی لازوال محبتوں کی سب سے اونچی مسند پر بٹھا کر مہم جو کر دیا تھا۔ وہ رباب کی قدر کرتا تھا اس کی پروا تھی عباس شاہ کو۔

”عباس شاہ تم مجھ سے بے وفائی تو نہیں کرو گے۔“ رباب کے متحرک چہرے پر خوف اٹھنے لگتا، جھلستی نمی رباب کے صبح کالوں کو بھگوتی تھی۔

”رانی کیوں ایسی فضول باتیں سوچتی ہو کیا تمہیں اپنی



کبھی ماما بابا سے پاکٹ منی نہ مانگتی بابا ہمیشہ اس کے کہے  
بنامہ اس کی ضرورت سے بڑھ کر پاکٹ منی دیتے۔  
اکثر وہ بابا کو اپنے ساتھ لاٹنگ ڈرائیور لاتی وہ بابا  
کے ساتھ خوب باتیں کرتی صرف اپنی باتیں دہانتی پر بابا  
اسے ڈھیروں شاپنگ کراتے اچھے سے ریسٹورنٹ میں  
کھانا کھاتے دونوں ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزار کر  
خوشی پاتے تھے۔

.....☆.....

”سنائی کم ان سر۔“ لیکچر دیتے سر سلمان قحی نے  
لوہ بھر کے لیے رکھتے ہوئے دروازے کی جانب دیکھا وہ  
تیز تیز قدم اٹھاتا رہا باب کے سامنے سے گزرتا اپنی سیٹ پر  
آکر بیٹھ گیا۔ آج وہ پورے دن منٹ لیٹ تھا۔ بزنس  
ایڈمنسٹریشن کے تمام سبیکٹ اس قدر خشک اور دماغ چکرا  
دینے والے تھے پوری توجہ سے کلاس میں دماغ حاضر رکھنا  
پڑھتا تھا۔

”اینی کوچن“ سر نے طائرانہ نگاہ پوری کلاس پر ڈالی  
باب معین نے ہاتھ اٹھایا۔

”لیس۔“ سر نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”سر اس کی ڈیفینیٹین کیا ہوگی؟“ وہ مسکرائے اور پھر

سے ڈیٹیل میں سمجھانے لگے کلاس ختم ہو چکی تھی

اسٹوڈنٹ اپنی اپنی چیزز چھوڑنے لگے شمرہ نے باب کو

شہو کا مارتے ہوئے برابر والی رو میں خرسٹ نشست پر بیٹھ

پر تیزی سے قلم چلاتے گڈ لکنگ بندے کی جانب اشارہ

کیا۔ باب بنا پلک جھپکے کتنے ٹائپے اسے دیکھتی رہی۔ شمرہ

نے پھر اسے شہو کا مارتا تب وہ اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔ وہ سہرتی

سر اپنے ولاد وجیہ لڑکا تھا۔ اس کی غذائی لائبنی مولی براؤنٹن

آنگھیں اس کے بیضوی چہرے پر بہت سچ رہی تھیں جن

میں بے حساب چمک و نور رہی تھی۔ ہونٹوں پر مکھوئی سبک

مسکان بدستور قائم تھی۔ ستواں اٹھی ہوئی ناک جو کہیں

سے بھی مغرور ہونے کا تاثر نہیں دے رہی تھی۔ چھ فٹ

سے نکلتے قد پر مضبوط پیرا پا اسے منفرد بنا رہا تھا باب چند

لمحوں میں اس بندے کا تفصیلی جائزہ لے چکی تھی۔ تب شمرہ

کے ہارنے پر اپنی چیزیں سینے کلاس روم سے باہر آ گئی۔  
باب کے اندر کچھ پکڑ و پکڑ ہونے لگی۔ دل تھا کہ انجامے  
میں رنجیدہ تھا۔ نمر حسیرہ کی بات پر ہنس رہی تھیں باب  
خاموشی سے چل رہی تھی اسے اپنے پیچھے بھاری قدموں  
کی چاپ سنائی دی۔ غیر ارادی طور پر گردن کو ہلکا سا خم  
دے کر کن اکھیوں سے اپنے دائیں جانب دیکھا۔ واقعی  
وہی تھا ان کے پیچھے رہا تھا۔ اس کی تمام توجہ ہاتھ میں  
پکڑے قیمتی موبائل پر تھی۔ سب وہ تینوں اپنے ذہن پارٹنٹ  
کے طویل برآمدے کی باؤنڈری کی ریلنگ کے پاس کھڑی  
تھیں۔ رات کو جب وہ اپنے کمرے میں لیپ ٹاپ  
کھولے بیٹھی تھی تو بار بار اس کا خیال اسے ستا رہا تھا۔ کون  
ہے وہ... کیا نام ہے؟

”باب ویری روٹنگ۔“ اندر سے کسی نے  
ڈپٹ کر کہا۔

”ہاں میری بلا سے وہ جو کوئی بھی ہے مجھے اس سے کیا

سر و کار۔“ اس نے دیلیس دے کر اس سرکشی کو روکنا چاہا

لیکن ہر بار وہ چند لمحے اس کی زندگی کے ان گنت لمحوں

سے بھاری اور پر کیف ثابت ہوئے۔

باب اسٹڈی میں شروع تھا سے ٹوپ ہولڈر تھی

عباس شاہ زیادہ تر اسے پڑھتا دکھائی دیتا۔ عباس شاہ کا

آئی کیو لیول بہترین تھا۔ خرائی ڈے کی اس دوپہر کلاس

آف ہونے پر وہ برآمدے کی کورنر والی ٹائیلز والی چوڑی

میٹر جیوں پر بیٹھی منڈے کو ہونے والی پریزینٹیشن کے

لیپے چند پوائنٹ پر ٹک مار کر رہی تھی۔ شمرہ حسیرہ

کینٹین چلی گئی تھیں۔

”ہیلو۔“ عباس شاہ برآمدے کی میٹر جیاں اترتے

ہوئے ٹھٹکا کر اس نے قریب رکھا۔

”ہیلو۔“ وہ مسکرائی۔

”بچھلے ہنرے آپ کی اسائنمنٹ۔ سب سے زیادہ نمبر

لے گئی۔“

”تھینک یو آپ کو کیسے پتہ؟“

”سر نے اس روز کلاس میں بتایا تھا۔“



”ہوں مرنے ہم دونوں کا نام پڑھا۔“  
 ”رہا اب آپ کلاس کی باقی لڑکیوں کی طرح  
 نہیں ہیں۔“

”واٹ؟“ اس نے دلچسپی سے عباس شاہ کی  
 صرف دیکھا۔

”بہت سادہ اور معصوم چار منگ۔“  
 ”تھینکس۔“ رہا اب اس کی جاوٹی آواز کے سر میں  
 ابھی تک جکڑی ہوئی تھی۔ اچانک اس کی دھڑکنیں بے  
 انتظام ہوئی تھیں۔ رہا اب نے خود بھر کے لیے عباس شاہ کی  
 صرف دیکھا اس کی گہری متحرک براؤن شہد آکھیں  
 آنکھیں جن کا گداز ہن اسے مزید دیوانہ بنا رہا تھا۔ عباس  
 شاہ کے توصیفی الفاظ کے پیرا ہن اسے یکتا جسم کر رہے  
 تھے۔ عباس شاہ نے طائرانہ نگاہ اس پر ڈالی سفید چوڑی وار  
 پا جامے پر کاسنی اور سفید پھولوں والی لائننگ ٹرٹ شیفون کا  
 اوپن سلیٹ سے سر پر لیے ہوئے تھی۔ پیروں میں فلیٹ  
 چپل تھی جو اس کی حویلیں قامت پر خوب سج رہی تھی۔ عباس  
 شاہ اب بھی رہا اب کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔



بابا کی ریٹائرمنٹ کے بعد وہ اس پوش علاقے میں  
 حال ہی میں اپنے ذاتی گھر میں شفٹ ہوئے تھے۔  
 رہا اب کا اوپر دائیں جانب والہ کمرہ تھا۔ جہاں دیوار گیر شہدے  
 کی سلائڈنگ دیوار تھی جہاں سے باہر کا دیوانہ بہت  
 پرکشش محسوس ہوتا میرس خاصا تھا! اور طویل تھا۔ یہاں  
 آکر وہ کافی خوش تھی۔ وہ رات و پرست۔ بابا کے پاس نہ تھی  
 تھی ہرنا پک پران سے لمبی لمبی نہیں کرتی۔ بابا رہا اب کی  
 لمبی انجوائے کرتے آکر شام کو وہ اور بابا اپنے حمر کے  
 سامنے لمبی سی تارکولی کی سرنگی سڑک پر واک کرتے اس  
 شام واک کرتے ہوئے بابا اسے اپنی ملازمت کے دوران  
 کا کوئی واقعہ سنا رہے تھے وہ بابا کی بات پر مسکرا رہی تھی  
 سامنے سے وہ اکیلا آ رہا تھا ہاتھ میں ٹیکری کے کچھ شاہ پرز  
 تھے ان کے نزدیک آتے ہوئے وہ ٹھنک کر رکا۔ رہا اب  
 نے بھی حیرت سے عباس شاہ کو دیکھا۔ اس نے بابا کو سلام

کیا تو انہوں نے محبت سے جواب دیا۔  
 ”کیسی ہیں آپ؟“ اب وہ رہا اب کی طرف متوجہ تھا۔  
 ”ٹھیک ہوں۔“ رہا اب کی آنکھوں میں جھس تھا وہ  
 جنم پر ریڈی ٹی ٹرٹ پہنے ہوئے تھا پیروں میں چمڑے  
 کے سیاہ سلپری تھے اس حلیے میں ابھی بہت اچھا لگ رہا تھا۔  
 عباس کی یا تو قی چمک دار آنکھوں میں والہانہ چمک عود رہی  
 تھی۔ ہونٹوں پر بدستور معنی خیز ٹکراہٹ تھی۔

”بابا یہ میرے کلاس فیلو عباس شاہ ہیں۔“ بابا نے  
 اثبات میں آنکھوں کو جنبش دی۔

”عباس آپ یہاں کیسے؟ رہا اب گویا ہوئی۔  
 ”یہی سوال اگر آپ سے مروں تو؟“ اب بھی متبسم  
 تھے اس کے بھرے بھرے ہوت جیسے اسے کوئی نایاب  
 خزانہ مل گیا ہو۔

”میں یہی پر رہتا ہوں۔“  
 ”اور میں بھی۔“ وہ خاصی سرور دھانی دے رہی تھی۔  
 ”میں اسی سینٹر تھری میں رہنا ہوں۔“  
 ”نورام جی نو میں رہتے ہیں۔“

”واہ یعنی ہم دونوں کے لٹ کی دیوار ایک ہی ہے اور  
 نہیں پتہ ہی نہیں۔“

”اچھا انکل اب تو ملاقات ہوتی رہے گی۔“  
 ”اب شاء اللہ۔“ بابا مسکرا۔ نے رہا اب نے بھی دونوں کو  
 اودائی جنبش دی۔

رہا اب بہت خوش رہنے لگی تھی۔ غدار اٹھ کا تنب  
 بھی فون آتا وہ بتاتا میں تمہیں بہت مس کرتا ہوں رہا اب  
 نے اسے بھی مس نہیں کیا تھا۔ اب اسے ہمارا خیال بھی  
 نہیں آتا تھا۔

گزر رہے دنوں میں عباس شاہ اور رہا اب ایک  
 دوسرے کے بے حد قریب آ رہے تھے۔ قمر توں کے سلسلے  
 بڑھتے چلے گئے۔ انہیں پتہ ہی نہ چلا۔ اب انٹر بابا اور  
 رہا اب کے ساتھ عباس شاہ بھی واک کرنے لگا تھا۔ بابا اور  
 عباس میں خاصی دوستی ہو چکی تھی۔ جب بابا ساتھ نہ  
 ہوتے تو وہ دونوں واک کرتے ہوئے دنیا جہان کی باتیں



رباب گم صم سانس روئے، اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی سماعتوں نے جو سنا تھا کیا وہ سچ تھا؟ دونوں نے اعتراف کے سلسلوں کی جیسے یہ سرنگی شام امین تھی۔ اوائل سرما کی یہ ہلکی خنکی لیے شام کس قدر خوب صورت محسوس ہونے لگی تھی انہیں۔

”رباب کچھ تو بولو“ عباس نے حدت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ رباب کے دل کی اٹھل پٹھل بڑھی۔ اس نے غمور نگاہوں سے عباس کو دیکھا۔

”عباس مجھے یقین نہیں آ رہا کہ آپ مجھ سے کبھی ایسا بھی کہیں گے۔“ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے اپنی محبت کو امر کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

اب عباس شاہ علی شاہ کے بزنس میں ہاتھ بٹانے لینے لگا تھا۔ اس نے چند ہفتوں میں کمپنی معمولات و امور احسن طریقے سے ہینڈل کر لیے تھے علی شاہ مطمئن تھے۔ عباس جلد از جلد سیشنل ہونا چاہتا تھا تا کہ پیرئس سے

رباب کے پر پوزل کے بارے میں بات کر سکے۔ عباس نے ایک دن ماں کا اچھا موڈ دیکھ کر ان سے بات کی تھی۔

وہ شدید حیرت میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے ہائی سوسائٹی کی ماڈرن امیر گھرانے کا لڑکی لانا چاہتی تھیں جبکہ ریٹائر ایس پی معین الدین متوسط طبقے کے فرد تھے اور رباب وہ تو رخسانہ شاہ کو ہرگز پسند نہیں تھی۔

ہر وقت سر پر دوپٹہ اوڑھے رہتی۔ انہیں تو فیشن ہیل بہو چاہیے تھی جو ان کے سوشل سرکولر میں موڈ کرنے کی اہلیت رکھتی ہو رخسانہ شاہ ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہتی تھیں کہ ان کا بیٹا رباب کا خیال چھوڑ دے۔ وہ بیٹے کی بچہ سے بخوبی واقف تھیں اس کا ہر فیصلہ اٹل بیٹا ہے۔ آج تک عباس نے ماں سے کوئی فرمائش نہیں کی تھی نہ ہی اس نے بھی کسی بات کے لیے ضد یا اصرار کیا وہ والدین کی فرماں بردار

اولاد تھا۔ علی شاہ کو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ وہ کئی بار معین الدین سے مل چکے تھے، جو ایک شریف انفس آدمی تھے۔

رخسانہ شاہ چاہتی تھیں عباس کا رجحان رباب کی

کرتے۔ محبت کی جڑیں دونوں کے تگن دل میں تیزی سے پھیل رہی تھیں۔ رباب شدت پسند تھی یہی اس کے عشق کا حال تھا۔ بناء کچھ کہے ایک دو بجے کی بات سمجھ

لیتے ان کی محبت میں کوئی کھوٹ یا قطع نہیں تھا۔ زندگی کس قدر چارمٹک ہے عباس شاہ کی سنگت میں اسے پتہ چلا تھا۔ رباب سوچتی اگر عباس شاہ مجھ سے چھڑ گیا تو میں مر جاؤں گی اس کے بناء اب جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

عباس کو رباب نے بتا دیا تھا کہ کن حالات میں اس نے عمار احمد سے منگنی کی تھی۔ اب وہ عمار سے بات نہیں کرتی تھی۔ نرگس خاں پریشان حال ماں کے پاس آئی تھیں وہ

رباب کے بدلتے رویے سے غرمند تھیں۔ ماما نے رباب کو سمجھانے کی کوشش کی تو اس نے ماما کو صاف انکار کر دیا کہ خاں عمار کی کہیں اور شادی کرویں تو ماما نے اسے

سمجھانا چاہا۔

”پلیز ماما! آپ میرے لیے فکر مند نہ ہوں میں سمجھدار ہوں مجھے اپنے تمام فیصلے خود کرنے ہیں“ دیش آل آپ کے پاس ایسا کوئی حق نہیں ہے جو آپ مجھ پر

انہی مرضی چلائیں۔“ بابا کو اس نے نہایت اطمینان سے قائل کر لیا تھا۔

”بابا! میں نہیں سمجھتی کہ عمار کے ساتھ میں زیادہ دور تک چل سکوں گی اس لیے بہتر ہے کہ ابھی سے راہیں الگ کر لیں۔ مجبوراً کسی کے ساتھ زندگی نہیں گزارا جاسکتی۔“

”ٹھیک ہے جیسا تمہاری زندگی ہے تمہیں اس پر پورا حق ہے میں تمہارے لیے دعا گو ہوں گا۔“

اس شام عباس کے ساتھ راک کرتے ہوئے دونوں دو رویدارختوں کے درمیان لمبی سڑک پر چلتے چلتے ایک سنگی بیچ پر بیٹھ گئے تھے۔

”رباب میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”ہوں۔“ وہ چونکی۔

”جب سے تم میری زندگی میں آئی ہو اپنے رب سے تمہارے دائمی ساتھ کی التجائیں ہیں تمہارا ساتھ مانگا ہے رباب تم میرے لیے بے حد ضروری ہو چکی ہو۔“







بار غمار کو اٹھا رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا غمار بھی اس کے ساتھ پہنے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے تر ہونا ہی پڑا۔  
 کیلی گٹار بجاتی بہک بہک کر گار رہی تھی۔ اس کی آواز بہت پر سوز تھی۔

”یہ میرا دوست ہے غمار احمد۔“ میکس نے تعارف کرایا۔

”مسٹر غمار تم میرا گانا سناتے مجھے اچھا لگا۔“ غمار اس کے ہاتھ غور سے دیکھ رہا تھا۔ انہی انگلیوں والے اس کے لیے ہاتھ خاصے چمک دار تھے۔ اس کی پلٹیں گھنی اور مڑی ہوئی تھیں آنکھیں انہی، رموٹی تھیں۔ وہ اپنی کلاں میں واقعی خوب صورت لڑکی بنی جانی ہوئی اس سولہ سالہ لڑکی میں غیر معمولی بات ضرور تھی وہ بھی جینپ ریمارکڈ کوڈیج کی تھی پھر کافی کی طرف توجہ ہو جاتی۔ کافی مانگم نر چکا تھا۔ غمار اب انہیں چاہتا تھا۔ اور ان کی کلمات کہتے ہوئے کیلی نے سرمہ جوشی سے ہاتھ دھ دیا۔



عباس شاہ نے لاہور کی بڑی سنبھل لی تھی۔ ملی شاہ بے فکر ہو چکے تھے۔ ملی شاہ رباب سے خوب ملنے لگے تھے جبکہ خسان شاہ کو یہ بالکل اچھا نہیں لگتا حال ہی میں وہ ڈینٹس کے اپنے سننے والے شان بیٹے میں شفٹ ہو گئے تھے۔ غمزدہ رباب نے جو ڈیجوریت کیا تھا۔ رخسانہ شاہ کی روٹین وہی تھیں کلب جہاں پارٹیز شاپنگ افتتاحی تقریبات میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے شامل ہونا فیشن انڈسٹری میں خاصی پہچانی جاتی تھیں۔

عباس کی محبت کا رشتہ تھا رباب دن بدن نکھرتی جا رہی تھی۔ رخسانہ شاہ رباب کی شادی دیکھ کر گڑبھٹی مرد کو ہمیشہ اپنی جانب جھکی۔ مائورت بھائی ہے جو گلاب کی طرح تروتازہ ہو جس میں مقناطیسی کشش ہو رخسانہ شاہ کو رباب سے خدا واسطے کا بڑھاپا بیٹے کی بیوی پر توجہ برداشت ہی نہ کر پاتیں۔ اس گھر کے دونوں مرد صرف رباب کی عورت سرانی کرتے دیکھائی دیتے جیسے رخسانہ شاہ کی کوئی وقعت و اہمیت نہ رہی تھی اور وہ بے معنی ہو گئی تھیں گلبرگ کا

یوں دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ میں کئی دنوں سے نوٹ کر رہا ہوں تم ڈسٹرب ہو غمار اگر واقعی تم مجھے دوست سمجھتے ہو تو مجھ سے بات کرو۔“ غمار نے اپنے اور رباب کے بارے میں مختصر میکس کی زبان کو بتا دیا۔

”میں صرف رباب کی خاطر یہاں بیٹھتا یا تھا تاکہ زندگی کو اس کی توقعات کے مطابق بنا سکوں میں زندگی کے تمام خوب صورت موسم اس کے ساتھ انجوائے کرنا چاہتا تھا۔“ میکس نے اسے بہت سلی دی۔

”غمار سب کچھ بھولی کر دوسرے مسسٹر کی تیاری کرو اپنا سی ایس ایس مکمل کرو۔“ میکس نے اسے دلاسہ دیا۔ غمار نے مسکراتے میکس کی جانب دیکھا اور اس کے گھٹے لگ گیا۔

آج غمار کی طبیعت پتھ ٹھیک نہیں تھی وہ جلدی ہو خورشی سے آ گیا تھا۔ کل ویک ایڈ تھا اور آج وہ خوب سونا چاہتا تھا۔ وہ لین ہی تھا کہ اسے چابی سے لاک کھولنے کی آواز آئی۔

”آج تم جلدی آ گئے۔“ میکس تھکے تھکے انداز میں اندر داخل ہوا تھا۔ اور رکوٹ اتارتے ہوئے اس نے زور سے جھازا جس پر برف کی سفیدی تھی۔

”سونا چاہ رہا تھا اس لیے جلدی آ گیا۔“ غمار نے میکس کی طرف چہرہ نہ کرتے ہوئے غصہ سے بوجھل آواز میں جواب دیا۔

میکس کے دماغ میں چند سال پہلے انتقال کر گئے تھے تب وہ کچھ عرصہ تک ماں کی ایک رشتے دار کے گھر رہا تھا۔ کروڑیما آئی اور اس کی بیٹی تنہا رہتی تھیں وہ آئی پر بوجھ نہیں جتنا چاہتا تھا کروڑیما کا ہر مینڈ کچھ سال پہلے ان ماں بیٹی کو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اس کی بیٹی کیلکی میرین میٹرک میں پڑھتی تھی وہ اسکول سے آنے کے بعد ایک کار میٹنس فیکٹری کے اسکرٹ ٹرٹ چنٹ کیا کرتی تھی۔ اس طرح ماں بیٹی کا گزارہ اچھے طریقے سے ہو رہا تھا۔ کیلی کی آواز بہت اچھی تھی۔ وہ تیار رہی بجاتی تھی۔ میکس نے کیلی سے وعدہ کر لیا تھا آج آنے کے لیے اسی لیے میکس بار



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety1](https://twitter.com/paksociety1)



رنگارنگ کہانیوں کے آراستہ دلچسپ حیرت  
AANCHAL.PK.COM

تازہ شمارہ شائع ہو گیا ہے



قلندرات

دنیا کو سحر کرنے والی کہانی انگلیں پر چلنے  
والی ذات کے قلندر کا دل اب دلچسپ کی قلندر تھی

دید بان

عالمی سازشوں کے پس منظر میں وطن پرستوں کے  
لے لڑنے والے خاص ہر شہر اور شہر کا ایک دلچسپ ناول

جگہ بگم

تاریخ کے صفحات میں محض سرزمین پنجاب کی کہانی  
دلکراؤ انسان جو کلاں کے داستانوں میں شملہ ہوتی ہے

AANCHALNOVEL.COM

قاریں کی دلچسپی کے لیے خوبصورت سلسلے

خوشبو بخشنے والی غزلیں، نظمیں۔ ذوق آہنی اقتباسات  
اقوال زریں احادیث و بیروہ معروف دینی اسکالر حافظ  
شبیر احمد سے اپنے دنیاوی مسائل کا حل جانے

پڑھنے کے لیے سورت میں رہیں (021-35620771/2)

پورا آفس رباب سنبھال رہی تھی کہانی کا کوئی مسئلہ گھر کی  
کوئی بات کے لیے رباب سے مشورہ لیا جاتا اس کی بات کو  
نویت دی جاتی۔ اکثر رخسانہ شاہ رباب سے کہتیں۔

”بیٹا اب ہمیں جلدی کوئی گڈ نیوز دو میری بھی داوی  
جنے کی خواہش ہے۔“ رباب مسکرائی اسے اچھا لگ رہا تھا  
کہ ماں آج کل اچھے موڈ میں ہیں۔

”ماں آپ ہمارے لیے دعا کیا کریں ناں۔“ رباب  
نے بائیس ان کے گلے میں حائل کر دی۔

”خدا تم دونوں کو سلامت رکھے جوڑی بنا کے رکھے  
آج شام تم میرے ساتھ ڈاکٹر بلقیس کے کلینک چلنا وہ  
تجربہ کار گائنا کالجوسٹ ہیں۔“

”ٹھیک ہے ماں۔“ عباس اور رباب خوش تھے ماں کو  
ان کی فکر تو ہے ناں۔ ڈاکٹر بلقیس نے چیک اپ کے بعد  
بتایا تھا رباب بالکل ٹھیک ہے یہ میڈیسن استعمال کریں  
انہ کرم کرے گا۔ نسخہ رخسانہ شاہ کے پاس تھا دوسرے دن  
ناشتے پر رخسانہ اسے دواؤں کے متعلق سمجھا رہی تھیں۔ تین  
چار قسم کی ٹیبلٹس تھیں۔

رباب نے ایک بار بھی دوا نہیں کھائی تھیں۔  
اس کا دل نہیں مان رہا تھا کہ وہ کھائے تم ایسے ہی دہم کرتی  
ہو اس نے خود کو سرزنش کی پندرہ دن بعد رخسانہ شاہ پھر  
میڈیسن لے گئیں۔

”رباب ڈاکٹر بلقیس نے اب یہ دوا میں تجویز  
کی ہیں۔“

”ماں ڈاکٹر بلقیس مجھے چیک کیے بنا ایسے ہی  
میڈیسن کیسے دے سکتی ہیں۔ ذرا نسخہ مجھے دکھائیں۔“  
”وہ تو شاید میڈیکل اسٹور پر ہی رہ گیا ہے تم فکر  
نہیں کرو میں جاؤں گی تو لے آؤں گی۔ تم یہ آج سے  
ہی شروع کر دو۔“

”جی ماں۔“ اب رباب کا شک یقین میں بدل چکا  
تھا۔ کہ ماں اسے غلط دوا میں استعمال کرنا چاہ رہی ہیں۔  
رباب شروع تو سے ہر بات رباب سے سیر کرنی تھی  
دونوں ایک دوسرے پر بھرپور ٹرسٹ کرتے تھے رباب



نے اپنے خدشات عباس کے سامنے رکھے تھے۔ وہ ان مردوں میں سے نہیں تھا جو بلاوجہ بحث میں پڑ کر بدگمانیوں کو مزید بڑھا دے۔

”ٹھیک ہے رابی تم وہ میڈیسن مجھے دے دینا میں چیک کروالوں گا تاکہ ماں کی بابت تمہارا دوسرے ختم ہو سکے۔ عباس کے دوست احمد کی بیوی کا نانا کالوجسٹ تھیں میڈیسن وہاں بھجوا دینی تھیں چند روز بعد عباس کو احمد کا فون آیا اس نے بتایا وہ ان میں لاہریری میں ٹیسٹ کے لیے بھجوائی گئیں۔ اور پھر رباب کے خدشے کی تصدیق ہو گئی تھی۔ عباس کو شدید شاک پہنچا تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا ماں اپنے بیٹے کے ساتھ ایسا کریں گی۔ عباس نے رباب کو منع کر دیا تھا ماں سے اس ٹاپک پر بات نہ کرے بلکہ ہمیشہ ان کی عزت کرنے خیال رکھے میری ماں ہیں۔ وہ گھر کے ماحول کو خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ رباب ماں کا بہت خیال رکھتی وہ اکثر رباب سے پوچھنے کی خواہش کا اظہار کرتیں۔

رباب کا تیسرا مہینہ چل رہا تھا ان دنوں نے کسی کو نہیں بتایا تھا ماں اب گھر پر ہی رہتی تھیں رباب کا خیال رکھتیں اس کے لیے قیمتی تحفے بھی لاتیں بظاہر عباس کے چہرے پر دھیمی مسکان ہر لمحہ رہتی لیکن وہ کم گو ہوتا جا رہا تھا۔ رباب جانتی تھی ماں کے اس رویے نے عباس کو اذیت ناک کے گہرے ہمنور میں ڈال دیا ہے۔ وہ جانتا تھا ماں کو کبھی بھی متوسط طبقے کی رباب پسند نہیں ہے وہ ہمیں جدا کرنا چاہتی ہیں۔ وہ اولاد نہ دینے کا ایشو کریت کرنا چاہتی ہیں۔ تاکہ وہ اس کی شادی کسی مل اور کی بیٹی سے کرا سکیں۔ عباس شدید ڈسٹرب تھا۔ اعصابی کھنچاؤ کا شکار ہو چکا تھا۔ وہ والدین کی فرماں بردار اولاد تھا پھر اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ فرسٹریشن تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی۔ رباب فون کرتی رہتی وہ فون نہ اٹھاتا تھا تب پایا کے پاس جانی تھی وہ بھی عباس کے لیے فکر مند تھے۔ اس کی اچانک بدلتی اس سمبیرنا طبیعت پر۔

”رباب اسے کوئی پریشانی ضرور ہے تم اس

سے پوچھو۔“

”پاپا! میں نے بہت ویش کی ہے لیکن وہ کچھ نہیں بتاتا۔“ رباب صاف بہانہ دیتی اور اس کی پریشانی کا علم اسے بخوبی تھا۔



دیک اینڈ کی دو پہر وہ دونوں بالکونی میں کھڑے تھے لندن شدید ٹھنڈ کی لپیٹ میں تھا۔ لوگ گھروں میں محصور ہو کر رہ گئے تھے۔ اچانک میکس کا سیل فون بجا۔

”کیکی ہاؤ آ رہی۔“

”میکس تم گھر پر ہو؟“

”ہاں لیکن تم کہاں ہو؟“

”تمہاری بلڈنگ ہے۔ تھوڑے فاصلے پر ہوں۔ کچھ دیر میں پہنچتی ہوں۔“ اور ایک گھنٹہ بعد وہ آ گئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پلاسٹک بیگ تھا۔ جس میں فریش فش کا ڈسپوزیبل کور کیا ٹرے تھا۔ اس نے فش کچن سیلب پر رکھ دی تھی۔ عمار میٹر کے نزدیک بیٹھا لیپ ٹاپ کھولے ہوئے تھا۔ اس نے ایک دو بار کچن کاؤنٹر کے پاس کھڑی کیکی میر عین اور میکس کو باتیں کرتے دیکھا۔

آج کیکی نے ریڈاء اٹلش اسکرٹ پہنا ہوا تھا۔ گلے میں میچنگ ملا تھی کلائیوں میں رنگ برنگے کڑے تھے آج لائٹ میڈ۔ اب تھا اس کے بدن سے اٹھتی پرفیوم کی دھیمی خوشبو یہاں کے مائل کو خوش گواریت میں تبدیل کر گئی تھی۔ اب کی بار عمار کی توجہ چمکتی اسکرین سے زیادہ اس سیاہ قام لڑکی کی طرف۔ غیر محسوس انداز میں تھی۔ یقیناً میکس نے اسے لچ تیار کرنے کو کہا تھا۔ اس دوران اس نے باقی تمام کام بھی نمٹ دیئے تھے۔ کھانا اس نے بہت مزے دار بنایا تھا عمار رغبت سے کھا رہا تھا۔ وہ کیکی میر عین پر بھی نظر ڈال لیتا۔ عمار کو آج وہ زیادہ توجہ طلب دکھائی دے رہی تھی۔ کیکی کے سانولے چمک دار چہرے پر مسکراہٹ بہت جاندار تھی۔ کھانے کے دوران وہ مسلم کیونٹی کے متعلق مختلف سوال کر رہی تھی کہ اسلام کیسے دنیا میں پھیلا؟ وہ مختصر کیکی کو بتا رہا تھا۔



”میرے گھر کے نزدیک سیکٹر 8-F میں ترکی کی ایک فیملی رہتی ہے وہ خواتین بڑے بڑے کپڑوں میں خود کو چھپا کے رہتی ہیں۔“

”ہاں ہمارے مذہب میں خواتین کو اپنے پردے کی بہت تاکید کی گئی ہے۔“

”اچھا اب میں چلتی ہوں۔“ ایک الوداعی نگاہ عمار پر ڈالتی وہ دروازے کی جانب بڑھ گئی۔



ناشتے کے دوران فز و گرین پیاز کا آلیٹ دیکھ کر ریاب کا وہاں بیٹھنا مشکل ہو گیا تھا۔ اسے ابکائی آنے لگی تھی۔ ماں نے معنی خیزی سے عباس کی طرف دیکھا۔

”عباس ریاب کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟“

”جی ٹھیک ہے رات کو کچھ اناسیدھا کھالیا ہوگا۔“

”شام کو میں اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤں گی۔“

انہوں نے عباس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ماں آپ یونہی فکر مند ہو رہی ہیں ابھی ٹھیک ہو جائے گی۔“ ریاب میں آنے والی اس تبدیلی پر بظاہر وہ خوش دکھائی دے رہی تھیں جبکہ ان کا دماغ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ وہ کسی بھی طرح سے اس بچے کو دنیا میں آنے سے روکنا چاہتی تھیں۔ انہیں تو ہر صورت میں صالحی سے عباس کی شادی کرانا تھی۔ صالحی کے نام ایک فیکٹری تھی جو اس

اکھوٹی اولاد کو جینز میں ملتی تھی۔ ریاب اب بھی عباس کے ساتھ چیک اپ کروانے جایا کرتی تھی۔ عباس اور ریاب کے باہمی فیصلے سے طے یہ پایا کہ ریاب آخری وقت اپنی

ماما کے گھر گزار لے۔ رخسانہ شاہ نے سنا تو انہوں نے خاصا واویلا مچایا اور ان سب سے تاراج ہو گئی تھیں۔ عباس کا صبح

کا ناشتہ ریاب ہی بناتی تھی۔ عباس آٹھ بجے تک فیس باٹا تھا۔ آج بھی وہ تیاری میں مصروف تھا۔

”عباس تم تیار ہونے لو میں تمہارا ناشتہ بناتی ہوں۔“

آج میرے ہاتھ کا ناشتہ کرئیں پھر تو خانساں کے ہاتھ کا ناشتہ ہی کرنا پڑے گا۔“ آج اسے ماما اپنے گھر

لے جانے کے لیے آرہی تھیں۔ عباس نے اس کے

عارض کو نرمی سے چھوا۔

”رانی میں تمہیں بہت مس کروں گا۔“ عباس اداں تھا۔ ریاب عباس کی اداںی کم کرنے کی کوشش میں مسکرائی۔

”اچھا تم اب تیار ہو میں ناشتہ بناتی ہوں۔“

”میرا ناشتے کے لیے دل نہیں چاہ رہا جاتے ہوئے فرج سے جوس نکال کر پیوں گا۔“ اسے خدا حافظ کہتا وہ

تیزی سے باہر نکل گیا۔ سیرمیاں اترتے عباس نے ماں کو کچن سے نکلنے دیکھا تھا۔ ماں تو کبھی بارہ بجے سے پہلے

اٹھتی نہیں اس وقت کچن میں کیا کر رہی تھیں؟ اسی حیرانی کے عالم میں وہ جوس لینے کچن کی طرف بڑھا۔ کچن کی

اعترس کے وسط میں اسے کچھ چمکتا ہوا دکھائی دیا۔ عباس نے جھک کر دیکھا کوئی سیاہ نما چیز تھی۔ اس نے فرش پر

انگلی بچ کی دھماکے لگتا جو پھیرا ہوا تھا ماربل کے چوڑی ٹائلز والے سلپری فرش پر عباس ایک دم سے ٹھنکاوہ تازہ گرایا

گیا آٹل تھا حالانکہ رات و خانساں کچن کی اچھی طرح صفائی دھلائی کے بعد اپنے لوارٹر میں جاتا تھا۔ عباس اب

بھی فرش کو دیکھ رہا تھا فرج سے جوس نکالنا وہ بھول چکا تھا۔ کڑیاں آہستہ آہستہ جڑی تھیں صبح سے پہلے

ریاب ہی کچن میں آتی تھی عباس کا ناشتہ بنانے وہ آدمی سوئی آدمی جاگتی ہوئی تھی۔

”کیا..... کیا یہ ماں نے؟ اوہ میرے خدا.....“ وہ وہیں کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے

اندھیرا چھا رہا تھا۔ اس سے یہ شدید درد برداشت نہیں ہو پارہا تھا۔ سر درد کا اسے کچھ عرصہ سے مسئلہ تھا وہ بمشکل اٹھا

اور اپنے کمرے تک آیا اگر ریاب کھل کر گر جاتی تو کیا..... کیا ہوتا بار بار یہی خیال اسے ستا رہا تھا ریاب گھر

سو گئی تھی آہٹ پا کر اس نے آنکھیں کھولیں۔

”عباس تم ابھی گئے نہیں۔“

”رانی میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے مجھے پین کمر دے دو۔“ وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے صوفے پر

گرنے کے انداز میں جینٹل گھر۔

”عباس اچانک کیا ہو گیا ہے تمہیں؟“ وہ بخ بستہ



تھیلیوں سے عباس کی گرم پیشانی دباری تھی۔

”میں پاپا کو اٹھاتی ہوں۔“

”راہی تم کہیں نہیں جاؤ گی۔“ عباس نے اس کا

ہاتھ پکڑا۔

”دیکھو راہی بچن میں مت جانا وہاں آکل گرا ہوا ہے کہیں تم سب نہ ہو جاؤ۔“

”واٹ.....“ رباب نے حیرانگی سے دیکھا۔ وہ سمجھ گئی تھی یہی وجہ تھی عباس کی طبیعت خراب ہونے کی اب وہ دوا کی کے زیر اثر تھا۔ اس کے چہرے کا اضطراب قدرے کم ہو چکا تھا۔ اس نے پاپا کو کال کی وہ صبح کی واک پر نکلے ہوئے تھے۔

”پاپا عباس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ جلدی سے آ جائیں۔“ ڈاکٹر کبیر صدیقی نے ابھی طرح چیک کیا تھا۔

”ابھی تو یہ دواؤں کے زیر اثر ہیں اٹھ جائیں تو ان کی پوزیشن بتائے گا۔“ ڈاکٹر صدیقی کے چہرے پر تشویش تھی۔ شام ہو گئی تھی لیکن عباس نہیں اٹھا۔ رباب میں سکت نہیں تھی بت بن چکی تھی شام کو ڈاکٹر کبیر صدیقی نے عباس کو ہاسپٹل ایڈمٹ کرانے کا مشورہ دیا تھا۔ اس کی رپورٹس نسلی بخش نہیں تھیں۔ عباس کو نیند میں گئے چہرے کھٹنے ہو چکے تھے۔ پھر چوبیس سے اڑتالیس گھنٹے ہو گئے عباس کو ہوش نہ آیا۔ رباب صدمے سے غمگین تھی وہ کہاں بیٹھی ہے کیا سوچ رہی ہے۔ اسے کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔ خاموشی سے ٹکر ٹکر سب کو بگڑتی رہتی۔ ماں گنگ ہو چکی تھیں کسی سے انہوں نے بات نہیں کی تھی ہاتھ میں تسبیح پکڑے آنکھیں بند کیے اللہ سے فریادیں کرتی بیٹے کی سلامتی اور صحت مانگ رہی تھیں۔ ماں کی خود پسندی غرور خدا کو پسند نہیں آیا تھا۔ اسی بیٹے پر غرور تھا ناں جس کے بچے کو ختم کر کے اپنے بیٹے کو دوست کے عوض کیش کرنا چاہتی تھیں۔ رخسانہ شاہ کے سامنے ان کا اکلوتا بیٹا لاش کی صورت ان کے سامنے بے سدھ پڑا ہوا تھا۔

علی شاہ نے رباب کو مانا کے ساتھ بھیجا تھا اس کے

چہرے پر زردی کھنڈی تھی اسے، پیروں پر وہ کھڑی نہیں ہو پاری تھی۔ دو دن سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ وہ زندہ تھی تو عباس شاہ کے لیے وہ اس کے دل میں دھڑکن کی طرح تھارگوں میں خون بن کر دوڑتا تھا وہ شخص اس کی آنکھوں کا نور تھا۔ ڈاکٹر زکے ہینٹل نے رپورٹس چیک کرنے کے بعد بتایا تھا۔ انہیں کچھ عرصہ سے مالی گرین کی شکایت تھی اس بار ذہنی دباؤ کی وجہ سے ان پر شدید حملہ ہوا ہے جو دماغ کی نسون کو سیکڑ چکا ہے۔ اسی وجہ سے عباس قومہ میں جا چکا ہے۔ علی شاہ کو لگان کے سر پر آسمان آگرا ہے پیروں تلے سے زمین نکل گئی ہے۔ بمشکل خود کو سنبھال کر گویا ہوئے۔

”سرجن اس کا دورانیہ کتنا ہو سکتا ہے؟“

”شاہ صاحب کچھ کہا نہیں جاسکتا چند دن چند مہینے چند سال یا اس سے بھی زیادہ۔“ علی شاہ نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔



ویک اینڈ پر سکی ان۔۔ پاس آئی تو عمار گھر پر ہی ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا۔ یہاں سے مسجد کافی دور تھی سو وہ اکثر گھر پر ہی نماز پڑھ لیتا کیوں کہ چٹن کاؤنٹر پر کچھ پنکٹ رکھے اور وہی ٹیک لگائے لہذا احمد کو دیکھتی رہی۔ وہ کس طرح رکوع و سجود کر رہا تھا اور کبھی سے دیکھ رہی تھی۔ کیلی نے چرچ میں اس طرح عبادت کبھی نہیں کی تھی۔ وہ بہت کم چرچ جاتی تھی کیونکہ اس کی می کو اپنے مذہب سے لگاؤ نہیں تھا۔ بس صلیب کا نشان آگشت شہادت سے بنا کر جیسے وہ مطمئن ہو جاتی، کیلی کو بھی اس نے عیسائیت کے بارے میں آگہی نہ دی وہ تباہ تھی اور جانتی تھی یسوع فادر کی وہ امتی ہے اور وہ خدا کے نیک بندے تھے خدا جو آسمانوں میں رہتا ہے۔

عمار نے جائے نماز نہ کرنے ہوئے کیلی کی طرف دیکھا جواباً وہ مسکرائی آج اس نے منٹوں کو ہونا پنکٹ اسکرٹ پہنا ہوا تھا جس پر بلوشرٹ تھی وہ خاموشی تیری کے ساتھ آئی تھی۔ وہ اچھی لگ رہی تھی یا عمار کو اچھی لگنے لگی تھی۔ عمار صبح سے اس کا تکیا کیلی کو دیکھ کر طبیعت کچھ بہل گئی



تھی۔ امی نے رات کو عمار کو فون پر بتایا تھا۔ عباس شاہ قومہ میں چلا گیا ہے اور چند روز پہلے اس کا بیٹا ہوا ہے۔

”عمار تم عبادت کر رہے تھے کیا پڑھ رہے تھے؟“ کیکی میر عین کے سبجے میں تجسس تھا۔

”میں نماز پڑھ رہا تھا۔“ پھر عمار نے اسے صورت اخلاص کا ترجمہ سنایا۔ وہ ہنچھریخا موٹا رہی۔

”عمار بہت تاثیر ہے ان الفاظ میں۔“ عمار پر اشتیاق لگے ہوں سنا کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”کیا دیکھ رہے ہو؟“

”آج تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔“

”مذاق نہیں کرو۔“

”مذاق نہیں کر رہا واقعی اچھی لگ رہی ہو۔“ وہ سنجیدگی سے بول۔

”عمار تم بہت مددگارف ہو۔“

”کیکی تم بھی تو پڑھتی ہو۔“

”نہیں میں سیاہ فام سلی سے ہوں۔“ عمار بڑا وجہ منکرایا

تھا تاکہ اس کا سوؤ درست ہو۔

”بہت دیر ہوگئی میں تم گویں کے لیے کہنا بتاتی ہوں۔ میں برونیز لائی ہوں۔“ کیکی کچن کی طرف بڑھ گئی۔

عمار غیر ارادی طور پر کیکی کے بارے میں سوچنے سے خود کو روک نہیں پا رہا تھا۔ وہ سے مس کرتا تھا اور جب وہ آتی تو عمار کے اندر کے موہم بہت اچھے ہو جاتے۔ کیکی

نے عمار کو نماز یاد کرانے کو کہا تھا چند دنوں میں وہ پوری نماز یاد کر چکی تھی۔

ایک مرتبہ عمار نے سورۃ یاسین بعد ترجمہ اسے سنائی تھی خالصتہ دہم بخود کر دینے والی حساسیت تھی

ان الفاظ میں۔

”عمار یہ الفاظ کیسے سن دیتا ہے؟“ کیکی نے اپنی دانست کے مطابق سوال کیا تھا پھر عمار نے آسان الفاظ میں اسے سمجھایا۔

”جو تمہارا اور میرا خدا ہے اس نے اپنے ایک خاص فرشتے جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے ہمارے آخری نبی

صلی اللہ علیہ والہ وسلم تک پہنچائے۔“

”میں اپنے مذہب کے بارے میں بھی زیادہ نہیں جانتی۔ میری مٹی نے مجھے عادت نہیں ڈالی نہ ہی چرچ جا کر

عبادت کرنے کو کہا میرا باپ شہر کرتا تھا مٹی جو مٹی وہ نے

اڑتا پھر مٹی نے مجھے بھی اپنے ساتھ کام پر لگالیا ہمیشہ وہ

میرے باپ کا غصہ مجھے زور و کوب کر کے نکالتی رہتی میر

باپ مٹی کو گایاں دیتے مٹی مجھے گایاں دیتا ہمارے خلیڈ

سیٹر میں ایک نیچر رہتے تھے۔ میرا پڑھنے کا شوق دیکھا تو

مجھے اپنے خرچے پر ایڈمیشن دلا دیا مٹی نے بہت غصہ کیا

نیکو سر نے مٹی کو رانسی کر لیا میں شروع سے پڑھائی میں

اچھی تھی مٹی کی کوشش سے مجھے اسکا کرشپ مل گیا میں نے

کیرن پاس کرنی اس دوران میرا باپ ہمیں چھوڑ کر افریقہ

چلا گیا۔ مٹی نے شکر کیا۔ اب نی پر کوئی تشدد کرنے والا نہیں

تھا۔“ عمار کیلی کی باتیں غور سے سنتا رہا وہ جب بھی آتی ان

کا پارٹمنٹ چمکا جاتی پوز۔ بے ہمتی کا شہاہ بنا کر فریج میں

رکھ جاتی۔ میکس بھی اب عمار کیکی کے نام سے جگہ کرنے

لگا تھا۔ چھ عرصہ سے عمار اب ہڈنگ میں رہنے والے

بزنس مین کے تین بچوں کو بوشن دے رہا تھا جہاں سے

اسے خاصی بڑی رقم ملتی تھی۔ اس دیک اینڈ وہ کیکی کو ایک

افغانی رہنمورٹ میں ڈنکا لے لے لیا تھا۔ مٹی بہت

خوش تھی وہ بہت نام سے تیار ہو کر آتی تھی۔ اب وہ سر پرنت

نے اسٹائش اسکارف بھی لینے لگی تھی۔ ویٹر کھانا سرو

کر کے جا چکا تھا۔

”تم مجھے اپنے مذہب کے بارے میں اتنی ڈیٹیل

سے بتا چکے ہو۔ اب میں دانتا تمہارے مذہب کو دل سے

سمجھنے اور محسوس کرنے لگی ہوں۔ عمار نیک دن میں نے مٹی

سے پیپ کر نماز پڑھا۔ تیر۔ مجھے طہارت محسوس ہوئی۔

میں ناں مسسم ہوں پر ان الفاظ کی تاثیر نے مجھے بہترین

احساس بخشا۔ عمار میں مسلمان ہونا چاہتی تھی۔“

عمار سانس لیتا بھول چکا تھا بے یقینی سے اسے دیکھ رہا

تھا۔ ٹیبل پر رکھے ریڈ گلابوں کے اس پار بھی کیکی اب بھی

اس کی نگاہوں کے مرکز میں تھی۔ جو مسلسل مسکرا رہی تھی۔



عمار نے اسے مایوس کر دیا تو..... تو.....! اس سے آگے سوچنے بکھنے کی صلاحیت جیسے مفلوج ہو چکی تھی، کیکی کے چہرے پر خوف ہلکورے لے باتھا۔  
 ”عمار خاموش کیوں ہوں؟“ کھٹی کھٹی آواز بمشکل اس کے گلے سے برآمد ہوئی۔

”کیکی تم سے ایک بات کہوں تم یقین کر دو گی؟“  
 ”ہاں کیوں نہیں۔“ وہ بدستور کرب کے عالم میں تھی۔  
 ”ہمارا کلچر بہت الگ ہے میرے چیرٹس کے بھی میری بابت کچھ خواب ہیں مجھے نہیں لگتا کہ وہ ایسا چاہیں گے۔“ کیکی وحشت زدہ ہو کر سے دیکھتی رہی۔

”عمار میں نے اپنے رب کے بھروسے پر ہی تو تمہارا دانگی ساتھ اس سے مانگا ہے۔“  
 ”کیکی اگر تمہیں اپنے رب پر اتنا یقین ہے تو پھر وہ ہمیں جدا نہیں کرے گا۔“ کیکی نے محسوس کیا عمار کا لہجہ بے حد پراعتماد اور مضبوط ہے۔



عباس شاہ کو قومہ میں گئے چھ ماہ ہو چکے تھے۔ اس کا تین ماہ کا بیٹا سعد عباس ہو بہو باپ کا ہم شکل تھا۔ رباب کو یقین نہیں آتا تھا جو شخص اس کی زیست میں دھڑکن کی مانند بس رہا تھا وہ اس کے بنا کیسے جی رہی ہے۔ اس کے دکھ کو عباس نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اپنے بیٹے کی آمد سے بھی اس کی نیند نہ ٹوٹی رباب بار بار ہنسیں سنیتی اندر سے ٹوٹ چکی تھی۔

ان چھ ماہ کے دوران رباب باقاعدگی سے عباس کے پاس ہسپتال کے اس اسپیشل روم میں آتی تھی۔ جہاں اس کا مجازی خدا دنیا و مافیہا سے لاطیف گہری مسافتوں بھری نیند کے زیر اثر تھا۔ وہ عباس کے لیے ریڈ روز لاتی اسے یقین تھا عباس کو ان کی خوشبو محسوس ہوتی ہوگی میری موجودگی کا احساس بھی اسے ضرور ہوتا ہوگا۔

رباب کے ہونٹوں پر بیہمی سی مسکان ابھرتی لیکن آنکھیں سنگ آہٹیں جب بھی آتی سعد کو ساتھ لے کر آتی۔ وہ سعد کے بارے میں بہت محتاط تھی۔ یہ تو قدرت کا

”کیکی تم نے اتنی جلدی یہ فیصلہ کس وجہ سے کیا؟“  
 ”تمہاری وجہ سے۔“  
 ”کیکی تمہاری مٹی مان جائیں گی؟“  
 ”نہیں؟“

”میں اپنی مرضی کی مالک ہوں مٹی کو منالوں گی۔ مٹی اور میں ہی تو ایک دوسرے کے لیے ہیں وہ تھوڑے نخرے دکھائی ہیں پھر مان جانی ہیں میں نے مٹی سے تمہارا ذکر کیا تھا کہہ رہی تھی کسی دن تمہیں گھر لاؤں۔“ لہجے سرکتے رہے نگاہیں اپنی اپنی پلیٹ پر تھیں لیکن ذہن کہیں اور بھٹک رہے تھے۔

”عمار.....“ کیکی کے پکارنے پر اس نے اسے دیکھا۔

”میں مسلمان ہو جاؤں گی پھر تم مجھ سے شادی کر لو گے۔“ کاٹھارہ سے عمار کی پلیٹ پر گرا کیکی سانس روکے عمار کے جواب کی منتظر تھی۔ عمار کو امید نہیں تھی کیکی یوں اسے پر پوز کر دے گی۔

”پلیز عمار جلدی جواب دو ورنہ میری سانسیں بند ہو جائیں گی۔“

”تو تم صرف اس وجہ سے مسلمان ہونا چاہتی ہو؟ تمہارے دل میں صرف طمع ہے خدا کی خالص محبت نہیں۔“ عمار کے لہجے میں تناؤ دوڑا یا تھا۔

”عمار تمہارے حصول کے لیے یہ طمع بھی تو اس رب نے میرے دل میں اجاگر کیا ہے۔“ کیکی کے لہجے کی پور پور پر یقین تھی۔ عمار کی حیرت تھی کہ ختم نہیں ہو رہی تھی۔ وہ کیکی کو گھوڑنے کے انداز میں اس کا بھرپور اعتماد دیکھ رہا تھا۔ اس نے بمشکل رکا ہوا سانس بحال کیا۔ کیکی کے چہرے پر کبیرا تقدس نور جھللا رہا تھا۔

”عمار میں نہیں جانتی مجھے کب تم سے محبت ہو گئی۔ صرف چھ ماہ سے تمہیں جانتی ہوں لیکن مجھے محسوس ہوتا ہے میں مدتوں سے تمہیں جانتی ہوں۔“ اس وقت عمار دو دھاری تلواریں پر کھڑا تھا کیکی کو اپنا اس کے لیے قطعی ممکن نہیں تھا اس کے چیرٹس کبھی کیکی کو قبول نہیں کریں گے اگر



معجزہ تھا جو سہما آج اس کی گود میں تھا۔ زندگی کے اس قدر بڑے تصادم پر ہر احساس سے ماورا ہو چکی تھی۔ وہ سوچتی کاش اس صبح اس نے عباس کی بات نہ مانی ہوتی اور بچن میں اس کا ناشتہ بنانے چلی آتی۔ عباس اس شدید جھٹکے سے توجہ جاتا جس نے عباس کے حواس سلب کر کے اسے قومہ میں پہنچا دیا تھا۔ ماں کا ایسا روپ وہ برداشت نہیں کر سکا تھا۔ وہ..... جینا جس نے آج تک ماں کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات نہیں کی تھی اس نے اپنی آنکھوں سے بچن میں پھیلا آئل اور ماں کو وہاں سے نکلتے دیکھا تھا۔ پھر اسے شاک کیسے نہ پہنچتا جس دن سے عباس قومہ میں گیا تھا رخسانہ شاہ نے جب سادہ لی تھی۔ صرف اپنے کمرے کی ہو کر رہ گئی تھیں۔ انہیں خود سے گھن آتی کراہیت محسوس ہوتی۔ رخسانہ شاہ کو خدا سے اپنے بیٹے کی نئی زندگی چاہیے تھی اب ان کا زیادہ نام عبادت میں گزرنے لگا تھا۔ انہیں یقین تھا وہ رحمان رحیم کریم ضرور انہیں معاف کر دے گا اور ان کی دعا میں مستجاب ہو جائیں گی گہری چوٹ کھانے کے بعد وہ سنبھل چکی تھیں۔ خدا کی خدائی کو مدد کے لیے پکار رہی تھیں پھر وہ کیسے نا ایک ماں کی پکار سنتا۔

رہا ب نے علی شاہ کو نہیں بتایا تھا کہ کس وجہ سے عباس کا مائی گرین شدت اختیار کر گیا تھا جو قومہ میں جانے کی وجہ بنا۔ علی شاہ انہیں معارف سائنس کے پاس بھی لے کر گئے تھے رخسانہ شاہ سے اب جو بات بھی کہی جاتی فوراً مان لیتیں۔ وہ ہنسنے میں دوبار عباس کے پاس جاتیں اور کہتیں۔

”عباس اب اندھ حاذیثا میں تمہارے لیے اداس ہوں۔“ اس کے سامنے گمنوں بیٹھی پہنچ پڑتی رہتیں۔ رہا ب نے رخسانہ شاہ کو معاف کر دیا تھا۔ اکثر رہا ب نے سہما کو ان کی گود میں دینا چاہا تو وہ ہاتھ سے روک دیتیں اور اونچی سرگوشی کے ساتھ بڑبڑاتیں۔

”اللہ میرے عباس کی اولاد کو سلامت رکھ“ دل کی گہرائیوں سے صدا ابھرتی رخسانہ شاہ نے کبھی نہیں سوچا

تھا جو ری ان کے لیے ڈھیلے ہے وہ ایک لمحہ میں اس طرح رب کھینچے گا ساتھ ان کی روح بھی دار کے تختے پر چڑھتی جائے گی۔ اپنی اولاد کی شکل میں انہیں اذیت مانی مل رہی تھی جو لمحہ لہان کی گردن کا موق بنی رہتی۔ رخسانہ شاہ ٹھیک ہو سکتی تھیں اگر عباس شاہ قومہ سے نکل آتا ابھی تک ڈاکٹر نے ایسی کوئی امید نہیں دلائی تھی۔ ابھی سے ابھی ٹریٹ منٹ چل رہی تھی۔ گل ماں بیوگی کے بعد رہا ب کے پاس آ گئی تھیں۔ انہوں نے۔ مدد کو اسی طرح سنبھال لیا تھا جس طرح رہا ب کو اپنی آغوش میں سمیٹا تھا اب وہ پاپا کے ساتھ دوبارہ آفس سنبھال چکی تھی۔

یکلی میر عین مسلمان: موٹی تھی مٹی نے تھوڑا اوڑھ لیا پھر خاموشی سادہ لی۔ اس اسلامی نام مومنہ رکھا گیا تھا۔ وہ اب بھی ایک اینڈ پر عمار کے پارٹنر بنتی تھی۔ عمار نے ہاسٹرز مکمل کر لیا تھا۔ اب وہ شارٹ کورس کر رہا تھا۔ وہ ایک کمپیوٹر کمپنی میں جاب بھی کر رہا تھا۔ سٹری خاصا تسلی بخش تھی۔ مومنہ کے لیے وہ اچھے ہی جذبات رکھتا تھا جیسے بھی رہا ب کے لیے تھے۔ زندگی چلتی رہتی ہے رہا ب کی بے وفائی اس نے سہا لی تھی۔ اسے زندگی کو کامیاب بنانا تھا عمار نے والدین سے مومنہ کا ذکر کیا تھا وہ سخت تنفر میں انکار کر چکے تھے۔

”ایک سیاہ قام لڑکی کو ہماری بہو بناؤ گے زمانہ ہم پر ہنسے گا تم بس واپس آ جاؤ۔“

”پلیز اماں! آپ تو اں ہیں مجھے سمجھیں پہلے میں ایک محبت کھو چکا ہوں وہ بارہ ایسا میں سہا نہیں پاؤں گا۔“ وہ گھنٹوں فون پر وادین کو آمادہ کرنے کی کوشش کرتا۔ عمار نے مومنہ کے بغیر کسی اور سے کبھی شادی نہ کرنے کی دھمکی دے دیا تھی۔ عمار نے یقین دلایا تھا مومنہ نے عیسائیت چھوڑ کر غلوں نیت اور دل سے اسلام قبول کیا ہے اس لیے نہیں کہ میری محبت میں اس نے یہ اقدام اٹھایا ہے بلکہ خدا کی سچی چاہ نے اسے بے بس کر دیا ہے میں تو صرف وسیلہ بنا ہوں۔



”ماشا مہند۔“ خوشی سے اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔  
”مومنہ تم مجھے دنیا کی ہر عورت سے بڑھ کر حسین لگ  
رہی ہو۔“

”عمار تم مجھ سے محبت کر۔ نہ ہو شاید اس لیے۔“ دوپٹہ  
تنبہ کرتے ہوئے بولی۔

”میں تمہیں ہمیشہ خوش رکھوں گا نکاح کے بعد  
تمہارا۔“ ویزے کے لیے پاکستان ایسوسی میں اپلائی  
کروں گا۔ پھر ہم ایک مہینے کے لیے پاکستان جائیں گے  
مردیکتہ وہاں کے لوگ کس قدر محبت کرنے والے ہیں۔  
ایسی پرہیزگار بڑا پارٹمنٹ لے لیں گے اسے خوب  
نریشن کریں گے۔ چاہے لے سکتے ہو دوبارہ پڑھائی بھی  
شروع کر دینا میں شام کو تمہیں پڑھایا کروں گا۔“ مومنہ  
نے گانا چھوڑ دیا تھا عمار فرمائش کرتا تو اسے سخت سنا دیتی۔  
فیوچر پلاننگ کرنے کے ساتھ ساتھ دونوں کی گھنٹوں  
تک شاپنگ مال میں گھومتے تھے۔ واپسی پر عمار نے اسے  
فریش سرنٹ گلابوں کا بکدیا تھا۔ مہی مومنہ کی شادی کو لے  
کر خوش تھیں۔

”مہی نے اسلام قبول کر لیا یہ اس کی مرضی تھی میں  
کیوں جبراً اختلاف کرتی۔“ مہی نے یہ بات اپنے دل کو  
سمجھائی تھی۔ کیونکہ وہ مومنہ کی صورت کھونا نہیں چاہتی  
تھیں۔ ہمیشہ مہی نے اپنے فریڈ کا غصہ اس پر اتارتا تھا  
اب وہ اپنے رویوں کی تلافی دیتا چاہتی تھیں۔



گلابی جائزے کے خوش گوار دن رباب عباس کے  
پاس بیٹھی تھی۔ سعد گل ماں کے پاس تھا تقریباً ایک گھنٹہ  
سے رباب اس سے باتیں کر رہی تھی۔ جانے کیوں رباب  
کو یقین تھا عباس کی سوچ کی حساسیت کچھ نہ کچھ ضرور ہے  
وہ اس کی باتیں ضرور سنتا ہے۔ یہ سوچ کر ایک آسودہ  
مسکراہٹ خود بخود رباب کے ہونٹوں پر ریگ جاتی۔  
ایک بار مہی رباب کو محسوس ہو عباس نے آنکھیں جھپکی ہیں  
اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ فوراً ڈاکٹر کو بلا لائی۔  
ڈاکٹر زقندر نے مطمئن دکھانا دے رہے تھے۔ اب اکثر

”عمار تمہاری خوشی یہی ہے تو ٹھیک ہے تم شادی  
کر کے اسے پاکستان لے آنا پھر ہم شاندار ولیمہ کریں  
گے۔“ بیٹے کی خوشی کے سامنے اماں مجبور تھیں۔ عمار  
آفس کے بعد سیدھا مومنہ کے گھر پہنچا تھا۔ مہی تپاک  
سے ملی تھیں۔ عمار نے دروازے سے اندر جھانکا۔ مومنہ  
مغرب کی نماز پڑھ رہی تھی۔ کافی بیتے ہوئے عمار نے  
اسے بتایا تھا میرے پیرنس نے بخوشی شادی کی اجازت  
دے دی ہے۔

”ریلی۔“

”ہاں۔“ مومنہ بہت خوش تھی۔ دونوں کی آنکھوں میں  
یقین تھا۔

”مومنہ ان شاء اللہ تمہاری دعائیں ضرور مستجاب ہوں  
گی وہ رب کل ہے رب کائنات ہے جسے رحمان و کریم  
کہتے ہیں۔“

”عمار آج میں نے عورت یا سین زبانی یا  
کر لی ہے۔“  
”مہی ان اللہ“

آنے والے جمعے کو ان دونوں کا نکاح ہونا قرار پایا تھا  
بعد نماز جمعہ بہت خوب صورت ویڈنگ ڈریس اماں نے  
بجھوایا تھا۔ بے بی ٹی پنک گل کے امتزاج میں بھاری کام  
دار شرابہ انگ شرت دوپٹہ بہت بھاری تھا ساتھ چوڑیاں  
اور ایک سیٹ گولڈ کا بھی تھا۔ مومنہ کو یہ سب چھوڑوا  
تو لگ رہا تھا۔

”یہ سر پر لو۔“

”عمار یہ بہت کامیاب دوپٹہ ہے۔“ وہ چوڑی کا مدار پٹی  
باتھ سے چھوٹے اپنے اندر اٹھتی خوشی نہ چھپا پائی۔

”مومنہ اسے یوں لیتے ہیں۔“ عمار نے اس کے سر پر  
دوپٹہ لٹکایا۔ یہ لکڑی کی سائولی رنگت پر بہت سج رہا تھا۔  
عمار بہت سادہ دیکھتا رہا۔

”ساتھ میں جیولری بھی ہے۔ یہ نیک پہن رہے تھے پر۔“  
عمار نے سفید کاندن اور گولڈ کانیہ کا اس کی پیشانی پر رکھتے  
ہوئے کہا اس کے بالوں میں انکا دیا۔



رباب کی آنکھوں سے محم: انہیں رہے تھے وہ جلدی سے عباس کے قریب آئی۔

”عباس.....!“ اس نے آنسوؤں بھری ہنسی کے ساتھ اسے پکارا، عباس نے متحرک سے انداز میں رباب کی طرف دیکھا۔ رباب کا چہرہ اس کے لیے نیا نہیں تھا۔ وہند لاکس عباس کے ذہن میں ابھرا وہ مسکرایا، رباب نے والہانہ شدت سے اس کا ہاتھ دبایا وہ پھر سے مسکرایا، عباس کی انگلیوں میں حرکت ہوئی گہری خاموشی کا طلسم ٹوٹا ایک سال تین ماہ چار دن سات گھنٹے کے بعد اس نے زبان ہلائی۔

”راہی... بی.....“ لمحے کے ہزاروں حصے میں رباب کی دنیا روشن ہوئی اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے کیسے اپنی خوشی کا اظہار کرے اسے فوراً ڈاکٹر کو بلانا چاہیے تھا لیکن وہ تو جیسے غم کی ہو چکی تھی۔ اس اجانبک ملنے والی خوشی میں زمین۔ نے اس کے پیر اپنی جانب کھینچ لیے تھے۔ اور پھر جب وہ غم نے کچھ سوچنا شروع کیا تو ڈاکٹر کو بلانے بھاگی۔ ڈاکٹر کے پینل نے تفصیلی چیک اپ کے بعد مبارک باد دی تھی۔ یہ مکمل طور پر قومہ سے باہر آ چکے ہیں۔ علی شاہ اور رخسانہ شاہ بھی فوراً پہنچ گئے تھے۔ خدا نے ایک ماں کی فریاد سنی تھی۔ اس کے بچے کو ٹھیک کر دیا تھا۔

رخسانہ شاہ کا چہرہ آنسوؤں سے جل تھل تھا انہوں نے عباس کے سامنے معافی کے لیے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔ تب عباس نے ماں کے تھوٹ کو تھام لیا۔ وہ بار بار نشانی بھرے انداز میں رباب کی جانب دیکھتا قدرت کے اس انوکھے معجزے پر وہ بے حد خوش تھی۔



آج بدھ تھا اور مومنہ کو بے قراری سے جمعہ کا انتظار تھا آج اس نے فیسٹری سے ایک ہفتہ کی چھٹی لے لی تھی اسے اب اکثر اپنے اندر بار بار غماری دکھائی دیتا وہ عمار کے احساس کی خوشبو اوزھے میں وقت سائیکل پر اپنے گھر کی طرف جاری تھی۔ جب ہی پیچھے سے آئی ایک تیز رفتار کار

ایسا ہوتا وہ آنکھیں جھپکتا ہونٹ جنبش کھاتے اس کے ہاتھ پر مدھم سی لرزش ہوئی اب ڈاکٹر زبہت پر امید تھے۔ فوری طور پر امریکہ سے اسپیشلسٹ سرجن کو بلوایا گیا تھا۔ ڈاکٹر مستعدی سے ٹریٹ منٹ دے رہے تھے۔ رخسانہ شاہ جس نے بھی پابندی سے نماز نہ پڑھی تھی اب پوری پوری رات بارگاہ الہی میں گزار دیتیں۔ آسمانوں کی وسعتوں میں چھپا رب رخسانہ شاہ کی کارکردگی دیکھ رہا تھا۔ ایک بار بھی انہوں نے رباب سے معافی نہ مانی معافیاں تو وہ اپنے رب سے مانگ رہی تھیں۔ بس میرا خدا راضی ہو جائے پھر رباب بھی راضی ہو جائے گی لیکن اب انہیں صبر کیسے تانا وہ نہ زندوں میں تھا نہ مردوں میں وہ تو درمیان میں لٹک رہا تھا اس کی ماں کس اذیت میں تھی یہ تو ایک ماں ہی جان سکتی ہے ان کا بیٹا انہی کی وجہ سے یہاں تک پہنچا تھا ان کے بارے میں سائیکائرسٹ نے بھی یہی کہا تھا اگر رخسانہ شاہ کا بیٹا ٹھیک ہو جاتا ہے تو یہ خود بخود ٹھیک ہو جائیں گی ورنہ دنیا کا کوئی علاج ان کا ذہنی توازن درست نہیں کر سکتا۔

عباس کو لے کر ڈاکٹر کافی پر امید تھے۔ وہ جلد گہری نیند سے جاگ سکتا ہے قومہ میں یقیناً وہ منتا ہے عباس کی آنکھوں کے کناروں پر اکثر نمی محسوس ہوتی تھی۔ اس ویک اینڈ پر رباب سعد کو اپنے ساتھ لائی تھی۔

سعد ایک سال کا ہو چکا تھا۔ اپنی تو تلی زبان میں اماں..... بابا کہتا تو رباب اسے خود سے پہنچ لیتی اس کے پنک گالوں کے بوسے لیتی۔ اس وقت بھی رباب عباس سے سعد کی باتیں کر رہی تھی۔ وہ چوٹی عباس کچھ دیر سے آنکھیں جھپک رہا تھا۔ اس نے سیدھے ہاتھ کی دو انگلیاں ہلائیں رباب ٹکر ٹکر عباس کو دیکھ رہی تھی۔ خوشی کی گھٹی گھٹی سسکی اس کے گلے سے بڑا مد ہوئی۔ وہ اب توازن سے پلکیں جھپک رہا تھا اور پھر اس نے پوری آنکھیں کھول دی تھیں۔

رباب کا سانس رکا ہوا تھا۔ رباب نے سعد کے ہاتھ میں پکڑا کھلونا زور سے نیچے پھینکا عباس نے گردن کو ہلکی سی جنبش دے کر آواز کی جانب دیکھا۔ تشکر انا آنسو تھے کہ



شدت پسند مسلمان بنتی چلی گئی۔ مومنہ اکثر عمار سے کہتی۔  
 ”مجھے سمجھ نہیں آتی آسانوں کی وسعتوں میں چھپے اس  
 رب نے میرے اندر شدید۔ بے تابیوں بھری اپنی محبت  
 کیسے ڈال دی۔ ورنہ میں تو ایک کناہ گار بندی تھی جس نے  
 کبھی کلمہ نہیں پڑھا تھا عمار تم وہ بلہ بنے اور خدا نے میرے  
 اندر کی روح کو اپنی محبت سے غمور کر دیا۔“ ایسی باتیں کر کے  
 وہ ہمیشہ اس پیداہی نام نہاد مسلمان کو شرمندہ کر جاتی تھی۔  
 مومنہ تو جا چکی ہے لیکن اپنی انصاف محبت اس کے دل میں  
 ہمیشہ کے لیے نقش کر گئی تھی۔

عمار نمازی اور تہجد گزار بن چکا ہے وہ ہر وہ کام کرتا ہے  
 جو مومنہ نے ایک سالہ اسلامی زندگی میں کیے۔ عمار ہر جمعہ  
 مومنہ کی قبر پر جاتا ہے اس۔ باتیں کرتا ہے اور قرآن  
 پاک اوپنی آواز میں پڑھتا۔ اسے مومنہ کے نصیب پر  
 رشک آتا ہے۔ وہ اس لیے پاکستان نہیں جا رہا کہ اسے ہر  
 جمعہ مومنہ کی قبر پر جانا ہوتا ہے۔

ایک رات جب وہ تہجد کی ماز کے بعد کچھ وقت آرام  
 کرنے لیٹا تو اس کی آنکھ لگ جاتی ہے۔ اس نے خواب  
 میں مومنہ کو دیکھا وہ کچھ کچھ ناخوش نظر آ رہی تھی جب اس  
 نے وجہ جاننے کے لیے اس۔ پوچھا۔

”کیا بات ہے مومنہ تم مجھ سے ناراض کیوں ہوں؟“  
 ”اس لیے کہ تم اپنے والدین کو بھول گئے ہوں کہ ان  
 پر بھی تمہارا حق ہے تم ان کی انگلی اولاد ہو کیا ہمارا دین ہم  
 کو یہ سب سیکھتا ہے کہ ہم۔ پنے فرائض بھول جائے۔“  
 بتاؤ عمار۔

اچانک اس کی آنکھ کھل جاتی ہے وہ اپنے آپ کو پسینے  
 میں شرابور پاتا ہے اور دیوار گیر گھڑی کی طرف نگاہ ڈراتا  
 ہے تو نماز فجر کا وقت ہوتا دیکھ کر وہ اٹھ کا وضو کر کے نماز ادا  
 کرتا ہے اور پھر اپنے رب۔ مانی غفلت کی رو رو کر معافی  
 مانگتا ہے اور پھر واپس پاکستان جا کر والدین کی خدمت کا  
 نیت کرتا ہے۔



کی اسے نگرانی تھی۔ وہ سائیکل سیت کئی قلابازیاں کھاتی  
 روڈ لائیٹ کے ایک پول سے پوری قوت سے ٹکرائی تھی۔  
 پھر اسے پتہ نہ چلا۔ اس وقت قریبی ہاسپٹل میں ایمر جنسی  
 میں اس کا آپریشن چل رہا تھا۔ عمار بن بست وجود کو بمشکل  
 سہارہ دیئے کھڑا تھا۔ وہ خدا سے مومنہ کی زندگی کی بھیگ  
 مانگ رہا تھا۔ مئی ایک بیچ پر رنجیدہ بیٹھی تھیں۔ کتنا وقت گزرا  
 عمار نہیں جانتا تھا اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب  
 ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر زائرین تھیں سے باہر نکلے وہ دوڑ کر ان  
 کے قریب پہنچا۔

”آئی ایم سوری مسٹر عمار ہم مومنہ کو نہیں بچا سکے۔“  
 عمار بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا تھا ڈاکٹر نے اس  
 کا کندھا تھپتھپایا۔ وہ بیچ پر ڈھے جانے والے انداز میں  
 بیٹھ گیا۔ اس نے چھت کے اس پار آسانوں میں بسنے  
 والے اپنے رب کو دیکھا۔

”میرے مالک میں شکوہ۔۔۔۔۔“ اس کے ہونٹ جیسے  
 جکڑے گئے زبان پھری ہو گئی اسے یا تھا مومنہ نے ایک  
 بار اس سے کہا تھا عمار اپنے رب سے کبھی شکوہ نہ کرنا  
 کیونکہ رب کائنات بخوبی جانتا ہے کیا ہمارے لیے بہتر  
 ہے اس کے فیصلوں میں اس کی مصلحت نہیں ہوتی ہے۔  
 مئی اپنی جگہ پر ساکت بیٹھی تھیں۔

”آئی! صبر کریں صبر کرنے والوں کو خدا عزیز رکھتا ہے  
 ہمیشہ مجھ سے مومنہ کہتی تھی خدا کی رضا کو اپنی رضا بنا لو اس  
 کے بدلے وہ تمہیں بے شمار اجر عظیم عطا کرے گا میرے  
 خدا کی رضا یہی تھی تو مجھ تا چیز کی کیا مجال۔“ تب وہ آئی  
 کے گلے لگ کر رو دیا۔ دونوں کے آنسو خاموشی سے بہہ  
 رہے تھے۔

بظاہر عمار مضبوط دکھائی دے رہا تھا لیکن اندر سے سناج  
 عمار عمار نہیں رہا تھا اس کے تمام پاکیزہ جذبے مومنہ اپنے  
 ساتھ لے گئی تھی۔ جو بنا کھوٹ بنا طمع کے تھے۔ مومنہ نے  
 ایک سالہ مسلم زندگی میں پچاس سالہ زندگی کا غم حاصل  
 کر لیا تھا اس دوران اس نے اپنے رب کو پہچانا جو اس کی  
 شہ رگ سے بھی نزدیک تھا۔ تب وہ غیر محسوس قوت سے







مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے  
خانقاہوں میں بھی کہیں لذت سرار بھی ہے  
علم کی حد سے پرے بندہ مومن کے لیے  
لذت شوق بھی ہے نعمت دیدار بھی ہے

سجھاؤ ہمارے پیچھے میں کھس پائے، ایسا پہلے بھی ہوا تھا جو  
اب ہوتا تو ہمارے ”بے چارے وہ“ ہمیں ہمارے حال پر  
چھوڑ کر ایک طرف ہو بیٹھے کہ۔

”بھئی کر لو اپنی شوق بھی پورا۔ چھان لو مہنگے اسکولوں کی  
خاک واپس تو اوقات میں آ ہی پڑے گا تمہیں کہ ”جتنوں  
دی کھوتی، لو تھے ای آن کھالوتی۔“ تو مشہور ہے ہی ناں آخر  
کار۔“ بس یہ طعنہ یہ چیخ نہیں آگ لگانے کو کافی تھا۔

سواب ”ہم“ تھے اور یہ، چاری ہماری ”جوتی“ جو جیج جیج  
کراہ دہائیاں دے دنی تھی کہ

”بی بی بس کر دے، سن تے میری وی آخر ہو گئی  
اے۔“ تو جناب ہم آپ کو رہتا ہے تھے کہ اس عمارت کی  
پیشانی پر سجا یہ خوب صورت، شعر پڑھ کر کان تو ہمارے  
کھڑے ہوئے ہی تھے ہم خود بھی کھڑے ہو گئے۔ ہمارا  
بس نہیں چل رہا تھا کہ ہم فوراً ندر جائیں اور اپنے لاڈلوں کی  
قسمت چکانے کے لیے اعلیٰ شان اسکول کو آ جائیں  
مگر..... ہائے افسوس..... 1۔ سکول بند تھا کیونکہ اس روز اتوار

قسمت نوع بشر تبدیل ہوتی ہے یہاں  
اک مقدس فرض کی تکمیل ہوتی ہے یہاں  
اس خوب صورت سب منزلہ عمارت کے ماتھے پر کسی  
چمک دار تاج کی طرح جھمکتے اس شعر نے پل بھر میں  
ہماری توجہ اپنی طرف معبود کرائی۔ پچھلے کئی دنوں سے ہم  
اپنے بچوں کا اسکول تبدیل کرنا چاہ رہے تھے کیونکہ جانے  
کیوں اور کیسے ہمیں یہ خط سا ہو گیا تھا کہ جتنا مہنگا اسکول  
ہوگا جتنی زیادہ فیس ہوگی اتنی ہی تعلیم کا معیار بلند ہوگا۔

بس جی یہ خناس ہمارے سر میں ساما تھا کہ ہم لٹھ لے کر  
سارے کے سارے اسکولوں کا تیا پانچا کرنے چل نکلے۔  
اب بیاور بات کہ اتنے دن چل خوار ہونے کے باوجود ہمیں  
خاطر خواہ کا سہابی حاصل نہ ہوئی تھی۔ حالانکہ ہمارے شوہر  
نامدار نے ہمیں بہتر سمجھانے کی کوشش کی کہ پڑھائی تو  
سارے اسکولوں کی ایک جیسی ہی ہوتی ہے یہ تو بچے کی اپنی  
صلاحیت ہے کہ وہ کس طرح علم حاصل کرتا ہے اور کتنا فیض  
انہما پاتا ہے اپنے اساتذہ سے مگر ناں جی کوئی بات سیدھے



ساتھ۔ ہم تو یہ سب کہہ کر بہ جاوہ جا اور ہمارے ”بے چارے وہ“ منہ اور آنکھیں کھلے ہمارے قدموں کے نشانات ہی تکتے رہ گئے (کہ فرما گیا تھا اور جوتی کچڑ والی، سونشان بن گئے فرش پر) اور اب جو انہوں نے مسخرے نعرہ لگایا تو ہمیں یاد آیا کہ اس اسکول کے چکر میں ہم تو بازار جاتا ہی بھول گئے۔ دھت ترے کی، اب پھر ان کے ترے کر کے ان کے ساتھ ہی، ہانا پڑے گا۔

.....☆☆☆.....

اگلے دن ہم نے وہ عظیم مہر کہہ کر سر کرنے کا سوچ ہی لیا اور گھر میں کسی کو بھی بتائے بغیر سکول کی طرف چل پڑے۔ اب چونکہ وہ اسکول باہر سے بہت خوب صورت اور شاندار لگ رہا تھا اور بڑا بھی کافی تھا۔ اس کے ”معیار“ کے حساب سے ہم نے بھی اچھی خاصی تیری کمرڈالی بچوں کو اسکول اور میاں صاحب کا فس روانہ کر کے بعد اپنا سب سے مہنگا اور خوب صورت سوٹ نکال کر۔ تری کیا اور فافٹ تیار ہونے چل دیے۔ نیا جوڑا پہنا، میچنگ جیوٹری سے خود کو آراستہ کیے تک سک سے دیڑی ہو گئے۔ اپنی اتنی بھرپور تیاری کے دوران ہمیں ایک بار بھی احساس نہیں ہوا کہ ہم کسی ”شادی“ پر نہیں بچوں کے اسکول جا رہے ہیں لیکن بات تو پھر وہ ہی آجلی ہے ناں کہ ہم پر اس عورت کا رعب کچھ زیادہ ہی پڑ چکا تھا یا پھر اپنی دیوانی کی باتیں گونج رہی تھیں ہمارے دماغ میں جو سوچے سمجھے بغیر انارنج رچ گئے۔

ارے آپ کی سمجھ میں نہیں آ رہی داستان ساری۔  
نہریے ہم آپ کو ذرا تفصیل سے بتاتے ہیں کہ یہ ”کیرا“  
ہمارے دماغ میں گھسا کب اور کیسے۔

.....☆☆☆.....

چند سال پہلے تک ہم اپنے سسرال میں مل جل کر رہتے تھے کیونکہ تب تک n رے ایک ہی دیو کی شادی ہوئی تھی اور ہم سب کا گزارا بہت اچھا ہو رہا تھا پھر جیسے ہی نوید (چھوٹے دیو) کی شادی کا سلسلہ شروع ہوا تو ہمیں عینجدہ گھر میں شغٹ ہونا پڑا، کیونکہ اب فیملی بڑی ہو رہی تھی۔ لہذا گزارا مشکل ہو گیا تھا۔

تھا اور ہفتہ وار چھٹی خیرتی ہم کہاں ہار ماننے والے تھے۔  
”بھئی اسکول کی رپوشیشن کا تو ہوتا کیا ہی جاسکتا تھا ناں  
آس پڑوس والوں سے۔“ اور یہی سوچ کر ہم نے ساتھ والے گھر میں دستک دے ڈالی، بتل اس لیے نہیں کہ حسب معمول لائٹ صاحبہ لمبی رخصت پر تھیں۔ تین، چار بار کی دستک کے جواب میں گیٹ ایک جھٹکے سے کھلا اور جو صاحب اس بڑے سے کھلے گیٹ سے برآمد ہوئے ان کا سائز دیکھ کر ہمیں فوراً یقین آ گیا کہ ”اتنا بڑا“ دیوار گیر گیٹ کس لیے لگوا یا گیا اور پھر ان کا حلیہ ماشاء اللہ اس قدر گھریلو اور ”سنڈے والا“ تھا کہ دیکھ کر ہی ہمارے ہوش اڑ گئے وہ اچھے خاصے مونسے تازے صاحب صرف چار خانے کا تہہ بند باندھے، بڑا سالنے منکے کے سائز کا پیٹ نکالے نیند بھری موٹی موٹی سرخ آنکھوں سے ہمیں ایسے گھور رہے تھے جیسا بھی ٹکریا مکا پر کر ہمیں زمین میں گاڑ دیں گے۔  
لوتی اب کہاں کی تحقیق اور کدھر کی رپوشیشن اور سے جو نیم نے سر پر عیر کہ کر دوڑ لگائی تو اگلے روز کراس کر کے ہی رفتہ رفتہ گئی، وہاں ٹھوڑی دیر رک کر اپنی پھولی سانسوں پر قابو پایا اور مرے مرے قدموں سے گھر کی راہ لی، گھر پہنچے تو یہ بھی بھول چکے تھے کہ ”اتوار“ کو باہر لینے کیا گئے تھے؟ وہ تو میاں صاحب نے خالی ہاتھ آتے دیکھا تو ”پھر بھول گئیں۔“ کا نعرہ مستان لگایا تو ہمیں یاد آیا کہ ہم تو اتوار بازار شاپنگ کرنے گئے تھے اور وہ بھی بڑے گھر سے میاں صاحب کی آفر ٹھکرا کر بے چارے کیسے ترے ہی کرتے رہ گئے تھے کہ

”چلو بیگم اتنی گرمی میں کہاں پھیل خود ہوتی رہو گی میں لے چلتا ہوں بائیک پر اتوار بازار۔“ پر ناں جی ہم کیا کریں اپنی ”اڑیل ٹو“ جیسی طبیعت کا جو جس بات پر ازگنی سواڑ گئی۔  
”جی نہیں، ہم اکیلے ہی جائیں گے اور ہفتے بھرتی شاپنگ کر کے ہی آئیں گے۔ اتنی آپ تو ایسے کنجوس ہیں کہ کچھ لینے بھی نہیں دیتے۔ جس چیز کی طرف ہاتھ بڑھائیں فوراً جھٹک دیتے ہیں کہ کیا ضرورت ہے اس کی۔ ابھی تو پہلے والی ہی ختم نہیں ہوئی۔ پیسے کیا بیڑوں پر اگتے ہیں جو ضائع کرتی ہو۔ تو بس ہمیں نہیں جانا آپ کے



ہمیں بنا ہوا ہے وہ کھوناں، امر اور اسفر کو کتنی دور پڑ گیا ہے اسکول نئے گھر سے۔ ہم نے حسب معمول اس کے جوش و خروش پر ٹھنڈے پانی کا بخار اور مانیٹرنے کی بھرپور کوشش کی یہ الگ بات کہ اندر سے ہم جل بھن بھن گئے تھے اور فطری تجسس کا شکار بھی ہو رہے تھے۔

”ارے بھابی، آپ تو کچھ پتا ہی نہیں ہے کہ دنیا کہاں بستی ہے رستے آگے لی گورنمنٹ اسکولوں کے بچوں کو کون پوچھتا ہے اسٹینڈرڈ بنانا ہے تو بچوں کو مہنگے اسکولوں اور اکیڈمیوں میں داخل کرانا ہی پڑے گا ہاں۔“ ہماری دیورانی صاحبہ نے حسب معمول پنڈولم کی طرح ڈولتے ہوئے ہمارے صبر پر بھرپور ہار کیا۔

”ارے چھوڑ دیجی، یہ بے گس نے کہہ دیا آخر کو ہم ٹوٹ بھی تو سرکاری اسکولوں کا جواں میں پڑھے ہیں اور ہمارے شوہر حضرات بھی پچھلے سرکاری مہدوں پر ہیں تو ہمارے بچے کیوں نہیں جاسکتے آگے بھل؟“ ہم نے حسب معمول ہانک سے کہا اڑائی۔

”یہ سن تو بھابی یہ بات ہے دو زمانہ اور تھا اس دور میں سارے ہی نوک سرکار اسکولوں میں پڑھتے تھے اور پھر نمبر بھی اچھے لاتے تھے، استاد بھی محنت سے پڑھاتے تھے اور بچے بھی خوب دل لگا کر پڑھتے تھے مگر اب زمانہ بدل گیا ہے بھابی۔ اب اگر کسی پر اپنے اسٹینڈرڈ کی دھانک بٹھانی ہو تو اپنے غور کی نوکری یا پتھوادی کا رعب جمانے کی ضرورت ہی نہیں صرف اور صرف مہنگے اسکولوں میں پڑھنے والے اپنے بچوں کے اسٹینڈرڈ اور اکیڈمیوں کے نام بتا دو بس اگلا بند حجت اب لیے تو میں نے تو اپنے دونوں بچوں کو مہنگے والے انگلش میڈیم اسکول میں داخل کرادیا ہے پتا ہے آپ کو فیس کتنی ہے اسکول کی؟ دس ہزار داخلہ فیس، ہزار روپے ماہانہ اور فنڈز و زبرہ علیحدہ۔“ اس نے کچھ اس طرح فخر اور غرور سے بتایا جیسے اس کے بچے نرسری اور کے جی میں ہی کنٹرل اور رینج لگ گئے ہوں، اس کا یہ انداز اور غرور دیکھ کر تو ہمارے تلوؤں سے، لگی اور سیدھی سر پر جا بکھی۔ ایسے بہانے جیسے کلیجے میں نہ بیٹھنا محال ہو گیا اور پھر واقعی

ہمارے دو بچے اور دونوں اچھے بھلے گورنمنٹ اسکول جاتے تھے کیونکہ ان کے ابو اور چاچو بھی اسی اسکول کے تعلیم یافتہ ہیں اور اس اسکول کا معیار بھی ابھی تک تو بہت اچھا جارہا تھا اور کچھ ویسے بھی ہمارے بیٹے ماشاء اللہ بہت ذہین اور ہوشیار ہیں۔ (کسی کو بتائیے گا مست وہ دونوں ذہانت میں پورے کے پورے اپنے ابو پر گئے ہیں) مگر یہاں بات پھر وہی آ جاتی ہے کہ

”میں نہ مانوں؟“ تو ہم نے کبھی ”ہاں“ کے سامنے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہی نہیں اور ہمیشہ بڑے فخر سے سب کو بتاتے ہیں کہ حمر (بڑوٹا) بالکل ہم پر گیا ہے اور اسفر (چھوٹا والا) ہمارے اکلوتے بھائی دانیال کی ڈیو کاپی سے حالانکہ ہمارے دونوں بیٹے اول جماعت سے ہی اول پوزیشن لے رہے ہیں اور ہم۔ ہم تو سر کے پاس ہوتے تھے اور ہا دانیال تو وہ بھی پاسنگ مارکس لے ہی آتا تھا۔ تو ہم تہہ رہے تھے کہ جب تک ہم سب اکٹھے رہتے تھے خوب مزہ میں تھے بچوں اور ان کے بابا کا تو چہ نہیں مگر ہم واقعی بہت مزے میں تھے کام کا اتنا بوجھ بھی نہیں تھا اور امر، اسفر کی پڑھائی کے سلسلے میں بھی ان کے ابو اور چاچو ان کی بھرپور مدد کرتے تھے لیکن جب سے ہم اس نئے گھر میں آئے لگتا تھا سب گڑبڑ ہو گیا کام کے بوجھ کی وجہ سے اکثر ہم جھنجھا جاتے یا چڑچڑے ہو جاتے تو ہمارے میاں صاحب فوراً ہارنی اندر کو آگے آتے اور ہمارے ساتھ مل کر گھر کے کام کاج بھی کر لیتے اور بچوں کو پڑھاتے تو اب بھی وہ خود ہی تھے اس روز ہم اپنی سسرال ملنے گئے تھے۔

”بھابی آپ کو پتا ہے ہم نے راس اور ضویا کو نئے اسکول میں داخل کرادیا ہے سچ بھابی اتنا اچھا اسکول ہے کہ کیا بتاؤں؟“ ہماری دیورانی ہادیہ نے اپنے مخصوص انداز میں آنکھیں میچتے اور منہوں کو پھینچتے دامیں بائیں جھولتے ہوئے ہمیں ہنسنے لگانے کی بھرپور کوشش کی۔

”کیا مطلب؟ راس اور ضویا تو اچھے جارہے ہیں اسکول، گھر کے نزدیک بھی ہے اور اس کا تو رزلٹ بھی بورڈ میں ۱۱ سے ۱۵ فیصد ہے مگر کیا مسئلہ ہے تم لوگوں کو مسئلہ تو



ہم زیادہ دیر نہیں بیٹھے گھر آ کر دات بھر سوچنے کے بعد اپنے میاں جی سے اس موضوع پر بات کی پر ناجی، وہ تو کچھ سننے کو تیار ہی نہ تھے لہذا ہمیں ہی سمجھانے بیٹھ گئے۔

”لو ہو، کیا ہو گیا ہے تمہیں بیٹلہا جیسے بھلے تو جا رہے ہیں دونوں اسکول اور ہاؤس کا کیا ہے تمہیں پتا تو ہے کہ اسے نئے نئے شوٹے چھوڑنے کا شوق ہے۔ تم پھر بھی اس کی باتوں میں آ رہی ہو جیسا چل رہا ہے۔ پہلے دنوں۔“ ہمارے گھڑتے تیر دیکھ کر انہوں نے بات بدلنے میں ہی عافیت سمجھی مگر ہم..... ہم تو جیسے ڈٹ ہی گئے تھے ہمارے دماغ میں کیزا ٹکس چکا تھا لہذا ہم اب پورے جوش و خروش کے ساتھ اس مہم کو سر کرنے پر تم چکے تھے۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ اس میں نفع کتنا ہے اور نقصان کتنا۔

☆.....☆.....☆

ہم تک سک سے تیار خراماں خراماں اس سہ منزلہ عمارت کی طرف روانہ ہو چکے تھے اس وقت دن کے دس ساڑھے دس کا وقت ہو رہا تھا اسکول کے باہر بارودی ٹکراں کھڑا تھا اب اگر یہ مقلیدہ دور ہوتا اور مقلیدہ دربار تو پھر بارودی دربان کھڑا ہوتا سمجھ بھی آتا تھا مگر بچوں کی درس گاہ کے باہر دربان، گرمی، سردی کی دھوپ میں ٹھکس جانے والی رنگت پر گہرے نیلے کی وردی، مسخ تو لپی پہنے اپنے قد سے بڑی اور وزن سے وزنی بندوق کا اندھے پر لٹکائے وہ اس طرح مستعد کھڑا تھا جیسے ابھی ہمسایہ ملک کے فوجی اندانخواستہ سرحد سمجھ کر حملہ کرنے والے ہوں اور یہ فوجی سادہ بان انہیں نیست و نابود ہی تو کر دے گا۔ خیر، رکشے والے کو انتظار کرنے کا کہہ کر ہم نے اندر کی طرف قدم بڑھائے مگر ہمارا راستہ روکے وہ دربان کا رو پو کیدار صاحب کھڑے تھے۔

”جی میڈیم کس سے ملنا ہے آپ کو؟“ اخلاق کا اعلیٰ مظاہرہ کرتے ہوئے وہ ہمارا راستہ روکے کھڑا تھا۔

”اسکول کے پرنسپل صاحب سے ملنا ہے ہمیں۔“ ہم

نے اپنے لیے اس کے منہ سے ”میڈم“ کا لقب سنا تو خواہوا گردن انڑا کر جواب دیا۔

”جی، کیا کام تھا آپ کو پرنسپل سر سے۔“ اب کے دور!

سوال آیا تو ہمیں غصہ ہی آ گیا۔

”کیوں، تمہیں کیوں بتا میں تم کیا ٹھیکیدار لگے ہو یہاں کہ یا مالک ہو اس جگہ۔“ نے تمہیں ہی سارا انٹرویو دینا پڑے گا۔“ ہمارے اندر کا جلالی بابا انگڑائی لے کر بیدار ہو گیا اور ہم نے اس غریب کی اگلی بات سننے بغیر ہی اسے ہاتھ سے اسے برے دھکیلا اور سیدھے ہاتھ سے گیت کو دھکا لگا کر اندر جا گئے۔

گیت سے اندر داخل ہو کر ہمارے چہرہ نہیں اٹھائیں طبق روشن ہو گئے باہر سے انتہائی خوب صورت اور دیدہ زیب نظرا نے والی عمارت اندر سے کی پرانی حویلی کا نقشہ پیش کر رہی تھی۔ ہم جس جگہ کھڑے تھے وہ غالباً کسی زمانے میں دکان رہا ہوگا، مگر اب وہاں پلاسٹک کی کرسیوں کی لائن لگی تھی اطراف میں جس سے دھڑلہ میرا کا تاثر مل رہا تھا ہم ابھی ہفتی بنے کھڑے دیکھ ہی رہے تھے کہ جانیں کدھر، کہ جانے کہاں سے ایک آیا ٹائپ، خاتون بڑا مدہو میں اور ہمیں اپنی معیت میں لیے اندرونی منزل کی طرف چل پڑیں مانند کہیں جا کر ایک کمرے کے باہر ہمیں چھوڑ گئیں کہ

”یہ آفس ہے آپ اندر چلی جائیں۔“ دل کڑا کر کے ہم نے اس کمرے کے اندر قدم رکھا دروازے کے بالکل سامنے دیوار گیر الماری تھی جس کے اندر کتے ہیں اور قافلہ بھی تھیں الماری کے اوپر ٹرائیاں اور شیلڈز سجائی گئی تھیں کمرے کے دائیں طرف ایک بڑی آٹا گلاس ٹائپ میز تھی جس کے آگے آف ڈائٹ اور میرین کنٹرول میں کرسیاں پڑی تھیں اور کرسیوں کے بالکل پیچھے جاسنیر صوفی سی میٹشین کا پڑا تھا فرش پر میروں رنگ کا نیوز ٹائپ تھا۔ پرنسپل کی چیر کے بالکل پیچھے دیوار پر دائیں طرف قائد اعظم اللہ با میں طرف علامہ اقبال کی تصاویر تھیں۔ جن کے درمیان تقریباً آدھا فٹ اونچی ایک سفید پگ والے بابا جی کی تصویر لگی تھی اب غالباً پرنسپل صاحب کی نظر میں بابائے قوم نور مصور پاکستان کا قد ان بابا جی کے قد سے چھوٹا تھا یا صرف ڈیزائن کے لیے ایسا کیا گیا تھا کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

نیمبل کے اوپر ایک جانب دتین کپیز رکھے تھے ایک



سے کیوں ٹپکنے لگا تھا)

”اچھا، اچھا تو گورنمنٹ اسکول میں پڑھتے ہیں نیچے آپ کے آپ نے بہت اچھا کیا جو ان کو ہمارے اسکول میں داخل کرانے کا سوچا بھلا بتاؤ اب وہ معیار کہاں رہ گیا گورنمنٹ اسکولوں کا اسکولوں کی دیواروں پر تو لکھا ہوتا ہے ”مادر نہیں پیدا“ اور ”پڑھا لکھا پاکستان“ مگر اپنے ایمان سے بتائیں کیا ہر استاد کے ہاتھ میں ڈنڈا نہیں ہوتا اور پڑھاتے کیا ہیں گورنمنٹ اسکولوں کے اساتذہ بس تھوڑے لیتے جاتے ہیں اور پڑھائی پر توجہ کوئی ہے ہی نہیں اب دیکھیے گا آپ کے بچے کیسے شائستگی اور برائت ہوتے ہیں مگر ہم تو نالائق سے نالائق بچوں کو گھنڈوں کی طرح چلا لیتے ہیں یہ گورنمنٹ اسکولوں کے بچے کیا چیز ہیں؟“ وہ مسلسل اپنی شان میں قصیدے پڑھتے ہوئے کوئی قابل ذمہ داری میں مصروف تھے وہ نہ ہمارے لمحہ بہ لمحہ بدلتے چہرے کے زوایاں مگر غلطی سے بھی دیکھ لیتے تو شاید اتنا کچھ نہ فرماتے۔

”کیا مطلب ہے آپ؟“ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں کہ سرکاری اسکولوں میں پڑھنے والے بچے اور پڑھانے والے اساتذہ سب کے سب نالائق ہیں آپ کی جرات کیسے ہوئی یہ سب کہنے کی آپ کو معلوم ہے ہمارے بچے بول جماعت سے اپنی کلاسز میں فرسٹ آر ہے ہیں اور آپ..... آپ خود بھی تو گورنمنٹ اسکول سے ہی تو پڑھیں ہوں گے ناں کیونکہ ہمارے آپ کے زمانے میں تو پرائیویٹ اسکولوں، ایڈمیں کی دبا بھٹی ہی نہ تھی تو اگر آپ اپنے تعلیمی ادارے اپنے سابقہ اساتذہ کی خود عزت نہیں کرتے تو آپ قوم کے معماروں کو کیا سکھائیں گے؟“ اب کہ ہمارے امد کا جتنی جلالی بابا بھر پورا انگڑائی لے کر جگ اٹھا تھا بلکہ صرف جاگتا ہی نہیں تھا پوری طرح فارم میں آ گیا۔

”اور یہ جو شہر آپ نے اپنے اسکول کے ماتھے پر جمہور کی طرح ناک رکھا ہے نا، اس کا مطلب ذرا گہرائی سے سمجھ لیں پہلے۔ اس کتاب کی قسمت بدیش گے کسی کی اور آپ کیا تکمیل کریں گے کسی مہندس فرض کی آپ تو بس فیس بنوڑیں فیس یہ..... یہ جو چھوٹی چھوٹی عمر کی ایف اے،

طرف اسٹیشنری کا سامان سجا تھا جبکہ دوسری طرف دو تین رنگوں کے فنون اور اسٹرکام پڑے تھے ابھی ہم یہ نظر غائر کرے کا جائزہ ہی لے رہے تھے اور چھت تک تو ابھی پہنچنے بھی نہ پائے تھے کیا ایک بھاری مردانہ دازکانوں سے ٹکرائی۔

”جی فرمائیے کیا خدمت کر سکتا ہوں میں آپ کی؟“ ہم ایک دم چونک کر تصویریں کے عین نیچے ”ڈھیر ہوئی شخصیت“ کی طرف متوجہ ہوئے (بھئی جو سناڑ اور حجم تھا ان صاحب کا تو اسے ڈھیر ہونا ہی کہتے ہیں) ہمیں شکل کچھ جانی پہچانی لگی اب یہ نئی ٹینشن لگ گئی کہ ان صاحب بہادر کو دیکھا کہاں سہا بھی ہم اس پر غور فرما ہی رہے تھے کہ وہ صاحب پھر گویا ہوئے۔

”جی محترمہ بیٹھے پلیز اور بتائیے کہ میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟“

”ارے باپ رے باپ یہ تو وہی کل والا گھریلو خلیے والا بلکہ بے ہودہ خلیے والا خوفناک دیو قامت بندہ ہے ہمیں ایک دم بیٹھتے بیٹھتے یاد آئی گی دل میں ناگواری کی لہری اٹھی کہ جو استاد خود نہیں جانتا کہ اس نے اپنے گھر کا دروازہ کھولنے سے پہلے اپنا حلیہ درست کرنا ہے وہ اپنے طلباء کو کیا سکھائے گا کہ زندگی کے مشکل ادوار کا در کھولنے سے پہلے کیسا حلیہ اور کیسا رویہ ہونا چاہیے خیر دل پر جبر کر کے ہم نے ان کی طرف دیکھا۔

”جی ہم نے اپنے بچوں کا ایڈمیشن کرایا ہے، کافی اسکول دیکھے ہم نے مگر دل نہیں پاتا ہی نہیں۔“ ہم نے اپنی طرف سے ذرا صبر سے بات کی تھی۔

”جی، جی ضرور کیوں نہیں، ہم تو بیٹھے ہی آپ لوگوں کی خدمت کرنے کے لیے“ انہوں نے اپنی بڑی بڑی سرخ آنکھوں سے گھبراتے ہوئے سفید ہاتھوں میں نیکل کر کہہ ”آپ کے بچے پہلے کیسے پڑھتے ہیں؟“ اب لگا باقاعدہ انٹرویو کا آغاز ہو گیا ہو۔

”جی وہ گورنمنٹ ہائی اسکول کے انکس میڈیم سیکشن میں پڑھتے ہیں بڑا 7th اور چھوٹا 6th میں۔“ ہم نے بڑے فخر سے بتایا (نجانے خود بخود یہ فخر ہمارے بچے



کہتے ہوئے ہم اٹھے اور ابھی دروازے تک بھی نہیں پہنچے تھے کہ بریک کی نل ہو گئی اور اس گھنٹی کے ساتھ جو طوفان بدتمیزی ایک دم مچا لاماں اونیٹا ہمارے تو طوطے کی طرح، فائنڈ میں سب ایک ساتھ ہی زلزلے۔

ایک شور تھا بچوں کا جو کلاسوں کے اندر اور باہر کود رہے تھے۔ بچے راونڈ تو تھا نہیں ان لیے بس میڑھیوں سے ہی اوپر نیچے دوڑیں لگاتے پھرتے تھے اور بولی بولی بالکل لٹکل۔ گھر بلو خاص طور سے لڑکوں کی۔

نوجوانی آج سمجھ میں آیا کہ ”بدا چھا اور بدنام برا“ کیسے ہوتا ہے۔ انری زبان گورنمنٹ اسکولوں کے بچے استعمال کریں تو یہ سب اور بھی پرانی میت اسکولوں کے بچے بولیں تو فیشن واو بھی واو ہم۔ مڑ کر ایک جتنا ہی نظر پر نسل

صاحب پر والی اور  
ہیں کو کتب کچھ نظر آئے ہیں کچھ  
ہیں یہ ہو کا بازی۔ کھلا  
کہتے ہوئے باہر کی راوی۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمارے پرائیویٹ اسکول یا ادارے دکھوے کا کام کرتے ہیں یا ان کا دہرا معیار ہے مگر جس صبر و زندگی کے ہر شعبے میں کالی بھڑیں ہوتی ہیں اس طرح اس شعبے کو بھی ایسے لوگ اور ایسے ادارے کھوکھلا رہے ہیں۔ یہ سوچے۔ بچے بغیر کہ نقصان کس کا ہے، ہم اپنے مستقبل کے ساتھ تو خوبی پھیل رہے ہیں تو پھر گلہ کس سے کریں، مسودہ یوں کریں اور شکایت کون سے گا ہماری۔ دنی معذرت سے ساتھ یہ دیکھا دیکھی کی بجائے چال ہمیں کسی اندھے کنوئیں کی طرف۔ لے جا رہی ہے ہم جانتے ہیں مگر جانتے ہو جھٹے آنکھیں بند کیے چلے جا رہے ہیں۔ بس چلے جا رہے ہیں آپ کا یا خیال ہے اس بارے میں ہم غلط کہہ رہے ہیں یا ٹھیک۔ سوچئے گا ضرور !!

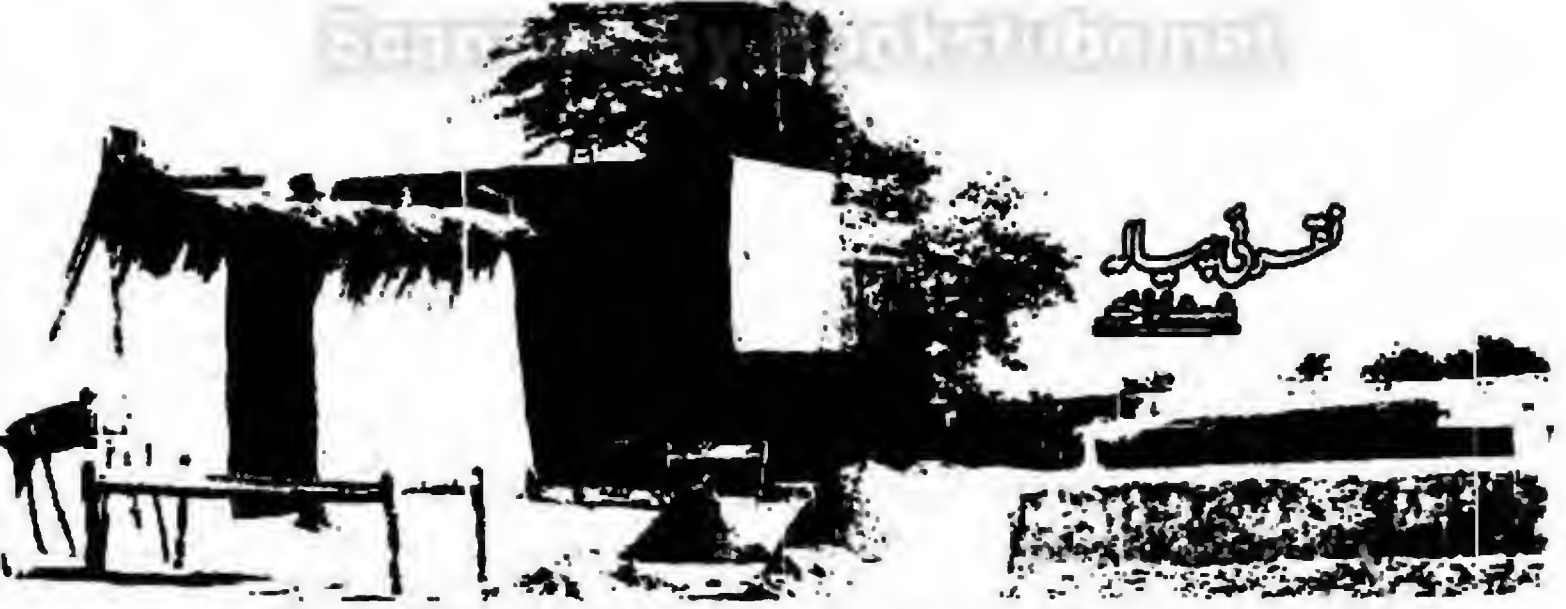


بی اسے پاس نیچر زرخیز ہوئی ہیں ناں آپ نے... زیادہ فیس لے کر تنخواہ کیا دیتے ہیں آپ انہیں کچھ خدا کا خوف ہے کہ نہیں... فی بچہ ہزار رو سو فیس اور فی استانی تنخواہ (25000 سے 30000) بس جبکہ گورنمنٹ اسکولوں میں برائے نام فیس ہے اور نیچر کی تنخواہ پر کشش اور حیات آپ کا کیا بھروسہ اگر کل ہی یہ نہانی استانی اپنی تنخواہ بڑھانے کی بات کریں اور آپ انہیں نکال باہر نہ کریں۔ ہم نے کمرے کے کھلے دروازے سے نظر آنے والی کلاسوں کے اندر بڑھانے والی اٹھارو، انیس سالہ لڑکیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا۔

”دیکھیے۔ دیکھیے محترمہ آپ جاسکتی ہیں ہمارے اسکول کے داخلے بند ہو چکے ہیں اور اگر کھلے بھی ہوتے تو آپ کے بچوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے یہاں۔“ دو ایک آواز۔ ”یونہی ہو کر بولتے تو ہمارے دل میں تو بھی بھڑ بھڑا رہے تھے۔ ابھی ہم نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ سامنے والی کلاس سے کسی بچے کے چیخنے کی آواز آئی آواز کے نقاب میں دیکھ تو یہ رامنہ کھلے کا کھلا روٹیا دو تین بچوں کو اپنے سر سے لٹا کر کہے۔ ”نوعمر نیچر“ انہیں بری طرح سنک سے پیٹ رہی تھی۔ بچے رو رہے تھے پتا نہیں کت فریڈیشن کیا بھی جو وہ بچوں کو مار مار کر نکال رہی تھی۔ اس سے ذرا آگے جو نظر گئی تو ترم کی تباہ کلاس کو بیٹھوں پر کھڑے پید بھی اس کلاس کا نظارہ ختم نہیں ہوا تھا کہ اگلی کلاس کا منظر سامنے تھا۔ مس صاحب اپنی سیٹ پر بیٹھی دیکھی بچوں کی گاہیں چمک کر کہہ رہی تھیں جہاز کی طرح اڑا اڑا کر ان تک پہنچا رہی تھیں۔ ہمارا منہ تو حیرت کے مارے کھڑا ہی تھا پرنس صاحب کا تو ہمارے خلعت کے رنگ ہی بدل گیا۔

”جی تو یہ ہے آپ کے اسکول کا ”پوسٹلن“ اور یہ ہے وہ ”پیاز“ جو آپ بچوں کو دیتے ہیں بہت خوب۔ پرنس صاحب آپ نے تو ہماری آنکھیں ہی کھول دیں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ ہمارے بے چارے میاں صاحب جو بات ہمیں اتنے دنوں سے نہیں سمجھا پا رہے تھے وہ آپ نے ہمیں پل بھر میں سمجھ دی آپ کا بے حد شکریہ جناب۔“





جب خواب نہیں کوئی کیا زندگی کا کرنا  
 ہر صبح کو جی اٹھنا ہر رات کو مرجانا  
 سقراط کے پینے سے کیا مجھ پہ عیاں ہوتا  
 خود زہر پیا میں نے تب اس کا اثر جانا

جدائی کیا ہوتی ہے اسے اب پتا چلا تھا اور عمر کا  
 اکیلا پن بھی کیا وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا تھا یا  
 حقیقت میں تھا ہو گیا تھا۔ ہر انسان کو موت کا ذائقہ  
 چکھنا ہے رضیہ کی موت اسے ہر پہلے بے کل کیے  
 جاری تھی۔ موت سے زیادہ موت کی وجہ نے اس  
 کے اندر طوفان برپا کر رکھا تھا۔  
 ”تمہوڑا سا آرام کر لو بابا!“ عائشہ نے سوچی ہوئی  
 آنکھوں سے باپ کی طرف تکیہ بڑھایا جو تقریباً  
 پوری رات ہی سے گھٹنوں میں سر دیئے دیوار سے  
 تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔  
 آرام کیسے آتا میں سالہ شادی شدہ زندگی میں  
 پہلی بار وہ رات کو گھر میں نہیں تھی ورنہ تو بیٹیوں سے  
 ملنے یا کسی بھی خوشی غم میں اکیلی شریک ہوتی تو دن  
 ہی دن میں واپس آ جاتی۔  
 ”حتا کے ابا اکیلے ہوں گے بیمار رہتے ہیں“  
 والدین میں ذہنی ہمہ تنگی اور اتفاق نہ ہوسکا تو  
 وہ الگ ہو گئے تو ماں اسے لے کر ماما مانی کے پاس  
 آ گئی تب وہ دو سال کا تھا۔ پانچ سال کا ہوا تو ماں  
 نے بھی جیون ساتھی جن ابابا نے کبھی اس کی خبر  
 نہ لی کہ کس حال میں ہے۔ سو تیرا باپ شروع شروع  
 میں تو ٹھیک رہا پھر اس کے سوتیلے بہن بھائیوں کی  
 آمد کا تانتا بندھ گیا۔ ہر مال ایک بچے کا اضافہ وہ







## فضہ اسلم

اسلام علیکم! ڈیر قارئین میرا نام فضہ اسلم ہے اوکاڑہ شہر کے ایک نواحی گاؤں سے میرا تعلق ہے ہماری کاسٹ رائے کھل ہے ہم زمین دار لوگ ہیں۔ میرے دو بھائی اور ہم باج سسٹرز ہیں۔ میری تین بہنیں اور ایک بھائی میرڈ ہے۔ میری ایک سسٹر کی ڈیوٹی تھو ہو چکی ہے ان کا ایک ہی بیٹا ہے گھر میں میرا نمبر پانچواں ہے۔ 3 مارچ میری ڈیوٹی آف برتھ ہے میں ایف اے کر رہی ہوں آج کل کافی عرصے سے پڑھ رہی ہوں۔ بڑی مشکوٰۃ سے ہم شہر سے آج کل منگواتے ہیں میری سسٹر شازیہ آج کل کی دیوانی ہے اور وہ تمام آج کل سنبھال سنبھال کے رہتی ہے کسی کو نہیں دیتی پڑھنے کے لیے۔ میری کزن فرینڈ آبرو بھی آج کل پڑھتی ہے آج کل کی فوریٹ رائٹرز میرا ٹریف نازیہ کنول ام مریم تمیرا نگاہ ہیں۔ شاعری سے لگاؤ ہے خود بھی کرتی ہوں۔ میرے فوریٹ شاعر وحسی نامہ ہیں فوریٹ کلر پنک وائٹ بلیک اور پھولوں میں گلاب کا پھول پسند ہے ایکٹریس فوریٹ ریما صاحبہ منم بلوچ ہیں۔ میری آج کل فرینڈز میں بشری باجوہ جاناں شاد علی ام کلثوم غزالہ راوی ہیں۔ میں بشری باجوہ سے مل بھی چکی ہوں۔ پسندیدہ رشتہ ماں کا اور دوستی کا ہے۔ میں بہت حساس اور نرم مزاج ہوں۔ مجھے ہنر بہ حد پسند ہے اور راوی بھی۔ دریائے راوی ہمارے گھر کے قریب ہی ہے مجھے کھانے میں بریانی پسند ہے۔ کبھی کبھی کھانا بنا لیتی ہوں باقی شازیہ باجوہ ہی زیادہ کام کرتی ہیں۔ مجھے پر خلوص محبت کرنے والے لوگ پسند ہیں۔ چھوٹے مغرور لوگ پسند نہیں ہیں سادگی پسند کرتی ہوں۔ فوریٹ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آج کل کے تمام سلسلے میرے فوریٹ ہیں آج کل سے بے حد پیار ہے۔ پسندیدہ موسم بہار کا ہے جب ہر طرف ہریالی چھا جاتی ہے میرا آج کل فرینڈز کو بھی پیغام ہے کہ وہ نماز پڑھا کریں اللہ سے دل کی بات کریں اللہ سے دوستی کریں۔ وہ آپ کی منتا ہے آج کل کے لیے آج کل کے اسٹاف رائٹرز قارئین کے لیے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو ہنسنا بستا قائم دائم رکھے آمین۔

سے دیکھتے آئے تھے۔

میں اتریں رضیہ کو بیٹے کا چاؤ تھا۔

تاروں بھرا آسمان ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے ہزاروں کے خیال ہی سے دونوں کی آنکھیں موند نے لگیں۔

”پیشیاں تو رب کی رحمت ہوتی ہیں بھلی مانس دیکھ تو کیسے مہک رہا ہے ہمارا گھرانہ کی خوشبو سے۔“ غلام حیدر دونوں کو کھینچا دیکھ کر نہال ہو جاتا۔

”سنو غلام حیدر انگریز میں چھت پر بیٹھ کر ٹھنڈے پانی کا پیالہ پینے لگا کتنا مزہ آتا ہوگا مجھے تو سوچ کر ہی پیاس لگ گئی۔“ جس زدہ کمرے میں لو دیتے چکھے کو وہ حسرت سے دیکھتی اور کہنے میں پڑے چھوٹے سے واز کولر سے پانی نکالنے لگ جاتی۔

ماسٹری کی تنخواہ میں گھر کب تک چلتا اس نے شام کی نیوشن لینا شروع کر دی۔ کب دن لکھا سورج ڈھلتا پتا ہی نہ چلا جب دونوں بہنیں گریجوئیٹ ہو گئیں تو ان کے بیاہ کی فکر سے غلام حیدر کے کندھے جھک گئے ہمیشہ حلال کمایا اور بچوں کو کھلایا دال روٹی اور بیجیوں کی تعلیم دن رات محنت کی

ریٹائرمنٹ کا پیسہ لیا اور کچھ کمیشیاں وغیرہ اسٹی کر کے اور گھر میں کی گئی بچوں کو ملا کر بچیوں کے ہاتھ پہلے کر دیئے تو غلام حیدر جیسے پھر سے جوان ہو گیا۔ بیٹیوں کے فرض کی ادائیگی والدین کو کتنا معتبر

حالانکہ اس کے ساتھ والے کہاں سے کہاں پہنچ گئے اور اپنے گھروں کے مالک ہو گئے۔ بچیوں کی شادی کے چکر میں ایسے گمن چکر بنے کہ گھر کا خیال تو کسی کو نے میں مایوسی کی چادر اوڑھ کر سو رہا جو وہ جوانی



وہ لجا جت سے بولی تو غلام حیدر شرمندہ سا ہو گیا۔  
 ”غریب کچھ خرید۔“ چلا بھی جائے تو صرف  
 حسرتیں اور نئے دکھ ہی خرید کر لاتا ہے۔“ وہ بھی اس  
 کی ضد کے آگے ہار گیا۔

رضیہ کو پیالہ تولے دیا مگر وہ سوٹ بے کر نہ  
 دے سکا جو وہ کل دیکھ کر آیا تھا اور ساری رات اس  
 کی تعریفیں کرتا رہا۔ دکان کے سامنے سے گزرتے  
 اس نے سوچا کاش وہ سوٹ بک گیا ہو تو دل اس  
 چھین سے بچ جائے گا۔ کاش کی طرح گڑا تھا۔  
 سوٹ اپنی پوری آب و تاب سے نکلا اس کی مفلسی  
 پر ہنس رہا تھا مگر رضیہ نے، چہرے پر سوٹ سے بھی  
 زیادہ خوب صورت اور لہرے رنگ بکھرے تھے  
 اور اسے سوٹ نہ ملنے پر زرا بھی ملال نہ تھا اور غلام  
 حیدر سوچ رہا تھا۔

”ہماری خواہشیں ہمیشہ ادھوری کیوں رہتی ہیں  
 آخر تم اس کا کیا کرو گی؟“ وہ بولا۔

”گھر میں ہم ہیں ہی، کتنے لوگ اور ڈھیر برتنوں  
 کا ہے جب اپنا گھر بنے، انا غلام حیدر تو اس کی حسرت  
 پر بیٹھ کر ٹھنڈا پانی پیا کریں گے اس میں۔“ تو وہ کتنی  
 ہی دیر اس کی محسوسیت پر ہنستا رہا کہ وہ جڑ گئی۔

”تو تمہارا کیا خیال ہے نہیں بنے گا اپنا گھر؟“  
 وقت بڑھ گیا کراڑا رہا اور پیالہ صندوق کی سطح سے ہوتا  
 ہوا نیچے پیندے میں چلا گیا رضیہ کے خوابوں کی  
 طرف۔ بچیاں بیاہنے، بعد گھر میں کچھ تنگ دستی ہی  
 ہوئی تو غلام حیدر نے دکان پر چھوٹی سی نوکری کر لی۔  
 گزارہ پھر چلنے لگا، دو بنوں کا کیا خرچہ، کلو می ہی ختم  
 نہ ہوتا مگر جب عائشہ اور حنا آ جاتیں تو دونوں ہی  
 میں از جاتا وہ اکثر شکایت کرتی۔

”اری بھلی مانس! جہاں کے حصے کا لکھا ہوتا ہے  
 کھا جاتی ہیں، کیوں ناشتہ کرتی ہے۔“

اور آسودہ کر دیتی ہے بلاشبہ گھر ایک دم سونا ہو گیا۔  
 رضیہ بات بات پر یاد کر کے روتی۔

”اری بھلی مانس بیٹیاں گھر رکھنے کی چیز  
 نہیں، راجے مہاراجے نہ رکھ سکے، یہ غریب  
 ماں کیسے رکھتا۔“

”اللہ کوئی بیٹا ہی دے دیتا گھر میں بہو آتی  
 پوتے پوتیا کھیلتے تو رونق لگ جاتی۔“ وہ جمل کر کہتی۔  
 ”یہ قدرت کے فیصلے ہیں بھلی مانس! ہماری کیا  
 مجال کہ دل دین رب کے ہر فیصلے میں بندے کے  
 لیے بھلائی ہے۔“ وہ اسے تسلی دیتا تو وہ سر دآہ بھر کر  
 خاموش ہو جاتی۔

وہ ایک بار پھر بچکیاں لے کر رونے لگا، بیٹیاں  
 باپ کو حوصلہ دیتی رہیں، عزیز واقارب تسلیاں دینے  
 لگے مگر اس کے سینے میں تو آگ سی لگی تھی جسے زار  
 زار بہتے آنسو بھی بجھانے میں ناکام تھے۔ بیٹیوں  
 نے سہارا دے کر کھڑا کیا تو وہ لڑکھڑا کر رضیہ کی  
 چار پائی پر گر گیا۔ نیند کا جھونکا آنے بھی نہ پایا کہ وہ  
 بڑبڑا کر اٹھ گیا۔ رضیہ کا صندوق کھول کر کچھ تلاش  
 کرنے لگا، کپڑوں کی تہوں کے نیچے سے شاپر میں  
 لپٹا ایک نقری رنگ کا نقشی پیالہ اس کے ہاتھ میں تھا  
 اور وہ چاروں طرف سے اسے گھما گھما کر دیکھ رہا  
 تھا۔ آنسوؤں کے دھندلکے میں منظر بدلتے لگے، ان  
 کی بڑی بیٹی حنا جب چھ ماہ کی تھی تو وہ رضیہ کو میسے پر  
 لے کر گیا تھا کہ اچانک ایک دکان پر وہ ٹھٹک کر رک  
 گئی۔ دھوپ میں لشکاریے مارتے چاندی جیسے برتن  
 رضیہ نے جھپٹ کر ایک نقشی پیالہ اٹھالیا۔

”میرے پاس پیسے کم ہیں۔“ وہ قیمت سن  
 کر بولا۔

”ٹھیک ہے میں اپنا سوٹ نہیں لیتی، صرف حنا کا  
 فرائیڈ خریدیں گے، لیکن مجھے یہ پیالہ لے دو۔“



## بشری کوثر وارث علی

استاد! جی آپ حیران ہو رہے ہیں کہ یہ کون ہے جو بن بلائے مہمان کی طرح حاضر ہوا ہے نہ جان نہ پہچان تو جی ہم اپنا کھل تعارف کرواتے ہیں لیجیے تعارف حاضر ہے۔ میرا نام بشری کوثر ہے بی بی! اسٹوڈنٹ ہوں۔ 7 اکتوبر کو اس جہان فانی میں تشریف لائی ہم ماشاء اللہ ستائندہ بہن بھائی ہیں! میرا نمبر دو درجہ ہے۔ نوشہرہ ورکاں کے نزدیک گاؤں سا دو ورکاں میں رہتی ہوں۔ مجھے سرخ گلاب بہت پسند ہے ریحوں میں سفید اور کالا رنگ پسند ہے۔ کھانے میں بریانی پسند ہے! کس کریم تو خاص طور پر سردیوں میں پسند کرتی ہوں۔ لہاس میں قیص شہوار اور بڑا سا دوپٹہ پسند ہے۔ آٹھل سے رشتہ تقریباً چھ سات سال پرانا ہے۔ فیورٹ رائٹرز میں نازیہ کنول نازی اور میرا شریف طور ہیں۔ ایک شاعری جو ہمارے جذبات کا اظہار کرے جو دل کے تاروں کو چھیڑ دے بہت پسند ہے۔ پسندیدہ شعرا میں وحی شاہ ساغر پروین شاہ کرا اور احمد فراز پسند ہیں۔ چیونری وغیرہ میں صرف ٹاپس پسند ہیں۔ گفٹ لینا اور دینا دونوں اچھے لگتے ہیں۔ خوبیاں اور خد میاں تو ہم سے وابستہ لوگ ہی بتا سکتے ہیں وہ سے میرے خیال میں کوئی بھی انسان مکمل طور پر خوبیوں کا مرقع نہیں ہوتا ہر کسی میں اگر خوبیاں ہیں تو خامیاں بھی ہوں گی اور اگر اس میں خامیاں ہیں تو اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی خوبی سے بھی نوازا ہوگا۔ اسی طرح مجھ میں بھی خامیوں کے ساتھ خوبیاں بھی ہیں خاص طور پر جب کوئی جان بوجھ کر جھوٹ بولے تو غصہ بہت آتا ہے جذباتی بہت زیادہ ہوں عزائم کی بہت سنجیدہ ہوں! تنہائی پسند ہوں۔ مہندی بہت اچھی لگتی ہوں تقریباً ہر کام بڑی مہارت سے کرتی ہوں! لکھنا بہت اچھا لگتا ہے پرائیوٹ ٹیچر ہوں۔ ویل بننے کا ارادہ ہے۔ میرا دفتر کا بہت شوق ہے خاص طور پر لنگ ڈرائیو اور رات کا سفر۔ میں سید سنگھ پسند کرتی ہوں اور آخر میں تمام فریڈز کے نام آپ چھوٹا سا پیغام پمپیز کی پرائیوٹ اخبارت میں کریں جب ماہ اگست آتا ہے تو اس کی کڑیاں سیدھی دل میں چبھتی ہیں۔ کوشش کریں کتاب کی بات سے کسی کا دل نہ دھکے اللہ حافظ۔

”اچھا! اچھا کرتے ہیں بچہ۔“ وہ مسکرایا تو رضیہ کو مید بندھائی۔

سر پر قرعہ چڑھا وہ بھی تین قسطیں ادا کر آ یا اور اب پانچ ہزار ماہانہ ادا کرنے تھے۔ آج اس نے رضیہ کے چہرے پر برسوں حد پھرتی رنگ دیکھے جو انگریزی پیار فریڈتے ہوئے دیکھے تھے۔ خواہشوں کے رنگ کسی عمر میں بھی پھیلے نہیں پڑتے۔ غلام حیدر نے بغور اس کا چہرہ دیکھا، ہوئے سوچا غلام حیدر بڑی دیر تک پیالے کو دیکھتا رہا جانے کتنی ہی بار اسے رضیہ نے مانجا، چھو اور محبت سے لپیٹ کر رکھا تھا اسی لیے برسوں بعد بھی اس کی آب و تاب دیکھی ہی تھی اس نے کبھی بے پرواہ مسائل کے باوجود بھی پیالے اور اس سے جڑی خواہش کو ماند نہ پڑنے دیا اور جب وہ تین ماہ کی قسط بچ کر آ کر آ یا تو رضیہ نے

پھر اچانک ایک دن غلام حیدر نے دیکھا اخبار میں اشتہار تھا کہ دوسرے بٹے پلاٹ قسطوں پر دیئے جا رہے ہیں وہ آتے ہوئے اخبار صحر لے آیا۔ رضیہ کو دکھایا تو کھل اٹھی برسوں سے کونے میں سوئے خواب نے مایوس کی چادر چھینکی اور پھر جگتی آنکھوں کا تارا ہو گیا۔

”نہیں نہیں غلام حیدر! ہم یہ موقع ہاتھ سے جانے نہ دیں گے! کچھ بھی کریں گھر ضرور بنائیں۔ ہم پٹن کے پیسوں سے گزارہ کر لیں گے ساتھ والی کے ساتھ میٹھی ڈال کر پھٹی میں لے لوں گی تم دکان والے سے کچھ ماہ کا ایڈوانس دے دے۔ بھلے ہی مکان کرائے کا ہے ہم کون سا بھاگے جا رہے ہیں! اتنے سالوں سے بیٹھے ہیں۔“ وہ ایک ہی سانس میں بولے جا رہی تھی۔



گاکہ ہمارے ساتھ بہت بڑا فراڈ ہو گیا وہ جگہ تو بکاؤ  
تھی ہی نہیں کوئی فراڈ کپانی چکمہ دے گئی۔

”تم بتاتے کیوں نہیں۔“ اور پھر الفاظ اس کے  
لبوں سے پھسلنے لگے رضیہ نے سینے پر ہاتھ رکھا تو  
ایک ہائے کے ساتھ ہی وہ زمین پر ڈھیر ہو گئی۔

”رضیہ..... یا.....“ غلام حیدر کی چیخ سے درو  
دیوار ہل گئے اور پھر اسے ہوش نہ رہا۔ رضیہ کے بعد  
جیسے اس کا دل بھی دنیا سے اٹھ گیا اس نے ٹریک  
سے پیالہ نکالا اور کچھ سوچ کر قبرستان کی طرف چل  
پڑا اور راستے سے کچھ باجرہ اور چاول لیے اور قبر پر  
تکھیر کر پیالہ بھر کر پانی رلھایا۔

اگلے دن جب وہ دیرے سویرے قبر پر گیا تو  
نقڑی پیالہ غائب تھا وہ بوڑھے گورکن کی جھونپڑی  
تک گیا اس کا بیٹا بیٹھا سگریٹ میں جس بھر رہا تھا۔  
”دیکھو۔“ وہ مرلی سی آواز میں بولا۔ ”کل  
میں نے اپنی بیوی کی قبر پر ایک نقڑی پیالہ پانی بھر  
کر رکھا تھا اب وہ نہیں ہے۔“ وہ اٹھ کر قبر تک آیا  
ادھر ادھر نظریں دوڑائیں سگریٹ کا گہرا کش لیا  
زیر لب مسکرایا اور سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتے  
ہوئے بولا۔

”کوئی مٹی وٹی کا رلھ دیتے بڑے میاں! ایسی  
چیزیں یہاں کون چھوڑتا ہے۔“ اور جھونپڑی کی  
طرف چل دیا۔ غلام حیدر قبر پر گر گیا وہ قبر سے چٹ  
کریوں رو رہا تھا جیسے اسے ڈر ہو کہ اب کوئی رضیہ کا  
بے جان جسم بھی نکال کر لے جائے گا۔



ایک بار پھر پیالے کو اس جانفشانی سے رگڑا کہ وہ ڈر  
گیا جیسے وہ آخری بار۔ نہج رہی ہو جانے یہ منحوس  
خیال اسے کیوں آیا وہ اسے بار بار دیکھ رہی تھی۔ کبھی  
پانی سے بھر کر ہونٹوں کو لگاتی پھر لو برساتے چھت  
کے پتھے کو دیکھتی اور پھر بڑا سامنہ بنا کر مسکرانے لگی۔  
”اب بس کرو رکھ دو اسے۔“ اس نے ٹوکا۔

”کیوں آج ہی تو اسے چمکانے کا وقت آیا  
ہے دیکھو تو سہی غلام حیدر اس پر کندہ کلیاں جیسے  
کھل سی گئی ہیں۔“

”ہاں تھوڑی دیر تمہارے ہاتھ میں اور رہا تو  
وہ خوشبو بھی دینے لگیں گی۔“ وہ مسکراتا ہوا دکان  
پر چلا گیا۔

سیڑھیاں ڈرا بڑی اور چوڑی رکھنا عائشہ اور حنا  
کے بچے شرارتی ہیں کہیں گرنہ جائیں اکثر وہ گھر کو  
چاروں طرف سے حقارت سے دیکھتی کتنا کٹھن زدہ  
ہے زندگی کے تیس سال تو اس نے اپنے گھر کے پنے  
میں گزارے تھے اسے تو وہ ڈر بہ کہتی تھی اور پھر تین  
ماہ بعد وہ قسط جمع کرانے جا رہا تھا سفید براق شلوار  
قیص بڑی مشکل سے سلوٹیں نکالی تھیں۔ رضیہ  
جاتے ہوئے اس کے بوٹ پرانے کپڑے سے  
صاف کرنا بھی نہ بھولی اور بار بار بول رہی تھی یہ  
ضرور پوچھنا کہ ہم گھر کب تک بنوانا شروع کریں  
اگر وہ اجازت دیں تو سینٹ اور اینٹوں والوں سے  
بات کرتے آتا جب وہ دروازے سے نکل رہا تھا اس  
نے رضیہ کی آواز سنی تھی وہ ابھی پر اس کا منہ لٹکا دیکھ کر  
وہ بھی پریشان تھی۔

”کیا بات ہے غلام حیدر! کیا وہ ابھی گھر بنانے  
کی اجازت نہیں دے رہے۔“

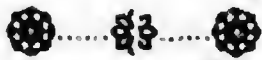
”کوئی بات نہیں اتنی جلدی بھی کیا ہے۔“ مگر  
غلام حیدر سارے رستے سوچتا آیا کہ وہ کیسے بتائے





خوشبو سے ہواؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ  
موسم کی اداؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ  
مل جائیں تو جیون کو سجا دیتے ہیں لیکن  
پچھڑیں تو دعاؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ

یہ نہیں کہ کس کا فون تھا؟“ س نے اس کے ماتھے سے  
پینہ صاف کرتے ہوئے کہ جبکہ وہ خاموش رہی۔  
”باتھ روم گئی تھی فون۔ باتو باہر چلی گئی کہ کہیں آواز  
سے آپ کی آنکھ نہ کھل جائے۔“ اس نے بہانہ بتایا وہ  
طمئن ہوا کہ نہیں یہ بات اس کے لیے قاتل غور نہیں تھی  
اس وقت وہ خاموش تھا۔ ماف نے پر شکنیں نہیں تھی یہ بات  
عی قاتل تسلی تھی۔ وہ اس کا گل پتہ پتا کر بیڈ پر دراز ہو گیا  
اس نے بھی جان بچنے پر خدا کا شکر ادا کیا اور کروٹ بدل  
کر آنکھیں موند لیں جبکہ اس کے شوہر نے بیڈ کے  
دوسرے سائیڈ چھت کو گھور۔ تے ہوئے اپنی سوچوں کو ایک  
نقطے پر مرکوز کر دیا۔



”دیکھتی ہوں تم کیسے پرے بیٹے کو اپنا گرویدہ کرتی  
ہو ایسا عمل کرواؤں گی کہ وہ دم سے دور بھاگے گا۔“ بیا آواز  
اس کے کانوں میں پڑی تو اس نے فوراً آنکھیں کھول  
دیں۔ آس پاس تو کوئی بھی نہیں تھا پھر اس نے اپنے

”میے آپ کو مل جائیں گے فکر مت کیجیے بس میرا  
کام ہو جانا چاہیے۔“ وہ دھیرے سے بولی کہیں رات  
کے اس پہر کوئی اس کی آواز نہ سن لے۔  
”میں نے کہا تھا کہ کل میں خود آ کر آپ سے ملتی  
ہوں۔“ وہ دھیرے سے غرائی تھی اور فون بند کر کے  
واپس بیڈ پر دراز ہو گئی ایک نظر سائیڈ پر سوئے اپنے  
شوہر پر ڈالی اور پھر آنکھیں موند کر سکون کا سانس لینے  
لگی تب ہی اپنے چہرے پر کسی چیز کے رینگنے کا احساس  
ہوا تو جھٹکے سے اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ ڈر کے  
مارے رکا ہوا سانس خارج کیا۔ وہ بدستور بغور اس  
کے چہرے کی سمت دیکھ رہا تھا۔

”کہاں سے آ رہی ہو؟“ دھیرے سے سوال کیا تھا  
مگر اس کا گلہ خشک ہو گیا پھر مصنوعی انداز میں مسکراتے  
ہوئے تڑپا کر بولی۔  
”کوئی نہیں روٹنگ نمبر تھا۔“

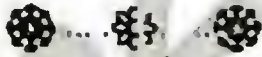
”سوٹ ہارٹ! میں نے پوچھا کہاں سے آ رہی ہو“



بڑھی اور پانچ ہزار نکال کر بیگ میں رکھے اور باہر کی جانب قدم بڑھائے تھے کہ راستے میں سانس مل گئی۔  
 ”کہاں جا رہی ہو بیٹا؟“ انہوں نے نرمی سے پوچھا۔  
 ”ہوں ایسے پیار سے دل رسی ہیں جیسے اندر سے ایسی ہی ہوں۔“ وہ سوچ کر رہ گئی پھر مصنوعی سے انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔

”ای! ابھی آرہی ہوں سوچا دوست سے مل آؤں اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”ٹھیک ہے جاؤ۔“ انہوں نے چوں چاں کے بغیر اسے جانے دیا وہ اپنی سائیں بحال کرتی باہر نکل گئی۔  
 جیس منیب بعد وہ عامل کے سامنے بیٹھی تھی اور وہ پیسے کے کر سے لسنی دے رہے تھے۔ اسے ان کے سامنے رہی بیڑیوں کھوپڑیوں اور کمرے کے عجیب و غریب ماحول سے وحشت ہو رہی تھی۔ وہ ڈبڈبا رہا تھا باری آ جانے کے بعد وہ فوراً وہاں سے نکل لی۔ لوگوں کا ایک ہجوم دروازے کے باہر اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا وہ نقاب لگا کر سیدھی گھر کی جانب بڑھی۔ اسے شہاب کے آنے سے پہلے پہنچنا تھا۔



”میں پیسے دے آئی ہوں میرا کام ہو جائے گا“ وہ فون پر رمشاء سے پوچھ رہی تھی۔

”تم فکر کیوں کرتی ہو میری جان! وہ بہت اچھے عامل ہیں تمہارا کام ضرور ہو جائے گا۔ اس تمہارے جو میں کہوں یا نہ مل بابا کہیں۔“ اس کو جواب دیتے بھائی اسے فون رکھنا پڑا تھا کیونکہ شہاب ہاتھ لے کر نکل آئے تھے۔ شہاب نے ایک نظر سامنے بیڈ پر بیٹھی ہانیہ پر ڈالی اور پھر الماری سے شرٹ نکال کر پہنتے ہوئے لا کر کھول کر پیسے نکالنے سمیٹنے کے بعد ایک نظر ہانیہ کو دیکھا اور پھر استفسار کیا۔

”ہانیہ! تم نے پیسے لیے تھے؟“

”جی۔“

”کیوں؟ کیا ضرورت تھی ابھی تو پچھلے ہفتے ہی تم نے تین ہزار لیے تھے اور اب پھر پانچ ہزار؟“ اس نے

ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا اور پھر اپنی غم گسار دوست کو فون کرنے لگی جو اس کی اور شہاب کی مکملی کے بعد سے ہر بات سے باخبر تھی۔ اسی نے شادی کے بعد اسے نئے گھر میں رہنے کے طریقے بتائے تھے اسی نے اطلاع دی تھی کہ شہاب کی امی بڑی چال باز خاتون ہیں۔ وہ اپنے بیٹے کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے نہ جانے کون کون سے عمل کر داتی ہیں اور تو اور وہ تو یہ بھی چاہتی تھیں کہ وہ اسے چھوڑ کر کسی اور لڑکی سے شادی کرے۔ اس کے لیے بھی وہ ایک خاص قسم کا عمل کر داتی ہیں یہ سب جاننے کے بعد ہانیہ کا دل شہاب کی امی کی طرف سے متنفر ہو گیا تھا مگر رمشاء کے کہنے پر بھی وہ کسی قسم کے ناگوار اثرات چہرے پر لانے ان کے سامنے رہتی اور خوش اخلاقی سے پیش آتی اور ان کا دل تو شہاب بھی اس سے دور رہتا ہے۔

رمشاء کے مطابق عمل کا اثر ہو رہا تھا وہ شہاب جو شادی کے بعد اس سے آگے پیچھے پھرا کرتا تھا وہ اب اس سے اور بڑھتا جا رہا تھا۔ ہانیہ کے لیے یہ بات ناقابل برداشت تھی وہ شہاب کو بے پروا چاہتی تھی اور اسے خود سے دور ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس لیے رمشاء کے کہنے پر اس کے ساتھ وہ بھی ایک عامل کے پاس گئی جس نے یقین دلایا کہ اس کا شوہر تین مہینے کے اندر اندر اس کی منگیلی میں ہوگا اور اس کی ماں کے عمل کا رتی بھر بھی اثر نہیں ہوگا پھر اسے اس عمل کے لیے پیسے بھر دے ہوں گے رمشاء کے سمجھانے پر وہ خوش خوشی اس عمل کے لیے راضی ہو گئی۔ رمشاء نے فون اٹھایا تو اس نے فوراً سب کچھ اس کے گوش گزار دیا۔

”مجھے پتا تھا یہ سچی تو ضرور ایسا ہی کچھ سوچ رہی ہوں گے تمہیں یہ اشارہ ملا ہے کہ وہ ابھی بھی اپنے گندے کام اسی ملک کے ساتھ کر رہی ہیں! بس تم آج جا کر عامل بابا کو پیسہ دے دو تاکہ وہ تمہارا کام جلد از جلد کر دیں۔“

”ٹھیک ہے میں ابھی نکلتی ہوں ابھی تو شہاب بھی آفس گئے ہیں اس سے پہلے کسا جائیں میں دے آتی ہوں۔“ ہانیہ فوراً اس کے حکم کی تعمیل کرتے الماری کی سمت



رنگارنگ کہانیوں کے آراستہ دلچسپ جریہ

AANCHALPK.COM

تازہ شمارہ شائع ہو گیا ہے



قندازات

دنیا کو بغیر کرنے والی نساء کی کہانی انگلیوں پر بچانے والے ذات کے قندازات کا اجماع جلدی کی قندازات تحریر

دیدبان

عالمی سازشوں کے پیسے خطر میں وطن پرستوں کے لیے اظہار خاص ارشد علی رشید کا ایک دلچسپ ناول

بلکریہ

تاریخ کے صفحات میں منظر سبز میں پنجاب کی لہری دنگل دار داستان جگلا سنگ داستانوں میں شملہ جوتی ہے

AANCHALNOVEL.COM

قارئین کی دلچسپی کے لیے خوبصورت سلسلے

خوشبو سخن: منتخب غزلیں، نظریں۔ ذوق آگہی اقباسات، اقوال زریں احادیث وغیرہ معروف دینی اسکالر حافظ شبیر احمد سے اپنے دہائی مسائل کا حل جانے

پچھلے مئی کی صورت میں رجسٹرڈ (021-35620771/2)

نری سے پوچھا۔

”اب کیا میں اپنے خرچے کے لیے بھی پیسے نہیں لے سکتی؟ آپ تو بس میرے پیسے لینے کو گنتے رہا کریں۔“ ایک تو پہلے ہی رمشاء سے پوری بات نہیں ہوئی تھی اوپر سے شہاب کی تفتیش۔۔۔ وہ تو پھٹ ہی پڑی تھی۔

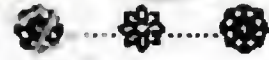
”اس میں اتنا چیخنے والی کیا بات ہے ہانیہ! تمہارے ہر خرچے کو تو میں پورا کرتا ہوں اور یہ اوپر کے خرچے کہاں سے آئے۔ اتنے سارے پیسے کہاں خرچ کرتی ہو مجھے تو کہیں نظر نہیں آتے کوئی چیز تمہارے پاس نئی نظر نہیں آ رہی وہی سب ہے جو میں نے دلویا تھا۔“ وہ اب بھی آرام سے بات کر رہا تھا۔

”ارے میری دوست کے بیٹے کی سالگرہ تھی اسے گفٹ دینا تھا۔“ وہ منہ پھیر کر جھوٹ بولنے لگی۔

”ہانیہ! ہم ہر مہینے میں پانچ دس ہزار کے کفلس دینا انورڈ نہیں کر سکتے ہیں۔ دیکھ بھال کر خرچ کیا کرو اب مجھ سے کوئی ہزار روپے دینے ہیں کہاں سے دوں؟“ وہ

اس سے پوچھ رہا تھا۔

”یہ کیجیے۔۔۔۔۔“ وہ انھی اور الماری سے اپنا زیور نکال کر اس کی طرف پھینک دیا۔ ”بیدے دیجیے اپنی اماں کو۔“ وہ افسوس سے اسے دیکھ کر رہ گیا اور باقی کے پیسے نکال کر ماں کے کمرے میں لے گیا جبکہ ہانیہ نے زیور اٹھا کر واپس دراز میں رکھا اور بیڈ پر منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔



”اپنی امی کو جو دس ہزار دینے دے وہ الگ اور جو باقی کے پیسے تھے وہ بھی ان کی الماری میں رکھوا دیئے اور مجھے کہتے ہیں جس چیز کی ضرورت ہو مجھے کہو۔ وہ تو اور بھی دور ہوتے جا رہے ہیں۔“ وہ رمشاء سے بات کرتے ہوئے رو دی تھی۔ رمشاء کو جیسے اس پر ترس آ گیا تھا وہ بھی روتی۔ بوری آواز میں بولی۔

”رو مت ہانیہ! لگتا ہے وہ دس ہزار روپے انہوں نے اپنے بیٹے سے اسی عامل کو دینے کی غرض سے لیے ہیں



جیسی تو نتیجہ اچھا آ رہا ہے۔ یہ تین پانچ ہزار دینے سے کچھ نہیں ہوتا اب کے بڑی رقم کا بندوبست کر کیونکہ اب جو وہ کرنے والی ہیں اس کے لیے بڑی رقم چاہیے ہوگی۔“

”کیا کرنے والی ہیں وہ؟“ اس نے پریشان ہوتے ہوئے پوچھا۔

”وہ میں سنبھال لوں گی تو بس چھپے کا بندوبست کر۔“  
 ”رمشاء کوئی بڑی بات ہے؟“ اس نے ڈرتے  
 ڈرتے پوچھا۔

”ہاں یارادہ دراصل عامل بابا نے عمل کر کے چا کیا ہے کہ وہ اس کی شادی کی تیاری کر رہی ہیں اور لڑکی بھی ڈھونڈ رہی ہیں۔“ رمشاہ نے بتایا تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

”کیا کہہ رہی ہوں تم رہشاہ! کچھ کرو میں تو مری جاؤں  
 گی ان کے بغیر۔“ آنسو فوراً آنکھوں کی باڑ توڑتے باہر  
 نکل آئے تھے اس نے وہائی دی۔  
 ”تم فکر مت کرو میں کچھ سوچتی ہوں۔“

”ہانیہ! میرے پاس ایک آئیڈیا ہے اگر تم اپنے کسی جاننے والی سے اس کی شادی کروا دو تو تمہیں دوسری عورت سے نجات مل جائے گی۔ تم اس لڑکی کو یہ بات بتا دینا اور جب اس کی حرکتوں سے تمہاری ساس کا دماغ درست ہو جائے اور عامل بابا کا عمل پورا ہو جائے تو تم اسے طلاق دلا دینا۔ تمہارا گھر بھی بن رہا ہے گا۔“ رشاء نے آئیڈیا دیا تو وہ خوش ہو گئی۔

”یہ ٹھیک ہے پر مشاء شادی کرے گا کون؟“ اس نے مایوسی سے پوچھا۔

”سوچو کوئی تو ہوگا جو تمہارے لیے کچھ بھی کر سکتا ہو۔“ اس نے رمشاء کے کہنے پر سوچ کے گھوڑے دوڑانا شروع کر دیے۔

”میری چھوٹی بہن!“ اس نے ذہن میں آتے ہی نام لیا تو رمشاء نے فوراً رجحان کو روکا۔

”پہلی کیا تک رسی ہو وہ تمہاری بہن سے کیوں شادی کروائیں گی۔ تم سے کروا تو لی کوئی اور سوچو۔“

258 آنیل \* مارچ \* ۲۰۱۵ء

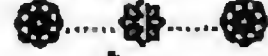
www.elsevier.com/locate/jmb

WWW.SOCIETY1.COM



ای چائے ختم کر کے انھیں ایک جملہ بول کر اس کے اراٹوں پر پانی پھرتے ہوئے چلی گئیں۔  
”جس کے گھر بھی جائے راج کرے خدا رمشا کو اچھا گھر نصیب کرے۔“ وہ پھر پختی ہوئی کمرے میں آگئی۔

شام گئے جب شہاب آتا تو اس کے سامنے بھی رمشا کی تعریفیں کرنے لگی اور وہ بس مسکراتا رہا اس کی طرف سے بھی کوئی تسلی بخش جواب نہ پا کر وہ منہ بنا کر رہ گئی۔



کل اسے شہاب نے پانچ ہزار روپے دیئے تھے کچھ شاپنگ کرنے کے لیے اور وہ پیسے شاپنگ کے بجائے عامل بابا کو دینے چل دی۔ شہاب جو آفس کے کام سے باس کے ساتھ سائیڈ ایریے کی طرف آیا ہوا تھا اس نے ہانیہ کو ایک سنسان علاقے کی طرف جاتے دیکھا تو وہ باس سے اجازت لے کر اس کے پیچھے ہولیا۔ وہ گلی سے گزر کر کٹڑ پر بنے ایک گھر میں مسمیٰ تو چند منٹ بعد وہ بھی اندر چلا آیا۔ دروازہ کھلا تھا اور کافی لوگ جمع تھے مگر وہ کہیں نہیں سمجھی تھی اس کی نظر کمرے کے دروازے کے ساتھ کھلی کٹڑ کی پر پڑی تو وہ اس طرف چلا آیا اور ذرا سا پردہ اٹھا کر دیکھنے لگا تو سامنے اسے وہ جیسی نظر آگئی وہ بھی کٹڑ کی کے پاس بیٹھ گیا۔

ڈری سبھی سی ہانیہ اسے پیسے دے رہی تھی اور وہ اس سے مزید پیسے نہ لانے پر استفسار کر رہا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہ آیا۔ ہانیہ نہ جانے کیا کہہ کر نکل آئی تھی تو ابھی وہ کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک اور ہستی آندھی طوفان کی طرح کمرے میں مسمیٰ اس نے پردہ اٹھا کر دوبارہ دیکھا تو اس کی تمام حسیں بیدار ہو گئیں جو گفتگو اس نے ان دونوں کے درمیان سنی تھی وہ شاکد رہ گیا۔

”وہ کنگال صرف پانچ ہزار روپے کر گئی ہے اس لیے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔“ عامل نے اپنی بے حد کراحت اور کمرہ آواز میں کہا تو وہ دونوں آنکھیں پھاڑے اسے دیکھنے لگی پھر دو بدو بولی۔

یہاں  
نہ پھول نہ خوشبو نہ رنگ نہ جگنو نہ تنیاں ہیں  
ہماری آنکھوں میں ٹوٹا خوابوں کی کرچیاں ہیں  
وہ پیارے لمحے تو خواب ٹھہرے خیال ٹھہرے  
جو درمیاں ہیں ہمارے وہ باقی تلخیاں ہیں  
وہ جان کر بھی فریب کھاتی ہیں چاہتوں کے  
عجیب سادہ طبیعتوں کی یہ لڑکیاں ہیں  
جو چاند چہرے تھے چمنوں میں چھپے ہیں سارے  
تمام بستیوں کی سونی سونی سی گھڑکیاں ہیں  
شرارتی ہیں جو میری سکھیاں سہیلیاں ہیں  
یہ روز و شب ہیں حیات کے یا پہیلیاں ہیں  
پروین افضل شاہین..... بہادر نگر

”ایسے کیسے نہیں پایا گا؟“ اسے وہاں دیکھ کر شہاب کی حیرانی عروج پر گئی وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ ایسی ہوگی۔

”شکار تو میں ہی تمہارے پاس لائی تھی نا۔“ اب کہ وہ دوبارہ گویا ہوئی تو وہ اس کی ست متوجہ ہوا۔

”تمہارا کام بھی ہو رہا ہے نا تم بھی تو شہاب کو پانے کے لیے اس بے قصور اور موصوم لڑکی کو استعمال کر رہی تھی اور وہ پاگل تو تمہارے کہنے پر اسے تمہارے حوالے کرنے کی تیار پاں بھی کر رہی ہے۔“ عامل گویا ہوا تو وہ چونک گیا وہ کچھ سمجھ نہیں پایا تھا۔

”وہ بے وقوف ابھی تک کچھ نہیں کر پائی ہے۔ اس نے ابھی تک میرے بارے میں کوئی بات نہیں کی نہ ہی کوئی ایسا کام جو شہاب کی اس کو اس سے متغیر کر دے بلکہ ہمارا سارا کیا دھرا ابھی ویسا ہی ہے وہ یہی سمجھتی ہے کہ شہاب کی امی اس پر جادو کرے گا اسے قابو کر دیں اور وہ بے وقوف اس سے دور نہ جانے کے لیے آپ کے چکر میں آگئی۔ میں نے بھی ذہ نہ جانے کیا کیا کر کے اس شہاب کو اس سے متنفر کرنے کی کوشش کی مگر جال ہے جو اس کے سر پر جوں تک رہتی ہو۔ وہ جاہل ابھی تک اسی



میں سمیٹ لے پر شاید وہ اس طرح اس کا یقین نہ کرتی اگر کرتی بھی تو من میں خلش رہ جاتی۔ اس لیے رمشاء کا اصل چہرہ اس کے سامنے لا ضروری تھا۔ اس نے اپنے دوست کو جو ایس بی تھا کو اس جھوٹے عامل کے بارے میں تفصیلات دیں اور اس کی لٹھناؤنی حرکات سے آگاہ کیا تو اس نے فوراً تحقیقات کے لیے اپنے چند افسر اس کام پر لگا دیئے اب بس کسی طرح رمشاء کا اصل چہرہ ہانیہ کے سامنے لانا تھا۔



”میں نے ان کے سامنے تمہاری بہت تعریفیں کی تھیں شاید اسی لیے انہوں نے آج تمہیں بلایا ہے لیکن وعدہ کرو رمشاء کہ مجھے میرا شہاب لوٹا دو گی۔“ آخری بات کہتے ہوئے دل جتاؤر گیا تو اس کی عکاسی آنکھوں سے نکلنے والے موتیوں کی لڑی کر رہی تھی۔ شہاب کا دل ڈوب گیا ابھی رمشاء نے مکاری۔ سے کہا۔

”نہیں میری جان! تم فکیر مت کرو وہ تمہارا تھا اور تمہارا ہی رہے گا میں تو بس تمہاری مشکل آسان کرنا چاہتی ہوں۔ بس تم یہ سب سوچنا چھوڑ کر پیسوں کا بندوبست کرو وہ ہمیشہ تمہارا رہے گا۔“ رمشاء کہہ کر رکی تو شہاب اندر داخل ہو گیا ہانیہ نے فوراً گال پر لڑھک آنے والے آنسو صاف کیے۔

”ارے بھئی ہانی! تم۔۔۔ پائے وغیرہ کچھ نہیں پلائی اپنی دوست کو جاؤ لے کر آؤ۔“ ہانیہ اٹھ گئی مگر اس کا دل بالکل نہیں چاہا تھا کہ وہ شہاب کو رمشاء کے پاس چھوڑ کر جائے۔ اس کا دل ڈر رہا تھا کہ کہیں وہ ایسی پردہ پرایا ہو کر نہ ملے کہیں جب وہ آئے تو شہاب اسے پہچاننے سے انکار نہ کر دے۔ کئی گریس من میں الجھ رہی تھیں۔ ہزار دوسو سے دماغ و دل پر ہتھوڑ سارے تھے دل میں عجیب شور مچا تھا۔ عجیب قسم کا ڈر لگ رہا تھا جسے ہمیشہ اپنا بنا کر رکھنے یا جس کی ہو کر رہنے۔ لے لیے وہ اتنی شدید مشکلات کا سامنا کر رہی تھی۔ ڈر لگا تھا کہ کہیں وہ اسے کھونہ دے دو آنسو مزید تیزی سے پھسے، جنہیں وہ بے دردی سے

گنوار کے ساتھ رہ رہا ہے۔ کہا بھی تھا کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے مگر نہیں اسے تو جیسے اس سے کوئی غرض ہی نہیں ہے۔“ رمشاء بڑی مکاری سے سب کہہ رہی تھی۔

”تو یہ تھا ہانیہ کی بیسٹ فرینڈ اور میری کزن کا اصل چہرہ۔“ وہ اب سمجھا تھا اس نے ہانیہ کو اکثر اس سے باتیں کرتے سنا تھا مگر کبھی کوئی شک نہیں کیا لیکن جب وہ ایک دفعہ رات میں کسی سے بات کر کے لوٹی تو اسے شک ہوا کیونکہ اس کے پوچھنے پر وہ گھبرا گئی تھی اور پھر رمشاء جو کہ اس کی دوری کزن بھی تھی نے ہانیہ کو لے کر کافی کچھا سے بتایا تو بھی وہ یقین نہیں کر سکا تھا پھر ہانیہ نے پیسے لینے شروع کیے تو اس کا یقین بڑھ ہو گیا کہ اس کے پیچھے ضرور کوئی معاملہ ہے اور آج اتفاق سے وہ سچ جاننے میں کامیاب ہو ہی گیا کہ کیسے سادہ لوح ہانیہ کو رمشاء نے اپنا مطلب نکلوانے کے لیے مہرہ بنایا تھا۔ وہ شہاب کو پانا چاہتی تھی اور اس نے ہانیہ کو استعمال کیا۔

رمشاء پھر جو ہمتی گئی وہ خود بخود وہی سب سوچنے لگی جب انسان کو کوئی چیز بے حد پسند ہو تو وہ اسے لے کر بہت زیادہ محتاط ہو جاتا ہے۔ محتاط رہنا ہانیہ کی غلطی نہیں تھی بلکہ اپنی دشمن جیسی دوست کو اپنی ہر بات سے باخبر رکھ کر اس کے کہنے پر اندھا دھند اعتبار کرنا اس کی غلطی تھی۔ شہاب جانتا تھا یہ سب رمشاء کا کیا دھرا ہے بھی تو ہانیہ اس کی اتنی تعریفیں کر رہی تھی۔

”پچھلی دفعہ چار ہزار تمہیں دیئے تھے اب کے ایک پائی بھی نہیں ملے گی اور جا کر اس سے کہو کہ مزید انتظام کرے۔“

شہاب ان دونوں کو وہیں بحث میں الجھا چھوڑ کر گھر آ گیا کیونکہ اسے آفس جانے کا موڈ نہیں تھا۔

وہ کافی اداس لگ رہی تھی اسے دیکھ کر کوئی بھی اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ کسی محاذ پر لڑ رہی ہے مگر وہ جان نہیں پایا تھا۔ وہ اکیلی جان اس کے لیے اس کے ساتھ رہنے کے لیے اتنی تنگ و دو کر رہی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اس کی ساری محنتوں میں دور کر دے ساری غلطی بھی منا کر خود



رگڑتے ہوئے اٹھی اور باہر نکل گئی۔

”اور سناؤ رمشاء! کیا چل رہا ہے بڑی امی

ٹھیک ہیں؟“

”ہاں کچھ خاص نہیں بس تنہا دن گزر رہے ہیں۔“

بڑی مکاری سے معصومیت چہرے پر سجا کر بولی۔

”تو ڈھونڈ لو کسی کو تمہیں تو کوئی بھی مل جائے گا۔“

اس نے شاید طنز کیا تھا۔

”جو چاہیے وہ نہیں مل رہا،“ کوششیں جاری ہیں۔

امید ہے نتیجہ جلد ہی اور بہتر سامنے آئے گا۔“ وہ ایک ادا

سے مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

”تمہاری کوششیں رائیگاں چلی گئیں تو؟“ اس نے

خدا شہ ظاہر کیا۔

”سب کچھ تمہیں نہیں کر دوں گی میں۔“ اس کے لہجے

میں ایک جنون تھا، بھی شہاب کو پردے کے پار ستانی

ہانیہ دکھائی دی تو وہ رمشاء والے صوفے پر جا بیٹھا اور ہانیہ

کی سمت دیکھتے ہوئے کہا جو اس کی آواز سن کر پیچھے ہی

رک گئی تھی۔

”تمہاری تمام کوشش میرے لیے ہیں ناں رمشاء؟“

اس نے اچانک کیسا سوال کیا تھا کہ رمشاء اور ہانیہ دونوں

کے حواس اڑ گئے تھے۔

”میں ان کی ہمیشہ قدر کرتا ہوں جو میری بے پناہ سپاہ

کرتے ہیں۔ رمشاء کیا تم مجھے بتاؤ گی کہ تم نے میرے

لیے کیا کچھ نہیں کیا تا کہ تمہاری قدر میری نظروں میں

مزید بڑھ جائے اور کھینچ مت کرنا۔“

”یہ پوچھو کیا کچھ نہیں کیا تمہارے لیے بچپن سے

تمہیں پسند کرتی ہوں پر جب پتا چلا کہ تمہاری شادی

میری بیٹ فریڈ ہانیہ سے ہو رہی ہے تو جیسے وہ لوح

میرے لیے قیامت تھا۔ بہت کوشش کی کہ شادی نہ

ہونے دوں تمہیں بھی کہنے کی کوشش کی مگر موقع نہیں ملا

امی کو کہا تو انہوں نے بڑی طرح سے ڈانٹ دیا پھر سوچا

کسی نئے طریقے سے اپنا کام کروں اور پھر ہانیہ کو خود پر

مزید بھروسہ دوا یا۔ اسے تم سے اور چچی سے متفر کرنے کی

ویلن ٹائٹلز ڈے کیا ہے؟

جب بیٹی چوکھٹ پار رہے

اور عزت کا بھیو پار رہے

جب باپ کی عزت کو جو جائے

جب بھائی کو طعنے لٹے ہوں

جب ماؤں کے دل ملتے ہوں

جب بہنوں کی نظریں جھک جائیں

جب سائیس لیوں پر رک جائیں

جب شرم و حیا کا آمیزہ

جب اک کنواری دو نیزہ

جب بے شرمی کو اپنا لے

جب خود کو ذلت میں ڈالے

اور غیر کے سینے لگ جائے

پھر اپنا آپ گنوائے

تو افسوس.....

صد افسوس.....

ایسی حالت کو لوگو!

تم ویلن ٹائٹلز ڈے۔ جتے ہو؟

جاز بہ دریافت عباسی..... دیول مری

کوشش کی۔ اسے علم نہیں تھا کہ سسرال کیسا ہوتا ہے اس

کے گھر کی پہلی شادی تھی اور اس سے پہلے کسی کو سسرال کا

تجربہ نہیں تھا سو اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور میں نے اسے

کئی تعویذ گنڈے اور عمل والی کہانیاں سنائیں جن کا انجام

دردناک ہوتا ہے اور چچی کے بارے میں کہا کہ وہ تمہیں

اس سے دور کروانے کے لیے عمل کرواتی ہیں اور اس کا

دماغ جو ہمیشہ مثبت سوچ تھا منفی سوچنے لگا۔ میں جو

چاہتی تھی ہانیہ وہی سوچنے کی اور پھر میں نے اسے ایک

جھوٹے عامل سے ملوایا اور عامل کے ذریعہ سے کہلوایا کہ

وہ تمہاری دوسری شادی کرنا چاہتی ہیں اور پھر میں نے

ہانیہ کو یہ سوچنے پر مجبور کیا۔ وہ تمہاری شادی مجھ سے کروا

دے کیونکہ میں اس کی دوست ہوں اور جب اس کا کام



ہو جاتی۔ "رمشاء شہاب کا لہجہ اس کے الفاظ سن کر دنگ رہ گئی تھی۔ اسے لگا تھا کہ اپنے لیے اس کی محنت اور کوششیں سن کر وہ اس کا ہو جائے گا مگر یہ تو سب الٹ ہو گیا تھا۔ وہ خالی ہاتھ رہ گئی۔

"نکل جاؤ اس سے پیسے کہ اس نفی عامل کی طرح تمہیں بھی جیل کی سلاخوں کے پیچھے کروادوں۔" وہ فوراً وہاں سے نکل گئی تھی وہ جا۔ نے کیا خیالات لیے کروہاں سے نکلی تھی مگر اتنا تو طے تھا کہ ب ہانیہ کا بھروسہ مکمل طور پر کھو چکی تھی۔ کمرے سے نکلے ہوئے صدمے سے بے حال گھٹنوں کے بل گرتی ہوئی ہانیہ کو دیکھا جس کی آنکھوں میں اس کے لیے زانے بھر کی نفرت تھی۔ وہ نظر انداز کر کے نکل گئی اس کے پیچھے ہی شہاب بھی آ گیا اس نے دھیرے سے ہانیہ کو اٹھا کر اپنے ساتھ لگا لیا۔ ہانیہ کی آنکھوں میں ندامت، پشیمانی اور دکھ کے آنسو تھے۔ وہ روتے ہوئے اپنی نادانیوں، غلطیوں کی معافی مانگنے لگی۔ اپنی بے وقوفانہ حرکتوں کو کوئی نہ لگی مگر اس نے بغیر کچھ کہے اسے مزید خود میں سمولیا۔ وہ معافی کے علاوہ بہت زیادہ معافی میں کچھ بول نہیں پائی تھی۔ تمام کے تمام دکھ آنسوؤں میں بہہ رہے تھے۔

آخر وہ اپنی کس کس غلطی کو کتنی ساری غلطی تو اس کی ہی تھی جو دشمن جیسے دوست کی باتوں میں آ گئی مگر شہاب نے اس کی کوششیں ناکام بنائی تھیں۔ ندامت کے آنسو ختم ہوئے فوراً ہی تمام گریہیں کھلتی چلی گئیں اور اس نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس کی بے وقوفی کا کوئی غلط انجام سامنے نہیں آیا ورنہ تو زمانے بھر کی رسوائی اس کا مقدر بنتی وہ تو اپنی زندگی شہاب کے بغیر سوچ کر ہی ڈر گئی تھی۔



ہو جائے گا تو میں تم سے دور چلی جاؤں گی اور راستہ کلیئر ہو جائے گا۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ وہ تو راضی بھی ہو گئی مگر میں تم سے الگ نہیں ہوں گی۔ الگ تو ہانیہ کو ہونا ہے میں تو ساری کی ساری کوششیں ہی تمہیں پانے کے لیے کر رہی ہوں اور میری کوششیں رائیگاں نہیں جائیں گی۔" وہ لفظ بہ لفظ بتا رہی تھی کہ کیا تھا شہاب کی آنکھوں میں کہ وہ پوری طرح کھل گئی۔ شاید یقین تھا کہ وہ اس کا ہاتھ تھام لے گا بھی شہاب بولا۔

"اور اسی لیے تم نے مجھ سے یہ جھوٹ بھی بولا تھا کہ ہانیہ کا کسی اور کے ساتھ فہم نہ بھی ہے وہ پیسے وہاں خرچ کرتی ہے۔" اس کے پوچھنے پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور ہانیہ واقعی صدموں کی زد میں آ گئی۔ اتنا بڑا دھوکہ اتنا بڑا فریب اتنی گریہوں اور اتنے پردوں میں لپٹا ہوا تیرہ وہ اپنی ہی دوست کے ہاتھوں بے وقوف بن گئی تھی۔ اس نے اپنی ماں جیسی ساس پر شک کیا تھا۔ اچھا ہی تھا کہ آج وہ گھر پر موجود نہ تھیں ورنہ تو ان پر کیا گزرتی۔

وہ سوچ کر پاگل ہو رہی تھی کہ شہاب کیا سوچے گا کیا وہ واقعی اپنی ہانیہ سے متنفر ہو جائے گا۔ کیا واقعی اب مجھے اکیلے اس کے بغیر رہنا ہوگا۔ سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں جیسے ختم ہو گئی تھیں بھی شہاب کی آواز سنائی دی۔ "تم نے مجھے پانے کے لیے بہت محنت کی اور غلط کی۔ تمہیں کوئی حق نہیں تھا کہ تم مجھے حاصل کرنے کی کوشش کرتی تم نے غلط طریقے سے کام کرنا چاہا۔ ہانیہ کی اچھائی کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اس کی تمام تر کوششیں جائز تھیں کیونکہ مجھے پانے کے لیے تم نے جو اسے کہا وہ کر گئی تھی کیونکہ اسے تم پر بھروسہ تھا اتنا سب ہونے کے باوجود بھی اس نے ماں سے کبھی غلط رویے میں بات نہیں کی کیونکہ وہ ماں کی عزت کرتی ہے اور تمہیں شرم نہیں آتی کہ اس عامل کے ساتھ مل کر تم اپنے مالی حالات کو بھی بہتر کرتی رہی۔ حد ہوتی ہے مکاری کی رمشاء! تم دوست ہو کر اپنی بیسٹ فرینڈ کو اجاڑنے چلی گئی وہ تو اچھا ہوا کہ مجھے سب پتا چل گیا ورنہ تو تم اپنے ارادوں میں کامیاب





وہ اک سایہ جو تحفے میں دیا تھا اس کو خوبیوں نے  
وہی اب اس کا آنچل ہے وہی اب اس کا گہنا ہے  
لکھ تھا ریت پراک دوسرے کا نام کیوں ہم نے  
نتیجے میں جو صدمہ ہے وہ ہم دونوں کو سہنا ہے

فاطمہ مسکن سے بے حال گھر لوٹی تو نوری آئی ہوئی تھی نوری اس کی بچپن کی سہیلی تھی دونوں میں بہت  
بات پر فاطمہ صرف مسکرا دی لیکن اس کی مسکراہٹ بھیگی سی تھی۔

”سچ کہتی ہوں فاطمہ تم بہت خوش نصیب ہو آج میں تمہاری خال کے گھر بھی گئی تھی اتنے خوش تھے وہ لوگ کہ جیسے کسی شہزادی کو پوچھا ہے۔“ نوری کے لہجے میں دوست کے لیے رشک تھا۔ فاطمہ سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”نوری میں کپڑے بدل آؤں تم جانا مت آج میں نے امی سے پالک گوشت پکانے کو کہا تھا تمہیں بھی پسند ہے تا میں آتی ہوں تو پھر مل کر کھا کر کھاتے ہیں۔“ جلدی جلدی اپنی بات کہہ کے وہ نوری کا جواب سنے بغیر ہی نکل آئی۔

ثاقب عظیم سے جب اس کی منگنی ہوئی تھی اسے اس کا ذکر پونہی کوفت میں جتا کر دیتا تھا وجہ.....؟ اس کا دل تو مراد علی کا اسیر تھا چند ماہ پہلے اس کے نمبر پر مراد کی کال آئی تھی۔ وہ بہت شائستہ انسان تھا تب ہی تو فاطمہ

”کیسی ہو نوری؟“ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔  
”میں تو ٹھیک ہوں تم ساؤ؟“  
”بس کیا بتاؤں بہت تھک جاتی ہوں بچے ناک میں دم کر دیتے ہیں۔“ وہ نوری کے قریب بیٹھتے ہوئے مسکن زدہ لہجے میں بولی۔ بے اسے بی ایڈ کرنے کے بعد وہ گاؤں کے واحد اسکول میں استانی لگ گئی تھی۔ فاطمہ ذہین بھی بہت تھی اس کا شمار گاؤں کی چند پڑھی لکھی تیز دار لڑکیوں میں ہوتا تھا۔

”تو چھوڑ دو نوکری کیوں دماغ کھپاتی ہو اور ویسے بھی شادی کے بعد ثاقب تمہیں شہر لے جائے گا اس کی نوکری شہر میں ہے۔“ نوری کا لہجہ آخر میں شرارتی سا ہو گیا تھا۔

ثاقب اس کا خالہ زاد تھا اور اب منگیتر بھی۔ اس کی



جیسی سلجھی ہوئی لڑکی اس سے محبت کا ارتکاب کر بیٹھی تھی۔  
کپڑے بدل کر اور منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مار  
کر جب وہ واپس آئی تو نوری اس کی منتظر تھی۔ اس نے  
اور نوری نے مل کر کھانا کھایا، ڈھیروں باتیں کیں فاطمہ  
بظاہر مسکرا رہی تھی لیکن اس کی مسکراہٹ میں وہ بے ساختگی  
اور شوخی نہیں تھی جو ہونی چاہیے تھی۔



اگلا دن اتوار کا تھا، فاطمہ گھر میں اکیلی تھی اماں محلے  
میں خالہ نذیراں کے گھرانے کے اکلوتے بیٹے کی شادی کی  
مبارک باد دینے گئی تھیں۔ شادی تو خیر نہیں تھی کیونکہ لڑکی  
اپنے گھر سے بھاگ کر آئی تھی۔ محلے والے خوب لعن  
طعن کر رہے تھے لیکن بیٹے کو بچھ بچھ بظاہر تو سب ہی مبارک  
باد دینے لگے تھے سوا ماں بھی جلی گئیں۔

کافی میلے کپڑے جمع ہو گئے تھے اماں کے گھر سے  
ٹھکتے ہی فاطمہ نے مشین لگائی۔ کپڑے، دھوئے ہوئے  
وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔ کپڑے دھونے کے بعد  
فاطمہ مشین دھو رہی تھی جب دروازے پر کھٹکا ہوا فاطمہ  
نے چونک کر دیکھا تو حسب توقع نوری ہی تھی۔

داخلی دروازے کے آگے تھوڑی سی نشیمنی جگہ تھی جب  
بھی بارش ہوتی یا مشین لگائی جاتی تو وہاں پانی جمع ہو کر  
کیچڑ سا بنا دیتا تھا۔ اپنے دھیان میں اندر داخل ہوتی  
نوری کا پہلا قدم ہی کیچڑ میں پڑا تھا وہ پھسکی اور پھر وھڑام  
سے نیچے۔ برآمدے میں کھڑی فاطمہ کا بے ساختہ تہہ  
نکل گیا۔ اس کے تہہ پر نوری نے اسے گھور کر دیکھا۔

”اچھا طریقہ۔ ہے مہمانوں کے استقبال کا۔“

”مہمان.....؟ تم بھی اپنا شمار مہمانوں میں کرتی  
ہو؟“ اس نے مصنوعی حیرت سے آنکھیں پھٹائیں  
پھر قریب آ کر اسے سہارا دے کر کھڑے ہونے میں  
مدد دی۔

”صرف مہمان نہیں میں اپنا شمار بن بلائے مہمان  
میں کرتی ہوں۔“ نوری نے کھڑے ہوتے ہوئے صحیح کی  
تو پھر دو دونوں ہنس پڑیں۔ نوری کے کپڑوں پر کافی کیچڑ

لگ گئی تھی فاطمہ کو دیکھ کر اُھن ہوئی۔  
”نوری تم میرے کپڑے پہن لو اور اپنے کپڑے  
مجھے دے دو میں دھو دیتی ہوں۔“ نوری نے انکار کیا لیکن  
پھر فاطمہ کے اصرار پر اسے ماننے ہی پڑی۔

”ویسے نا قب بھی بہت خوش نصیب ہے تم خوب  
صورت اور پرچی لکھی ہونے کے ساتھ سکھڑ بھی ہو۔“  
نوری نے کپڑوں کی دھواں ہوئی تاریں دیکھتے ہوئے  
توصیفی انداز میں کہا تو اس کا موڈ آف ہو گیا۔

”ہر بات میں اس کا ذکر ضروری ہے کیا؟“  
”بالکل ضروری ہے کیونکہ وہ صرف کزن ہی نہیں  
منگیترا اور پھر ہونے والا شوہر بھی ہے۔“ فاطمہ نے سر  
جھٹکا نوری سے ہر بات شہر کرنے کے باوجود وہ مراد والی  
بات چھپا گئی تھی۔

”اچھا چھوڑو تم عظمیٰ کی سناؤ۔“ فاطمہ نے اچانک  
ہی موضوع بدلنا۔

”کون عظمیٰ.....؟“ نوری خاک نہ بکھی۔

”ارے بھی خالہ نذیراں کی نئی نویلی بہو جو ہفتہ بھر  
پہلے ہی ہمارے محلے میں آئی ہے۔“

”او اچھا.....“ نوری نے سر ہلایا۔ ”ہاں پرسوں میں  
بھی گئی تھی خوشی سے چہرہ رہی تھی وہ مجھے تو ایک آنکھ نہ  
بھائی۔“ نوری نے منہ بنا کر بتایا تو فاطمہ چونکی۔

”کیوں..... تمہیں اس کی خوشی سے کیا  
تکلیف ہے؟“

”مجھے تکلیف نہیں ہے لیکن اس کے پیچھے تو کسی کو  
ہوگی نا اپنے عشق کی نہ طراپنے گھر والوں کی عزت کو  
خاک میں ملا آئی ہے۔“ وہ دونوں محکم میں بیٹھی تھیں  
چارپائی بچھا کر اس طرح کہ فاطمہ کے لگائے ہوئے  
موچے کے بے شمار پودے ان کے پیچھے تھے اور کیچڑ  
بائیں طرف۔ نوری۔، گہری سانس لے کر موچے کی  
خوشبو اپنے اندر اتاری، فاطمہ کو موتیا بہت پسند تھا بھی تو  
محکم میں جا بجا اس نے موچے کے پودے لگا رکھے تھے  
اس کی بات پر فاطمہ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔



”تو اسے اس کام کے لیے بھی تو اس کے گھر والوں نے ہی مجبور کیا تا اگر وہ خوشی سے اس کی شادی رحیم (خالہ نذیراں کے بیٹے) سے کر دیتے تو وہ کیوں یہ انتہائی قدم اٹھاتی۔“

”ایک تو مجھے تم پڑھے، کھسے لوگوں کی یہ بات بہت بُری لگتی ہے۔ غلط بات پر بھی ہار نہیں مانتے ہو! انہا بحث کیے جاتے ہو۔“ نوری نے قاطمہ کی بات پر افسوس سے کہا۔

”غلط بات کیوں اپنی مرضی سے اپنی زندگی گزارنا تو اس کا حق ہے۔“ قاطمہ اب بھی اپنی بات پر قائم تھی۔

”لیکن اس نے اپنے اس حق کو بہت غلط طریقے سے استعمال کیا ہے۔“

”یقیناً اس کے پاس اور کوئی راستہ بچا ہی نہیں ہوگا۔“ قاطمہ کو خود بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ عظمیٰ کی وکالت کیوں کیے جا رہی ہے۔ نوری نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا اور ہاتھ پیچھے بڑھا کر موٹیے کے پھول توڑنے لگی۔

”مت کرو نوری! ان سے ہی سارا آنگن مہکتا ہے۔“ وہ بے ساختہ نوری کو ٹوک گئی۔

نوری نے عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر توڑے ہوئے سارے پھول بائیں طرف موجود کچڑ میں پھینک دیئے جہاں وہ کچھ دیر قبل گری تھی پھر بولی۔

”ان موچیے کے پھولوں سے آنگن مہکتا تھا؟ تمہارا لیکن اب کچڑ میں لتھڑنے کے بعد یہ اپنی وقعت کھو چکے ہیں۔ تم انہیں یہاں سے نہیں اٹھاؤ گی کیونکہ اب یہ غلاعت سے بھر چکے ہیں یہ نہیں پڑے رہیں گے اور گل سڑ جائیں گے یا پھر کسی کے قدموں تلے آ کے روندے جائیں گے اور یہ سزا شاخ سے ٹوٹنے کی ہے۔ تمہیں جتنی محبت شاخ سے جڑے پھولوں سے تھی کچڑ میں گرے ہوئے پھولوں سے ہرگز اتنی نہیں ہوگی۔ بس اتنی ہی بات ہے قاطمہ! لڑکیوں کی مثال بھی ایسے ہی ہے وہ بھی اپنے ماں باپ کے آنگن میں نگا موچیے کا پھول ہوتی ہیں اپنی خوشبو سے اپنے آنگن کو مہکاتی ہیں لیکن پھر خود ہی اپنی

شاخ سے اپنا ناتا توڑ لیں اور خود کو غلاظتوں اور پستوں میں گرالیں تو پھر وہ کسی کے لیے بھی محبت کشش اور عزت کی حق دار نہیں ہوتیں۔ ان کا انجام بھی یہی ہوتا ہے مگنا سڑنا اور روندے جانا۔“ نوری کی باتوں پر قاطمہ سیکھ زدہ تھی اسے سڑک پاس نوری سے اتنی سمجھ داری کی توقع نہیں تھی پھر اچانک ہی وہ زبردستی سے ہنس پڑی۔ اس کی بے موقع اور بے وجہ ہنسی پر نوری نے اسے گھورا۔

”تم تو بہت اچھا فلسفہ بول لیتی ہو نوری! مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا۔“ وہ بمشکل ہنسی روکتے ہوئے بولی تو نوری چڑ گئی۔

”ہاں تو کیا جن کے پاس ڈگریاں ہوتی ہیں ذہین بھی صرف وہی ہوتے ہیں! پڑھ لوگ عقل سے پیدل ہوتے ہیں۔“

”بس کرو نوری! آج تو تم مجھے حیران کرنے پر تلی ہو۔“ قاطمہ نے اسے مزید بولنے سے ٹوک دیا تو وہ لب بھینچ گئی۔

”اچھا بتاؤ تم نے کیا سوچا ہے کہ اپنے سوٹ پر کس رنگ کے دھماکے سے کڑوا مائی کرو گی؟“ قاطمہ کے موضوع بدلنے پر نوری پھر سے تارل ہو کر اسے اپنے کپڑوں کے بارے میں بتانے لگی وہ دونوں انہی باتوں میں مصروف تھیں کہ اماں آئیں۔ انہیں بھی کچڑ سے گزر کر آتا تھا لیکن چونکہ وہ سی گھر کی فرد تھیں اس لیے ذہنی طور پر تیار بھی تھیں کہ کچڑ سے گزرنا پڑے گا۔ کچڑ میں سنبھل سنبھل کے قدموں سے جتے ہوئے موچیے کے پھول بھی ان کے قدموں کی زد میں آ گئے کتنا درست تجربہ تھا نوری کا۔ قاطمہ نے ہونٹ جھینچ لیے۔ ان کے قریب آنے پر نوری نے سلام کیا جبکہ قاطمہ بولی۔

”اماں کیسی تھی رحیم کی دلہن؟“ اس کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

”اچھی تھی خوب صورت ہے لیکن کیا قادمہ ہے تو گھر سے بھاگی ہوئی عزت تو خاک بھی نہیں۔“ اماں کے سادگی میں کیے گئے تبصرے پر نوری نے فوراً ان کی ہاں



میں ہاں ملائی۔  
”بالکل ٹھیک خالہ! جوڑکی اپنے گمراہوں کی عزت  
منی میں رول دے اس کی عزت گس نے کرنی ہے۔“  
فاطمہ نے غور کرنوری کو دیکھا لیکن وہ اس کی طرف متوجہ  
نہیں تھی۔ وہ خاموشی سے باورچی خانے میں چلی آئی  
اسے ہتا تھا کہ اماں اور نوری اس لڑکی کے نیچے ادھیڑیں گی  
اس نے منظر سے ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا۔

”اجازت دیں پھر، اوقات ہوئی میں آج اسکول  
سے ویسے بھی لیٹ ہوں۔“ عظمیٰ کے سر ہلانے پر وہ  
مسکراتے ہوئے اپنے رستے پر چل پڑی لیکن اس کا  
ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔



فاطمہ نے غلجٹ میں چادر اوڑھی بیگ اٹھایا اور باہر کی  
طرف لپکی آج وہ اسکول سے لیٹ ہو گئی تھی۔ وہ گلی میں  
نگلی تو گلی سنسان تھی صرف خالہ نذیراں کے گھر کے آگے  
ایک خوب صورت سی لڑکی جھار دنگاری تھی۔ فاطمہ کو اسے  
پہچاننے میں چنداں مشکل پیش نہ آئی وہ یقیناً عظمیٰ تھی  
خالہ کی بہن۔

کافی دن ہو گئے تھے نذیراں نے چکر نہیں لگایا تھا ورنہ تو  
وہ روز ہی آتی تھی۔ فاطمہ اب بہ اپنی مصروفیات کی وجہ سے  
کم ہی جاتی تھی۔ فارغ ہوئی تو سوچا کہ نوری کے گھر کا ہی  
چکر لگائے اماں کو بتانے کی تو انہوں نے اجازت کے  
ساتھ ہی تاکید کر دی۔

”جلد آنا ہنڈیا بھی ہنڈی حانی ہے پھر۔“ وہ سر ہلاتے  
ہوئے باہر نکل گئی۔ گلی میں اکاؤ کا ہی لوگ تھے وہ اپنے  
دھیان میں کم جارہی تھی کہ اچانک اسے سامنے سے  
بھینس آتی دکھائی دی۔

قریب آنے پر اس نے فاطمہ کو دیکھا اور مسکرا دی۔  
بہت دوستانہ سی مسکراہٹ تھی اب فاطمہ کے لیے سلام کرنا  
ضروری ہو گیا تھا۔

”ہائے اللہ.....“ فاطمہ کی بھینسوں سے جان جاتی تھی  
وہ بنا سوچے سمجھے جس گھر کے دروازے کے ساتھ کھڑی  
تھی وکیل کے اندر داخل ہو گئی اپنے پیچھے دروازہ بند  
کرتے بھی اس کا دل دھڑل رہا تھا۔

”میرا نام فاطمہ ہے۔“ سلام کے بعد اس نے اپنا  
تعارف کروایا تو عظمیٰ نے سر ہلادیا۔  
”ہاں اس دن تمہاری امی آتی تھیں اور تمہارا ذکر کیا تھا  
غائبانہ تعارف ہے تم سے میرا۔ تم ٹیچنگ کرتی ہونا؟ میں  
بھی پہلے کرتی تھی۔“

”ارے فاطمہ.....“ انوس سی آواز تھی۔ فاطمہ نے  
چونک کر دیکھا اور پھر گہری سانس بھری اس نے سامنے  
عظمیٰ کھڑی تھی۔ وہ بنا سوچے سمجھے ان کے گھر گھس آئی  
تھی۔

”ارے یہ تو بہت اچھی بات ہے اگر آپ چاہیں تو  
میں آپ کے لیے اپنے اسکول میں بات کروں جبکہ نکل  
آئے گی۔“ اسے یہ جان کر کہ وہ پڑھی لکھی ہے از حد خوشی  
ہوئی تھی۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم آئی ہو ہمارے گھر۔ مجھ  
سے ملنے؟“ عظمیٰ کی آواز میں بہت خوشی تھی اس نے  
آگے بڑھ کر فاطمہ کو گرم دوش سے گلے لگایا اور وہ جوان  
کی غلط فہمی دور کرنے کا سوچ ہی رہی تھی اس بات پر آگے  
سے یہ کہنا کہ وہ ڈر کر آنا ہے مناسب نہ لگا اس نے  
مسکراہٹ ہونٹوں پر سجالی۔

”اچھا پھر میں رحیم سے پوچھ کر بتاؤں گی۔“ رحیم  
کے نام پر اس کے چہرے پر ایک شرمیلا سا تاثر پھیلا۔

اب کے فاطمہ نے اسے بہت غور سے دیکھا وہ  
خوب صورت تو تھی لیکن بہت زیادہ نہیں۔ ہاں اس میں  
کشش بہت تھی خاص طور پر اس کی آنکھیں تو ستاروں کو  
بھی مات دیتی تھیں شاید یہ چمک خوشیوں کی ہے۔ ظاہر

”اس میں حیرت کی کیا بات ہے چند قدم دور ہی تو



میرا گھر ہے فارغ تھی تو سوچا کرلے آؤں۔“

”بہت اچھا کیا آؤ اندر بیٹھتے ہیں۔“ وہ اسے اندر لے آئی۔

کمرہ بہت سادگی سے سجا تھا، معمولی سا فرنیچر لیکن سب بہت صاف سترا تھا۔ فاطمہ مسہری پر جا کر بیٹھ گئی، عظمیٰ بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ ہلکی بات بے بات اس کے لبوں سے پھوٹی تھی اس کی آنکھیں جھک رہی تھیں۔

”آپ بہت پرکشش ہیں۔“ فاطمہ بلا ارادہ کہہ اٹھی اس کی بات پر عظمیٰ زور سے ہنس پڑی۔

”مجھے رحیم کی محبتوں نے خوب صورت بنا دیا ہے فاطمہ! رحیم کی محبت اس کا ساتھ اگر مجھے نصیب نہ ہوتا تو شاید تمہیں مجھ سے زیادہ بد صورت کوئی نہ لگتا۔“

”لیکن محبت کا ساتھ بھی تو نصیب سے ملتا ہے۔“ فاطمہ نے کہا تو وہ بول اٹھی۔

”نہیں فاطمہ! کبھی کبھی نصیب سے جنگ کر کے اپنے حصے کی خوشیاں چھیننا پڑتی ہیں۔“ فاطمہ اس کی بات کا کوئی مناسب سا جواب دینے ہی لگی تھی کہ اس کی نظر وال کلاک پر گئی۔

”ارے اتنی دیر ہو گئی باتوں میں پتا ہی نہیں چلا۔“ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی، اماں کی تاکید یاد آئی تھی۔ عظمیٰ دروازے تک چھوڑنے آئی تو اسے اچانک یاد آیا۔

”آپ نے رحیم بھائی سے بات کی تھی جاب کے سلسلے میں؟“

”ہاں کی تھی لیکن وہ کہتے ہیں کہ تم خود پرزومہ داریاں مت ڈالو گھر کے کام بھی ہوتے ہیں۔“ فاطمہ نے سر ہلایا اور باہر نکل آئی دل میں اماں کا خوف بھی تھا۔

گھر آئی تو اماں کا حراج حسب توقع بگڑا ہوا تھا۔

اماں نے اسے ٹیکھی نگاہوں سے گھورا تو وہ گھبرا کر اندر آ گئی چند لمحوں بعد اماں بھی پیچھے تھیں۔

”کہاں سے آ رہی ہے ٹو.....؟“

”اماں..... وہ.....“ اس نے کچھ کہنا چاہا کہ اماں نے

نوک دیا۔

”نوری کا نام مت! بناؤ تمہارے جانے کے بعد آئی تھی یہاں مجھ سے جھوٹ بول کر آ خر ٹو کہاں گئی تھی فاطمہ؟ تجھے آزادی دی تھا پڑھایا لکھایا اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ٹو اب.....؟“

”اماں خدا کے لیے۔“ فاطمہ نے زچ ہو کر ان کی بات کاٹی۔ ”میری بات می سن لیں آپ۔“ پھر اس نے ساری بات کہہ سنائی۔ اماں نے مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھا کچھ دیر بعد پھر بولیں۔

”اچھا ٹھیک ہے لیکن اس لڑکی سے زیادہ راہ و رسم بڑھانے کی ضرورت نہیں! اچھے اعمال نہیں ہیں اس کے! اگر وہ عزت دار ہوتی تو یوں نہ کرتی۔“

”اچھا میں اب نہیں بولوں گی اس سے اب خوش۔“ فاطمہ نے تنگ آ کر ہاتھ جوڑے تو وہ کمرے سے نکل گئیں۔ پیچھے فاطمہ نے لہری سانس لی۔

”بتائے بغیر محلے۔ لے ایک گھر میں چلی گئی تو یہ حال ہے مراد کا تو نام بھی لپا نہ قیامت برپا کر دیں گی اماں۔“ فاطمہ نے از حد پریشانی سے سوچا۔



وقت کے کھنکول میں دنوں مہینوں کے سکے گرتے رہے ڈیڑھ سال گزر گیا۔ فاطمہ اب تک کوئی فیصلہ نہ کر پائی تھی۔ مراد کے ارے میں اماں سے روز بات کرنے کا سوچتی اور ارادہ توڑ دیتی اسے یقین تھا کہ اماں یا کوئی بھی اس معاملے میں اس کا ہم نوا نہیں بنے گا۔

اس دن والے واقعے کے بعد فاطمہ عظمیٰ سے نہیں ملی تھی۔ کچھ اماں کو خوف اور کچھ شاید وہ اندر سے بھی خائف تھی۔ محلے میں اب عظمیٰ کی بیماری کا چرچا تھا، سنا تھا کہ اب وہ بستر سے اٹھنے کے بھی قابل نہیں رہی۔ اماں اس کی عیادت کو گئی تھیں واپس آئیں تو فاطمہ سے کہنے لگیں۔

”تمہارا بہت پوچھ رہی تھی بیمار ہے جا کر لے آؤ۔“

”سوچ لیں۔“ فاطمہ نے طنز سے انہیں دیکھا تو وہ



نظریں چراگئیں۔

”ہاں جاؤ بھی پھر شام ہونے والی ہے۔“ اماں کے کہنے پر فاطمہ اٹھ کھڑی ہوئی دل تو اس کا اپنا بھی تھا غلطی سے ملنے کا لیکن اماں کو توبہ بھی دکھانے ضروری تھے اور جب وہ غلطی کے پاس پہنچی تو بے اختیار ہی اس کی چارپائی سے چند قدم کے فاصلے پر رک گئی۔

چارپائی پر ایک نجیف و نزارہ جو دپڑا تھا جس کا چہرہ اور جسم پیپ بھرے دانوں سے بھرا تھا۔ ایک میلی سی چادر اس کے اوپر تھی جس پر کھیاں بجنسنار ہی تھیں۔ یہ وہ غلطی تو نہیں تھی جس سے وہ ڈیڑھ سال پہلے ہی تھی تب اس کی آنکھوں میں ستارے دکھتے تھے اور آج ان میں قبرستان کی سی ویرانی تھی اسے دیکھ کر کراہیت کا بھرپور احساس ابھرتا تھا وہ خستہ حالی اور بربادی کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

اللہ جانے اسے کیا بیماری تھی شاید اس کا علاج بھی نہیں ہو رہا تھا ورنہ آج کل ناقابل علاج کوئی کوئی بیماری نہیں۔ وہ بھی کسی کے آئینہ میں لگا سوچے کا پھول بھی جو اب گل سڑ رہا تھا اپنی غلطی سے غلامت میں لتھڑ چکا تھا۔ ”کیا خوشیوں کی عمر اتنی مختصر ہوتی ہے؟“ اس نے دکھے دل سے سوچا تھا وہ نہیں جانتی تھی کہ ایسی خوشیوں کی عمر مختصر ہی ہوتی ہے جن کے تعاقب میں دعائیں نہیں جکتا ہیں اور بددعا میں ہوں۔ کسی کی بربادی پر بندہ اپنی خوشیوں کی بنیاد رکھے تو وہ خوشیاں ہوا کا ایک آوارہ جھونکا ثابت ہوتی ہیں۔

فاطمہ کو دیکھ کر اس کی ویران آنکھوں میں شناسائی کی رت اتری وہ بدقت مسکرائی تھی۔

”کیسی ہیں آپ؟“

”دیکھو تو تمہارے سامنے ہی ہوں میرت کا منہ بولتا ثبوت۔“ وہ بہت آہستہ آہستہ بول رہی تھی جیسے بولنے میں بھی دقت ہو رہی ہو۔

”ایسا مت کہیں۔“ کچھ بھی تھا فاطمہ کو اسے اس حال میں دیکھ کر بہت تکلیف ہو رہی تھی۔

”مجھے میری ماں بہت یاد آتی ہے فاطمہ! مجھے یقین

ہے کہ اگر وہ میرے پاس ہوتی تو اسے مجھ سے کراہیت نہ محسوس ہوتی۔“ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

”آپ اپنی امی سے معافی مانگ لیں۔“

”ان سب کے لیے تو میں آج سے ڈیڑھ سال پہلے ہی مر گئی ہوں۔“ فاطمہ نے دکھ سے نچلا لب دانوں تلے دبایا۔

”رحیم بھائی آپ کا خیال نہیں رکھتے؟ آپ کا علاج بھی ہو رہا ہے کہ نہیں؟“ فاطمہ کب سے مچلتے سوال کو زبان تک لے آئی۔ اس کا مناسب علاج اور دیکھ بھال ہوتی تو وہ اتنی بری حالت میں نہ بڑبڑا ہوتی۔

”ایک مسئلے ہوئے پھول۔“ سے کسی کو کیا دلچسپی فاطمہ! وہ میرے ساتھ وہی سلوک کر۔ نے ہیں جس کی میں حق دار ہوں۔“ اس نے واضح جواب نہیں دیا تھا لیکن فاطمہ سمجھ گئی۔

”کتنے پیارے رشتے میں پھوڑ آئی فاطمہ! کوئی ایسے بھی کرتا ہے بھلا؟“ وہ تڑپ رہی تھی ٹپک رہی تھی۔ فاطمہ نے اس کا ہاتھ تھام کر بے اختیار اسے تسلی دی اور پھر اسے ڈھیر ساری تسلی دلا سادینے کے بعد وہ گھر آئی تو اس کا دل بہت بوجھل تھا۔

گھر واپس آ کر اس نے سب سے پہلے اپنا موبائل اٹھایا اس کی سم نکالی اور دور پھینکا۔ دی ایک ٹکٹکاش کا خاتمہ ہو گیا تھا۔

”جس گاؤں نہیں جانا اس کے کوس کیا گنتا۔“ اس کی منزل مراو نہیں تا قتب تھا اور اسے ماسی کے راستے پر چلنا تھا۔ وہ وضو کرنے کے لیے غسل خانے کی طرف بڑھ گئی اس رب عظیم کا شکر بھی تو ادا کرنا تھا جس نے غلطی کے انجام سے عبرت دلا کر اسے بھٹکنے سے بچالیا تھا اور ساری بھٹکی ہوئی نرکیوں کے داہ راستہ پر آنے کی دعا کرتی تھی۔

اس نے جان لیا تھا کہ موتیے کے پھول آئینہ میں ہیں اچھے لگتے ہیں کچھ میں نہیں۔





# حرف زندگی

سید: ضواریہ

جس طرح دریا بجھا سکتے نہیں صحرا کی پیاس  
اپنے اندر ایک ایسی تشنگی بن جائے  
وسعت میں لوگ کھو دیتے ہیں خود اپنا شعور  
اپنی حد میں آئے اور آگہی بن جائے

واقعات جیسے ہوتے ہیں جس لمحے میں انسان نے اپنے  
ایمان کی خاطر اپنی گردن نوا دی اسی لمحے دنیا کے ایک اور  
گوشے میں دوسرے شخص نے ایمان کی خاطر کسی کی  
گردن کاٹ دی جس لمحے میں ایک ماں نے اپنے بچے  
کی جسمانی بھوک مٹانے کی خاطر خود کو بیچ دیا اسی لمحے  
ایک انیس پانی نے اپنی اس کا گھاکاٹ دیا ایک لمحے میں  
ایک مسلمان گھرانے میں ایک بچے نے آنکھ کھولی ایک  
اور گوشے میں ایک مشرک کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اسی  
لمحے ایک جگہ شہنائیاں گئیں قہقہے تھے تو دوسری جگہ ماتم  
آؤں فغاں.....!

جس لمحے ایک میت پر پھول برسائے جا رہے تھے  
اسی لمحے ایک مسجد پر ساری جا رہی تھی ہمیں نعت  
اور اذان کی آواز کہیں گھر والوں اور گاہنے کی آواز ہمیں  
عبادت کا آغاز اور ہمیں ملاحظت کی ابتداء کہیں کوئی بیٹی کو  
ڈولی میں بٹھاتا ہے اور کہیں کوئی کسی کی بیٹی کی قیمت لگاتا  
ہے ایک ہی لمحے میں نہیں دن ہے تو ہمیں رات.....  
کہیں صبح ہے تو کہیں شام ایک لمحے میں انسان جیتا ہے  
ایک لمحے میں مر رہا ہے ایک انسان کی زندگی کئی سالوں پر  
محیط ہوتی ہے اور وہ اپنی تمام زندگی میں تمام سالوں میں  
جو کچھ کرتا ہے۔

قطرہ قطرہ جرعہ جرعہ جو درد غم اشکوں کی صورت بہتا  
ہے وہ تمام اعمال وہ تمام ادوار دنیا کے ایک سرے سے

شاید آپ کو یقین نہ آئے شاید آپ مجھے مجبوظ الحواس  
یا پھر بالکل ہی تہذیب آشنا سمجھ کر رد کر دیں۔ مگر یہ ایک  
حقیقت ہے روز روشن کی طرح واضح ان مٹا قابل  
تردید اور قابل یقین ادراک۔

گزشتہ چند روز سے بہت عجیب و شدید قسم کا  
اضطراب میری روح کے نہاں خانوں میں سرگرم رہا ہے  
ایک خوف کسی مہیب سائے کی طرح میرے وجود و روح  
سے چپک گیا ہے کچھ کھودینے کا خوف کسی زیاں کا  
خوف ایک ایسے زبوں کہ جس کا ازالہ ممکن نہیں..... میں  
کچھ کھو رہا ہوں ہاں میں وقت کے انمول اور بے مثال  
لمحے کھو رہا ہوں..... لمحوں کا زیاں کمرہ ہا ہوں اور یہ جرم  
نہیں اپنی ذات کے اندر ایک گناہ ہے..... اپنی جان پہ ظلم  
ہے ایک سماعت ایک لہجہ اپنے چھوٹے سے سینے کے اندر  
کیسی بشارتیں کیسے ہزار رنگ و سبائی رکھتا ہے مجھے اس کا  
پورا ادراک ہے۔

ایک لمحے میں کتنے اسرار کتنے انکشافات چھپے ہوتے  
ہیں میں جانتا ہوں ایک چھوٹے سے وجود کا چھوٹا سا لمحہ  
اپنی ذات کے اندر ایک صدی ہوتا ہے ایک صدی جتنے  
واقعات ایک صدی جتنے حادثات سمیٹے ہوئے ہوتا ہے  
اور یہی ایک لہجہ اپنی ذات کے اندر ایسے کشف اور الہامات  
چھپائے ہوتا ہے کہ جس پر یہاں شکار ہو جائیں وہ ولی بن  
جائے اسی لمحے میں کائنات کی ان گنت کہانیاں ان گنت



ارتقش کو فضا کے لرزیدہ وجود میں دیکھنے کی کوشش کرتا تو ازل سے اب تک جنوں خیزیوں میں مبتلا بنے کسی ایک تہا اکیلی اور تنہا ہاری ایسی روشنی کی کرن جو اندھروں سے تہا لڑی ہو اسے دیکھنے کے لیے اپنی ستم طرازیوں کو ٹھہرنے دے اور اسی مختصر دورانیے میں صرف یہ سوچنے سمجھنے کی کوشش کر کہ ہم مفلوک الحال درویدہ دل لوگوں نے تیرا کیا رگازا ہے؟ کون سی نئی صفت ہے جس کی لاج تو نے سنبھال رکھی ہے۔

دیکھ! ذرا ایک لمحے کی فرصت دے میری بات سن.....!

میرے ذہن کے ویران گونوں میں لاتعداد خاراگ آئے ہیں میرے سینے کی تاریکیوں میں ان گنت باتوں کے پتھر سر اٹھانے لگے ہیں ہم مسافروں کے محبت گزیدہ لوگ تو ازل سے اپنی سانسوں سے نثر رہے ہیں یہی سوچنے کی کوشش کر کہ جن کو تو ہر غلط گیدے ہوئے ہے وہ مظلوم لوگ کیا اپنی رگوں میں اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ تیرے جبر سہہ پائیں کیا ان کے مضحک کندھے اور ناکوں وجود یہ بوجھ سہا سکیں۔ نے تیرے جبر کی تو کچھ ایسی حالت ہے جیسے کوئی بھوکا بھڑیا کسی مردار کو تاریک گتھاؤں کی جانب گھسیٹے لیے بارہا ہو۔

اے زندگی! دیکھ ذرا ٹھہراں معصوم قطرے کی زندگی کے حساب جتنا ٹھہر جواپنے اندر بے بسی کے ایانج اجسام کو سمو کر کسی دھندلی آنکھ سے گرا کر خود کو خاک کے حوالے کر دیتا ہے۔

تو بھی ہم درویدہ دامن لبوں کے ساتھ وہی کچھ کر رہی ہے جو ایک بھڑیا کسی مردار کے ساتھ کرتا ہے۔ ہمیں ختم کرنے کو تو یہ گھوٹا کا احساس زیاں ہی کافی ہے کہ جنیں یا مریں یا مر مر کر جنیں یہ زیاں تو ساتھ ہی رہنا ہے.....!



دوسرے سرے تک کا جائزہ لیا جائے تو ایک لمحے میں وقوع پذیر ہو جاتے ہیں۔

پیدا ہونے سے مرنے تک... ایک لمحے کا تو کھیل ہے سارا! ایجاد بنیاد تخلیق آغاز انجام سب ایک لمحے کا فیصلہ ہے ایک لمحے کا کھیل ہے کن فیکون ایک لمحے کا معاملہ تھا اور لحاظ کی تقسیم نے اسے صدیوں کے کندھوں پر محیط کر دیا لیکن اس سارے پھیلاؤ کوئی جمع تقسیم ضرب ریاضی کے کسی بھی کھیلے پر تقسیم کیا جائے تو حاصل ایک لمحہ ہی ہے گا وہ ایک لمحہ جس سے نظر بچائی جائے تو زمین پر رہنے والے کوئی کٹرے سے بھی بچ اور کم ہے اور اگر دیکھا جائے تو ایک کوہ گراں سب ایک لمحے کا کھیل ہے مگر اس ایک لمحے کے سامنے انسان اتنے حصوں میں تقسیم ہو چکا ہے کہ اسے کچھ بچائی نہیں دیتا وہ سوچنے سمجھنے سے قاصر ہے اس کا اپنا پھیلاؤ ہی اس کے لیے کار جہاں بن کر رہ گیا ہے اس کا ر جہاں سے اچھے اچھے وقت کے کھال میں گھن گھن کرتے کرتے لمحے ماضی کے پاتال میں گم ہوتے جا رہے ہیں مجھے یہ احساس زیاں بے چین کیے دیتا ہے دھڑکیں مضطرب ہیں ایک خوف سا شریانوں میں سرسراتا ہوا محسوس ہوتا ہے مٹ جانے کا خوف مقصد زندگی پانے سے پہلے ہی انجام سے دوچار ہو جانے کا خوف..... آخرت کا خوف..... یہ احساس ہوتا ہے کہ کہیں میں کچھ غلط تو نہیں سوچ رہا۔

احساسات پر برف سی جم جاتی ہے وجود کے عضلات انجن کے زنگ آلود پرزوں کی طرح بے کار ہو جاتے ہیں۔

اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ یہ زندگی آخر کیا ہے کیا ہے جو اس میں چمپا ہوا ہے زیاں..... صرف زیاں کا بوجھ کندھوں کو جھکائے جاتا ہے اور میں خون آلود نظروں سے زندگی کے ترو تار، چہرے کو ٹپکتا ہوں اور کہتا ہوں.....!

دیکھ.....! ذرا ایک لمحے کے لیے اپنی خود سری اور اپنی وحشتوں کو سستانے کا موقع دے کسی ایک زرد لمحے کے قدموں کی چاپ سننے کو ٹھہر۔  
کسی ایک ٹوٹی چٹنی بکھرتی ہوئی سانس کے





یہ چراغ بے نظیر ہے، یہ ستارہ بے زباں ہے  
ابھی تجھ سے ملتا جلتا کوئی دوسرا کہاں ہے  
کبھی پا کے تجھ کو کھونا، کبھی کھو کے تجھ کو پانا  
یہ جنم جنم کا رشتہ تیرے میرے درمیاں ہے

برقرار رہے گا؟ ایسا کیا ہوا تھا ہمیں بتاؤ گی؟ تاکہ آج کی  
جو ہماری نسل ہے وہ جانیں اور سبق لیں۔ ”میزبان نے  
چپ کا روزہ توڑا۔

”جگہ میں اہمیت نہیں یہ سب کہنے کی کیا ہوا میرے  
ساتھ۔“ مہمان نے کہہ اور رونا شروع کر دیا۔

”اف یہ کیا مع میزبان لگا دیا تم نے۔“ رامش نے  
زمین سے ریسموٹ چھینا۔

”یہ ڈرامہ تھا آنکھیں ہیں یا بین؟ یہ مارننگ شو تھا۔“  
زمین نے واپس ریسموٹ لینے کی کوشش کی۔

”تو یہ بھی کسی ڈرامے سے کم ہوتے ہیں کیا؟ ایسا  
لگتا ہے تمہیں ہورہا ہو۔ ہیں ناچ گانا وہیں رونا دھونا اور  
پھر شادیاں کرادواؤ گے کی پہلے سے شادی شدہ ہیں اور  
کسی کی نئی شادیاں۔“ رامش خائف تھا ان مارننگ  
شو سے۔

”ارے تو ہمارا ماتم پاس ہو جاتا ہے اور ضروری  
نہیں سب ڈرامہ کر۔ ہے ہوں اس لڑکی کو دیکھو تم۔“

میری زندگی کوئی انوکھی نہیں تھی اپنی مرضی کی گزار  
رہی تھی جو من بھاتا کرتی پہنتی اور جتنی مجھے گھر والوں  
نے بھی نہیں ٹوکا پر آج میں جو کچھ نہ ہوں اس ایک  
حادثے کی وجہ سے ہوں میں نے کس طرح اپنے آپ  
کو دلدل سے بچایا میں ہی جان سکتی ہوں۔“

ایک معروف ٹی وی چینل پر میزبان اپنی مہمان سے  
سوال جواب میں لگی ہوئی تھی اور اس کی زندگی کا نیا بدلاؤ  
کیسے پایا وہ کیا تھی اور اب کیا ہے اس پر گفتگو ہو رہی تھی۔

”کبھی کبھی میں سوچتی ہوں اگر میں بچ گئی تو اس میں  
میرے اللہ ہی کی حکمت تھی اس کا ساتھ تھا جو میں سب سے  
گئی مجھے ہدایت دی اس نے۔“ مہمان نے گفتگو کا  
سلسلہ کچھ دیر چپ رہ کے وہیں سے جوڑا۔..... میزبان  
اس دوران چپ بیٹھی رہی..... اسٹوڈیو میں خاموشی تھی  
ایسا لگ رہا تھا کہ یا تو وہاں کوئی بھی نہ ہو یا سب کو ہی  
سانپ سونگھ گیا ہو۔

”اب تم کیا سمجھتی ہو جو بدلاؤ تم میں آیا ہے وہ اب



گیارہ بجے زمین کی کام والی آئی اسے دیکھ کر زمین کی چیخ مچ گئی۔

”یہ کیا ہوا ہے تمہیں؟“ رمین نے اپنی کام والی شسراں سے پوچھا۔

”بی بی بس کیا بتاؤں میرے مرد نے تحفہ دیا ہے۔“  
کام والی نے آہ بھری۔

”باجی آپ جو یہ صبح صبح فی وی پردیہ کھتی ہو جس میں یہ چائے نکال کے رکھی۔

وہاں جاؤں گی اپنے مرد کے ملاف آواز اٹھاؤں گی۔“  
نزمین اس کی بات سن کر ٹھٹھک گئی۔

”تم پوری دنیا سکتے گے رومانو گی؟“  
 ”باجی باقی لوگ بھی تو کہتے ہیں۔“ شکرانے

”دوسرے لوگ جو کریں گے وہ تم بھی سڑکی یہ لوگ“

بڑا چڑھا کے مٹاتے ہیں پو۔ بی دنیا کے سامنے اپنا ہی مذاق اڑاتے ہیں۔ ”نرمین اب اسے سمجھا رہی تھی۔ جسے

خود مارنک شواجمے کرتے تھے۔  
 ”بس باجی ہم کیا ہماری اوقات کیا ادھر کام کر کے گھر

جاؤ ادھر شوہر بھرا بیٹھا ہوتا ہے ہم جا میں تو کہاں  
جائیں؟ "نرین کو کوہفت ہو۔ نے لگی کہ کام شروع کرنے

کے بجائے اس کے دکھڑے لون سنے..... کیا واقعی مج  
کے شوز میں ڈرامے ہی ہوتے ہیں؟

”اچھا اب آرام ہو گیا تاب کھوڑا بہت کام پر مئی  
 نظر کر م کر دو۔“

”خود کو باہمی مفرے میں مفرے سے بھی رہی  
ہے ہائے ہماری قسمت.....“ شکر اں بڑی دانی کام

☆ ☆ ☆



رنگارنگ کہانیوں کے آراستہ دلچسپ جریہ

AANCHALPK.COM

تازہ شمارہ نائع ہو گیا ہے



قلندرات

دنیا کو بخیر کرنے اور اس کی برائیوں کو خیر کرنے  
والے ذات کے قلندروں کے حوالے سے ایک دلچسپ اور

دیدبان

عالمی سازشوں کے پس منظر میں وطن پرستوں کے  
لیے بطور خاص نریشن اور شکا ایک دلچسپ ناول

جگہ سے جگہ

سلیخ کے قاتل کے خلاف سرزمین پنجاب کی لڑائی  
ملک و داستان جو کلاں کے داستانوں میں شامل ہوتی ہے

AANCHALNOVEL.COM

تاریخ کی دلچسپی کے لیے خوبصورت سلسلے

خوشبو خن: منتخب نریشن: ہمیں: ذوق آگاہی: اقتباسات:  
اقوال زریں: احادیث و میرہ معروف: دینی اسکالر حافظ  
شبیر احمد سے اپنے دنیاوی مسائل کا حل جائے

پہننے کی صورت میں: (021-85620771/2)

”ہیلو جی جی میں ٹمن بات کر رہی ہوں اوہ اچھا کب سے مار رہا ہے وہ اپنی بیوی کو اچھا اچھا آپ اس کی کیا لگتی ہیں؟ اچھا اچھا آپ کے ہاں وہ کام کرتی ہیں دیکھیں آپ انہیں کسی دن یہاں لے آئیں ہم پہلے تو ان کی تفصیلات لیں گے پھر اس پر کام کریں گے..... ہاں جی وہ کیا ہے نا ہم پورا سین بتاتے ہیں جن کی کہانی کو کر رہے ہوتے ہیں اس کو اپنے لفظوں میں لکھتے ہیں پھر جن کی کہانی ہوتی ہے انہیں بتاتے ہیں سمجھاتے ہیں کب سے کیا بولتا ہے کہاں روتا ہے وغیرہ وغیرہ..... اچھا چلیں ٹھیک ہے آپ بتا دیجئے گا..... اللہ حافظ۔“ زمین نے اسی مارنگ شو میں کال ملائی تھی جس کے نتیجے میں اسی میزبان لڑکی نے اس کے سوالات کے جواب دیئے۔

”رامش صحیح کہتے تھے یہ لوگ واقعی ذرا بے تو نہیں کرتے اللہ کی پناہ ویسے آ زمانے جس حرج کیا ہے؟“ زمین خود ہی سوچتی اور پلان بنانے لگ گئی کیسے شکران کو لے جائے گی اور کہانی بتائے گی ظالم شوہر کی۔

”کچھ دن گزر جانے کے بعد اسے تاریخ مل جاتی ہے وہ شکران کو چلنے کے لیے تیار کراتی ہے۔

”با جی ہمیں وہاں کرنا کیا ہوگا؟“

”وہاں گانا گاؤ گی تالیاں بجاؤ گی۔“ زمین شکران کے سوال پر تپ گئی۔

”ظاہر ہے وہ تم سے سوال جواب کریں گے تمہارے بارے میں پوچھیں گے اور کیا؟ اب چپ چاپ چلو کوئی بات کی تو رستے میں ہی چھوڑ جاؤں گی۔“ شکران نے اپنی تیسرا دکھ کی اور سر اثبات میں ہلایا۔

وہ لوگ اس کی وی چینل کے دفتر پر پہنچے تو پہلے ہی اتار دیا اور کہا کہ یہی جگہ تھی کہ کپڑے کراٹے کمرے کی طرف چلے لیکن انہیں انتظار کرنے کو کہا گیا تھا۔

”آپ لوگ یہاں بیٹھیں وہ ابھی آتی ہوں گی جب تک میں آپ کے لیے کچھ لے آؤں چائے یا کچھ ٹھنڈا؟“ ایک لڑکی نے ان سے پوچھا..... زمین کو وہ



لڑکی دیکھی دیکھی سی لگی..... سوچنے لگی کہاں دیکھا ہے؟  
 ”جی آپ چائے لے آئیں ہمارے لیے ہم انتظار کرتے ہیں۔“ زمین کے بتانے پر وہ لڑکی چلی گئی پر زمین سوچتی رہی اس نے کہاں دیکھا ہے؟  
 ”السلام علیکم کیسے ہیں آپ لوگ؟“ ثمن آگئی تھی اور بڑے تپاک سے ملی۔

”ہم ٹھیک ہیں آپ بتائیں۔“ زمین نے جواب دیا اور ساتھ ہی چائے اور دیگر لوازمات بھی آگئے اور وہی لڑکی آئی۔

”مجھے آپ دیکھی سی لگ رہی ہیں کہاں پر یاد نہیں آ رہا۔“ زمین نے سوال کیا۔

”سنو تم جاؤ اب۔“ ثمن نے اس لڑکی کو جانے کا کہا۔

”آپ اس لڑکی کو چھوڑیں اپنا مسئلہ بتائیں۔“ ثمن نے زمین کے ساتھ بیٹھی شکراں کی طرف اشارہ کیا۔

”جی وہ میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ اس کا شوہر ہے.....“

”اچھا اچھا ٹھیک ہے میں سمجھ گئی آگے کا کام آپ ہم پر چھوڑ دیں..... ممکن ہو تو اسے دو تین روز صبح چھڑوا دیا کریں تاکہ ہم اس سے اکیلے میں بات چیت کریں۔“  
 ”چلیں ٹھیک ہے ویسے ابھی بھی آپ جاہر تو اسے اکیلے لے جاسکتی ہیں اور کچھ پوچھنا ہو تو پوچھ سکتی ہیں۔“  
 زمین نے ثمن کی بات کا جواب دیا۔

”چلیں ٹھیک ہے آپ انتظار کریں ٹی وی دیکھیں میں انہیں لے جاتی ہوں۔“

”ٹھیک ہے شکراں تم جاؤ ان کے ساتھ۔“ شکراں چپ چاپ اٹھی اور ثمن کے ساتھ چل پڑی۔  
 زمین ٹی وی دیکھ کر وقت گزارنے لگی پھر وہی لڑکی اندر آگئی۔

”ارے سنو ذرا۔“ زمین نے اسے پکارا۔

”جی.....“

”جہیں کہاں دیکھا ہے سمجھ نہیں آ رہا۔“ زمین نے

اب اسے ساتھ بٹھایا۔  
 ”باجی دیکھو کسی کو جتنا نہیں۔“ وہ لڑکی ہاتھ جوڑ کے کہنے لگی۔

”کیا مطلب کھل کے بولو۔“ زمین تشویش میں جھٹلا ہو گئی۔

”وہ باجی اصل میں میں یہاں کام کرتی ہوں تو یہ ثمن میڈم ہیں انہوں نے کہا تھا کہ وہ مجھے ٹی وی پر لائیں گی اور اداکاری کروائیں گی۔“

”اچھا تو کروایا کیا؟“ زمین مزے سے اس کی بات سننے لگی۔

”ہاں جی باجی صبح کے وقت جاتا ہے نا جی اس میں ابھی کچھ دن پہلے ہی تو.....“

”اچھا اچھا تم وہی ہونا جس نے کہا تھا کہ میں بدل گئی ہوں کچھ ہوا تھا میرے ساتھ ایسا یاد آ گیا واقعی تم نے تو اچھا کام کیا تھا۔“ زمین نے اس کی بات کاٹ کر اپنی بات کی۔

”جی باجی ویسے آپ کے ساتھ جاتا ہے وہ بھی کام کرے گی یہاں کیا؟“ اس لڑکی نے معصومیت میں پوچھا۔

”ہاں نا جی تو لائی ہوں ثمن کو ضرورت تھی۔“ زمین نے بھی اس لڑکی کی طرح اپنے کام والی کو اداکاری کرنے والی کا بتایا۔

”ہاں جی اور پیسے بھی ملتے ہیں۔“ اس لڑکی نے تو ساری بات بتا دی اور بچا کیا؟

”ارے تم یہاں کیا کر رہی ہو جاؤ اپنا کام کرو۔“  
 اچانک ثمن اور شکراں آگئے تو ثمن نے اس لڑکی کو جانے کا کہا۔

”جی میڈم۔“ وہ لڑکی چٹائی لیکن زمین کا دل ضرور خراب کر گئی۔

”اچھا تو ہم بھی چلیں؟“ زمین وہاں سے جانا چاہ رہی تھی۔

”جی جی بالکل اور یاد سے اسے تین دن بھواتے



## شیویں گل

اسلام علیکم! آنچل کے اشاف اور قارئین کو شیریں کی طرف سے میٹھا سا سلام قبول ہو۔ 20 اکتوبر کی صبح کو پیدا ہوئی اس لیے اشارہ لہرا ہے۔ آنچل اور میرا ساتھ چار سال سے ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ ہم صرف دو ہی بہنیں ہیں بڑی میں ہوں اور چھوٹی نائیکہ صدیقہ ہے۔ زبان پنجابی ہے تو جناب اب ذرا خوبیوں و خامیوں کی طرف آتے ہیں خامی یہ ہے کہ سست بہت ہوں دوسروں پر جلد اعتبار کر لیتی ہوں۔ خوبی یہ ہے کہ کسی سے زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتی رحم دل بہت ہوں جو کام دیا جائے اس کو پورا کر لیتی ہوں۔ کمر میں گلابی اور پیلا کمر بہت پسند ہے لباس میں ساڑھی اچھی لگتی ہے۔ پسندیدہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور نورث کتاب قرآن پاک ہے۔ بچپن کے معاملے میں بے حد خوش نصیب ہوں دوست بھی کافی زیادہ بتا رکھے ہیں جن میں گل معراج، حمیرا، سمین، نعیدہ رحمن اور نبیلہ بیست فریڈز ہیں۔ پسندیدہ رائٹرز عمیرہ احمد، سمیرا شریف اور اقراء مصغیر ہیں۔ کھانے میں جیادول اچھے لگتے ہیں میٹھا بہت شوق سے کھاتی ہوں۔ پسندیدہ ناول ”محبت اور خدا، محبت دھنک رنگ اور بھ کر“ معنف اور پیر کا مل ہیں۔ کھینوں میں کرکٹ اوتا نکھ مچولی بہت پسند ہے۔ ناول نکھنے کا اور پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ صبح کا وقت اچھا لگتا ہے شاپنگ کرنے کا حد سے زیادہ شوق ہے ہمیشہ وہی چیز پسند آتی ہے جو مشکلوں سے بچتی ہے۔ میرا خواب ہے ڈاکٹر بننا اور انسانیت کے لیے بہت سارے کام کرنا۔ ڈائری قارئین اپنی رائے ضرور دیجیے گا اللہ حافظ۔

رہے گا جیسے ہی یہ تیار ہو جائے گی ہم اس کا شو کرادیں گے۔“ زمین نے ہنستے مسکراتے بات کی۔  
دونوں نے ایک دوسرے سے اجازت لی اور زمین شکران کو لیے نکل گئی۔

”نہ کریں رامش۔“ زمین کا موڈ آف ہو گیا۔

”معاف کر دیں بیگم صاحبہ چلیں آگس کریم کھانے

چلتے ہیں موڈ بھال ہو جائے گا۔“ رامش کو پتا تھا زمین کا

موڈ آگس کریم کا سن کر نہ کھل جائے گا۔

”اچھا اب اتنا کہہ دی رہے ہیں تو ٹھیک ہے۔“

زمین نے بھنویں اچکا۔ کہا۔

”ہائے ابھی تو ایک ہی دفعہ کہا تو یہ ادا یہ تازیہ

انداز آپ کا دھیرے دھیرے چار کا۔“ رامش

شوخی ہو رہا تھا زمین۔ پاس رکھا گھٹن دے مارا اور

تیار ہونے چلی گئی۔

اگلے دن شکران کا شوق تھا۔ زمین نے کو بھی بلایا

تھا لیکن اس کا سین بعد میں آنا تھا وہ آرام سے بھی جانی

تو مسئلہ نہ تھا۔

”آج کہیں جانا ہے کیا؟“ رامش نے اسے تیار

ہوتے دیکھ کر پوچھا۔

☆ ☆ ☆

شکران روز گھر آتی جلدی جلدی کام کر کے ٹمن کے

دفتر روانہ ہو جاتی۔ زمین بھی پوچھتی نہیں کہ وہاں کیا

ہوتا ہے اور نہ شکران کچھ کہتی۔

”بیگم صاحبہ۔“ رامش نے اچھے موڈ میں پکارا۔

”جی۔“ زمین نے بے زاری سے جواب دیا۔

”کیا بات ہے خیر تو ہے نا؟“ رامش نے زمین کے

اس انداز پر چونک کے پوچھا۔

”کچھ نہیں بس ایسے ہی شاید سر میں درد ہو رہا ہے۔“

زمین کو کچھ بوجھ نہیں تو سر درد کا کہہ گئی۔

”اس نالائق سر درد کی تو۔۔۔۔۔ لیکن یہ تو بتاؤ تمہیں

یقین ہے کہ شک کہ سر درد ہے؟“ رامش پھر چڑانے

والے موڈ میں آ گیا۔

”اف آپ بھی نا ادھر سر درد سے پھنسا جا رہا ہے اور



خدیجہ نے لو پر تنخواہ بہت دینا بعد دیتی ہیں کبھی کوئی غلطی ہو جائے تو پھر مارنے سے بھی نہیں چوکتی۔“

”استغفر اللہ! میں نے کب ایسا کیا اس کے ساتھ اور یہ اتنا جھوٹ کیوں بول رہی ہے؟“ زمین کو اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا واقعی اب پتھر لگائی دے۔

”ایک کالر ہیں ہمارے ساتھ بات کرتے ہیں ان سے جی السلام علیکم۔“

”وعلیکم السلام۔“

”کون ہیں ہمارے ساتھ؟“

”میں جیلہ کی جاننے والی ہوں بلکہ اس کی مالکن کی پڑوسن ہوں۔“

”جی جی کیا کہیں گی آپ۔۔۔؟“

”اس بے چاری پر واقعی بہت ظلم ہوتا ہے زمین رامش نام ہے پڑوسن کا۔ اسے سمجھاتی بھی ہوں لیکن آج اس بے چاری کو یہاں دیکھ کے افسوس ہوا۔“ زمین بو بھل قدموں سے اٹھی اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا اس کی آنکھوں کے سامنے سب جھوٹ بول رہے تھے اب تو اس کا نام بھی آ گیا تھا گو کہ ضروری نہیں تھا کہ وہی زمین ہو لیکن جاننے والے تو جانے تھے کہ یہ اسی کے ہاں کام کرتی ہے۔

اس کا دل بری طرح مجروح ہوا کہاں وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی واقعی یہ سب ڈھوڑتے رہتے ہیں کہاں اس کے ساتھ ہی دھوکہ ہو گیا۔۔۔۔

شکراں کی تو اس نے اگلے دن کلاس لگائی اسے کام سے ہی نکال دیا اور اس مارنگا شوکی لٹ سے خود کو آزاد کیا رامش وہ تو اب سکون میں تھا صبح صبح وہ اسے اب بھی چھیڑتا ہے مارنگا شو نہ دیکھنے پر۔۔۔۔۔ پر جانتا نہیں کہ زمین نے دیکھنا کیونکر چھوڑا۔



”جی وہ دوست سے ملنے جاؤں گی۔“ زمین نے بہانہ گھڑا۔

”اچھا ٹھیک ہے دھیان سے جانا۔“ رامش نے ہدایت دی اور دفتر کے لیے روانہ ہوا۔

زمین بھی ٹی وی اسٹیشن پہنچ گئی۔

”آج جو ہماری مہمان ہے اس کے لیے مجھے بے انتہا افسوس ہے۔۔۔۔۔ اس کے ساتھ سب نے ظلم کیا۔۔۔۔۔ کب کیسے ہوا یہ ظلم آئیں ہم ان سے ہی پوچھتے ہیں۔“ شکراں کی تین دن کی پریکٹس بھی ذرا سا بھی نہ گھبرائی۔

”کیا نام ہے آپ کا۔“ منمن نے پوچھا۔

”جیلہ۔“

”ہیں اس کا نام جیلہ کب سے ہو گیا؟“ زمین دور کہیں بیٹھی ہوئی تھی۔

”جیلہ مجھے بتاؤ کیا ہوا تھا تمہارے ساتھ؟“ منمن کی آواز میں درد تھا زمین اب شکراں کے جواب کی منتظر تھی۔

”میں کیا بتاؤں بی بی جی ساس الگ مجھے باری رات میں جب میرا مرد آتا ہے وہ بھی مارتا ہے نشے کی حالت میں۔“ شکراں نے یہ کہا اور رونا شروع کر دیا۔

”ہیں اس کی ساس بھی رتی ہے؟ اس نے تو کبھی نہیں بتایا۔“ زمین نے دل میں سوچا۔

”تو تم ان کا یہ ظلم کیوں سہتی ہو؟“ منمن نے سوال کیا۔

”کیا بتاؤں بی بی جی۔۔۔ میں کماتی ہوں اپنے بچوں کے لیے میاں کوئی خرچ نہیں دیتا۔“ شکراں نے ڈوٹے سے آنسو پونچھے۔

”ہیں اس کی شادی کو تو دو تین ماہ ہوئے ہیں بچے کہاں سے آئے؟“ زمین تماشا دیکھ رہی تھی۔

”تم نے بتایا تھا جہاں تم کام کرتی ہو وہ بھی تم پر ظلم کرتے ہیں؟“ منمن کے اس سوال نے تو زمین کو بوکھلا کے رکھ دیا اس نے کب ظلم کیا؟

”بی بی جی وہ بھی میرا خیال نہیں رکھتیں بس کام کراؤ



# حوائی مسائل

حافظ شبیر احمد

شماریہ

جواب:- مسئلہ ۱:- قسم کی اہمیت کے متعلق عالم سے رجوع کریں۔ وظیفہ جاری رہیں۔

مسئلہ ۲:- سورۃ قمریش ۱۱۱ اول و آخر ۱۱، ۱۱ مرتبہ درود شریف۔ اچھی اور جلد نوکری کے لیے دعا کریں اور کچھ نہ پڑھیں۔

تحریم..... جھٹو

جواب:- آیات شفاء صبح و شام ۷، ۷ مرتبہ پڑھ کر دم کریں اور پانی بھی نہیں۔

۲:- بچی جب سو جائے تو ماتھے اور سینے پر انگلی (شہادت) سے (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) لکھ دیا کریں۔ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

بشری ملک..... فیصل آباد

جواب:- مسئلہ ۱:- کوئی حل نکالیں۔  
۲:- مغرب اور عشاء کی نماز کے بعد ۷، ۷ مرتبہ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھا کریں۔

م ع..... ملنگٹ

جواب:- فرض نماز کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر ”یا قوی“ ۱۱ مرتبہ پڑھا کریں۔ قوت حافظہ کے لیے۔

بعد نماز عشاء سورۃ قمریش ۱۱۱ مرتبہ اول و آخر ۱۱، ۱۱ مرتبہ درود شریف۔

معاشی مسائل اور گھر بکنے کے لیے دعا کریں۔  
شماریہ کرن..... چھوٹا گھسپت پورہ

جواب:- آپ نے اپنے والد کا نام تو لکھا نہیں خط میں؟ استخارہ کر لیں۔

معاشی حالات کے لیے سورۃ قمریش ۱۱۱ مرتبہ اول و آخر ۱۱، ۱۱ مرتبہ درود شریف۔ پھر دعا کریں۔

صلانہ اقبال..... چچیہ وطنی

جواب:- مسئلہ نمبر ۱:- سورۃ فلق اور سورۃ الناس پانی پر دم کر کے پلایا کریں سورۃ ۱۱، ۱۱ مرتبہ بھائی کے لیے۔

سورۃ قمریش درود شریف نوکری کے لیے۔ مسئلہ نمبر ۲:- صدقہ دیجی رہا کریں۔

جواب:- آیت شفاء کا آیات ہیں یہ کسی دھانف کی کتاب میں مل جائیں گی اور انٹرنیٹ پر بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ صبح شام ۷، ۷ مرتبہ۔ اول و آخر ۱۱، ۱۱ مرتبہ درود شریف۔ اپنے لوہے پر کیا کریں۔ جو دوا استعمال میں ہے اس پر لوہے پانی کی بوتل پر بھی دم کر لیں پانی بھی صبح شام پیا کریں۔

فرحانہ فیض..... میو پور آزاد کشمیر

جواب:- فجر کی نماز کے بعد سورۃ فرقان آیت نمبر ۷۴، ۷۴ مرتبہ اول و آخر ۱۱، ۱۱ مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھڑتے کے لیے دعا کریں۔

ہما..... کراچی

جواب:- فجر کی نماز کے بعد سورۃ فرقان آیت نمبر ۷۴، ۷۴ مرتبہ اول و آخر ۱۱، ۱۱ مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھڑتے کے لیے دعا کریں۔

اقصی اسلام

جواب:- استغفار اور درود شریف کثرت سے پڑھا کریں سکون قلب کے لیے۔

رافیہ اسلام..... کینٹا

جواب:- عشاء کی نماز کے بعد سورۃ قمریش ۱۱۱ مرتبہ اول و آخر ۱۱، ۱۱ مرتبہ درود شریف۔ چاب اور معاشی حالات اچھے ہونے کی دعا کریں آپ بھی پڑھیں اور شوہر بھی۔ صدقہ بھی دیں۔

بشری بین محمد..... راولپنڈی

جواب:- بعد نماز فجر۔ سورۃ فرقان آیت نمبر ۷۴، ۷۴ مرتبہ اول و آخر ۱۱، ۱۱ مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھڑتے کے لیے دعا کریں۔

بعد نماز عشاء سورۃ الفلق سورۃ الناس ۱، ۱ صبح روزانہ رکعت بندش ختم کرنے کے لیے بہن خود کرے یا والد۔

تحریم فکطہ..... سرگودھا

جواب:- مسئلہ نمبر ۱:- سورۃ فلق اور سورۃ الناس پانی پر دم کر کے پلایا کریں سورۃ ۱۱، ۱۱ مرتبہ بھائی کے لیے۔

سورۃ قمریش درود شریف نوکری کے لیے۔ مسئلہ نمبر ۲:- صدقہ دیجی رہا کریں۔



افراد کو پلائیں۔ تمام مسئلوں کے لیے دعا بھی کریں۔

ط ج ..... گجوات

جواب:- بعد نماز عشاء 313 مرتبہ آیتہ کرسیمہ پڑھیں اول قآخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔

اللہ سے دعا کریں معافی مانگیں جو آپ کے حق میں بہتر ہے اللہ تعالیٰ وہ فیصلہ فرماوے۔ آمین۔

مسئلہ نمبر 3:- پڑھائی شروع کر دیں اور دماغ کے لیے میجون استعمال کریں۔

مسئلہ نمبر 5:- "المذل" بعد نماز فجر 101 مرتبہ اول و آخر 3 مرتبہ درود شریف۔ (جس نے روپے دیے ہیں وہ پڑھے) مقصد بھی ذہن میں ہو درود دعا بھی کریں۔



<http://facebook.com/elajbilquran>  
[www.elajbilquran.com](http://www.elajbilquran.com)

نوٹ

جن مسائل کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی صورت میں ہمارے کسی صورت ذمہ دار نہیں ہوگا۔

موبائل فون پر کال کرنے کی زحمت نہ کریں۔ نمبر بند کر دیا گیا ہے۔

اس بار جن لوگوں کے جواب شائع نہیں ہوئے وہ اگلے ماہ شائع ہوں گے۔

ای میل صرف بیرون ملک مقیم افراد کے لیے ہے۔  
[rohanimasail@gmail.com](mailto:rohanimasail@gmail.com)

فجر اور مغرب کی نماز کے بعد سورۃ فلق اور سورۃ الناس 11،11 مرتبہ پڑھ لیا کریں۔ رشتہ میں رکاوٹیں نہ آئیں۔ سسرال والوں کے دل میں جگہ بنانے کے لیے سورۃ عزیز 101 مرتبہ فجر کی نماز کے بعد اول قآخر 3 مرتبہ درود شریف دعا بھی کریں۔

علفشہ رحمت علی ..... گوجرانوالہ

جواب:- مسئلہ نمبر 1:- بھائی کی طرف سے جو پریشانی تھی اگر ختم ہوگئی ہے تو ٹھیک رہنے ختم ہونے تک جاری رکھیں۔

مسئلہ نمبر 2:- والدہ کو صبح نہا رہا اور شام سورۃ طحہ کی شروع کی 5 آیات 21 مرتبہ پانی پر دم کر کے پلائیں۔ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔

گھر کی خیر و برکت کے لیے سورۃ قمریش ہر نماز کے بعد 21 مرتبہ پڑھیں۔

تکزیہ بی بی ..... ضلع جہلم

جواب:- بعد نماز فجر سورۃ شمس سورۃ فلق سورۃ الناس 21،21 مرتبہ اول قآخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔

پڑھتے وقت مقصد ذہن میں ہو۔ بعد میں تصور میں لا کر پھونک ماریں۔ ایک گلاس پانی پر دم کر کے ابو کو پلائیں۔

معاشی حالات کے لیے سورۃ قمریش 111 مرتبہ اول قآخر 11،11 مرتبہ درود شریف بعد نماز عشاء سب افراد بھی پڑھ سکتے ہیں دعا بھی کریں۔

علفشہ ..... سلاخوالی

جواب:- سورۃ قمریش بعد نماز عشاء 111 مرتبہ اول قآخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ پڑھتے وقت مقصد ذہن میں ہو۔ بعد میں ایک گلاس پانی پر دم کر کے گھر کے تمام

روحانی مسائل کا حل کوپن برائے اپریل ۲۰۱۵ء

گھر کا مکمل پتا

والدہ کا نام

نام

گھر کے کون سے حصے میں رہائش پزیر ہیں

آنجل \* مارچ ۲۰۱۵ء 278



# میں نے

میں نے

ام حسنہ..... کوٹ مومن

یہ تیرے غلام کی عید ہے ابھی اور حسرت دید ہے  
مجھے چوم لینے دو جاہاں ابھی دل میرا تو بھرا نہیں  
فیضہ جٹ..... سرگودھا

جو شخص نور دیدہ حیدر کے ساتھ ہے  
روزِ جزا وہ شافع محشر کے ساتھ ہے  
پیارے نہ رہیں گے ہم قیامت میں دیکھنا  
اپنا بھی ربط ساقی کوثر کے ساتھ ہے

جانیہ ضیافت عباسی..... دیول مری  
اس کو غرور حسن تھا تو میں انا پرست  
وہ جا رہا تھا مجھ سے پکارا نہیں گیا  
شبینہ مغل..... حیدرآباد سندھ

ہمیشہ ہی نہیں رہتے چہرے نقابوں میں  
کبھی کردار کھلتے ہیں کہانی ختم ہونے پر  
آنسہ شبیر..... ڈوگر گجرات

انعام کی پردا ہوتی تو ہم عشق کرنا چھوڑ دیتے  
عشق ضد کرتا ہے اور ضد کے ہم بے تاج بادشاہ ہیں  
سعدیہ اخلاقی..... جھنگ

نظر سے دور رہ کر بھی کسی کی سوچ میں ہوں  
کسی کے پاس رہنے کا طریقہ ہو تو تم جیسا  
منشا یوسف..... 157 این بی

مست پوچھ ہم سے ہماری بزرگی کا عالم اے ابلیس  
غافل ہیں مگر شوکر جب بھی لگے عجبہ خدا کو ہی کرتے ہیں  
کوثر خالد..... جڑانوالہ

ہماری بھی سننے بڑی مزے کی ہے  
زندگی سے یوں کھیلے جیسے دوسرے کی ہے  
شازیہ ہاشم..... کھڈیاں قصور

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پر آسکتا نہیں  
محو حیرت ہوں دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی  
قائزہ بھٹی..... چوکی

سوال یہ نہیں کہ وہ گیا کدھر

سوال یہ ہے کہ وہ گیا کیسے

حسن گیلانی، ابن صدیقی..... آزاد کشمیر  
کبھی یوں ہوا تیرے پیار میں میری نمازیں قضا ہوئیں  
کبھی یوں ہوا تیری یاد نے مجھے رب سے ملا دیا  
فرحان علی..... تلہ گنگ

دل میں کتنے زخم ہیں کسی کو کیا پتا  
یہ اور بات ہے ہم مسکرا کر جیتے ہیں رلانے والوں کے سامنے  
عائشہ مدیقہ..... چکوال

اگر کسی کو یاد کرنے کی قیمت ہو ایک پیسہ  
تو سنو تم اربوں کے مقروض ہو میرے  
شیخ فیاض..... بستی بزدار

اداسیاں ہیں مگر وجہ غم نہیں معلوم  
دل پہ بوجھ سا ہے شاید تنہا ہو گئی ہوں میں  
ارم کمال..... گھل آباد

جو چل سکو تو کوئی ایسی چال چل جانا  
مجھے گماں بھی نہ ہو اور تم بدل جانا  
حرار مضرن..... اختر آباد

میرا اس شہر عراوت میں بسیرا ہے  
جہاں لوگ مسجدوں میں بھی دوسروں کا برا سوچتے ہیں  
شگفتہ خان..... بھلوال

جن کی آنکھوں میں اشک دیتے ہو  
ان میں خیندیں پھر نہیں بستیں  
سویا شادہ کشی..... کبیر والا

حسن توقع میرے یار نے  
حسب ضرورت چاہا مجھے  
سیدہ جیاعوس..... تلہ گنگ

تم میری آنکھوں کے تہہ نہ بھلا پاؤ گے  
ان کئی باتوں کو بھو گے تو یاد آؤں گا  
ہم نے خوشیوں کی طرح دکھ بھی اکٹھے دیکھے ہیں

صفیہ زیست کو پلا گے تو یاد آؤں گا  
عزیزہ یونس چذہر..... جلالپور بھٹیاں  
ذرا سا بات کر۔۔۔ کا سلیقہ سیکھ لو تم بھی

ادھر تم بات کرنے، واہر دل ٹوٹ جاتا ہے  
علیہ راشد..... جلالپور  
ہمارا تذکرہ چھوڑ ہم ایسے لوگ ہیں جن کو



جھپٹیں کچھ نہیں کہتیں وفا کس مار دیتی ہیں  
 فصیحاً صف خان... ملان  
 رات ڈھلتی رہی پائے جلتا رہا  
 چراغ دل شب بھر یار میں سلگتا رہا  
 سامعہ ملک پرویز..... بھیرہ خانپور  
 پھر سے جھگنے لگی تیری قربت کی خواہش  
 دھند میں لپٹی سرد شاموں میں  
 رافہ کنول..... دائرہ دین پناہ  
 روز ڈوبتا ہوا سورج یہ درس دیتا ہے اقبال  
 مغرب کی طرف جاؤ گے تو ڈوب جاؤ گے  
 ماریہ بحر..... پورے والا، حبیب کالونی  
 ہم نے پوچھا کہ بھول تو نہ جاؤ گے  
 وہ مسکرا کر بولے سوچ کر بتائیں گے  
 قاطر خالق قاتی... فیصل آباد  
 یوں تو شاعری سے میرا کوئی واسطہ ہی نہ تھا  
 لفظوں میں مگر تیرا ذکر مجھے اچھا لگا  
 مشاعلی مسکان..... میانوالی  
 اس کو کھونے کا بہت دکھ ہے مگر  
 ہم اسے پانے کے اسباب کہاں سے لاتے  
 ہا الیوب..... عارف والا  
 ملتا ہوں ٹوٹ کر تو پھڑکتا ہوں شان سے  
 میں خوش مزاج شخص بہت دل سے ملتا ہوں  
 طیبہ سعدیہ عطاریہ... کھنیا، سیالکوٹ  
 اگر تو اتفاقاً مل بھی جائے  
 تیری فرقت کے صدمے کم نہ ہوں گے  
 حمیرا نوشین..... منڈی بہاؤ الدین  
 وفا پرست نہیں جو وفا شعار نہیں  
 وہ شخص کیا جسے انسانیت سے پیار نہیں  
 فریب کھائے ہیں دہر میں اس قدر میں نے  
 تیرا تو کیا مجھے اپنا بھی اعتبار نہیں  
 مدیحہ نورین منہک..... برمانی  
 برہادیوں کا جائزہ لینے کے واسطے  
 وہ پوچھتے ہیں حال میرا بھی بھی  
 ایسے آرمسکان..... جام پور  
 باتوں میں تمہاری سمٹ گئی حیات میری

جب کہا تم نے میری زندگی ہو تم  
 نبیلہ ملک..... پٹنالا  
 محبت میں نہیں ہے شرط... لٹے اور پھرنے کی  
 یہ ان بے غرض لفظوں سے بہت آگے کی دنیا ہے  
 عائشہ نور عا شا..... شاد پال، گجرات  
 ورق ورق میری نظروں میں کائنات کا ہے  
 کہ دست غیب سے لکھی ہوئی کتاب ہوں میں  
 گل مان..... مان  
 دینک کی مانند کھا گیا مجھ کو رفاقت کا یہ غم  
 وگرنہ بہت نایاب تھے گزرے دنوں میں ہم  
 فریدہ جاوید فری..... لاہور  
 میرا پیار امر ہے پیار سے  
 تیری چاہ کی مٹی مٹی  
 ترے حسن کا سوتا جھوٹا  
 میرے عشق کی مٹی مٹی  
 آئی ایس راجپوت..... گجرات  
 جسم کی دراڑوں سے روح نظر آنے لگی راج  
 بہت اندر تک توڑ گیا مجھے عشق اس کا  
 عائشہ نور..... راولپنڈی  
 عنوان محبت ہے بس اتنا ہی لکھ پائے  
 بہت کمزور رشتے تھے بہت مضبوط لوگوں کے  
 عابد محمود..... ملکہ ہانس  
 انکوں میں بہہ گیا ہے ہر ایک خواب آرزو  
 چہرے پر حسرتوں کا ہول رہے ہیں ہم  
 نیلمہ شرافت..... جتوکی  
 محبت مل نہیں سکتی مجھے معلوم ہے لیکن  
 مگر خاموش رہتا ہوں محبت کر جو بیٹھا ہوں  
 نورین لطیف... نوبہ یک سنگھ  
 اسے کاش یہاں برہا جائے نور کی بارش  
 ایمان کے شیشوں پر بڑی گرد پڑی ہے



biazdill@aancha.com.pk



# دش مکالمہ

طلعت آغاز

دس ملائی

اجزاء:

دودھ

خشک دودھ

بیکنگ پاؤڈر

اٹا

چینی

گھی

الابنگی

بادام، پستے

ترکیب:

ایک کلو

ایک کپ

آدھا چمچ

ایک عدد

ایک کپ

ایک چمچ

پانچ عدد، دانے نکال دیں

حسب ضرورت

دودھ میں چینی، الابنگی اور بادام پستے ڈال کر ابال لیں۔ خشک دودھ میں بیکنگ پاؤڈر اٹا اور گھی ملا کر گوندھ لیں۔ ہاتھ چکنے کر کے چھوٹی چھوٹی تکیہ بنالیں۔ دودھ میں جوش آ جائے تو درمیان آ آ کر کر کے ساری تکیاں ڈال دیں چمچ مسلسل چلاتی رہیں تھوڑی دیر بعد یہ پھول جائیں اور دودھ گاڑھا ہو جائے تو اتار لیں اور ٹھنڈا کریں اور پیش کیجیے مزید دس ملائی تیار ہے۔

مجموعہ نمونہ..... کو رنگی کراچی میت بال کری

اجزاء:

چکن یا بیف

کٹی ہوئی پیاز

لال مرچ

نمک

ڈبل روٹی کا سلاٹس

دھنیا پسا ہوا

ہری مرچ

گرہوی کے لے

۲۵۰ گرام

ایک عدد

آدھا چمچ

ایک ٹی اسپون

ایک عدد

ایک ٹی اسپون

۲ عدد

ٹماٹر ہار یک کٹے ہوئے

نمک لال مرچ

باریک کٹی پیاز

پسٹا دھنیا

ہلدی

تیل

ہرا دھنیا

ترکیب:-

تمام چیزوں کو چوبیس میں ڈال کر اچھی طرح کس کر لیں۔ چھوٹے چھوٹے کوفتے بنا کر فرائی کر لیں۔

گرہوی

تیل گرم کریں اور اس میں پیاز ڈال دیں۔ ہلکی فرائی ہو تو بانی چیزیں ڈال دیں تھوڑا پانی ڈال کر مسالا خوب بھون لیں۔ جب مسالا اچھی طرح بھن جائے تو اس میں کوفتے ڈال کر دم پر رکھ دیں۔ ہر س دھنیے سے گارنش کریں۔

عزیز قاسم..... کراچی

مکس کھانا قلم

اجزاء:-

گائے کا قلم

چکن کا قلم

نمک

ادک لہسن پسا ہوا

پیاز

لال مرچ پس ہوئی

اٹلی کا گود

لیموں کا رس

ہری مرچیں

ہرا دھنیا

کونگہ تیل

ترکیب:-

پیاز کو باریک آلیٹ کی طرح چوب کر لیں، دونوں قسم

۲ عدد

حسب ذائقہ

ایک عدد

۲ ٹی اسپون

ایک چمچ

۲ ٹی اسپون

حسب ضرورت

۲۰۰ گرام

۲۰۰ گرام

حسب ذائقہ

ایک کھانے کا چمچ

دودھ

ایک کھانے کا چمچ

تین کھانے کے چمچ

دو کھانے کے چمچ

تین سے چار عدد

آدھی گھی

آدھی پیالی



کر لیں۔ اب اس میں کننا لہسن، ٹماٹر، سونف، رائی، کلونجی، زیرہ، اجوائن، کٹی لال مرچ، ہلدی اور نمک شامل کر کے فرائی کریں۔ اُتارنے سے پہلے شملہ مرچ اور ہرنی پیاز ڈال کر کس کر کے سرو کریں۔

ارم رحمان..... جھڈو سندھ  
تھائی تھلا ہوا بشت

اجزاء:-

آدھا کلو  
۲ عدد  
۲ عدد  
۶ عدد  
ایک کھانے کا چمچ  
ایک کھانے کا چمچ  
۲ کھانے کے چمچ  
۲ کھانے کے چمچ  
۵ کھانے کے چمچ  
سجانے کے لئے

انڈر کٹ  
پیاز (باریک کٹی ہوئی)  
شملہ مرچ (باریک کٹی ہوئی)  
تازہ لال مرچ (باریک کٹی ہوئی)  
لہسن (چوب کیا ہوا)  
کالا سرکہ  
تھائی سوٹ چلی ساس  
دوسٹر ساس  
نمک  
تیل

تھائی سوٹ چلی ساس  
دوسٹر ساس  
نمک  
تیل  
تھائی سوٹ چلی ساس  
دوسٹر ساس  
نمک  
تیل  
تھائی سوٹ چلی ساس  
دوسٹر ساس  
نمک  
تیل

ترکیب:-

انڈر کٹ کی لمبی پٹیاں آٹ لیں۔ اس میں لہسن، سرکہ، ایک کھانے کا چمچ تیل اور نمک ملا کر ۲ گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ فرائنگ چین میں باقی تیل گرم کر کے گوشت تل میں۔ اس میں پیاز اور شملہ مرچیں شامل کر کے چند منٹ بکنے دیں۔ پھر لال مرچیں، دوسٹر ساس اور تھائی سوٹ چلی ساس ملا کر ایک منٹ پرائیں اور چولہا بند کر دیں۔ مزید ارڈش کو تھائی کے تیل اور ٹماٹر سے سجائیں۔

عائشہ سلیم..... کراچی

کشمیریا تنجن

اجزاء:-

آدھا کلو  
آدھا کلو  
دو عدد  
چاول  
بکرے کا گوشت  
پیاز

کے قے کو دو کر عیحدہ چھتی میں خشک کرنے رکھ دیں۔ چین میں کوئنگ آئل کو درمیانی آگ پر گرم کریں اور اس میں پیاز کو ہلکا سا نرم ہونے تک فرائی کریں۔ اور ک لہسن اور گائے کا قیہ ڈال کر درمیانی آگ پر پکنے رکھ دیں جب تھے کا اپنا پانی خشک ہونے پڑا جائے تو اس میں نمک اور لال مرچ ڈال کر بھونیں۔ چکن کا قیہ ڈال کر ڈھک دیں اور ہلکی آگ پر پانچ سے سات منٹ پکائیں۔ پھر املی کا گودا، ہری مرچی، ہرادیٹیا اور بھونوں کا رس ڈال کر دم پر رکھ دیں۔ پانچ سے سات منٹ بعد اچھی طرح ملا کر چولہے سے اُتار لیں۔ ڈش میں نکال کر پراٹھے یا پوریوں کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

ہالہ نسیم..... کراچی

اچاری بیف چل

اجزاء:-

زیرہ  
اجوائن  
کٹی لال مرچ  
ہلدی  
نمک  
شملہ مرچ  
ہری پیاز  
بیف بونی  
اور ک لہسن پیسٹ  
تیل  
کننا لہسن  
ٹماٹر  
سونف  
رائی  
کلونجی

ترکیب:-

بیف بونی اور اور ک لہسن کے پیسٹ کو اتنا اُبال لیں کہ وہ گل جائیں۔ اس کے بعد گرم تیل میں فرائی



پورا لہسن	ایک عدد	فرنج بین	ایک کپ
سونف	دو کھانے کے چمچ	کٹی گا جر	ایک کپ
ثابت دھنیا	دو کھانے کے چمچ	کٹی نمائز	آدھا کپ
تیز پات	ایک عدد	مٹر	آدھا کپ
چینی	دو کھانے کے چمچ	کٹی شملہ مرچ	آدھا کپ
لیموں کارس	دو کھانے کے چمچ	گرم مسالا	ایک کھانے کا چمچ
ثابت گرم مسالا	ایک کھانے کا چمچ	زیرہ	ایک کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ	ادرنک لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
لکھن	چوتھائی پیالی	ہری مرچ	ایک کھانے کا چمچ
کھانے کا رنگ	چوتھائی چائے کا چمچ	پسا گرم مسالا	ایک کھانے کا چمچ
خشک میوہ اور مربہ	سجاوٹ کے لئے	نمائز	گارنش کیسے
زعفران	چند تیکے	پانی	حسب ضرورت
ہرا دھنیا اور کٹی پیاز	سجاوٹ کے لئے	کٹی ادرنک	حسب ذوق
	ترکیب :-	نمک	حسب ذوق

ایک پین میں گوشت اور ایک ملل کے کپڑے میں سونف، ثابت دھنیا، ایک پیاز اور لہسن کی پوٹی بنا کر ایک جگہ پانی کا ڈال کر درمیانی آنچ پر پکائیں، یہاں تک کہ گوشت نرم ہو جائے اور بخنی تیار ہو جائے۔ دوسرے پین میں لکھن گرم کریں اور دوسرا پیاز سنہرا کر لیں اور نرم گوشت ملا کر بھونیں۔ لیموں کارس، بخنی اور چاول ڈال دیں۔ جب پانی خشک ہو جائے اور چاول تیار ہو جائیں تو زعفران اور کھانے کا رنگ چمک دیں، خشک میوہ اور مربہ ڈال کر دم پر رکھ دیں۔ آخر میں ہرا دھنیا اور کٹی پیاز سے سجا کر پیش کریں۔

جو یہ خیاء... کراچی

عربین راس

ام ایمان..... کوہاٹ

سونی پلاؤ

اجزاء:-

اجزاء:-

چاول	آدھا کلو	چاول	آدھا کلو
کامی	آدھا پاؤ	شملہ مرچ	دو عدد
پیاز بڑی	ایک عدد	چکن پیس	ایک پکٹ
تیل	ایک کپ	نمک	ایک چائے کا چمچ
سوٹ کارن	ایک کپ	چکن پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچ



نمک اور کالی مرچ پاؤڈر کس کر کے مکھن سے برش کر کے  
گرل کریں۔ گرم گرم کہہ ب اور دہی ٹیبلو کچپ یا سوس  
کے ساتھ سرو کریں۔

سحر خالد..... بھکر

میٹ لوف

سفید مرچ  
سرکہ  
پیلارنگ  
شکشش  
ایک چائے کا چمچ  
چار کھانے کے چمچ  
حسب ضرورت  
ایک چوتھائی کپ

ترکیب:-

چاول ابال لیں اب ایک بین میں چار کھانے کے چمچ  
آئل لیں اور اس میں شملہ مرچ ابلے ہوئی چکن پس نمک  
اور چکن پاؤڈر سفید مرچ سرکہ شکشش ڈال کر فرائی کریں  
اور پھر ابلے ہوئے چاول ڈال کر کس کریں اور پیلارنگ  
ڈال کر پانچ منٹ دہویں۔

سحرش قاطمہ..... حافظ آباد

قیمہ پسپی

اجزاء:-

قیمہ

کنا ہوا پیاز

گارلک پیسٹ

ٹماٹر کا پیسٹ

گرم مسالا پاؤڈر

پسا ہوا زیرہ

پیٹ

انڈے

لیمن

پارسلے یا ہرا دھنیا

کالی مرچ

مکھن

نمک

ترکیب:-

قیمہ کنا ہوا، پیاز، گارلک پیسٹ، پیٹ پسا ہوا،  
زیرہ، گرم مسالا پاؤڈر، ٹماٹر کا پیسٹ، پارسلے، انڈے،  
لیمن جوس، نمک اور کالی مرچ چوپر میں ڈال کر کس کر لیں  
اور ساتھ ہی مکھن بھی ملا دیں۔ ایک لوف ٹن میں یہ مرکب  
ڈال کر پچیس منٹ تک ۲۰۰ ڈگری سینٹی گریڈ پر بیگ  
کر لیں۔ ٹھنڈا کر کے ملائیں کاٹیں اور گارلک بریڈ کے  
ساتھ مزے کریں۔

کور طفیل..... حیدر آباد



اجزاء:-

شمن قیمہ

شملہ مرچ ایک عدد

انڈے ایک عدد

کالی مرچ پاؤڈر

سرخ مرچ

کارن آئل

نمک

اور پکانو

تھانم

مکھن

وڈن اسکورڈ

آلو

شملہ مرچ

گاجر

نمک، کالی مرچ پاؤڈر

ترکیب:-

قیمے میں تمام اجزاء کس کر کے تھوڑی دیر کے لیے رکھ  
دیں۔ پھر اسکورڈر سے چھان کر گرل کر لیں۔ دہی ٹیبلو میں





روبین احمد

## سرحیوں کی رات اور ملبوسات کا

### استئلال

فیشن کا دوسرا نام اگر تبدیلی رکھ دیا جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ فیشن ہی کیا جو بدلتی رتوں کے ساتھ تبدیلی سے ہمکنار نہ ہو ہر رت کے اپنے ذائقے اور ہر موسم کے اپنے تقاضے ہیں جو ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ مختلف ضرور ہوتے ہیں اور اسی اختلاف میں دراصل فیشن کا حسن پوشیدہ ہے۔ بدلتے موسم کے ساتھ ملبوسات کا فیشن بھی یعنی طور پر تبدیل ہوتا ہے لہذا سردیوں کی نوید ملتے ہی ملبوسات کا اسٹائل بدلنے لگتا ہے۔ لان کے ہلکے پھلکے لباس کی جگہ قدرے دبیز کاشن، لینن اور اون کے ملبوسات کی تیاری شروع ہو جاتی ہے۔ تاہم کراچی جیسے شہر میں جہاں سردیوں میں بھی موسم بہت زیادہ سرد نہیں ہوتا بلکہ معتدل اور مرطوب ہی رہتا ہے زیادہ گرم کپڑے تیار کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس لیے آپ جارحٹ اور ٹینوں بھی پہن سکتی ہیں اور موسم سرما میں سوئٹرز یا بھاری بھاری کپڑے لادنے کے بجائے با آسانی اپنی مرضی کا ہر فیشن اپنا سکتی ہیں اگر کبھی اچانک موسم کے تیور بدلتے دیکھائی دیں تو اس کے لیے بھی ترکیبیں موجود ہیں ایسے مواقع پر اپنے عام سے ڈریس کے ساتھ کوئی جیکٹ وغیرہ پہن لیں اور اگر باہر جانا مقصود ہو تو سر پر کوئی اچھا سا اسکارف لپیٹ لیں فیشن کا فیشن اور سردی سے بچت بھی۔

لڑکیاں خاص طور پر اس موسم میں اپنی کسی بھی پسندیدہ ٹرٹ کے ساتھ ڈینیم کے جیکٹ اور پینٹ پہننے کو ترجیح دیتی ہیں کیونکہ یہ اسٹائل آج کل خاصا ان ہے اور لڑکیوں پر بجا بھی خوب ہے۔ فیشن کے مطابق ہونے کے باوجود یہ آؤٹ لک سادہ اور پر وقار ہے۔ نفاست سے بنائے گئے بال اور خوب صورت سینڈلز آپ کے

اسٹائل میں مزید خوب صورتی کا باعث ثابت ہوں گے۔

### بیوٹی ٹیپس

نوجوان لڑکیوں کے چہرے پر میل مہاسے اور دانے ٹھکانا عام سی بات ہے لیکن جلد کا داغ دھبوں اور نشانات سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی صفائی کا خاص خیال رکھا جائے اور دانوں کو پھیڑنے کی کوشش نہ کی جائے پھلو کو پھوڑنے کے بجائے انہیں از خود ٹھیک ہونے کا وقت دیں اور مندرجہ ذیل طریقے اپنائیں۔

زیادہ سے زیادہ پانی پئیں۔

دن میں کئی مرتبہ منہ دھوئیں۔

چہرے کی اضافی چکنائی سے نجات حاصل کرنے کے لیے اسٹریجمنٹ استعمال کریں۔

پکی سبزیاں اور پھل کھائیں۔

مرغن غذاؤں سے دور رہیں۔

میک اپ استعمال نہ کریں۔

روزانہ باقاعدگی سے شاور لیں۔

اپنے ناخوش کو تراش کر رکھیں تاکہ ان میں چھپے جراثیم کے چہرے تک منتقل نہ ہو سکیں۔

جراثیم کے چہرے تک منتقل نہ ہو سکیں۔

جراثیم کے چہرے تک منتقل نہ ہو سکیں۔

جراثیم کے چہرے تک منتقل نہ ہو سکیں۔

جراثیم کے چہرے تک منتقل نہ ہو سکیں۔

جراثیم کے چہرے تک منتقل نہ ہو سکیں۔

جراثیم کے چہرے تک منتقل نہ ہو سکیں۔

جراثیم کے چہرے تک منتقل نہ ہو سکیں۔

جراثیم کے چہرے تک منتقل نہ ہو سکیں۔

جراثیم کے چہرے تک منتقل نہ ہو سکیں۔

جراثیم کے چہرے تک منتقل نہ ہو سکیں۔

جراثیم کے چہرے تک منتقل نہ ہو سکیں۔

جراثیم کے چہرے تک منتقل نہ ہو سکیں۔

جراثیم کے چہرے تک منتقل نہ ہو سکیں۔

جراثیم کے چہرے تک منتقل نہ ہو سکیں۔

جراثیم کے چہرے تک منتقل نہ ہو سکیں۔

جراثیم کے چہرے تک منتقل نہ ہو سکیں۔



کے ساتھ کنٹراسٹ میں شامل اور ہنا زیادہ پسند کرتی ہیں جبکہ لڑکیاں جنمز اور کرتی کے ساتھ شامل کا اضافہ کر کے اپنے اسٹائل میں جدت کے ساتھ چار چاند لگا دیتی ہیں۔ موسم کی مناسبت سے سردیوں میں ملبوسات کے گہرے رنگ خاصے "ان" ہو جاتے ہیں ان کے ساتھ ہلکے رنگوں کی شائیں لباس کی شان بڑھا دیتی ہیں بالکل اسی طرح گہرے رنگ جیسے کالے رنگ کے لباس کے ساتھ نہ صرف خوب صورت ڈیزائن اور شوخ رنگوں کی شامل اچھی لگتی ہے۔ بلکہ لباس میں انفرادیت بھی پیدا کر دیتی ہے۔ لباس کی خوبصورتی میں اضافے کا باعث بننے والی ان شالوں میں ان کی کچھ تین ان کی کوالٹی کے مطابق رکھی جاتی ہیں اس لیے اپنے بجٹ یا رینج میں رہتے ہوئے ان کی خریداری کی جاسکتی ہے تاہم اگر ایک ہی بار مناسب قیمت میں اچھی کوالٹی کی شال خرید لی جائے تو بار بار خریدنے کے جنبٹ سے بچا جاسکتا ہے چونکہ سردیاں سال میں ایک ہی بار آتی ہیں لہذا اچھی کوالٹی کے سبب خراب نہ ہونے کی صورت میں یہ کئی سیزن تک ساتھ بھائی ہیں اوڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کی حفاظت بھی ضروری ہوتی ہے تاکہ ان کی خوبصورتی اور ملائمت برقرار رہے شائیں دھونے وقت سرف کا استعمال کریں اور ہلکے ہاتھوں سے دھوئیں موسم سرما کے بعد محفوظ رکھنے کے لیے ہمیشہ پلاسٹک کی پھیلی کا استعمال کریں اس طرح ان کے رنگ خراب نہیں ہوں گے اور آپ اطمینان کے ساتھ انہیں مختلف پہناؤں کے ساتھ اوڑھ سکیں گی۔

### سدا بہار خوبصورتی

چمکتی دکتی جلد ہر خاتون کا خواب ہوتی ہے بالخصوص لڑکیاں ہنسی مسکراتی خوب صورت ماڈلز اور ایکسٹریس کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی ہیں اور ان جیسا نظر آنے کی دھن میں ہر ٹونکا اور حربہ آزماتی ہیں لیکن نتیجہ صفر رہتا ہے یا شاذ و نادر کامیابی ملتی بھی ہے تو وہ دیر پا ثابت نہیں ہوتی۔ دراصل اگر ان ناکامیوں کی وجوہات جاننے کی کوشش کی جائے تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ ہم

ساری تنگ و دو طرف چہرے کو پرکشش بنانے پر کرتے ہیں لیکن عمومی صحت مجموعی جلد اور دیگر اسباب کو سرے سے نظر انداز کر دیتے ہیں جس کے سبب حسین نظر آنے کے لیے بڑے پاپڑ بیلنے کے باوجود مطلوبہ نتائج نہیں ملتے۔ اس لیے اگر آپ میرا آزمائشوں سے تنگ آ چکی ہیں اور سدا بہار خوبصورتی کی متمنی ہیں تو یہ بات سمجھ لیں کہ ہمارے ظاہری حسن کا انحصار جلد کی شادابی پر ہے جلد انسانی جسم پر ایسی قدرتی حفاظتی پرت ہے جو اپنے اندر موسمی تبدیلیوں اور اثرات کو جذب کر لیتی ہے۔ بلاشبہ یہ ہماری صحت کا اظہار ہے۔ چنانچہ اگر ان کی مناسب دیکھ بھال سے غفلت برتی جائے تو معنراثرات فوری طور پر ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں جو پریشانی کا باعث بنتے ہیں اس لیے ماہرین خوبصورتی کے لیے اس کے صحت مند ہونے پر زیادہ زور دیتے ہیں کیونکہ صحت مند جلد چہرے کے لیے مضبوط و حال کی طرح کام کرتی ہے۔ عموماً ہماری خواتین اپنی نین اتج گزرنے کے بعد بیس اکیس برس کی عمر میں جلد کے بارے میں احتیاط شروع کرتی ہیں اور اسی کوشش میں لگی رہتی ہیں کہ ان کے سارے مسائل چٹکی بجاتے حل ہو جائیں اور انہیں زیادہ محنت بھی نہ کرنی پڑے۔ ان تمام الجھنوں سے بچنے کا واحد اور آسان راستہ یہ ہے کہ جلد کی حفاظت کم عمر میں شروع کریں۔ کیونکہ یہ بلڈ کی نگہداشت کا بہترین عرصہ ہوتا ہے۔ ہم عمر کے اس دور کا بھرپور فائدہ نہیں اٹھاتے اور بعد میں پچھتاتے ہیں اگر جلد کی حفاظت اور اس میں رونما ہونے والی تبدیلیوں پر کم عمر میں ہی توجہ دے دی جائے تو خوبصورتی تا عمر برقرار رہتی ہے لیکن وہ تمام خواتین جو عمر کے اس دور سے نکل چکی ہیں پریشان نہ ہوں کیونکہ وہ اپنے معمولات میں ہلکی تبدیلیوں کے ذریعے جلد کو شاداب بنا سکتی ہیں۔

فائزہ اسلم۔۔۔۔۔ رحیم یار خان





## میرنگ خیال

ایمن وقار

حمد باری تعالیٰ

دلکش دلکش منظر سارے  
اس کی قدرت کے ہیں نظارے  
دریا سمندر پہاڑ بنائے  
طرح طرح کے پھول کھلائے  
صحرا اس کے جنگل اس کے  
دور آفتاب پر بادل اس کے  
چاند اور سورج اس نے بنائے  
تارے فلک پر خوب سجائے  
گرمی ہو یا خوب ہو جاڑا  
ہر موسم ہے اس کا پیارا  
اس نے سب کچھ پیدا کیا ہے  
وہ ہی تیرا میرا خدا ہے  
عمران فائق..... انک

تمنا

نبی ﷺ کے شہر میں مجھ کو جو قبر مل جائے  
تو میرے دل کا یہ ارمان بھی نکل جائے  
طواف کعبہ خدا نے مجھے نصیب کیا  
مدینے جانے کا ارمان بھی نکل جائے  
بلالیا سر کا ﷺ نے مدینے میں  
کہ میرے چاہنے والوں کا دل بہل جائے  
مدینے جا کے نہ دنوں یہی تمنا ہے  
میرا قیام مدینہ میں دم نکل جائے  
نبی ﷺ کے روئے کا جی بھر کے کرلوں نظارہ  
کہو قضا سے گھڑی کی گھڑی کو مل جائے  
میں اپنے چہرے کی زینت اسے بنالوں گی  
ماہی خاک مدینہ جو مجھ کو مل جائے  
ماریہ کنول ماہی..... چک درکان

غزل

پنچھی آزاد اچھے لگتے ہیں  
پھول شاخوں پہ روز کھلتے ہیں  
جو پہاڑوں سے چٹھے بہتے ہیں  
پھر ندی سے گلے وہ ملتے ہیں  
پڑ سارے اس ہیں لیکن  
بارشوں میں نکھر کے دھلتے ہیں  
جب ہواؤں کا ساز بجاتا ہے  
مور جنگل میں رقص کرتے ہیں  
پھول اور بچوں میں نہیں کوئی فرق  
جب بھی دیکھو وہ ہنستے رہتے ہیں  
دنیا میں زندہ دل رہو ہمد!  
مستقل کب ٹھکانے رہتے ہیں  
رزق ملتا ہے غمروں میں جنہیں  
یہ کرشمے سب رب کے ہوتے ہیں  
جو جدائی سے پھر گیا خانم  
اس کو فطرت کے راز ڈستے ہیں  
فریدہ خانم..... لاہور

نظم

ایک مدت سے تعمیر کمری ہوں میں  
چاہتوں کے مکان  
جس میں کڑی سزا میں  
بے انتقامی  
نظرتوں کی ہر ایک ٹھٹھری  
کو دفن کر کے  
میں نے حبیب الفت سے  
بنیاد رکھی ہے اس مکان کی  
سو جس کی بنیاد میں ہوش مل  
پر غلوں جذبے  
ہزار چاہتیں  
بھلا وہ کہیں اس کے اثر سے  
کب تلک رہ سکتے ہیں وراس سے



میں بھی اسی یقین کے سہارے  
گزار رہی ہوں یہ لمحے سارے  
کبھی تو چھینیں پڑیں گے دل پر  
نفرتوں کے موسم چھینیں گے دل سے  
تمہارے قلب تک میری رسائی ہوگی  
تمہاری بے رحم طبیعت کو  
میری محبتوں سے آشنائی ہوگی  
زندہ ہوں میں اسی یقین کے سہارے  
گزار رہی ہوں یہ لمحے سارے

حمیرا نوشین..... منڈی بہاؤ الدین

غزل  
روشنی کی خواہش میں آنکھیں جلا بیٹھی  
میں سارے خواب سہانے بھلا بیٹھی  
خواب رتوں سے بہار کی آس لگا کر  
میں ننھی کلی جیسی بیٹی مرجھا بیٹھی  
میری سادہ دل ماں کو بھلا کیا معلوم؟  
وہ کسے اپنی لاڈلی گڑیا دلا بیٹھی؟  
باہل کے گھر سے کوئی سندیدہ نہ ملا  
میں پردیس آ کر سب کچھ گنوا بیٹھی  
اس شخص سے میرا بھلا ہو نہیں پایا  
جس کے بندھن میں خود کو بندھا بیٹھی  
میری ماں بھی نہ جان پائی وہ دکھ  
جو خود کو میں تنہائی میں سنا بیٹھی

چندا چوہدری..... حویلیاں  
نظم

جھپٹیں اس طرح سے چاہوں  
کہ تمام چاہتیں تم پر ختم ہواے جان!  
کوئی حسرت وصال کی  
کوئی لمحہ فکری کا  
کوئی پھول بھی غم کا  
تیری راہ میں نہ چل پائے.....!

میرا غزل صدیقی.. کراچی

غزل

ہجر کے صحرا میں نیری یاد کے پیچھے  
بہت دور نکل آئی اک خواب کے پیچھے  
شاید کہ ہو افسردہ وہ بھی میرے بنا  
عمر گزار دی میں نے اسی خیال کے پیچھے  
اسے بھول جانا اتنا بھی محال نہیں مگر  
میری دھڑکنیں چلتی ہیں اس کی سانس کے پیچھے  
یہ دل بھی گواہ اس کا جان بھی گواہ اس کی  
کیا ہوں ہے کس کا ہاتھ دل برباد کے پیچھے  
دیکھو یوں بچ رہا میں ساتھ مت چھوڑو  
اپنا سب ہی کچھ لٹا دیا تیری ذات کے پیچھے  
اب جا کے میرے دل کو حمیرا یہ یقین آیا  
عمر بھر بھگتی رہی ہیں سراب کے پیچھے  
حمیرا قریشی..... لاہور

غزل

ٹوٹ جائیں نہ اپنے خواب آجا  
دھل نہ جائے نہیں شباب آجا  
موسم گل ہے منتظر تیرا  
رو رہے ہیں بھی گلاب آجا  
میں اکیلا ہوں قریہ شب میں  
آ مرے پاس ماہتاب آجا  
دل کے زخموں کا کچھ بھرم رکھ لے  
حسرتوں کے لیے گلاب آجا  
تفکلی بڑھ گئی ہے حد سے اب  
ساقیا آج بے نقاب آجا  
ظلم کر ہم پر یا کہ پیار حکیم  
ہم نے لیٹا نہیں حساب آجا  
حکیم خان حکیم..... ایک

غزل

نظر کے سامنے نیرے سوا نہیں کوئی  
تو اس قد حسیں ہے دوسرا نہیں کوئی  
نجانے کتنے اندھیروں نے گھیر رکھا ہے



اجلا جس سے ہو ایسا دیا نہیں کوئی  
 تجھے ہی سوچنا اور شاعری کرنا  
 علاوہ اس کے میرا مشغلہ نہیں کوئی  
 نجانے آج کل اس کا مزاج کیسا ہے  
 ابھی تو اس سے ہوا رابطہ نہیں کوئی  
 کسی کے در کی گدائی ہمیں بھی حاصل ہو  
 ہمیں وہ مرتبہ حاصل ہوا نہیں کوئی  
 قدیر رانا بھلا کس طرح ملے آ کر  
 تیری زبان پر حرف دعا نہیں کوئی  
 قدیر رانا..... راوی پٹنڈی

غزل

کنارا کرو گے کنارا کریں گے  
 محبت کے دکھ کو گوارا کریں گے  
 کرو گے محبت محبت ملے گی  
 محبت میں درد خارا کریں گے  
 اگر بے وفائی کرو گے جو ہم سے  
 تیرے غم میں آنکھیں ستارا کریں گے  
 کبھی ہم کو ان سے ہوئی تھی محبت  
 محبت ان ہی سے دوبارہ کریں گے  
 تیرے لوٹ آنے کی خوشی میں ہم بھی  
 بہت خود کو ہم سنوارا کریں گے  
 تیرا پیار فری میری زندگی ہے  
 محبت کو ہم آشکارا کریں گے

فریدہ جاوید فری..... لاہور

غزل

چھوڑ جاؤ یہی مناسب ہے  
 پھر نہ آؤ یہی مناسب ہے  
 عشق پاگل ہے عشق اندھا ہے  
 ذوب جاؤ یہی مناسب ہے  
 تم سے جانا یہی توقع تھی  
 دل دکھاؤ یہی مناسب ہے  
 اس نے تم کو بھی چھوڑ جانا تھا

غم مناؤ یہی مناسب ہے  
 گھر کی وحشت ہی کام آئے گی  
 دل لگاؤ یہی مناسب ہے  
 تیرا راشد اداں رہتا ہے  
 لوٹ آؤ یہی مناسب ہے  
 راشد ترین..... مظفر گڑھ

غزل

زخم جو اعتبار دیتا ہے  
 جینے والوں کو مار دیتا ہے  
 آزمائش قدم قدم پر ہمیں  
 موسم نو بہار دیتا ہے  
 کوئی آتا نہیں ہے ملنے کو  
 روز وہ اشتہار دیتا ہے  
 زندگی کیا دے راستہ اس کو  
 غم سے ہمت جو ہار دیتا ہے  
 جان دے کر وطن کا رکھوالا  
 قرض سارے اتار دیتا ہے  
 کون دیتا ہے زندگی کا شعور  
 زخم دل بار بار دیتا ہے  
 عشق دیتا ہے دل کو بے تاب  
 آنکھ کو انتظار دیتا ہے  
 اک تبسم تمہارے ہونٹوں کا  
 دل میں خوشیاں اتار دیتا ہے  
 دیکھئے رب دو جہاں غیر  
 کب نیا روزگار دیتا ہے

غیر رضوی..... کراچی

شہر دل کی گلیوں میں

شہر دل کی گلیوں میں آج ہو کا عالم ہے

سکیاں ابھرتی ہیں

ان دنوں کی یادوں میں

جب خوشی کے جھولے میں

اعتبار کا رشتہ..... ایک پیار کا رشتہ



جانندی راتوں میں  
 بیبیوں کے گیت کا..... دور کا اک جھرنے سے  
 اس نگر میں شاداں تھا  
 ایک ایک گلی میں گیت  
 اعتبار کا گایا..... اور پیار کا گایا  
 ہر طرف اجالا تھا روشنی تھی خوشبو تھی  
 سات رنگ کی تھی  
 ننھے ننھے پھولوں سے مسکراہ ہوتی تھی  
 ایک قبر یا پھر  
 اعتبار پھر نونا  
 جھوٹ کا پرندہ تب  
 شہر کی فصیلوں پر روز آ کر تھا  
 اور ٹل کا قصہ  
 قاتلوں کے لہجوں نے شہر کو سنایا تھا  
 دوستی کا وہ رشتہ  
 خوشبوؤں میں بستا تھا  
 ٹوٹ ہی گیا آخر.....  
 ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ ہی گیا آخر  
 شہر دل کی گلیاں پھر  
 راز کھولا کرتی تھیں ہر سوچ چا کرتی تھیں  
 ان دنوں سے روشنی ہے  
 روشنی بھی خوشبو بھی  
 اب تو بلبل بھی خفا سا لگتا ہے  
 مان ٹوٹ جانے کے  
 دل کو بھی جلانے کے  
 اور دھوکا کھانے کے  
 سیاہ گھنٹا دھیرے سے بادلوں کا سایہ ہے  
 اس کے بعد ہستی میں موت سا اندھیرا ہے  
 شہر دل کی گلیوں میں موت سا سناٹا ہے  
 بین کرتی یادوں کی  
 سسکیاں ابھرتی ہیں  
 شہر دل کی گلیوں میں

شہر دل کی گلیوں میں.....!  
 عرشہ ہاشمی..... کوئی AK  
 انگبار

دل کے اداس نام و دور پر  
 دیے اس کے جلا کے  
 یاد کے صحرائیں  
 انگلیوں کی رہ جھم کب رہا ہے  
 بیٹے دنوں کی راکھ میں  
 جلا کے انگلیاں  
 آنسوؤں کی برسات کب تھی ہے  
 وہ اور بھی شدت سے یا آ یا  
 دیکھا جب بھی اسے بھلا کے  
 حد نظر تک ہوا محسوس  
 زیست میں ہر پل تیری کمی ہے  
 اشک روک کر بھی دیکھا  
 ٹھہری ہوئی پلکوں پر گواہ ہے  
 لاکھ سناٹا جا ہا  
 دل کے ہر گوشے پر اک تصویر جمی ہے  
 اور تصویر پر جا بجا  
 میرے آنسوؤں کی نمی ہے

فیض آصف خان..... ملتان  
 لقمہ

روئے روئے سے  
 یہ سارے دن ہیں  
 لہو و وطن ہے سارا  
 کیسے روئے کیسے ہے،  
 وہاں.....!  
 جس کا نور نظر  
 گولیوں کی بارشوں میں  
 نہا گیا ہے.....

صنم ناز..... گوجرانوالہ

غزل



روئے مہتاب سے آج کل کو ہٹایا جائے  
جلوہ حسن تو اک بار دکھایا جائے  
کسی نے دیکھا ہے بھلا حسن مجسم ایسا  
ہو اگر کوئی اسے سامنے لایا جائے  
روز پیتا ہوں مگر پیتا ہوں سے خانے میں  
آج کی شام تو نظروں سے ہٹایا جائے  
ایک مدت سے رہے ہجر کے تارے ہدم  
دل کی اب سچ پر مجھ کو بھی سلایا جائے  
میں کسی اور حوالے سے تجھے پاؤں گا  
مجھ کو ہاتھوں کی لکیروں میں نہ لایا جائے  
میں نے ہوتا ہے مسحاؤں کے ہاتھوں مقتول  
میرے مشکل کو ابھی اور سجایا جائے  
ہو اگر کوئی تو وہ آئے مقابل یارو  
آئینے کو ذرا آئینہ دکھایا جائے  
آخری گیت دقاؤں کا لکھا ہے میں نے  
محفل عشق میں جو دل سے سنایا جائے  
آج ساحل پر عجب رقص بھنور ہوتا ہے  
غم کی لہروں کو بھی گرداب میں لایا جائے  
خالدایا ز ساحل.....

لقم

دھیمی دھیمی  
دھیمی دھیمی  
صدائیں سے ابھر رہی تھی  
مجھ کو نہ چھوڑ جاؤ  
اک لڑکی بے وفا سے  
فریاد کر رہی تھی  
وہ رو رہی تھی  
وہ ہنس رہی تھی  
وہ چاہتی تھی اس بے وفا کو  
جو چھوڑ کر  
اسے جا رہا تھا  
اک کی چاہت اک کی نفرت

محبت کے معاملوں میں  
عجیب تر نہ یہ معاملہ تھا  
اس کے ہونٹوں پر ہنسی تھی  
ادھر لیوں پر سسکیاں تھیں  
وہ ہنستا ہوا جا رہا تھا  
وہ روتے ہوئے تک رہتی تھی  
محبت کو ہار کر وہ  
زندگی بھی گنوا چکی تھی  
ایک لڑکی اس بے وفا پر  
جان اپنی لٹا چکی تھی

عنایت اللہ عنایت..... موح

خاموش رشتہ

اے ہدم!  
تم نے بھی  
لفظوں کا سحر نہیں  
مجھ پر بھونکا  
قربت کا کوئی جگنو میر۔ یا بچل میں  
نہیں ٹانکا.....  
کبھی دلفریب جلوں کا جال  
میری ذات کے گرد نہیں بنا  
مگر پھر بھی  
اے ہدم!  
تمہاری آنکھوں کی کشش  
میری آنکھوں میں اپنے ساتھ کے  
دیے جلاتی ہے  
تمہاری معنی خیز مسکان  
میرے دل کے تاروں کو  
جکے سے چھیڑ جاتی ہے  
کیونکہ.....  
اے ہدم!  
یہ خاموش رشتہ بڑا عجیب ہوتا ہے  
بڑا دلفریب ہوتا ہے



بڑا قریب ہوتا ہے

شمع مسکان..... جام پور

غزل

کائناتوں سی اس دنیا میں وہ پھولوں جیسی  
جیون بھول بھلیوں میں وہ رستوں جیسی  
اجلی اجلی مہکی مہکی روشن روشن  
میری سوچوں جیسی جذبوں جیسی  
جھلجھل کرتی اترے دل کے نغموں میں  
رات اندھیروں میں وہ چاند اجالوں جیسی  
جاگتی آنکھوں سے بھی اس کو دیکھتے رہتا  
وہ خوابوں میں آنے والی پروں جیسی  
لو برساتی دو پہروں میں اس کی یادیں  
شعری کرنوں جیسی ہلکے رنگوں جیسی  
اک چہرے کا لپکا ہے میرے چاروں جانب  
میں ہوں اور یہ دنیا ہے آنسو جیسی  
کیا رب نواز کی..... بھکر

ظالم ڈھایا جا رہا ہے

سراسر ظلم ڈھایا جا رہا ہے  
غریبوں کو ستایا جا رہا ہے  
مداری کا تماشا ہے سیاست  
نیا کرتب دکھایا جا رہا ہے  
سمجھ میں کچھ نہیں آتا کسی کو  
عجب چکر چلایا جا رہا ہے  
بظاہر چھوٹے فتنوں کو دبا کر  
بڑا فتنہ اٹھایا جا رہا ہے  
ذرا ہم خواب سے چوٹے تھے اے دل  
تھپک کر پھر سلایا جا رہا ہے  
طالب رونی کی ہے بھوکوں کو یارب  
انہیں گانا سنایا جا رہا ہے  
کہاں آئین اسلامی کہاں ہم  
یہ دھوکا ہے جو کھایا جا رہا ہے  
یہ ذلت اور آزادی کی نعمت

ہمیں آلو بتایا جا رہا ہے  
بصیرت ہے تو پنہم دل سے دیکھو  
مسلمانوں کو منایا جا رہا ہے  
نہرین لطیف..... ٹوبہ فیک سنگھ  
تلاش

وہ اکثر مجھے جب بھی

کتاب محبت کھنگالنے دیکھتا ہے

تو اکثر سوال کرتا ہے

کہ تم کتاب محبت میں

کون سا راز تلاش کرتی ہو

کون سے سوال کا جواب تلاش کرتی ہو

مگر وہ انجان ہے کہ

مجھے کتاب محبت کا ہر برق از پر ہے

میں تو بس میری کتاب محبت لکھنے والے

معصوم کا نام تلاش کرتی ہوں

کوثر ناز..... حیدر آباد

دعا

یارب تیرے در پر کھڑی حقیر بندی  
ہاتھ اٹھائے حروف دعا ڈھونڈتی ہوں  
سر سے پائیک گناہوں میں گوندھی  
مریض لا دوا کے لیے دوا ڈھونڈتی ہوں  
ٹو مشکل کشا مالک ارض و سماں  
ہر آفت میں تجھ سے ہی پناہ مانگتی ہوں  
تیری ذات ہے۔ مثال تو صفات میں یکسا  
کی اپنی ذات میں ہی ہر خطا ڈھونڈتی ہوں  
نہیں ہے نا امید فرزین موسم خزاں سے  
ہے دل میں خدا آں کو اپنا حبیب مانگتی ہوں

سیدہ فرزین حبیب... کراچی





# دوست گلیں ملے آگے

بہا احمد

نازیہ کنول نازیہ سمیرا شریف۔ طور اور آصفہ کے نام  
السلام علیکم! کیسی ہیں آپ سب؟ نازیہ آتی آپ  
کہاں ہیں پلیز جلدی سے آجائیں اپنا نیا ناول لے  
کر۔ سمیرا شریف طور مجھے آپ کی ہر کہانی بہت بہت  
پسند ہے آپ بہت اچھا لکھتی ہیں۔ ہیلو آصفہ! کیسی  
ہو اے ٹھیک ہی ہوگی اے اتنا حیران کیوں ہوتی  
ہوں میں ہی ہوتی ہو تمہاری دوست لورین کیسا لگا؟ اب  
موتی نہ ہو جانا خوشی میں۔ آپ سب اپنا بہت خیال  
رکھنا اور مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا! اللہ حافظ۔

نورین خلیل حسین..... مظفر گڑھ

پیاری دوستو کے نام

مدیحہ کنول! کیسی ہو؟ تم بھی غائب ہو! منگنی کے  
بعد کہیں بیاہ تو نہیں کر لیا۔ نیرنگ خیال میں تمہاری  
شاعری دیکھی بہت اچھی ہے۔ پڑھ کر مزہ آیا شاہ  
زندگی! ایسے بول شاہ خساء عباس! دعا ہاشمی کیسی ہو  
آپ سب؟ حافظہ سمیرا آپ کو میری چیزیں اچھی لگتی  
ہیں (جزاک اللہ) اور اب فیصل آباد کی رہائشی بنیلے  
مراد کیسا لگ رہا ہے۔ ہتھوکی سے اتنی دور جانا سنو!  
19 جنوری کو تمہاری شادی کی پہلی سالگرہ تھی بہت  
بہت مبارک ہو اور 25 جنوری کو تمہاری سالگرہ تھی  
بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ پاک تمہیں اپنی  
رحمتوں کے سائے تلے رکھے اور تمہیں اور منزہ کو دنیا و  
آخرت دونوں میں سرخرو کرے آمین۔

فائزہ بھٹی..... ہتھوکی۔

ماہ رخ (سیال) کے نام

السلام علیکم! کیا حال ہے کیسی ہیں آپ؟ آپ  
نے ہمارے لیے فرینڈ شپ ریکوئسٹ بھیجی ہمیں آپ  
کی ریکوئسٹ قبول ہے۔ ہم نے بہت لیٹ ریپلائی

کیا اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں! دراصل ہم  
اپنے انگریز میں بہت بزدلی تھے۔ اس وجہ سے ہم  
آپ کو وقت پر جواب نہیں دے سکے یقیناً آپ  
ہماری ایکسیسز قبول کر لیں گی۔ میں اور ابرش فرینڈز  
ہیں اب آپ بھی ہماری فرینڈ ہیں۔ چلیں! ہم آپ کو  
اپنا تھوڑا سا تعارف کرو دیں! ہم دونوں ایم بی بی  
ایس کی اسٹوڈنٹ ہیں! اس لیے بہت بڑی راتیں  
ہیں۔ این صدیقی، حسن ٹیلانی بھی ہماری فرینڈز  
ہیں۔ آج کل سے ہمارا تعلق تقریباً تین سال پرانا ہے  
میری منگنی ہو چکی ہے جبکہ ابرش کا نکاح ہوا ہے وہ بھی  
بہت ہی ہینڈسم لڑکے ہے۔ ہم دونوں بہت ہی خوش  
نصیب ہیں زیت کا فیاضی بھی بہت ہینڈسم ہے۔  
اب آپ بھی اپنا تعارف روانہ! امید ہے آپ ہمیں  
ہمیشہ یاد رکھیں گی اور ہماری دوستی کا رشتہ سچے دل سے  
نبھائیں گی۔ ہمارے لیے دعا بھی کیجیے گا کہ ہم ایم بی  
بی ایس اچھی طرح مکمل کر لیں! اللہ حافظ۔

ابرش آشیہ زیت مکرم..... ہٹیاں بالا

تمام طالب علموں کے نام

السلام علیکم! امید واثق ہے کہ آپ سب خیریت  
سے ہوں گے میرے مخاطب پاکستان کے تمام  
طالب علم ہیں۔ میرے بہن بھائیو! آپ سب جانتے  
ہیں کہ ملک کن مشکل حالات سے گزر رہا ہے۔ ایسے  
حالات میں جب ہم اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہے ہیں  
دہشت گرد ہمیں اپنے مقاصد اور نظریات سے بھٹکانا  
چاہتے ہیں۔ پاکستان میں ہم کے جہاد کو روکنا چاہتے  
ہیں تاکہ ہم اور ہمارا ملک زلی کی دوز میں آگے نہ  
بڑھ سکیں۔ ہماری منگنی کلیو با کو نو چتے پھر رہے ہیں  
تاکہ مائیں اس خوف سے ہم و فراست کا رستہ چھوڑ  
دیں مگر سلام ہے ان ماؤں پر جو اپنے لخت جگر کی  
قرہانیاں دے کر بھی خوف، کاشکار نہیں ہوئیں۔ علم  
کے اس جہاد میں باطل کو ٹلست دیتے ہوئے ان  
ماؤں نے اگرچہ اپنی گود بے خالی کر لیں مگر ان کی



مبارک ہو اللہ تم کو ہزاروں ایسی سالگرہ منانے کی توفیق دے اور اللہ میری عمر بھی تم کو لگا دے۔ میم سمیعہ اور حنا کو سلام ہمیشہ خوش رہیں صد اسکرانی رہیں آمین۔

انراء لیاقت..... حافظ آباد

پیاری دوستوں کے نام

میری پیاری سی دوستوں ثانیہ طعصہ، فردا، عصمت، صبا، سونیا، آنسہ سب کو میرا سلام۔ کیسی ہو دوستو! میرا بہت مبارک ہو تمہیں لب ٹاپ ملا ہے۔ ثانیہ طعصہ اور فردا آپ کی پڑھائی کیسی جارہی ہے۔ ثانیہ تم جو چاہتی تھیں اب تمہاری خواہش پوری ہوئی ہے۔ طعصہ اور فردا تم معصوم ہو کے بننے کا ڈرامہ کرتی ہو ہا ہا۔ ویسے تم میری بہت اچھی دوستیں ہو اور تمہارا کیا حال۔ بچہ کیا کرتی ہو اب۔ کہیں شادی وادی تو نہیں ہو یا تمہاری جو رابطہ بھی نہیں کرتی۔ باجی ثانیہ میں بہت خوش ہوں میں جلد ہی آپ کے گھر آؤں گی۔ میری طرف سے میری ساری کلاس فیلو (جو کہ پہلے تھیں اور اب ہیں) سلام۔ میری دعا ہے کہ اگلے سال سے وابستہ لوگ ہمیشہ خوش اور مسکراتے رہیں اللہ حافظ۔

انراء وکیل..... لیلیانی، سرگودھا

آج کل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب؟ سب سے پہلے دعا ہاشمی اللہ آپ کو صبر عطا فرمائے آمین۔ بے درپے صدقات پر دل دکھ سے بھر گیا اتنے قریبی رشتوں کی جدائی انسان کو واقعی توڑ پھوڑ کر رکھ دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ خالہ اور ناجی کو کروٹ کروٹ جنت نعیب فرمائے آمین۔ گلینڈ میر! کیسی ہو آپ؟ بہن کی شادی کی بہت مبارک ہو۔ چاند اور ستارہ (عبید ایڈ ہاوی) کیسے ہیں؟ میری طرف سے بہت سا پیار نورین شاہد کیا حال ہے جناب آپ کا؟ کاہل شاہد جی! کیا حال ہے آپ کا؟ بیٹی کیسی ہے

جھولیاں حقیقتاً خالی نہیں ہوئیں بلکہ اللہ کی رحمت ان پر عزم ماؤں پر برابر برس رہی ہے۔ پیارے طالب علموں اگر تم چاہتے ہو کہ ہم یہ جنگ جیت جائیں اور ہمارے بہن بھائیوں کا خون رائیگاں نہ جائے تو پھر ہمت سے کام لیتے ہوئے اپنے اندر قوت پیدا کرو اور علم کے جہاد کو تیز کرو تاکہ دشمن کو واضح منہ توڑ پیغام حاصل ہو سکے ہم پاکستانی بچے ان کے اوچھے بھٹکنڈوں سے ڈرنے والے نہیں ہیں۔ اللہ اس ملک و قوم پر اپنا رحم کرے اور ہمیں ان حالات میں ہمت اور تدبیر سے کام لینے کی توفیق دے آمین۔

عزراہ یونس..... حافظ آباد

شہدائے پشاور کے نام

16 دسمبر پاکستان کی تاریخ کا سیاہ ترین دن کہا جاتا ہے 16 دسمبر کو ہی بنگال ہم سے جدا ہوا تھا۔ 16 دسمبر کو ایک بدترین سانحہ پشاور رونما ہوا ایسا بدترین دن جس نے کئی ماؤں کی گودیں اجاڑ دیں۔ ایسا بدترین لمحہ جس نے کھلتے ہوئے پھولوں کو نوج لیا پھولوں کے شہر میں پھولوں پر ہی حملہ تاریخ کا ایک ناقابل فہم اور ناقابل برداشت سانحہ ثابت ہوا۔ وہ وقت کوئی بھی شخص نہیں بھول سکتا۔ خلیع فاطمہ عثمان طلحہ اور بہن اور اس جیسے جانے اور کتنے بچوں کے نام کون فراموش کر سکتا ہے۔ اب ایسے حالات میں جب ایک طرف ضرب و غصب آپریشن چل رہا ہے تو دوسری طرف ملک دشمن وطن عزیز کے مستقبل بھی ٹکڑیوں کے ٹکڑے کی درپے ہے ان حالات میں ہمارا قومی اور اخلاقی فرض بنتا ہے کہ ہم اپنے اندر فہم و فراست پیدا کرتے ہوئے فرقہ واریت، نسل پرستی، صوبائیت اور تعصب سے بالاتر ہو کر صرف و صرف ملک و قوم کی بقا کے متعلق سوچیں کیونکہ یہ وقت جوش کا نہیں ہوش کا ہے۔ اللہ ہمارے اس وطن عزیز کو اپنی امان میں رکھے اور ہمیں حق کہنے اور سننے کی توفیق دے آمین۔ آخر میں اپنے بھائی عمر اور عثمان کو بہت بہت سالگرہ

آنجل \* \* \* مارچ ۲۰۱۵ء 2۹۱4



ہے کہ اللہ آپ کو ہزاروں خوشیاں دیکھنا نصیب فرمائے اس کے علاوہ مارچ میں ہمارے پیچہ ز بھی ہیں پلیز آپ سب دعا کریں کہ ہمارے پیچہ ز بہت اچھے ہوں آمین۔ اس کے علاوہ گفتہ باجی کنول آپنی انصی آپنی مومنہ آپنی دبا آپنی صنم آپنی سحدیہ باجی آپ سب کیسے ہیں؟ صنم آپنی آپ تو کالج میں جا کر بالکل بدل گئی ہو اور انصی آپنی آپ کو گھر سے دورہ کر کیسا لگ رہا ہے یقیناً آپ بہت مس کر رہی ہوں گی۔ کنول آپنی آپ بھی وہاں جا کر تھوڑی تھوڑی بدل گئی ہیں گھر کی یاد نہیں آتی کیا؟ اچھا اب اللہ حافظ۔

خمن گیلانی، ابن صدیقی..... آزاد کشمیر  
حمید انکل کے نام

کچھ لوگ دنیا میں بہت کم عمر لکھوا کرتے ہیں۔ آپ کو پتا تو تھا کہ آپ کی بیٹی عظمیٰ آپ کو دیکھ کر جیتی تھی وہ گھر کے کسی کام کو پتا تو نہیں لگاتی تھی مگر آپ کے کپڑے خود پر لیں کرتی تھی جوتے پالش کرتی اور آپ کی ہر چیز کا خیال رکھتی تھی۔ آپ کہتے تھے کہ میری بیٹی عظمیٰ ڈاکٹر بنے گی۔ میں اپنی بیٹیوں کو اتنا پیاروں کا کہ جتنا کسی باپ نے بھی اپنی اولاد کو نہ دیا۔ حبیبہ عمارہ اور عظمیٰ کی آنکھوں میں خواب سجا کر خود اپنی نیند سو گئے۔ آپ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ عظمیٰ کتنی حساس ہے بات بات پر رو دینے والی اس کی ہر خواہش پوری کرنے والے اب وہ کس سے فرمائش کرے گی۔ کس کے لیے دروازے پر کھڑی ہوگی اور کس کے ساتھ کالج آ کرے گی آپ تو اسے اکیڑی سے لینے آتے تھے۔ آپ کا بیٹا ابو بکر بہت چھوٹا ہے وہ یہ ذمہ داری اٹھائیں سکے گا۔ عظمیٰ پہلے بہت کم کلاس میں بات کرتی تھی اب تو بالکل ٹوٹ گئی ہے آپ کا شوق دیکھتے کہ اچانک جب آپ کی موت کی خبر عظمیٰ نے سنی ہوگی تو وہ کیسے تڑپتی ہوگی۔ موت ایک ایسی اہل حقیقت ہے جو ٹل نہیں سکتی۔ تمام بہنوں

آپ کی؟ اللہ زندگی دے اسے آمین۔ میں تو سمجھی تھی آپ ہانگی بھلی لڑکی ہوں گی پر آپ تو اماں ہیں دن اینڈ اوٹلی شاہ زندگی کدھر غائب ہیں اب آتے ہیں سالگرہ کی طرف تو میری موٹو بہن خدیجہ 5 مارچ بہت بہت مبارک ہو اللہ تمہیں تمہارے مقصد میں کامیابی دے آمین۔ اسٹائلو حیرا پٹی برتھ ڈے (10 مارچ) اللہ تمہیں پڑھنے کی توفیق دے آمین ہا ہا ہا۔ جویریہ لیاقت پٹی برتھ ڈے سترانیلہ ساجدہ (23 مارچ) مٹی مٹی پٹی رین آف دی ڈے۔ اللہ آپ کو جلدی سے اماں بنا دے آمین۔ شیریں گل کیسی ہیں آپ؟ آپنی جیا عباس شمع مکان طیبہ نذر عاتشہ خان عاتشہ پرویز دیا آفرین کو بہت سا سلام خوش رہیں اور خوشیاں بانٹیں اللہ حافظ۔

روبی علی..... سید والہ

ڈیئر فرح فاطمہ کے نام

سوٹ فرح! السلام علیکم امید ہے ایمان و صحت کی بہترین حالت میں ہوگی۔ فرح 3 مارچ کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو کیسا لگا میرا وش کرنے کا انداز۔ میں نے سوچا کچھ نئے انداز سے وش کروں شادی کے بعد یہ آپ کی پہلی سالگرہ ہے۔ شادی کے بعد بھول گئی ہو ادھر آتی ہو تو ملنے جایا کرو۔ اللہ تمہیں بہت خوشیاں دے تم اپنے گھر میں سدا خوش رہو آمین۔ وقاص بھائی اور باقی گھر والے سب ٹھیک ہیں؟ بتانا ضرور کیسا لگا میرا وش کرنا اللہ حافظ۔

سعیدہ کنول..... ستیانہ

اپنے پیاروں کے نام

آنجل کے تمام قارئین کو ہماری طرف سے پیار بھرا سلام۔ سب سے پہلے دس مارچ کو میری (خمن گیلانی) اور تیرہ مارچ کو ابن صدیقی کی برتھ ڈے ہے اس کے علاوہ بارہ مارچ کو فائزہ آپنی کی سولہ مارچ کو مریم کی اور 23 مارچ کو امین عثمان کی ہے۔ آپ سب کو آپ کی برتھ ڈے مبارک ہو ہماری دعا



ہے سب بہت خوش و خرم ہوں گی۔ شاہ زندگی اریہ شاہ سباس گل انا احب' مع مکان کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گی؟ جواب مردرد دینا میں جواب کی خاطر رہوں گی۔

سبا شہزادی..... ننکانہ صاحب جامعہ برکات الحمیدریہ ہشتیہ برنالی کی اسٹوڈنٹس کے نام

السلام علیکم! کیا دل ہے؟ یقیناً ٹھیک ٹھاک ہوں گی آپ سب۔ میری طرف سے امتحان میں تانوسے فیصد کامیابی حاصل کرنے پر مبارکباد اور مجھے خود بھی فرسٹ پوزیشن حاصل کرنے پر مبارکباد آہم۔ ہماری نیچر زبان شائستہ باجی انعم باجی اقراء اور باجی عاصمہ کوشنگ۔ یہ اور مبارک باد۔ جن کی انتھک کوششوں سے ہمیں کامیابی حاصل ہوئی۔ باجی شائستہ آپ کو پیاری سی پری کی مبارک باد اور مدیحہ نورین مہک زندگی شاہ اور نازیہ کنول نازی کو میرا سلام ادا کے با۔ نے رب راکھا گڈ بائے اینڈ ٹیک کیئر۔

رشتہ وفا.....

اپنوں کے نام

السلام علیکم! اسید ہے آپ سب اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے خیر و عافیت اور خوش و خرم ہوں گے۔ پیاری شہزادی ہادیہ مغل آپ نے 8 دسمبر 2014ء کو مغل گھرانے میں تشریف لا کر ہمیں پھوپھو بننے کا شرف بخشا آپ جلدی سے اپنی دادو کے ساتھ حیدرآباد ہمارے پاس آ جائیں وی آر مس یو۔ 3 مارچ کو ہمارے پیارے بھائی مرزا ہامد بیگ آپ کی برتھ ڈے ہے ہم سب گھر والوں کی طرف سے آپ کو ڈھیروں مبارکباد۔ اللہ پاک آپ کو دین و دنیا کی ہر نعمت ادا سائش سے نوازے بس آپ پانچ وقت نماز کے پابند ہو جاؤ۔ زیادہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے؟ نازیہ سر پر اتنا آپ کو کیسا لگا ضرور

سے گزارش ہے کہ وہ انکل کے لیے خصوصی دعا کریں اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے خاندان کو صبر کی توفیق دے آمین۔

ایس گوہر..... تامل لیا نوالہ

خوب صورت لوگوں کے نام

السلام علیکم! میری اولی فرینڈز کیا حال ہے دنیا کی سب سے خوب صورت پری دعا ہاشمی آپ کے پیاروں کے چھڑ جانے پر بہت افسوس ہوا اللہ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ ڈیئر پری شاہ میں بھی آپ کی فرینڈز ہوں۔ سوٹ ہارٹ جاناں یاد کرنے کا تہہ دل سے شمریہ۔ مائی پٹی ڈول ہنی آپ سے سخت ناراض ہے اب بات مت کرنا مجھ سے مائی چلیلی فرینڈز شاہ زندگی 'ٹائیپ مغل' نورین امیر سکندر نٹ کھٹ فرینڈز فوزیہ سلطانہ اقصیٰ خوب صورت فرینڈز زندگی کی آس سمیرا تعبیر ایش اینڈ زیست مکرم کیوٹ فرینڈز روکین حیدر زودباش خان نبیلہ نازش اینڈ چندا چوہدری کیسی ہیں آپ سب؟ مائی پرنس ایمین وقاسم یو کا محل وی کیسی ہو اور ہماری گڑیا کیسی ہے ریٹا طاہر کوئی ناول سی وے دو ڈیئر بلیو موزن اتنی ناراضگی اچھی نہیں کوئی تو بات کرو ورنہ ماما جان سے ڈانٹ پڑدانی پڑے گی۔ ڈیئر جانی در نجف سیال اتنی ڈگریاں لے کر کر کیا کرو گی؟ کچھ میرے نام بھی ٹرانسفر کرو سوٹ شیخ مکان آتی رہا کریں اچھا لگتا ہے۔ ڈیئر عائشہ پرد بزدل چھوٹا کیوں کرتی ہوں میں ہونا۔ آپ کی دوست ایس انجم کول رباب صبا بھیٹی نورین شاہز سدرہ شاہین حمیرا عروش لاڈو ملک اریہ شاہ کرن شاہ امیر گل دھڑکن بلوچ خوش رہو موجیں کرو اپنے خرم۔ چے پرنی امان اللہ۔

ماہ رخ رشتہ حنا..... سرگودھا

آنجل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! سب آنجل فرینڈز کیسی ہیں؟ امید



طیبہ نذیر کہاں ہو آپ؟ آنجل میں انٹری دو۔  
حافظہ سمیرا! آپ! ارم کمال! عائشہ پرویز! تمنا بلوچ!  
عشنا کوثر سردار کو سلام۔

نزا بلوچ..... جھنگ صدر

میم زیب لسماء کے نام  
السلام علیکم! پیاری میم! یہ جو گورنمنٹ گرلز کالج  
میں اسلامیات کا مضمون پڑھاتی ہیں آپ بہت ہی  
اچھا پڑھاتی ہیں۔ ہم آپ کے کردار سے بہت ہی  
متاثر ہوئے ہیں اور پوری کوشش بھی کرتے ہیں آپ  
کے جیسا بننے کی۔ میم جو باتیں آپ ہمیں بتاتی ہیں وہ  
آج تک ہمیں کبھی بھی کسی نے نہیں بتائیں۔ آپ  
ہماری جتنی اصلاح کرتی ہیں اس کے لیے بہت بہت  
شکریہ۔ میم بس آپ سے آپ ہی درخواست ہے کہ  
ہمیں کبھی بھی چھوڑ کر نہ جائے گا کیونکہ آپ جیسی پھر  
ہمیں پھر نہیں ملے گی۔ میم! میں اپنی دعاؤں میں یاد  
رکھے گا اور ہماری دعا ہے کہ اللہ آپ کو زندگی کی ہر راہ  
میں کامیابی عطا فرمائے آمین۔

شاہین گروپ..... جلاپور بھٹیاں

آنجل کی بھائیوں کے نام  
السلام علیکم! کیسی ہیں آنجل قارئین! سمیرا شریف  
طور کیسی ہیں آپ؟ آپ کو دیکھنے کو دل کرتا ہے  
ڈھیروں باتیں کرنے کو دل کرتا ہے۔ نازیہ کنول  
نازیہ میرے سوالوں کے جواب دینے پر شکریہ ادا  
کرتی ہوں دوستی کی پیش کش قبول کرنے پر خوشی  
ہوتی۔ پروین افضل شاہین صاحبہ آپ کیسی ہیں؟ میں  
آج بھی آنجل کھولتے ہی آپ کا نام ڈھونڈتی ہوں!  
اللہ تعالیٰ آپ کو اولاد کی نعمت سے مالا مال فرمائے۔  
آپ نے مجھے مخاطب ہی نہ کیا سو چاہیہ آپ ناراض  
ہیں! معاف کر دیں۔ عائشہ نہ آپ کیسی ہیں آپ  
کے بارے میں کمرن میں پڑھ چکی ہوں! اللہ تعالیٰ  
آپ کے ہر خواب کو تعبیر بخشے۔ بشریٰ باجوہ شادی کی  
ڈھیروں مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دائمی خوشیوں

بتائیے گا۔ ارے کامران بھائی آپ کے کان کیوں  
کھڑے ہو گئے! ہا ہا ہا۔ آپ کو بھی سر پر انڈیا دیں گے  
ان شاء اللہ۔ اسامہ بھائی اپنا بے حد خیال رکھا کریں!  
اللہ پاک میرے گھر والوں دوست احباب عزیز  
رشتہ داروں اور کل امت محمدیہ پر اپنا خاص فضل و  
کرم فرمائے! ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا  
فرمائے آمین۔

مریم مغل..... حیدرآباد سندھ

پیاری بھانجی کنول اور بیسٹ فرینڈ شمونہ کے نام  
السلام علیکم میری جان سے پیاری بھانجی کنول  
کیسی ہو تم! اور تمہاری پڑھائی کیسی جارہی ہے خدا  
تمہیں اور تمہاری ماما کو ہمیشہ خوش رکھے آمین۔ میں  
کچھ دن پہلے گاؤں گئی تھی پر سوری خالہ کی جان  
تمہارے گھر چکر نہیں لگا سکی! میں جانتی ہوں تم مجھ سے  
بہت زیادہ ناراض ہو! پر اب تو خوش ہو جاؤ کہ تمہاری  
آئی اپنے پیارے آنجل کے ذریعے تم سے سوری  
کمر رہی ہے۔ میری طرف سے علی حیدر اور شمشیر حیدر  
کو ڈھیر سارا پیار اور میری جان سے پیاری دوست  
شمونہ کیسی ہو جان من! اور جس شہزادے کے تم  
خواب دیکھ رہی ہو مجھے نہیں لگتا کہ اس کا جنم ہوگا!  
ہا ہا ہا۔ تم جہاں بھی رہو خوش رہو اور اپنا بہت خیال رکھا  
کرؤ اس کے علاوہ اگر آنجل کی کوئی بھی پری مجھ سے  
فرینڈ شپ کرنا چاہے تو موسٹ ویلکم۔

انائے ملک..... خانوال

پیارے بھیا اور آنجل گرلز کے نام  
ہیلو نوآل آنجل گرلز! کیسے مزاج ہیں آپ سب  
کے اور سردی کے ساتھ کیسے نبرد آزما ہو رہے ہو۔  
پیارے بھیا سونو عباس! 5 فروری کو آپ کی سالگرہ  
مگی بہت بہت مبارک باد۔ پروین آئی اپنے پرنس  
بھیا کی آواز ہم نے بہت بار ریڈیو پروگرامز میں  
آن ایئر سنی ہے ان کو بھی سلام۔ اقراء آفرین فائزہ  
بذل ثوبیہ نواز اعوان! شہناز اقبال! شازیہ اقبال!



کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اگر میری زندگی کا ایک لمحہ بھی باقی ہے تو وہ بھی آپ کو لگ جائے۔ آپ کا سایہ آپ کے بچوں پر سدا قائم رہے۔ اللہ آپ کو شادی کی ہزاروں سالگرہیں نصیب فرمائے۔ ہماری زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں ہوں کوئی غم ہمارے قریب نہ آئے آمین۔

صائمہ عزیزہ..... میاں چنوں

نازی سیرا پی کرشل گرلز کے نام  
نازی آپ سیرا آپ اور تمام کرشل گرلز کو السلام علیکم! کیسے ہیں آپ۔ ب؟ میں الحمد للہ بالکل ٹھیک ہوں۔ مہزی سیرا پر نسا آپ دونوں بہت پیارا معصوم سا لکھتی ہو میری آپ دونوں سے درخواست ہے کہ اپنی نظر ضرور اتار کریں۔ نازی آپ کی اداسی اداس موسموں کی چھو ہیں تو میں بھی آپ کی اداسی دل کی گہرائیوں تک محسوس کرتی ہوں۔ دل کرتا ہے کہ آپ کے پاس آؤں آپ کو سنوں آپ کی اداسی و تنہائی درد کو خود میں منتقل کر لوں۔ مجھے آپ کی اداسی سے بہت محبت ہے خوش رہا کریں ناں۔ مسکان جاوید نور ایمان آپ دونوں کا مجھے یاد رکھنے کا بہت شکر ہے۔ سویت گرلز ہلدی سے ہمارا آٹھل میں اپنا تعارف کرواؤ۔ میں بچنے کے لیے بے چین ہوں۔ شمع مسکان عائشہ خان آپ کے بغیر تو آٹھل ادھورا لگتا ہے حسرت ہی، ہی بھی آپ دونوں میرا بھی ذکر کریں۔ حافظہ سیرا سرگودھا آنے پر ویکم جی! کرن ملک کوثر کرن وفا اورین شاہد رشک حنا آمنہ ادا ڈریم گرلز کیسی ہوا۔ پ سب؟ آمنہ کرن! جلدی سے آٹھل میں انٹری دو۔ بہت یاد کر رہی ہوں میں آپ کو۔ آمنہ اقبال مجھے بہت خوشی ہوئی یہ جان کر آپ کی تقریباً ساری عادتیں مری جیسی ہیں۔ کیا خیال ہے آپ کی اور میری دوستی ہو سکتی ہے؟ جواب ضرور دینا میں منتظر ہوں گی اللہ آپ سب کو خوش رکھے فی امان اللہ دعا گو۔

سے نوازے آپ کی زندگی میں ہمیشہ خوشیاں رہیں۔ مسرتگت غفارت آپ کیسی ہیں؟ آپ کو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں کامیاب فرمائے۔ آپ کے لیے مانگی جانے والی ہر دعا کو قبول فرمائے۔ طیبہ نذیر نورین شاہد آپ دونوں کیسی ہیں؟ اللہ تعالیٰ آپ کو خوشیوں سے نوازے آمین۔ آپ سب کی دعاؤں کی طالب آپ سب کی بہن۔

شازیہ فاروق احمد..... خان بیلہ

ٹو مائی سویٹ سسر دعا ہاشمی کے نام  
مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا کیا لکھوں جب آپ کا درد پڑھا تو سوچا دعا کو میں خط لکھوں گی مگر الفاظ جیسے مجھ سے کم ہو گئے ہیں۔ جیسے خوشیاں روٹھ چکی ہوں جیسے خواہشوں کا حصول ناممکن رہا ہو جیسے دعاؤں کا حصار ٹوٹ گیا ہو۔ ماں کا گھڑنا بہت اذیت ناک مرحلہ..... قلم چلنا بھول چکا ہے مگر میری دعا ہے کہ اللہ عزوجل آپ کی والدہ صاحبہ اور باقی افراد خانہ کو جنت کے اعلیٰ مقامات عطا فرمائے اور انہیں بلند درجات سے نوازے آمین۔ اللہ عزوجل آپ کو ہمت حوصلہ و ریح یابی سے ہم کنار کرے۔ آمین دعاؤں کے ساتھ اجازت آپ کی خبر خواہ و طلب گار دعا۔

صائمہ ملک پرویز..... خان پور

پیارے دل جانی کے نام  
پیارے دل جانی آپ کو شادی کی سالگرہ بہت مبارک ہو آج سے سات سال پہلے میں آپ کی زندگی میں شامل ہوئی اس وقت سے لے کر اب تک زندگی کی ہر خوشی مجھے آپ کے دم سے ملی اور اللہ سے دعا ہے کہ ہمارا جو ساتھ 29 مارچ 2008 کو شروع ہوا تھا اللہ اس ساتھ کو تاقیامت رکھے۔ عزیز الرحمن صاحب آپ نے میرا ہر حال میں ساتھ دیا جس کے لیے میں آپ کی بہت مشکور ہوں میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں آپ کے بنارہنے کا تصور بھی نہیں



میرا تعبیر..... سرگودھا

اہل وطن تمام شہزادیوں اور رانٹرز کے نام  
خیریت کی طالبہ بنیر ہے نازیہ آپ! کیسی ہیں  
آپ؟ سب اس آپ! ماہامک 'قرۃ العین خرم ہاشمی' عمیرہ  
احمد 'نمرہ احمد' سیدہ غزل زیدی 'عالیہ حرا' نازیہ جمال  
ام مریم سیدہ ضواریہ 'نادیہ فاطمہ رضوی' صدف  
آصف 'حیا بخاری' ام ثناء ام ایمن 'نعیم' نگہت 'سما'  
ارم کمال 'مونا شاہ قریشی' شاہ عرب سنی 'دعا ہاشمی' آپ کا  
دکھ سا بچھا ہے مبر سے کام لیجیے۔ شبانہ امین 'شگفتہ  
خان' شبنم کنول 'شازیہ کنول' انصافی 'سنیاں زرگر' آنہ  
شبیر 'فاطمہ گل' شیریں گل 'تحریم اکرم' حبا قریشی 'پارس  
شاہ' شہزاد بوج 'دوستی کرنے کا شکریہ۔ صائمہ سکندر  
سومرو دوستی کا شکریہ میرا تعارف نومبر 2013ء میں  
شائع ہو چکا ہے سجدیہ رمضان سجدی دوست بنانے  
کا شکریہ۔ فروری میں جس کسی کی بھی سالگرہ تھی سب  
کو سالگرہ مبارک ہو۔ دعاؤں میں یاد رکھیے اور سانحہ  
پشاور کے شہید بچوں اور ان کے گھر والوں کے لیے  
دعا گو رہیے اپنا اور اپنے چاہنے والوں کا خیال رکھیے  
مجھے اجازت دیجیے اللہ حافظ۔

شہناز اقبال 'شازیہ اقبال'..... لودھراں

کچھ خاص دوستوں کی نام

السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب یقیناً ٹھیک  
ٹھاک ہوں گے۔ سب سے پہلے عائشہ بسم (ماہوش)  
کیسی ہو؟ قسم سے میں تو تمہارے جامعہ سے آنے  
کے دن گنتی ہوں اور یقیناً تم بھی دن گنتی ہوگی (خوش  
فہمیاں مہرباں) خیر تمہیں یہ کہنا تھا کہ..... قدر کیا کرو  
ان لوگوں (عاصمہ) کی جو تم سے..... (آگے تم خود  
سمجھا رہی ہو)۔ ثناء انمول گھر میں فارغ ہوتی ہو پھر  
بھی ہمارے گھر نہیں آتی۔ اُف سجدیہ! 2 فروری کو  
تمہاری سالگرہ تھی مجھے یاد تھا میں نے تمہیں وش کیا  
ہے۔ آنجل کے ذریعے پھر کر رہی ہوں 'مٹی مٹی پٹی  
برتھ ڈے ٹویو اور ہاں فروری میں تمہاری شادی بھی

ہے خدا کے واسطے جس طرح کالج سے چھٹیاں کرتی  
تھی اس طرح سسرال سے نہ کرنا۔ اللہ تمہاری آنے  
والی ازدواجی زندگی کو خوشیوں سے ہمکنار کر دے  
آمین۔ آمنہ! تم منہ نہ بناؤ تم بھی مجھے یاد ہو بلکہ اچھی  
طرح اپنا خیال رکھنا اور رومانہ تم جب بھی فون کرتی  
ہو سوائے پڑھائی کے کچھ اور تو کہتی ہی نہیں۔ عائشہ  
کوٹ اقبال اور عائشہ تم دونوں کو سلام۔ عائشہ بشیر قسم  
سے تم مجھے بہت یاد آتی ہو۔ سیکشن بی زیڈ سی۔ 1 اور بی  
زیڈ پی۔ 1 کو بہت بہت سلام۔ تم سب لوگ بہت  
اچھی ہو اقراء قیوم تم اپنی باتوں کے علاوہ سیدھی بھی  
کر لیا کرو۔ انم وعاصمہ تم لوگ بھی بہت اچھی ہو صبا  
ظفر تھوڑی سی غریبی ہے۔ کشف تمہاری تو بھئی ہی ہم  
سب کی شان ہے (ہا ہا)۔ کرن آفتاب کھوکھر! تم ہر  
وقت دور دانہ بٹ نہ بنا کرو۔ فرح صبا رؤف 'میمونہ  
اسری' انیلہ 'صوفیہ قاترہ' اساور سب کو بہت بہت  
سلام۔ جب سے ہم لوگوں کی بی ایس سی کی کلاسز  
شروع ہوئی ہیں ہم دونوں نے ایک دوسرے سے  
صرف ایک بار بات کی ہے پتا نہیں کیوں خیر تم بھی  
بہت اچھی ہو۔ مجھے اپنی پوری کلاس ہی بہت پسند ہے  
اور نادیہ بلکہ زینب ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہا کرو۔ خیرن  
اور حقیقہ تم لوگ بہت اچھی ہو اور حقیقہ مجھے تم سے  
غزلیں سننے میں بہت عرا آتا ہے آخر میں ایک بار  
پھر یہ دعا کہ اللہ میری ساری فیوز کو ہنستا مسکراتا رکھے  
آمین ثم آمین۔ اس کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں  
کالج میں ملاقات ہوگی اللہ حافظ۔

عائشہ صدیقہ..... جکوال



dkp@aanchal.com.pk



عائشہ نور عاشری..... سحرات

کبھی جو تم

کبھی جو تمہارے ہاتھ سے کتاب گرے تو سمجھ لینا کہ کسی نے تمہیں یاد کیا ہے۔

کبھی جو تم اس میں رکھے پھول کو دیکھو تو سمجھ لینا کوئی داستان لکھ رہا ہے ان گزرے ہوئے حسین لمحوں کی۔

کبھی جو تم درختوں پر نام لکھا دیکھو تو سمجھ لینا کوئی اب تک چاہتا ہے تمہیں۔

کبھی جو ان دیکھے بھالے رستوں پر سفر کرو تو سمجھ لینا کسی نے ان پر ساتھ چلنے کی قسم کھائی ہے۔

اور کبھی جو تم لوشہ کا ارادہ کرو اور سفر کرو اسی راہ گزر پر تو سمجھ لینا کہ کوئی تمہارا انتظار کر رہا ہے۔

حسیر الملک..... میا نوالی

یادوں کی ایک کھڑکی

وہ جو چپکے سے آنکھوں کو سلانے میں تگن تھی کہ ہوا کا ایک جھونکا آیا اور یادوں کی خاموش کھڑکی کو پٹ سے کھول دیا۔

وہ تمام تلخ یادیں جن کو وہ بھلا دینا چاہتی تھی دل و دماغ سے کھرچ ڈالنا چاہتی تھی انہوں نے اس کو دوبارہ سے بے چین و مضطرب کر دیا اس نے کہیں پڑھا تھا کہ ”یادیں دیمیک کی طرح ہوتی ہیں اور یہ انسان کو اندر ہی اندر چاٹ جاتی ہیں۔“

جب یادوں کی کھڑکی کھلی تو اس کی خشک ہوائ نے اس مضطرب وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس کے بعد درد سے بھری ایک آہ سانی دی جس نے داستان ماضی کو تازہ کر دیا اور پھر اس کو یادوں کے خاموش درتے میں لے گئی اور وہاں تلخ حقائق کا سرمہ کر دیا جس نے اس وجود کی سسکیوں کو اشکوں میں ڈھال دیا

اور پھر ایک آواز گونگی

سنو ابھی تو یہ درپے بند کر رہی ہوں تم میرا انتظار کرو یا نہ کرو لیکن مجھے پھر آنا۔ پھر آنا ہے۔

اور پھر یادوں کی کھڑکی پٹ سے بند ہو گئی۔

یاد دہانی

جویریہ سالک

نعت رسول مقبول ﷺ

والی ہے تروتازہ پتا ہے تروتازہ  
توصیف نبی میں ہر غنچہ ہے تروتازہ  
ہر لفظ تروتازہ مصرعہ ہے تروتازہ  
کیا نعت محمد کا مطلع ہے تروتازہ  
کوئین مہک انجی فرمان رسالت سے  
سرکار دو عالم ﷺ کا لہجہ ہے تروتازہ  
سب شوق زمانے کے مرجھائے نظر آئے  
ہے نعت کا ذوق ایسا رہتا ہے تروتازہ  
طیبہ کی ہواؤں سے ایک کیف برستا ہے  
مہکا ہوا ہر جھونکا ہوتا ہے تروتازہ  
شاداب عقیدت کی شاخوں پر رہے ہر دم  
اک پھول جو روزانہ کھلتا ہے تروتازہ  
مہکار دودوں کی آتی ہے فضاؤں میں  
ہر لب پر رسالت کا نعرہ ہے تروتازہ  
جنت میں بھی حوروں نے چہروں پہ کھائل کر  
کیا خاک مدینے کی غازہ ہے تروتازہ  
ساجد کے قلم پر جب رحمت کی پڑی شبنم  
ہر شعر خیالوں سے نکلا ہے تروتازہ

محمد امینؑ ساجد سعیدی..... بہاولپور

آج کل

آج کل لوگوں نے ناموس دیا ہے

☆ جہالت کو نیشن کا

☆ دوس کو محبت کا

☆ بے حیائی کو اعتماد کا

☆ منافقت کو دنیا داری کا

☆ سادگی کو لائسنس کا

☆ عاجزی کو کمزوری کا

آنچل مارچ ۲۰۱۵ء 3100



حرم فاطمہ.....جنگ

حاصل ہے اسے پسند کرلو۔

بس کنڈیکٹری رومانوی غزل

☆ رشتوں کے بندن جو لوگ بناتے ہیں وہ اکثر  
نوٹ جاتے ہیں مگر جو رشتے خدا عطا کرتا ہے وہ ہماری  
سانسوں کی ڈوری سے بندھے ہوتے ہیں۔

اوجان میرے پیار کی میرے جذبات کی کر قدر  
سہراب گوٹھ، لالو کھیت، صدر..... صدر  
مجھے اپنے عشق کے سمندر میں کچھ اس طرح ڈوبا دے  
چل بھائی آگے آگے ہو جا دوسروں کو بھی جگہ دے

ہر یون افضل شاہین..... بہاؤنگر  
قرآنی معلومات

جدا ہو کر اب ہمیں اتنا تو مت رلاؤ  
اماں! یہ بچے کو اپنی گود میں بٹھاؤ  
اپنی زلفوں سے ہمیں اپنے پیار کا سایہ دو  
ہاں حال! چلو اب کرایہ دو.....

♥ قرآن مجید کے 30 پارے، 7 منزلیں 114  
سورتیں 6666 آیات، 8643 کلمات، 558 رکوع،  
(32376) حروف اور 14 سجدے ہیں اور 29 حروف  
مقطعات ہیں۔

تیرے سنگ بیتے ہوئے لمبے گئے گزر  
او بھائی، کرایہ پورا دے نہیں تو نیچے اتر  
جاذبہ نیافت عباسی (دیول) مری  
ری اشارت

♥ قرآن مجید میں 6 سورتیں انبیاء کرام کے نام  
سے ہیں (سورۃ ہود، سورۃ یوسف، سورۃ یونس، سورۃ  
ابراہیم، سورۃ نوح، اور محمد)

دل میں اگر سی پیو ہوتا تو سب ہی یادوں کو  
سیو کر لیتے۔

♥ قرآن مجید کی سورۃ النمل میں 2 مرتبہ بسم اللہ آئی ہے  
♥ قرآن مجید میں 26 انبیاء کا ذکر آیا ہے اور  
سب سے زیادہ ذکر حضرت موسیٰ کا آیا ہے۔ (۴۰  
سورتوں میں)

دھڑکن میں اگر ڈرائیو ہوتا تو زندگی کا بیک اپ  
لے لیتے۔

♥ قرآن کی پہلی وحی 17 رمضان المبارک کو غار حرا  
میں نازل ہوئی۔

دل میں جو بلیو ٹوتھ ہوتا تو باتوں کا  
ٹرانسفر کر لیتے۔

♥ قرآن کی آخری وحی 9 ذی الحجہ 10 ہجری کو  
میدان عرفات میں نازل ہوئی۔

آنکھوں میں جو ویب کیم ہوتا تو تصویروں کو  
ریسٹو کر لیتے۔

♥ قرآن پاک تقریباً 22 سال 2 ماہ اور 22 دن  
میں نازل ہوا۔

کاش زندگی بھی اک کمپیوٹر ہوتی تو ری  
اشارت کر لیتے۔

♥ قرآن پاک میں 86 مکی اور 28 مدنی سورتیں  
ہیں۔

عائشہ پرویز..... کراچی  
ہاتھ یاد رکھنے کی  
☆ جو درخت زیادہ پھل دیتا ہے اس پر زیادہ پتھر  
پڑتے ہیں۔

♥ قرآن پاک کی سورۃ النمل میں آخری وحی صبح ہے  
♥ نزول کے اعتبار سے قرآن پاک کی آخری سورت  
سورۃ النمل ہے۔

☆ اپنی زندگی کو پھول کی طرح گزارو جو کھلنے والے  
ہاتھوں کو بھی مرکا دیتا ہے۔  
☆ شرم کی کشش حسن سے زیادہ ہوتی ہے۔  
☆ جسے پسند کرتے ہو اسے حاصل کر لو یا پھر جو

♥ قرآن مجید میں واحد صحابی حضرت زید بن  
حارثہ کا ذکر آیا ہے۔  
روبی علی..... سید والا  
قیمتی سوتلی



شاگرد: کیونکہ میرا ایک جوتا اوکے پاس اور دوسرا امی کے پاس تھا۔

نورین طیف..... ٹوبہ فیک سنگھ  
جواب

حضرت لقمان نے باوجود عمر و درازی کے کوئی مکان نہیں بنایا ایک جھونپڑی میں جاں بحق ہوئے ملک الموت نے پوچھا۔

”باوجود اتنی طویل زندگی۔ کئے آپ نے مکان کیوں نہیں بنایا۔“

آپ نے فرمایا ”جس کی تاک میں آپ رہیں تو اس کو مکان بنانے کی کب سوجھتی ہے۔“

طیبہ بذر..... شادی وال گجرات

نقطہ درازیاں

□ وقت پیسے سے زیادہ قیمتی ہے کیونکہ ہمیں پیسہ تو اور مل سکتا ہے وقت نہیں مل سکتا۔

□ افسوس کہ ہم نے دانت کو گھڑیوں کے ہاتھوں سے دیا ہے۔

□ اپنے خوابوں کو سچ ثابت کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اپنی آنکھیں کھول لیں۔

□ کچھ لوگ عظیم پیدا ہوتے ہیں کچھ عظمت حاصل کر لیتے ہیں اور کچھ پر عظمت ٹھونس دی جاتی ہے۔

□ عورتوں کو نہ تو جھگڑنے کے لیے معقول وجہ کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی صلح کے لیے عورت کے ساتھ

سب سے بڑی زیادتی یہ ہے کہ وہ ہزار مردوں جیسے کام کرے پھر بھی اسے عورت ہی کہا جاتا ہے۔

□ اکثر لڑکیاں فوجیوں سے شادی کرتی ہیں کیونکہ وہ کھانا پکا سکتے ہیں سلائی کر سکتے ہیں بستر بنا سکتے ہیں

اچھی صحت رکھتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں حکم لینے کی عادت ہوتی ہے۔

راجہ چوہدری..... فیصل آباد  
بے بسی

ایک مرتبہ امام شافعی ایک خلیفہ کے پہلو میں تشریف

بارش کا ایک ننھا قطرہ بادل سے ٹپکا جب اس نے سمندر کی وسعت دیکھی تو شرمندہ ہوا اور دل میں کہا کہ اتنے بڑے سمندر کے سامنے میری کیا حیثیت ہے اس کے سامنے تو میں نہ ہونے کے برابر ہوں جب اس نے اپنے آپ کو حقارت سے دیکھا تو ایک پچی (صدف) نے اس کو اپنے منہ میں لے لیا اور دل و جان سے اس کی پرورش کی کچھ عرصہ بعد وہ ایک ننھا قطرہ قیمتی موتی بن گیا اور بادشاہ کے تاج کی زینت بنا۔

فضہ یونس..... گنگا پور

بھول

رشتوں کی بقا کے لیے رابطے ضروری ہیں کیونکہ بھول جانے سے تو اپنے ہاتھوں سے لگائے گئے درخت بھی سوکھ جاتے ہیں۔

خوبی

رشتوں کو ایسی خوبی سے استعمال کرو جیسے شہد کی مکھی پھولوں سے رس تو لیتی ہے مگر پھولوں کو نقصان نہیں دیتی۔

احساس

جس انسان کی سانس نکل جائے تو وہ زندہ نہیں رہتا اور جس انسان کا احساس نکل جائے وہ انسان نہیں رہتا۔

مدیحہ نورین مہک..... برٹانی

ایک کمی سی

ایک کمی سی

چاروں جانب پھیل رہی ہے

گئی زمانے ایک ہی پل میں

باہم مل کر بھیگ رہے ہیں

اندریا دیں سوکھ رہی ہیں

باہر منظر بھیگ رہے ہیں

حصہ بتول..... بہاولپور

وجہ تاخیر

نیچر: تم دیر سے کیوں آئے؟

شاگرد: جی میرے ابو امی لڑ رہے تھے۔

نیچر: تو وہ لڑ رہے تھے تم کیوں دیر سے آئے۔



فرماتے کہ ایک کبھی خلیفہ کو پریشان کر رہی تھی اس پر خلیفہ نے ٹھک کر کہا۔  
 ”نجانے اس کبھی کے پیدا کرنے میں خدائے بزرگ و برتر کی کیا حکمت تھی“ امام شافعی نے جواب دیا کہ ”اس میں حکمت یہ ہے کہ طاقتوروں کو ان کی طاقت کی بے بسی دکھائے۔“

عمارہ احمد..... سلمان

فضائل درود پاک

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں دس گناہوں کو معاف فرماتے ہیں اور اس کی وجہ سے دس درجات بلند فرماتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی کتاب میں مجھ پر درود شریف لکھا تو جب تک میرا نام اس کتاب میں باقی رہے گا فرشتے اس کے لیے مسلسل دعائے مغفرت کرتے رہیں گے۔

آپ ﷺ نے فرمایا۔ نہیں ہیں دو بندے جو آپس میں محبت رکھتے ہیں ان میں سے کوئی ایک جب اپنے ساتھی کے سامنے آئے اور حضور پر دونوں درود پاک بھیجیں تو جدا ہونے سے پہلے ان دونوں کے آئندہ اور گزشتہ (مغفروہ) گناہوں کی مغفرت کر دی جائے گی۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص عصر کی نماز کے بعد جمعہ کے روز ۸۰ مرتبہ مجھ پر درود پاک بھیجے گا تو اس کے ۸۰ سال کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص ہر جمعہ المبارک کے روز ۱۰۰ مرتبہ مجھ پر درود پاک بھیجے گا اس کو تب تک موت نہیں آئے گی جب تک وہ جنت میں اپنا محل نہ دیکھ لے، سبحان اللہ و بحمد سبحان اللہ العظیم۔

عالمہ مریم نواز..... حافظ آباد

صدقہ

جب انسان اپنے ہاتھ سے صدقہ دیتا ہے تو صدقہ پانچ باتیں کہتا ہے میں فانی مال تھا تو نے مجھے بقادے دی میں

تیرا دشمن تھا لیکن تو نے مجھے اب دوست بنا لیا ہے آج سے پہلے تو میری حفاظت کرتا تھا لیکن آج سے میں تیری حفاظت کروں گا میں حقیر غا تو نے مجھے عظیم بنا دیا پہلے میں تیرے ہاتھ میں تھا اب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوں۔

ام سنی..... کوٹ مومن

تاج محل کے بارے میں چند شخصیات کی رائے  
 ☆ میں نے آج تک اتنا حسین خواب نہیں دیکھا (شاہ حسین)

☆ ہر عورت تاج محل کے حزار پر فخر کر سکتی ہے (فرح وہیلہ، پہلوی)

☆ اگر میرا خاوند مجھ سے وعدہ کرے کہ میری موت کے بعد وہ ایسا ہی تاج محل بنوائے گا تو میں ابھی مرنے کو تیار ہوں (ملکہ الزبتھ دوم)

☆ کاش میں دائرہ ہاؤس کی بجائے تاج محل بنوا سکتی (جیکو لین کینیڈی)

☆ خدا جانے فورڈ نے امریکہ میں تاج محل جیسی خوب صورت عمارت کیوں نہ بنوائی۔ (مسز ہنری فورڈ)

☆ کاش تاج محل چرا جاسکتا (ایوا کارٹر)

☆ حیرت ہے کہ امریکہ کی مدد کے بغیر تاج محل کیسے تعمیر ہو گیا (ایل بی جانسن)

☆ ہندوستان میں اور کیا ہے غربت اور تاج محل کے سوا (ماؤزے تنگ)

☆ کاش کہ تاج محل دریائے ٹمز کے کنارے منتقل ہو سکتا (چرچل)

☆ تاج محل کو چاندنی بات میں مت دیکھو اس سے ذہنی توازن بگڑنے کا خطرہ ہے (مارلن برانڈو)

بقول شاعر

اک شہنشاہ نے دیات کا سہارا لے کر ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق عرش بٹ..... دینہ (جہلم)

کچھ موتی چنیر پاپ کے لیے

سچا مومن وہ ہے جس کی تنہائی پاک ہے۔



○ تجربہ انسان کو غلط فیصلے سے بچاتا ہے مگر تجربہ غلط فیصلے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔  
○ انسان وہ واحد مخلوق ہے جس کا زہر اس کے الفاظ اور لہجے میں ہوتا ہے۔  
○ کسی بڑی چیز کے حامل ہو جانے سے چھوٹی چیز کو بھلا نہ دیں کیونکہ جہاں سبکی کی ضرورت ہو وہاں تلوار کام نہیں آتی۔

شرزا بلوچ..... جھٹک صدر

آزمائش شرار ہے  
○ اگر آپ کے بچے مٹی کھاتے ہیں تو تھوڑی سیمنٹ بھی کھلا دیں بنیادیں ٹھیک ہو جائیں گی۔  
○ اگر آپ چہرے کی کیلیوں سے پریشان ہیں تو ایک تھوڑی کیلیوں پر ماریں پھر بھی نہیں لکھیں گی۔  
○ اگر آپ غیبت سے بچنا چاہتی ہیں تو ایک ڈراپ اپنی سے دونوں ہونٹ چپکالیں، غیبت، چغلی، زیادہ بولنے کے مرض سے محفوظ ہو جائیں گی۔  
○ اگر آپ چاہتی ہیں کہ ہر محفل میں سب کی توجہ آپ کی طرف ہو گوز ہو تو آپ کریم میک اپ کے بجائے کونسلے سے منہ کالا کر لیں فوری امید ہے آپ سب کی توجہ کامرکز بنیں گی۔  
○ اگر آپ ہجرا سائل کی وجہ سے پریشان ہیں تو غڈ کروالیں نہ ہوگا بانس نہ بچے گی بانسری۔  
○ اگر آپ کو باہر کھانا زیادہ اچھا لگتا ہے تو صحت پر چلی جائیں۔  
○ اگر آپ کے میاں کی جیب میں سوراخ ہے تو سوراخ کے نیچے تھیلی لٹکا دیں سارے پیسے تھیلی میں آجائیں گے اور بعد میں آپ لے لیتا۔  
خدا جتے الکبریٰ..... کھڈیاں، قصور



yaadgar@aanchal.com.pk

○ دوست اچھا ہو یا برا مگر وہ ایک ایسا پھل دار درخت ہے جو پھل نہ دے تو چھاؤں ضرور دیتا ہے اگر چھاؤں کے قابل بھی نہ رہے تو اپنی لکڑیوں سے ضرور نوازتا ہی ہوا اپنے دوستوں کی قدر کیجیے۔  
○ دوسروں کے لیے دعا مانگ کر دیکھو تمہیں اپنے لیے دعا مانگنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔  
○ زندگی آنسو کا نام نہیں ہے جو لوگ زندگی کو آنسو سمجھتے ہیں وہ ہمیشہ مسکراہٹ سے محروم رہتے ہیں۔  
○ دنیا کے بہادر ترین لوگ وہ ہیں جو مصیبتوں، اذیتوں اور تکالیفوں میں بھی مسکراتے ہیں۔  
صائمہ شازیہ اور ایس ڈی..... خواتین کالج سے تانولیا نوالہ

یقین کامل

اشفاق احمد کہتے ہیں  
میرے پاس ایک بلی تھی اس کو جب بھی بھوک لگتی تو وہ میرے پیچ چاتی تھی اور میں اس کو کھانا دے دیا کرتا تھا ایک دن میں نے سوچا کہ یہ بلی مجھ سے بہتر ہے اس کو پورا یقین ہے کہ اپنے مالک کے پاس سے اس کی طلب پوری ہوگی اور انسان کو یقین نہیں انسان ہر فکر اپنے ذمہ لے لیتا ہے ان کاموں کی بھی جو اس کے اختیار میں نہیں اپنی ہر طلب اللہ سے مانگو اور قبولیت کا مکمل یقین رکھو۔  
رشتہ حرام..... سرگودھا

○ کوئی بھی کام جو خوشی کے لیے کیا گیا ہو اسے کر کے آپ کو خوشی ملے نہ ملے لیکن ہر وہ کام جسے آپ خوش ہو کر کرو اس سے خوشی ضرور ملے گی۔  
○ جو یہ کہتے ہیں کہ خدا نظر نہیں آتا مگر حقیقت تو یہ ہے کہ جب انسان مصیبت میں ہوتا ہے تو اسے خدا کے ہوا کوئی اور نظر نہیں آتا۔

○ اچھی بات سب کو اچھی لگتی ہے جب تمہیں کسی کی بری بات بھی بری نہ لگے تو سمجھ لیتا کہ تمہیں اس سے

محبت ہے۔





# لکھنؤ

## شبلا عامر

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ابتدا ہے رب تعالیٰ کے اس پاک نام سے جو ہر عیب سے پاک اور عالم الغیب ہے۔ ماریج کا شمار اپنی تمام تر رنگینی و دلکشی سمیت حاضر ہے۔ امید ہے آپ کے معیار و ذوق کے عین مطابق ہوگا اور اگلا شمارہ ان شاء اللہ سال گزیر نمبر ہوگا آپ سب جلد از جلد اپنی نگارشات ارسال کریں تاکہ ہم تک بروقت پہنچ سکیں آئیے اب چلتے ہیں آپ بہنوں کے دلچسپ تجروں کی جانب جو بزم عینہ میں اپنی جھلک دکھلا رہے ہیں۔

شبانہ امین راجپوت..... کوٹ رادھا کشن۔ اسلام علیکم! شہلا آپ کیسی ہیں اور سب اسٹاف اور ریڈرز بھی امیر کرتی ہوں بخیریت ہوں گے۔ ہر ماہ کے اختتام میں آپ چل کھانے کا انتظار رہتا ہے اگرچہ پہلے ہی شمارے سے دل نہیں بھرا ہوتا مگر مینے کے بند میں نئی نئی کہانیوں کا شوق دل میں موجیں مارتا ہے۔ مرغ بکری کی طرح ٹپ رہے ہوتے ہیں کہ کب دلبر کی دید نصیب ہوتی ہے۔ آخر کو کھیل گیا دل بچیس کو، سرورق نہ خوب صورت نفا اور نہ ہی بد صورت میک اپ کی بہتات کی وجہ سے عیب سا تھا۔ سزاؤ لکھنوی کی نعت شریف آسمان پر تاروں کے درمیان چار کی طرح جھمکا رہی تھی بے صدا بھی لگی۔ "کروں سجدہ ایک خدا کو" نے شروع سے لے کر آخر تک اپنے شعر میں جکڑے دکھا کئی دھڑا لکھ لکھے۔ جیسی جیسے سفاک ترین لوگ بے شک ہمارے معاشرے میں پائے جاتے ہیں زندہ باد سیدہ جی! مجھے تو یہ تحریر حقیقت پر مبنی لگتی ہے۔ "دوسری ماں" میں جی جی نے ساس اور بہو کی باہمی کشش کو بے صدا جیسے اور دلچسپ پیرائے میں پیش کیا۔ "عشق بے درد" نے بھی کافی متاثر کیا آتش اپنے گناہ پر حقیقی طور پر تادم تھا بے شک اللہ تعالیٰ تو بہ کرنے والوں کو معاف فرماتا ہے کیونکہ وہ تو رب ہے۔ "یہ سب تمہارا کرم ہے" ایک روح پرور اور ایمان افروز تحریر تھی، فزا کی موت نے تو بچکیوں سے زلا دیا۔ فراز برہان نے صائم باجی کی یاد دلادی وہ بھی اسلام قبول کرنے کے چھ ماہ بعد فوت ہو گئی تھیں۔ طلعت جی سے یہ پوچھنا ہے کہ یہ سچی کہانی ہے؟ "عہد نئے سال کا" میں شازیہ فاروق ایک اچھی امید لیے ہوئے تھیں۔ اللہ ان کی امید برائے اکثر دینے میں آیا ہے بیویاں ہی اپنی خواہشات کا جال پھیلا کر مرد کو کالا دھندہ کرنے پر مجبور کرتی ہیں حالانکہ حرام کا ایک لقمہ ہی انسان کو دوزخ کی طرف لے جاتا ہے۔ "دل میں کچھ اب ہے" تڑپت جی نے اچھا لکھا، یہ عنایت کی سوچ تھی بچے تو بچے ہی ہوتے ہیں انہوں نے گند بھی ڈالنا ہے شرارتیں بھی کرتی ہیں وہ بچہ ہی کیا جو شرارت نہ کرے پھر بچوں اور بڑوں میں کیا فرق رہ جائے گا۔ یہی میاں بیوی کی بات یہ تو ایک ولی رشتہ ہے، بہنوں کو ہاں کالا گواہ مونا پتا کچھ نہیں دیکھا جاتا۔ محبت کا روبرو اچھوتا ہوتا ہے۔ صبا نور کی چھوٹی سی بات نے بھی اچھا تاثر دیا۔ "سر براڑ" میں سوبرائٹک نے اچھا پیغام دیا واقعی زندگی موت شادی بیاہ کا ایک وقت مقرر ہے جو اللہ نے لکھ دیا نہ جانے کیوں کچھ لوگ شادی نہ ہونے کی وجہ سے اپنے آج کو خراب کر رہے ہیں۔ ام انصی کی بڑھی لکھی الگ ہی بانگ پن لیے ہوئے تھی ویسے یہ تو شرط ہے بڑھے لکھے انسان کو پھونک پھونک کر قدم اٹھانا پڑتا ہے تاکہ اس کی تعلیم پر حرف نہ آئے۔ ایمن رحمان کی "وطن کی ہوا میں" تحریر کشمیریوں کی شجاعت و بہادری کی منہ بولنی تصویر تھی اللہ تعالیٰ انہیں کامیابی دے۔ "مجھے ہے حکم: ازاں" کا انجام حسب توقع رہی صالحہ کا انجیام بہت تارک تھا وہ اپنے ماں باپ کے کھوے گڑھے میں گر گئی کافی ترس آیا۔ "مردم کی محبت" ٹھیک ہی تھا، صندور بہت ترس آتا ہے۔ "نونا ہوا تارا" بھی اچھا جا رہا ہے شہوار اور سلفی کے تعلقات بہتر ہوئے ہیں تو ولید اور ناکی جو نہیں تیز ہوئی ہیں۔ شہوار کا ماضی الماری میں ہی بند پڑا ہے ابھی تک سیراجی تھوڑی سی تیز ہو جائیں شکر یہ۔ مستقل جلسے سب ہی لا جواب تھے سب دوستوں نے اچھا لگا۔ "امید نو" سانجھ پشاور پر لکھی نظیر قاطرہ کی تحریر اشک بار کر گئی جن ماؤں کی گودیں خالی ہوئیں وہ کس سے فریاد کریں؟ وطن عزیز آج کل اس امتحان سے گزر رہا ہے اس کا واحد حل تعلیمات نبوی ﷺ کی من و عن پیروی ہے اسی میں ہماری بقا ہے پاکستان ہے تو ہم ہیں اللہ حافظ۔

☆ ڈیر شبانہ آپ کا تفصیلی تبصرہ بے حد پسند آیا۔



ہونا شاہ قریشی..... کیروالہ۔ اسلام علیکم! ڈیئر بھو حسب عادت طبع نازک کے حالات مطلوب ہیں آنجل  
اپنی پرانی تاریخ کے مطابق 25 کو ہی دستیاب ہو گیا۔ سرگوشیوں کا صفحہ پڑھ کے حمد و نعت پر نظر ثانی کی دو کہانیوں کی جانب چل  
نکلے ایمین رحمان کی خوب صورت تحریر ”جہیں وطن کی ہوا میں سلام کہتی ہیں“ میں آئیہ مرزا کی ایک تحریر ”ہری ہے شاخ تمنا ابھی“  
کا عکس نظر آیا۔ خوب صورت جذبول کی تشکیر اور جذبہ بھی وہ جن کے لیے سب کچھ لٹا دینا بھی کوئی مسئلہ نہیں رکھتا۔ وطن کی محبت  
اور محبت مجازی دونوں ہی اتنی اہم ہیں مگر یہ جوارض پاک ہے اس پر کروڑوں لوگ بستے ہیں اور ان کروڑوں لوگوں کی محبت یہ اس  
دھرتی کے نام کی حفاظت پہ ایک انسان کی محبت حاوی نہیں ہو سکتی۔ ناولٹ مجھے بدیدہ کر گیا بہت اچھا تھا۔ ”مشتق بے درد“ انہم  
خان بڑی بے پردی سے لکھا ہوا تھا وہ جو ہوتا ہے کچھ کچھ کد ل چیر جاتا ہے۔ کچھ ایسا ہی تھا اس تحریر میں۔ ام اقصیٰ کی تحریر ”پڑھی  
لکھی“ پڑھ کے فی البدیہہ مسکراہٹ دے آئی۔ دلکش انداز تحریر اچھا تاثر چھوڑ گیا ”سور الفک و ”سر پران“ یہ سر پران بھی ٹھیک ہی  
تھا۔ ”چھوٹی سی بات“ صاف نور بات واقعی چھوٹی سی ہی تھی مگر..... فی الوقت یاد دلاتی تو..... بڑی ہودائی لیکن یہ بات تو درست  
ہے کہ ہری خوشیاں انہی چھوٹی چھوٹی باتوں میں پنہاں ہوتی ہیں۔ ”مجھے ہے حکم اذان“ شکر ہے خدا اراکت آپ نے سکند جیسے  
شعی القلب کو یہ صورت موم بنا دی ڈالا۔ عباس صاحب بڑے صاحب تدبیر ہو گئے ہیں یہ محبت بڑی اعلا شے ہے آپ سے اپنا  
آپ منوئے بغیر نہیں رہتی۔ راحت و قناعت ”موم کی محبت“ اتنی دافر مقدار میں محبت خلوص بہ ہزار دلت ہضم ہوتی ہے مگر ہو سکتا  
ہے اس دنیا میں اتنی محبت بھی پائی جاتی ہے۔ بایں ہست اول اچھا ہے اور آخر میں ”کروں سجدہ ایک ندا کو“ انتہائی نڈر اثر اور ہارٹ  
لیچنگ ناول تھا اتنی گراں قدر معلومات دین کے بارے میں ذیل اذن ٹالس جیسٹ آف لک۔ یاد آ رہے ہیں دعا ہاشمی کی ”بے  
دھیانی“ غزل چو لکائی آنجل اب کی بارے ہو کر گیا اللہ حافظ۔

ارم کمال..... فیصل آباد۔ پیاری باتی سدا خوشیاں آپ پر برستی رہیں! اسلام علیکم! سر دیوں کے  
شعرتے دلوں میں فردی کا آنجل حرارت آمیز خوش گواریت لیے ہوئے آیا۔ ماڈل کے ہاتھوں کی مہندی واہ زبردست۔  
ادار یہ میں سال گرہ نمبر کی نوید ملی دانش کدہ میں جہنم کے بارے میں پڑھ کر کئی ٹاپے روٹ گئے کفر۔ رے اس قسم کے مضامین  
بہت مفید ہوتے ہیں۔ گناہوں سے بچنے کے لیے ٹانگ کا کام دیتے ہیں۔ ”ہمارا آنجل“ میں رابعہ اسلم سے ملاقات بہت  
یونیک رہی۔ ”بہنوں کی عدالت“ میں نازیہ کنول نازی کی اداسی بھری یادیں صاف اور شفاف انگوروں میں اتر گئی۔ سلسلے وار  
ناول ”موم کی محبت“ میں شرمین کو چاہیے ہوئی کی محبت قبول کر لے کیونکہ کہتے ہیں کہ شادی اس سے کرنی چاہیے جو آپ کو چاہتا ہو  
نہ کہ جسے آپ چاہیں اور صغیر صاحب زبیا کی بھول معاف نہیں کر پار ہے اپنی بھول کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ”تو نا ہوا  
تارا“ بہت ہی زبردست جا رہا ہے۔ صد شکر کہ مصطفیٰ اور شہوان کے درمیان فاصلے کم ہو رہے ہیں اور پیاری شروعات ہو رہی ہے  
جبکہ انا اور ولید کے حالات کاغذ بی بی نے بہت خراب کرنے ہیں۔ اتنی آپ بھی جذبات کی ایک اتار کر سنبھل کر چلیں۔  
”مجھے ہے حکم اذان“ کی آخری قسط اتنی زیادہ پرفیکٹ اور مضبوط رہی سب کرداروں سے بھرپور انصاف ہوا کہیں کوئی کمی  
ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملی۔ کہانی کا اختتام پڑھ کر سکون کا فرحت انگیز احساس دگ وپے میں سما گیا۔ اس کے لیے ام مریم آپ  
ڈھیروں دعا میں ڈیز رو کرتی ہیں۔ اس کہانی سے بلاشبہ بہت مثبت سبق سیکھے جن میں سرفہرست میرزا داشت اور سب سے بڑھ  
کر اللہ پر یقین رکھنا۔ ام مریم آپ کا یہاں خری ناول کیوں کیا دج ہے؟ دیگر کہانیوں میں ”دوبی ماں دل میں کچھ دابہ تھے“  
پڑھی لکھی ”اور ”جہیں وطن کی ہوا میں سلام کہتی ہیں“ بہت ہی اثر انگیز اور دلکش تحریریں تھیں۔ مسلسل سلسلوں کی بات نہ کریں تو  
حرا کر کر رہتا ہے۔ بلاض دل میں ایس جتول شاہ رشک حنا حمیرا نوشین فرحت اشرف کسمن نور سمیرا تعبیر کے اشعار واہ واہ۔  
یادگار لکھے ہیں ہما ایوب شملہ رفیق سامع ملک پرویز کے مراسلات بہترین رہے۔ دوست آپیٹام آئے میں سب کے ہنسنے  
مسکراتے سیخانات نے دل کو خوشیوں سے بھر دیا آئینہ میں سب کے تبصرے ایک سے بڑھ کر ایک تھے ہمارے کنول مانی میں آپ  
کے ساتھ ساتھ آنجل کی تمام دلیویوں نانیوں سب کو بہت یاد رکھتی ہوں اور سب کے لیے دعا بھی کرتی ہوں۔ عائشہ خان آپ کو  
میرے سروے کے جوابات پسند آئے جزاک اللہ۔ مجھے بھی آپ پر بے حد پیارا آتا ہے ہم سب آنجل کے توسط سے ایک لڑی  
میں پروئے ہوئے مولیٰ ہیں۔ ہم سے پوچھئے میں اس دفعہ شائلہ جی کے جوابات بہت اچھا کر رہے۔ عائشہ مانا گلشن شہزادی



ہر دین افضل شاہین اور لائبہ مہر کے سوالات اور شاملہ جی کے چھپے جوابات نے مزاد و بالا کر دیا۔ اچھا جی زندگی رہی تو پھر اگلے ماہ ملاقات ہوگی فی امان اللہ۔

**غزالہ غفور..... گائوں جوڑا۔** السلام علیکم آج کل ہمیشہ کی طرح زبردست ہے۔ ام مریم آپلی ویل ڈن بہت مبارک ہو۔ اتنا اچھا ناول لکھنے کے لیے۔ نازی آپلی کا ناول ”برف کے آنسو“ بھی تک دماغ پر چھایا ہوا ہے اور ”کروں سجدہ ایک خدا کو“ میں بہت اچھی اچھی دین کی باتیں ہیں۔ باقی تمام آج کل میڈیا کی طرح لا جواب تھا۔ زندگی نے اگر وفا کی تو پھر ملیں گے خدا حافظ۔

بھولے ہیں رفتہ رفتہ انہیں مدتوں میں ہم  
قسطوں میں خود کشی کا مزا ہم سے اچھے

☆ ذیروز غزالہ خوش آمدید۔

**خدیجہ نور المثل..... کھڈیاں خاص۔** السلام علیکم اتو جی جتا رہا ہوں پورے شمارے کو چھوڑ کر صرف ”مجھے ہے حکم اذان“ پر تبصرہ کریں گے ویسے تو ام مریم کے اس ناول کی تعریف کرنا سورج و چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا۔ پوری کہانی کا خلاصہ صرف تین حرفوں میں تھا ”مشکل ہے مرزا پر مشکل تر ہے بغیر اعمال کے قبر میں اترنا ان الفاظ کو میں نے پڑھا بخور پڑھا اور بار بار پڑھا ہر دفعہ ایک نیا سبق ملا۔ اعمال کی درستگی کا خیال بار بار آیا واقع ہی ہنرمانی عشق فانی کی تلاش میں اس قدر سرگراں ہوتی ہے کہ اپنا دامن اپنے والدین تک چھوڑ کر پاکستان آ جاتی ہے۔ عشق مجازی اسے عشق حقیقی تک پہنچا دیتا ہے عشق حقیقی اس کو ممتا ہے جس کی تیسری آنکھ کھلی ہو اور تیسری آنکھ کسی کسی کی مٹتی ہے۔ زندگی کی تیسری آنکھ کھلی تو وہ فاطمہ بن فی و یو کی تیسری آنکھ کھلی تو وہ ہارون بن گیا۔ تاؤ اور تائی جی دولت کے حصول کی خاطر پیرے دل رتے ہیں لیکن یہ تو ازل سے اصول چلا آ رہا ہے جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ شام کا رستے عورت کو چاند کی مانند نہیں ہونا چاہیے کہ لوگ اسے دیکھتے رہیں۔ سورج کی طرح ہونا چاہیے جسے دیکھنے سے پہلے آنکھیں بند جاتی ہیں۔ چلو جی یہاں تک پہنچ گئے تو آگے بھی تبصرہ کر دیتے ہیں (بابا)۔ ”کروں سجدہ ایک خدا کو“ بہت اچھی کہانی تھی لیکن اس ماہ کی قسط پڑھی نہیں چلو جی ایک بات تو بھول ہی گئے، میں بہت اچھی لک رہی تھی۔ ”نونا ہوا تارا“ جتنی شہوار کب مستحضر ہوں گی۔ ”ستارہ“ بھی اچھی کہانی تھی ہمیں تو خود ستاروں پر یقین نہیں ہے۔ ایمن رحمان کی تحریر بھی بہت اچھی تھی ایمن کو ہم سلام کہتے ہیں۔ اچھا جی رب را کھا۔

**گل مینا اینڈ حسینہ ایچ ایس..... ماں سہوہ۔** السلام علیکم! آج کل فیملی کیسے ہیں آپ سب؟ غل ہمیں 28 تاریخ کو مل جاتا ہے آج کل لیٹ ملنے کی وجہ سے ہم آئینہ میں شرکت نہیں کر سکتے دو مرتبہ ہمیں نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ ہم آج کل کے دیوانے ہیں اور آج کل پڑھتے ہوئے ہم خوابوں میں کھو جاتے ہیں کیونکہ انسان کی زندگی خوابوں سے ملتی ہے۔ آج کل کے تمام سلسلے بہت ہی عمدہ ہیں کسی ایک کی تعریف دوسرے سلسلے کی حق تلفی کھلانے کی۔ کیا ناؤز کیا دولت؟ افسانے اور کیا سلسلے وار ناؤز بہترین جا رہے ہیں۔ آج کل کے سارے سلسلے ہی ہمیں اچھے لگتے ہیں اللہ کرے آج کل دن و گنی۔ ت چوٹی ترقی کرے آئین۔ 14 مارچ کو بھری پیاری کزن گل بہار کی سال گرہ ہے آج کل کے ذریعے ہم گل بہار کو سال گرہ مبارک کرتے ہیں یہی برتھ ڈے ٹویٹو میری بددعا! اس دعا کے ساتھ اللہ حافظ کہ اللہ ہمارے وطن کو اپنے حظ و امان میں رکھے آمین۔

**مہوش فاطمہ..... جہلم۔** السلام علیکم! شہلا آپلی کیسی ہیں آپ؟ سب بڑھنے والوں اور آج کل اسٹاف کو بھری طرف سے سلام۔ آج کل میں پہلی مرتبہ شرکت کر رہی ہوں سلسلے وار ناول کی بات کی جا۔ نئے تو میرا فوریٹ ناول ”مجھے ہے حکم اذان“ ہے جو میں نے پہلی قسط سے لے کر آخری قسط تک پڑھا۔ ام مریم جی آپ نے ناول کا اختتام بہت اچھا کیا ہے اور دین کے بارے میں آپ نے اچھا لکھا ہے اللہ آپ کو خوش رکھے آمین۔ اب ہو جائے باقی ناؤز کی بات سیرا آپلی ”نونا ہوا تارا“ بہت سنجو جا رہا ہے۔ مجھے لگتا ہے تا بندہ بوا بازار میں جسے دیکھتی ہیں وہ یقیناً فیضان جو راجو کے پاس ہیں انہی کو دیکھتی ہیں۔ راحت کا ناول ”موسم کی محبت“ بھی بہتر جا رہا ہے۔ مکمل ناول ”کروں سجدہ ایک خدا کو“ نے تینوں قسطوں میں بہت اچھی لکھی ہیں۔ نازی یہ کنول آپلی آپ کب اپنے نئے ناول کے ساتھ آج کل کے صفحات پر جلوہ گر ہوں گی؟ آپلی آپ کا بہت انتظار رہتا ہے جیانی سب بھی اچھا

آنچل مارچ ۲۰۱۵ء 3(17)



تھا۔ اب اجازت چاہوں گی اللہ ہم سب کو کامیابی سے ہمکنار کرے اور آج کل کو بہت ترقی دے آمین۔

**ایم ایس..... چنیوٹ۔** آج کل اسٹاف رائٹرز اینڈ رپورٹرز اسلام علیکم! مجھے آج کل پڑھتے ہوئے تیسرا سال ہے اور ان دو سالوں اور چار مہینے میں پہلی بار مجھے آج کل 26 کو ملاؤف... میں بتا نہیں سکتی کہ مجھے کتنی خوشی ہوئی یہ میرے لیے ایک طرح سے نئے سال کا تحفہ تھا۔ آج کل گمراہ آتے ہی سب سے پہلے اپنا فوریٹ ناول ”نوٹا ہوا تارا“ پڑھا۔ پھر آپ بہت اچھا لکھتی ہیں باقی سلسلہ اور ناول کے ساتھ ناولٹ اور افسانے بھی اچھے تھے۔ ”ہم سے پوچھئے“ میں پرویز افضل شاہین کے سوال اور آپ کے جوابات ہمیشہ مزہ دے جاتے ہیں۔ یادگار لمحے اور بیاض دل بھی بہت اچھا ہے۔ کام کی... تمیں واقعی بہت کام کی ہوتی ہیں۔ اچھا جی اب اجازت دیں اس دعا کے ساتھ کہ آج کل ہمیشہ ترقی کی راہ پر گامزن رہے اور سب۔ انٹرنیٹ کو اللہ اچھا اور زیادہ کھینے کی ہمت عطا فرمائے سب قارئین کو میری طرف سے سلام دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

**ہادیہ انصحر..... گجرات۔** اسلام علیکم! میں آج کل کی خاموش قاری ہوں پہلی دفعہ خود لکھ رہی ہوں۔ آج کل کی تعریف کی جائے تو لفظ کم پڑ جائیں گے نازیہ کنول نازی ”برف کے آنسو“ بہت اچھی تحریر تھی۔ رات وفاق ”موسم کی محبت“ زبردست تحریر اور میرا شریف طوراً لی ”نوٹا ہوا تارا“ کیا کہوں میں اس ناول کے بارے میں تعریف کرنے کے لیے الفاظ ہی نہیں ہیں باقی تمام رائٹرز بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں آج کل کے تمام سلسلے بیٹ ہیں اللہ تعالیٰ آپ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور آج کل اسی طرح آسمان کے ستاروں کی مانند چمکتا دھنکے رہے۔

ملاؤ تیرا یہ خوش آمدید۔

**مہک خلیل..... کلور کوٹ۔** اسلام علیکم! آپ کی کیا حال چال ہیں؟ امید ہے ٹھیک ہوں گی۔ آج کل خلاف توقع 24 کول گیا سب سے پہلے پینڈیکھا اس میں اپنا دل دیکھ کر خوشی سے پھولنے لگے۔ سب فریڈز کو دکھایا کیونکہ وہ کبھی نہیں کتاب چھوئے شہر والوں کے خطوط شائع نہیں کرتیں خیر فروری کا آج کل بہت زبردست تھا۔ ساری کہانیاں تو نہیں پڑھیں البتہ قسط وار سلسلے پڑھے اور ”مجھے ہے حکم ازاں“ کا اینڈ ویل ڈن ایم اے مریم! اچھا جی اللہ حافظ۔

ملاؤ تیرا یہ خوش آمدید۔ امید ہے کتاب اور دیگر بہنوں کی بدگمانی بھی اب دور ہوئی ہوگی آپ آئندہ بھی شریک محفل ہو سکتی ہیں۔

**شبینہ مغل..... حیدر آباد سندھ۔** تمام ریڈرز انٹرنیٹ آج کل اسٹاف کو میرا خدیں سلام۔ امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے ہاں جی تو بات ہو جائے آج کل کی تو 21 جنوری کی صبح مل گیا۔ سرورق بہت ہی خوب صورت لگا سر پر آج کل سجائے ہاتھوں میں حسین مہندی لگائے آج کل کو چار چار لگا دیئے۔ جلدی جلدی ڈائجسٹ میں اپنا نام ڈھونڈا پر ہمیں نہ پا کر دکھ ہوا لیکن فریجہ شبیر (شاہ کلڈر) شاہ زنگی (راولپنڈی) نے انتخاب کی تعریف کی دل خوشی۔ بارغ باغ ہو گیا جی آپ کا بہت شکریہ قیصر آپ کی سرگوشیاں پڑھیں محمد نعمت سے فیض یاب ہوئے مالک یوم الدین ہمیشہ کی طرح بہت بیٹ تھا۔ شائلہ کاشف کے کھنے بیٹھے جو سب پڑھے ہنس ہنس کے پیٹ میں درد ہو گیا بہت خوب آئینہ میں سب ہی کے تھمرے بہت اچھے لگے خاص کر فریجہ شبیر آپ کا خصوصی تبصرہ بہت اچھا لگا۔ یادگار لمحے میں عطیہ ملک معززہ یونس! ایم کمال رشک حنا نجمہ انجم احوال پاسر ملک اور بانی سب نے بھی بہت اچھا لکھا دوست کا پیغام آئے میں سب کے پیغام بہت اچھے لگے۔ سحر یہ دس اپنے پرس کو پیغام دیتی بہت اچھی لکیں اللہ پاک آپ کو خوش رکھے۔ نیرنگ خیال میں فرزانہ شوکت! صائمہ قریشی! سلمیٰ غزل! عارث بلال! سباس گل! ثمنہ فیاض سب سے بیٹ حیران فضا! برکت رائی! طیبہ سحر! یہ سب نے بہت خوب لکھا ویل ڈن۔ بیاض دل میں سب کے اشعار پسند آئے سیدہ غزل زیدی! ایمان کو اجاگر کرتا اتنا شاندار ناول لکھنے پر ڈھیروں مبارک باد اس کی جتنی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ ام مریم ناولٹ میں ہونے پر ڈھیروں مبارک باد لیکن یہ پڑھ کر بہت دکھ ہوا کہ آپ کنارہ کشی اختیار کر رہی ہیں پلیز ایسا نہ کریں آپ وقتاً فوقتاً اصلاحی اور مذہبی موضوعات پر لکھتی رہیں گے۔ ہمیں آپ کی اسٹوری پڑھنے کی عادت ہو گئی ہے آپ بہت شاندار لکھتی ہیں۔ میرا شریف راحت دفا بہت اچھا لکھا۔ قسط لگی پلیز تمہارا زیادہ لکھا کریں تعارف سب کے بہت اچھے لگے راجا سلم سدرۃ المستنیٰ جازبہ آئمہ کلثوم آپ کا تعارف پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ اگلے ماہ تک کے لیے اجازت ان شاء اللہ زندگی رہی تو پھر آج کل میں شرکت کروں گی اللہ رب العزت! رہے ملک پر اپنا خاص کرم



کرتے آئین فی امان اللہ۔

**سزا بلوچ..... جھنگ صدر۔** محبت اور چاہتوں بھر اسلام قبول ہوئے بلوچ کی طرف سے۔ ٹائٹل اودہ سدرہ ڈیر اونیوں روتے نہیں یہ چاکلیٹ اب ذرا انیس کے دکھاؤ۔ ہمارا آٹھل میں جاؤں بہنوں سے خالی سلام دعا کے بعد ملاقات کا سلسلہ بڑھاتے ہوئے ام مریم آبی کا دروازہ کھٹکھٹایا ”مجھے ہے حکم اذان“! شبہ ایک شاہکار ناول رہا بہت سی مبارک باد کی مستحق ہیں آپ اور ساتھ ہی ایک شکوہ کتاب قطع لعلق کیوں کر رہی ہیں ہم سے؟ ”پڑھی لکھی“ ام انصاری ویل ڈن بہت عمدہ ٹاپک چنا آپ نے۔ ہمیں تو ابھی سے یہ بات سننے کو ملتی ہے تو آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟ ”دوسری ماں“ علیہ یہی کہوں گی ساسی نہ آئے کبھی راس۔ ”کروں مجدد ایک خدا کو“ ونڈر فل یہ جان کر! جانگا کہ اذان پیدا اُسی مسلمان تھا۔ سیدہ غزل صدیقی چھا لکھیں آپ مدتوں یاد رہے گا یہ ناول ہم سب کو۔ ”موم کی محبت“ جانے دو شرمین انا پرست عارض میں کیا رکھا ہے بولی کو اپنا لڑ مشورہ مفت۔ ہاں شادی پر خرچا اپنا کرنا پڑے گا باقی اسٹور بڑھکی زیر مطالعہ ہیں۔ بیاض دل! راشدہ جیل راشی کا شعر سن پسند لگا۔ ڈش مقابلہ ابھی میرے گھر والوں پر اتنا برا وقت ٹوٹا آیا کہ میرے ہاتھ سے بنی کوئی ڈش کھائیں۔ دوست کا پیغام آئے تمنا بلوچ میری دعا ہے کہ رائٹر بننے کے ساتھ ساتھ اللہ آپ کی ہر تمنا کو پوری فرمائے آئین۔ اودہ کے ہم ہیں راہی پیار کے پھر ملیں گے چلتے چلتے۔

**لائبہ مہر..... اٹک۔** ڈیر شائلہ کاشف اینڈ آٹھل اشاف اسلام میکم! اس بار آٹھل 22 کو ہی مل گیا معذرت کے ساتھ گزشتہ عید الفطر اینڈ سال نو کے ٹائٹل کے علاوہ 2012 سے آج تک کوئی بھی ٹائٹل پز نہیں آیا۔ آہم آہم تبھرے کا رخ کریں سیدہ غزل کی ”کروں مجدد ایک خدا کو“ ایک بہترین پاورفل تحریر تھی احمد اذان میرا لیورٹ کردار بہترین ناول لکھنے پر بہت بہت مبارک باد سیدہ غزل آبی آپ کو۔ ”مجھے ہے حکم اذان“ ام مریم کا زبردست ناول پہلی قسط سے لے کر سیکنڈ لاسٹ قسط تک ہر کردار پر آپ کی گرفت مضبوط قسط بھر پور تھی لیکن آپ کی آخری قسط کچھ ہضم نہیں ہوئی شاید آپ نے جلدی میں لکھی ہے سند پو سے ملاقات ہوئی۔ اماں ایمان اور بابا سائیں کو بھی نہیں دیکھا آخر میں کچھ کی کی محسوس ہوئی۔ بہ معذرت کے ساتھ۔ لاریب میرا پسندیدہ کردار بھی بہر حال اتنا اچھا لکھنے پر آپ کو ضرور ڈیر مبارک باد تھی۔ ام مریم یقیناً آپ بہت جلد آٹھل میں دوبارہ حاضری دیں گی۔ راحت وفا ”موم کی محبت“ ہمیشہ کے برعکس اس بار کہانی نے متاثر کرنے میں کامیابی حاصل کر لی سوری راحت آپ کی پلیز ڈونٹ مائنڈ اینڈ شرمین کو چاہیے بولی سے یا صبیح احمد سے ملو انیس لیکن اگر عارض ہی زیبا، افسوردار ہے تو پلیز اس بدتمیز سے شرمین کی شادی کبھی مت کروائیے گا۔ ڈیر میرا آبی! شہوار کے بدلے ہوئے رنگوں نے خاصا متاثر کیا اور انا مجھے پسند ہے اس کی غلط فہمی جلد ہی دور کیجیے گا۔ جیا عباس اینڈ صبح مسکان بار! آپ دونوں بھی سہیلی فرمائیں اور اپنی کوئی تحریر آٹھل کے لیے لکھیں ریکوئسٹ ہے۔ میری درخواست نازیہ سے ہے پلیز آٹھل میں اپنی ایسی تحریر بھیجیں جو شدید ذہنی ہو کہ ساری سید اسٹوریوں کے ریکارڈ توڑ دے میرے خیال سے آپ اس کام کو بہتر طریقے سے انجام دے سکتی ہیں آپ دونوں کا انتظار ہے گا۔ پروین افضل شاہین جی میں آپ کے پرس افضل شاہین کو اکثر اخبار جہاں میں پڑھتی ہوں اینڈ آپ کا نام اور FM 101 پر بھی سنا ہے شوروز ٹیل میں۔ اودہ کے دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

**عنزہ یونس جدہ۔** حافظ آباد۔ اسلام علیکم! شہلا کیا حال ہے؟ دفعہ آٹھل 23 جون کو ملا سب سے پہلے ”مجھے ہے حکم اذان“ پڑھی یہ کیا اسٹوری کا اینڈ ہو گیا اور وہ بھی ہم بڑھنے پائے کیونکہ جی الٹ پلٹ ہونے کی بناء پر اور ام مریم نے لکھا: ”چھوڑ دیا ہے یہ سن کر یقین ماننے میں سکتے ہیں آگئی دل اتنا دھبی ہوا تھا کہ تانہیں سکتی۔ میری گزارش ہے کہ آپ لکھنا نہ چھوڑیں پلیز کیونکہ ابھی تو میں نے آپ کی اسٹوری پڑھی ہیں پلیز پلیز..... اس کے بعد ”نونا ہوا تارا“ پڑھی مگر یہ کیا ہم پڑھتے پڑھتے خود ہی ٹوٹ گئے۔ میرا ڈیر پلیز انا کا دماغ ٹھیک کریں ورنہ جی ہم پاگل ہو جائیں گے (لڑکیاں)۔ ولید کو بھی چاہیے کہ انا کے گئے شکوے مٹائے پلیز رابعہ اور عباس کی شادی کروادیں ویسے عادل سکون سے بیٹھے گی نہیں مگر پلیز جو بھی ہو جائے میری رابعہ بدنام نہ ہو آئین۔ کاشف کو تو اللہ پوچھے چنچو ولید بھائی کے ساتھ چیک ہی گئی ہے۔ ہائے اللہ جی مصطفیٰ اور شہوار بھابی راضی ہو گئے بھی مزا آ گیا۔ قسم سے دل خوش ہوا پڑھ کے (ویسے اپنے مصطفیٰ بھائی کافی رومٹک ہیں کیوں؟)



بہر حال تمام اسٹوری بہتر تھی۔ اس کے بعد ”موم کی محبت“ پڑھی ویسے شہلاؤ تیرا آپ مانے نہ مانے میرے خیال میں عارض ہی وہ شخص ہے جس نے زبیا کو دھوکا دیا ہے۔ اس کے علاوہ ”کروں مجدد ایک خدا کو“ اتنی ہیست اسٹوری تھی جس کی تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ سیدہ غزل زیدی آپ کو بہت مبارک ہو ایسی اسٹوریز آجکل میں ضرر رہونی چاہئیں یہ آجکل کو مزید وقار اور وسعت دیں گی ان شاء اللہ اور اس طرح کی اسٹوریز ایمان کو بخشنی عطا کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ ”دوسری ماں“ افسانہ اچھا تھا۔ ”عشق بے درد“ اچھا ناول تھا۔ ”یہ سب تمہارا کرم ہے“ بہت ہی بہترین کہانی تھی موم سے حرا آ گیا۔ ”مہد نئے سال کا“ افسانہ بھی اچھا تھا۔ ”دل میں کچھ ہے“ تھے افسانہ بھی بہترین تھا۔ ”چھوٹی سی بات“ اور ”سر پرانہ“ بھی اچھے افسانے تھے۔ بیاض دل، ہم سے پوچھے آئندہ جواب آپ کی نیرنگ خیال یادگار لمے اور ڈش خالہ بھی بہت اچھے تھے پڑھ کے مرآ آ گیا۔ ام مریم ویل ڈن آپ نے بہت اچھی کہانی لکھی تھی دعاؤں میں یاد رکھیے گا اور ہاں ملک وقوم کے لیے دعا ضرور کریں گے اللہ اس مسلمہ ریاست کو قیامت تک قائم رکھے آمین والسلام۔

ہذا گزرا اگر کبھی ایسا کو پرچا آپ کو ملا کرے تو آپ نے جس دکان دار یا باکرے لیا ہواں کو دیے کہ تبدیل کر لیا کریں اور یہی سب بات سب بہنوں کے لیے بھی ہے۔

**مصباح عرف مشی شیوہ..... حافظ آباد۔** السلام علیکم! تمام لکھنے والوں اور پڑھنے والوں کو پیار بھرا سلام آج میں نے ہمت کر کے قلم اٹھا ہی لیا۔ ”کروں مجدد ایک خدا کو“ اس نے مجھے قلم اٹھانے کے لیے مجبور کیا ہے۔ یہ کہانی واقعی ہمارے لیے ایک سبق ہے اور پھر آئندہ بھی اس طرح کی کہانیاں شائع کرتے رہے گا اور بات، کہانیاں وہ بھی اچھی ہیں لیکن ”مجھے ہے حکم ازاں“ کا اینڈ شائع نہیں ہوا پھر اس کو دوبارہ شائع کر دیں اور اب اجازت چاہتی ہوں اللہ کرے کہ آجکل دن دگنی اور رات چوٹی ترقی کرے آمین۔

ہذا گزرا حکم ازاں کا اینڈ تو شائع ہو گیا تھا فردری کے شمارے میں۔

**سعیدہ کنول..... ستیانہ۔** السلام علیکم! آجکل کے تمام اسٹاف کو پیار بھرا سلام۔ امید ہے آپ سب صحت و ایمان کی بہترین حالت میں ہوں گی۔ اب آتے ہیں رسالے کی طرف فردری کا سارا شمارہ بہت زبردست ہے۔ مجھے اس کے سارے سلسلہ وار ناول ”موم کی محبت“ ٹوٹا ہوا تارا مجھے ہے حکم ازاں ”سب بہت پسند ہیں۔“ مجھے ہے حکم ازاں ”کا اینڈ بہت اچھا لگا۔“ ”دوسری ماں“ پڑھ کر دل اداس ہو گیا۔ ”کروں مجدد ایک خدا کو“ بہت زبردست لگا۔ بانی سارا شمارہ بھی اچھا ہے اللہ حافظ والسلام۔

**نادیہ یسین..... ساھیوال۔** آجکل اس دفعہ غلط۔ توقع 24 کو مل گیا سرورق دیکھتے ہی نعرہ لگایا پرفیکٹ۔ پہلے بات کرتی ہوں سلسلے وار ناولز کی ”موم کی محبت“ کے کرداروں کی طرح ہم خود بھی اچھے ہوئے ہیں کہ کس کو کیا مشورہ دیں۔ صغیر کو کہیں کہ دل بڑا کر مٹی ڈالو یا زیبا سے کہوں جو یو ایو کا نایا شرمین کو مشورہ دیں کہ بھئی بولی بیست ہے یا عارض۔ دیکھتے کیا ہوتا ہے۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ جہاں شہباز مصطفیٰ کے ملن نے خوش کیا دل باغ باغ ہوا اتنا کہ ہم جھٹ سے لگانے والے ہو گئے (بھئی خوشی کے مارے)۔ وہ ہیں انا اور نید موسیٰ یقیناً انا انکار کی سوچے گی اب۔ ام مریم آبی ویل ڈن کیا اختتام کیا دل مجھوم گیا آپ کے اس ناول سے کوئی ایک بھی ہجاء نہ ہٹ گیا۔ تمہیں ایک بہت بڑی نیکی جسے میں آگئی۔ سیدہ غزل نے بھی بہت اچھا اینڈ کیا ایک ایمان افروز روح کو گرم دینے والی تقریر کے لیے بہت بہت شکریہ۔ ”عشق بے درد“ فیضان جیسے دوستوں کے لیے ہی کہا گیا ہے کہ ایسے دوست کی محبت سے تنہائی بہتر ہے رٹش کو خود اچھے برے کی تمیز نہیں تھی؟ پاگل۔ صانوزو ڈن یہ چھوٹی سی بات ہی عورتوں کا مان و غرور ہوتی ہے افسانے ناولت بھی اچھے تھے چاروں نٹ کھٹ بہنوں سے مل کر بہت اچھا لگا۔ راجہ اسلم لگی ہیں جو ایسے شوہر ملے آپ کو آئینہ میں فریجہ شیر مار یہ کنول کے تہرے بہت اچھے لگے۔ عائشہ پرویز (کراچی) مان لیا عائش کہ آپ بہت معصوم ہیں (میری طرح ہاہاہا)۔

**فیضہ جٹ..... 132 جنوبی۔** السلام علیکم! کیوٹ سی شہلاؤ آپ اس دفعہ آجکل 2 لول گیا ماڈل اچھی لگ رہی تھی۔ سب سے پہلے ”مجھے ہے حکم ازاں“ پڑھا مریم آپ بہت ہی مزے کا اینڈ کیا میری طرف سے مبارک باد پھر چلا تک لگائی



”ٹوٹا ہوا تارا“ شکر ہے شہوار کو قتل آگنی اور یہ اب انا کو کیا ہو گیا ہے آپی جی ولی اور انا کی اب۔ جلدی جلدی شادی کر دیں۔ مجھے آپ کا ناول بہت پسند ہے۔ ”کروں مجدد ایک خدا کو“ بہت پیاری اسٹوری ہے اینڈ پڑھ کر تھیرا دل کیا آپ کا منہ چوم لوں۔ ”عشق بے درد“ انیم خان آپ نے اسوہ کو کیوں مار دیا ارش کو اسوہ کے ساتھ اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا بہت دگی کر دیا اس ناول نے تو۔ افسانے سارے ہی اچھے تھے فرحت اشرف شاہ زندگی جاناں چکوال شاہین آپی میں نے پوچھا تھا مجھ سے دوستی کریں گی اب یہ کیا کہ بندہ جواب دینا ہی بھول جائے۔ شاہین آپی میری دعا ہے کہ اللہ آپ کو چاندی بیٹی دے آمین۔ مائرہ فریحہ صدف نادیہ عاصمہ کو سلام۔

**تمنا بلوچ..... ڈی آئی خان۔** السلام علیکم شہلا آپی! سب سے پہلے تو یہ لٹا چل سارے کا سارا بیٹ ہے مگر اس میں ہم سے پوچھنے کی جگہ اسلامی سوال و جواب پوچھتے جائیں جن سے کہ ہماری معلومات میں اضافہ ہوگا اور ہم اپنی زندگی بہتر طریقے سے گزر سکیں گی۔ باقی اگر کسی کو ہماری بات یا مشورہ نہ لگا ہو تو معاف کر دیجیے گا۔ اب آتے ہیں آپی میرا کہ ”ٹوٹا ہوا تارا“ کی طرف آپی بس دل کرتا ہے کہ سید می شہوار کے گھر چلی جاؤں اور اس کی در مصطفیٰ بھائی کی نظر اتار کر ان کی ساری باتیں اور انا اور ولید کے سارے دکھ کا صفحہ کے گلے میں ڈال دوں تاکہ وہ سب سکون سے جی سکیں اور آپی پلیز زیادہ لکھا کریں اور ہاں اگلی بار میں چیک کروں گی کہ آپ ہماری بات کا کتنا مان رکھتی ہیں۔ باقی سب ہی سلسلے اچھے ہیں اور مریم آپی بہت بہت مبارک اب جلدی سے کسی اچھے سے ناول کے سات انٹری دیں۔ مس یو آپی! اور نازی آپی آپ کہاں کم ہیں یار جلدی سے حاضری دیں! بے نئے ناول کی ساتھ اور پلیز بہنوں کی عدالت سے ابھی نہ جائیں اچھا والسلام اللہ حافظ۔

☆ گزیا آپ کی تجویز غلط کر لیں ہیں ان شاء اللہ کوشش کریں گے ان پر عمل کرنے کی۔

**مصباح مسکان رنوف..... جہلم۔** محترمہ مدیرہ صاحبہ السلام علیکم! میں آپ کی بہت پرانی قاری ہوں اور ہر ماہ باقاعدگی سے آپ کے ناول سے فیض یاب ہوتی ہوں خیر آپ کے سب سے پہلے اچھے اور عمدہ ہیں۔ اشعار اور غزلیں زبردست جبکہ تحریریں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں تمام رائٹرز بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ اللہ آپ کو حیدر شہرت اور ترقی عطا فرمائے آمین۔ مزید عرض یہ ہے کہ مابدولت کو لکھنے کا بہت شوق ہے اور اس شوق کے پیش نظر اپنی ایک کاوش آپ کو رسال کی ہے۔ دوسرے سالے کا نام ”آچل سیکلی“ ہونا چاہیے اور اس میں صرف ایک کسی مشہور رائٹر کی قسط وار کہانی جبکہ ہاں تمام نئی رائٹرز ہونی چاہیے تاکہ نئے لکھنے والوں کو بھی موقع ملے۔ امید ہے کہ تجویز پر غور کیا جائے گا اچھا اب اجازت چاہتی ہوں ان شاء اللہ سانسوں نے وفا کی تو پھر ضرور تشریف لاؤں گے دعا ہے اللہ ہمارے ملک کو دشمنوں سے بچائے اور اپنی حفظ و امن میں رکھے آمین اللہ نگہبان۔

☆ مدیر مصباح خوش آمدید!

**اقراء لیاقت..... حافظ آباد۔** السلام علیکم! اس دفعہ آپ نے 24 کوئی لکھا (یا لگ بات ہے کہ بلا نہیں بلکہ کسی سے چھینا گیا ہے) سب سے پہلے ام مریم کی کہانی ”مجھے ہے حکم اذان“ پر چلائے لگائی۔ کیا ہوا سکندر بھائی کی تھوڑی سی اسٹوری بتاتی مگر اچھی تھی اس کے علاوہ فاطمہ کا تو دماغ اچھا بھلا خراب ہوا پڑا ہے۔ دیو اور زینب کی شادی ہوگئی بہت اچھا مگر یہ کیا کہانی کا اختتام تو ملا ہی نہیں۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ کی انا صاحبہ پر تو مجھے بلا کا قصہ ہے عجیب ہی ہوگئی ہے ہر اس میں ولید کی بھی غلطی ہے اسے چاہیے کہ انا کی غلط فہمیاں دور کرنے کی کوشش کرے انہیں ملا دیں اور کافور کو تو میرا جی کرتا ہے کہ ماؤنٹ ایورسٹ پر چڑھ کر وہ کا دے آؤں شہوار ویل ڈن۔ سیرا آپی پلیز ان کو علیحدہ مت کیجیے گا۔ بات کریں ”موم کی محبت“ کی تودہ واقعی ہی موم کی محبت ہی لگی ہلکہ ہر دفعہ لگتی ہے۔ ”کروں مجدد ایک خدا کو“ ویل ڈن سیدہ غزل زبیری آپ نے بہت ہی اچھا لکھا۔ یہ ایک ایسی کہانی ہے جس سے ایمان تازہ ہو جاتا ہے آپ کو ایسی کہانیاں ضرور شائع کرنی چاہیے تاکہ ہماری اصلاح ہو سکے اور آپ کو کمال کا معیار اور بلند ہو سکے۔ ”عشق بے درد“ بہت اچھی کہانی تھی واقعی میں عشق اتنا ہی ذوار مرحلہ ہے یا پھر اس سے بھی زیادہ۔ ”دوسری ماں“ افسانہ بھی بہت اچھا تھا جس میں ساس اور بہو کے لیے بہت بڑا سبق موجود ہے۔ ”یہ سب تمہارا کرم ہے آقا“ ایمان کو تازہ کر دینے والی کہانی ہے۔ اس کے علاوہ ”سربراہ انز سترہ“ مگر بڑی گہمی اور عہد۔ نئے سال کا ”بہت اچھی رہیں اور وطن کی ہوا میں سلام ہتی ہیں“ واقعی ہی اس میں کشمیر اور کشمیریوں کی زندگی کا اصل مقصد واضح کر دیا گیا ہے جہاں ہر بچے کی







## تمہارے بچے

### شمالیہ کاشف

عزیزہ یونس..... حافظ آباد

س: شمی آپ! آپ کو میرا آنا پھر آنا اور پھر آنا کیسا لگا؟

ج: بالکل ویسا ہی جیسا کہ.....

س: شمی آپ! اگر میں سیاست میں آ جاؤں تو آپ

ووٹ کے سودیں کی مجھے یا...؟

ج: تمہارے میاں جی کو کیونکہ وہ بھی مظلوم عوام میں شامل ہیں۔

س: آپ! مجھے آپ اور آپ کا شہر بہت پسند ہے کیا آپ میری دعوت کریں گی؟

ج: مکھن اچھا لگایا ہے مگر جمانیں۔

س: ہائے اللہ جی شمی! قسم سے کسی بڑے سوہنے

لکڑے بے آواز خرفیں پر کیا لگایا ہے؟

ج: تمہیں بتاؤں تاکہ تم بھی لگا کر میرے جیسی خوب صورت ہو جاؤ۔

ٹانیہ مغزل... لیلیانی سرگودھا

س: آپ! کیسی ہو سردی کیسی لگ رہی ہے؟

ج: ہیں کہل کی سردی کہل کی سردی کہل تو گرا گئی ہے۔

س: آپ! سردیوں کی سب سے بہترین انجمائے منٹ کیا ہے؟

ج: غالباً نوڈل شیزنگ سے نجات مگر اب وہ بھی نہیں.....

س: آپ! نئے سال کے لیے آپ کا کیا ارادہ ہے میرے ہمارے میں؟

ج: بس دعا ہے کہ تم سدھر جاؤ۔

ارم کمال..... فیصل آباد

س: شمالیہ جی! آنکھوں ہی آنکھوں میں کیا باتیں ہوتی ہیں؟

ج: آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے ہوتے ہیں۔

س: بس اک منم چاہیے بھلا کس لیے؟

ج: گھر کے کام کروانے کے لیے۔

س: وہ ہمیشہ دل کو جلا۔ نے کا سبب ہی کیوں بنتے ہیں؟

ج: ضرور شوہر نامدار ہوں گے۔

س: شمالیہ جی! زندگی لی کتاب میں کون سا صفحہ سب سے دلچسپ ہے؟

ج: اول صفحہ۔

س: شعر کا جواب دیں۔

پادو ماضی بھی اک، عذاب ہے یارب

چھین لے تو تھ سے حافظہ میرا

ج: ایسے شعر کی ٹانگہ توڑی ہے کہ شاعر بھی عذاب

میں ہوں گے۔

جانبہ ضیافت مہاسی..... دیول مری

س: ویسے سوچنے کی بات ہے سال میں صرف بارہ

مہینے ہی کیوں ہوتے ہیں؟ نیرہ چودہ اور پندرہ مہینے کیوں

نہیں ہوتے؟

ج: تم سوچو خوب سوچو اس دوران یہ بارہ مہینے بھی گزر

جائیں گے۔

س: بتا ہے ہم اپنے کارخانہ کے بیسٹ ڈیوٹر رہ چکے ہیں

لوڈ بیسٹ کا اتنا شوق ہے کہ اکثر سوئے ہوئے رات کو اٹھ

بیٹھ کر ڈیوٹ شروع کر دیتے ہیں اور آٹھ بج کر کھلتی ہے

جب اماں جان ہمارے لے لے بالوں کی چٹیاں کو زور سے

مٹاتی ہیں ہم کیا کریں؟

ج: اپنے شوق کے لیے غمی ہو جاؤ۔ نہ ہیں گے بال

نہ پڑے گی مار۔

س: جب ہم خاموش لو، اداس بیٹھیں تو سب پوچھتے

ہیں ”خاموش کیوں بیٹھی ہو“ اور جب ہم جیتے بولتے

پھرتے ہیں تو پھر بھی سب پوچھتے ہیں ”اتنا چپک کیوں

رہی ہو“ آپ ہی بتائیں ہم کیا کریں؟

ج: تمہیں بھی تو مینار کہ ری اداس بلبل بننے کا شوق

ہے۔

س: جب ہم جیتے ہیں تو بھی آنکھیں لبالب بھرا آتی

ج: جب ہم جیتے ہیں تو بھی آنکھیں لبالب بھرا آتی

آنچل مارچ ۲۰۱۵ء 313



ہیں اور جب اسی میں روتے ہیں تو بھی..... اور جب کوئی اپنائیت اور پیار سے گلے لگاتا ہے تو بھی..... بھلا کیوں؟  
ج: رونے اور لانے کے علاوہ بہت کام دنیا میں۔

شازیہ فاروق احمد..... خان بیلہ

س: شائیکہ جی کہیے مجھے یاد کیا یا نہیں؟  
ج: آپ نے تو کبھی کہا ہی نہیں تھا کہ آپ کی لڑکی کتنا ہے۔  
س: شائیکہ جی ہاتھ مل جائے تو مرہم لگاتے ہیں دل جل جائے تو کیا کرتے ہیں؟

ج: جل گئیں جاتے ہیں تمہاری طرح۔  
س: تنہائی میں سو بہانے کا بہانہ کب بنایا جاتا ہے؟  
ج: اب تنہائی کا میسر ہونا مشکل ہے لوڈ شیڈنگ بہت ہوتی ہے اس میں سو بہانوں۔

س: شائیکہ جی سر دی جا ہی نہیں رہی ان سر دیوں کے موسم میں آپ نے حفاظتی اقدامات تو کر لیے تھے نا؟  
ج: ہم نے تو کر لیے تھے اپنا حال سناؤ بھئی کہاں رکھ کر بھول گئی تھی۔

س: شائیکہ جی! پروین افضل شاہین صاحبہ مجھے مخاطب نہیں کر رہیں آپ ان سے پوچھئے ناں کہ کیا وہ ناراض ہیں؟

ج: یہ سلسلہ ہم سے پوچھنے لگتا ہے آپ خود ہی پوچھئے۔  
س: آپ خوب صورت ہونی جذبی ہیں خوش اخلاق بھی وجہ کیا ہے؟

ج: اب ہر بات بتانے کی ہوتی نہیں نا.....

سحرش بٹ..... دینہ

س: آدابہ نئی جی! پہلی بار آئی ہوں جگہ ملے گی؟  
ج: میز کے نیچے چلی جاؤ آئی جی.....  
س: آنٹی جی مجھے دادی امی ہر وقت گھر کے کاموں کا کہتی رہتی ہیں کہ اگلے گھر جانا ہے مگر ہمارے گھر سے کوئی اگلا گھر ہے ہی نہیں۔

ج: یہ تو دادی کو بتاؤ کہ تمہیں اگلے گھر نہیں دراصل پچھلے گھر جانا ہے۔

س: آنٹی ملی اپنے بچوں کو گھر میں کیوں گھماتی ہے؟

ج: آنٹوں میں گھر میں بچے بڑے ہو جائیں اس لیے۔  
نجم انجم..... کورٹنی کراچی

س: محبت کے پھول سجا کر روانہ کر دی ہوں مسکرا کے قبول فرمائیں۔

ج: آپ کے پھول تو ڈاکیا۔ لہاڑا۔  
س: اگر آپ کو آسمان کی حکومت مل جائے تو ستاروں سے کس کا نام لکھیں گی؟

ج: نجوم ستارہ و قمر کی باتیں اب پرانی ہو گئی ہیں جناب! س: تین سالوں کے بعد پڑھائی ہوں آپ کا سر کھانے کے لیے لفٹ ملے گی یا پورے لوٹنا پڑے گا؟  
ج: ہمارا سر کھانے کے لیے ہمارے سر پر کچھ بچا ہی نہیں ہے اب۔

خدیجہ نور..... مڈیاں قصور

س: شائل آپ میرے سوالوں کے ایسے جواب دیتی ہیں کہ میری آنکھوں کے گے تارے ڈانس کرنے لگتے ہیں اور دانت تو ایسے غائب ہوتے ہیں کہ جیسے بھئی کہیں رکھ کر بھول گئی ہوں اب ایسی بھی کیا بھئی ہے؟

ج: دن میں تارے دکھانا مارا کمال ہے اور آپ کی بھئی کا غائب ہو جانا آپ کے میاں جی کا کمال ہے۔  
س: آپ اپنی وہ جو ردی کی نوکری ہے وہ آپ کی خالہ لگتی ہے یا پھر آپ اس کی خالہ لگتی ہیں؟

ج: ہماری کچھ نہیں لگتی البتہ آپ کی ساس لگتی ہے جی آپ کی ڈاک کھا جاتی ہے۔

سہیل پاکستان بشار..... بھکر

س: پہلی مرتبہ آپ کی محفل میں آ رہی ہوں مجھے خوش آمدید کہیے کیونکہ یہ میرا حق بھی ہے اور آپ کا فرض بھی۔  
ج: حقوق و فرائض کی بارانہ مت کرو ورنہ تم ہی پھنس جاؤ گی۔

س: یہ چینی اتنی چٹی کیوں ہوتی ہے؟

ج: یہ چین جا کر پتا کرو۔

لائبہ مہر..... حضرت وائیک

س: سبھی ڈاکٹر چشمہ کیوں پہنتے ہیں کیا سبھی کی نظر



کمزور ہوتی ہے؟  
ج: ڈاکٹروں کی نہیں غالباً آپ کی نظر کا فتور ہے کہ ہر  
ڈاکٹر چشمہ والا ملتا ہے۔  
س: جسے بھی ہم دیکھ لیں پلٹ کر اسی کو اپنا  
غلام کر لیں۔  
ج: بس پھر انہیں پلٹ کر ضرور دیکھنا تاکہ وہ جوہ کے  
غلام بن جائیں۔  
س: بولی وڈ کی سب سے خوب صورت اداکارہ ایشویا  
رائے سے اور بولی وڈ کی؟  
ج: شرمین جاسون بھی جگہ خالی ہے۔  
س: آپ کی بولی وڈ کی سب سے زیادہ پسندیدہ فلم  
کیونکہ اس میں آپ کا.....  
ج: عکس نہیں ہوتا بلکہ تمہارا اپنا عکس ہوتا ہے ڈور تو  
لگے گا ہی۔  
س: اچھا جی اجازت دیں اچھی سی دعا اور نصیحت کے  
ساتھ۔  
ج: سدا خوش رہو نصیحت اپنے خرچے پر جم کر جیو۔  
س: نہاں جی بالکل ٹھیک پہچانا میں نئی ہوں؟  
ج: نئی ہو یا نہیں ہوئی ہے۔  
س: ارے ارے میری یاں بلار ہی ہیں بائے بائے۔  
ج: ان کو بتا کر نہیں آئی تھیں چلو اب جو تے کھاؤ دس  
نمبر کے۔  
س: شک و..... برتالی  
ج: ٹھک ٹھک ٹھک..... آپ کی پہلی مرتبہ آپ کی  
خدمت میں حاضر ہوئے ہیں سلام قبول کیجیے۔  
ج: ویکم السلام۔  
س: موسم ہے بڑا قاتل کھو جائے گا..... کیا کھو  
جائے گی آپ؟  
ج: آپ کے پلو سے بندھا گدھا۔  
س: آپ کی! آپ کو ہر ماہ اتنے سوالات ملتے ہیں اتنے

دلچسپ جوابات کہاں سے لانا ہیں؟ کون سا کمپیوٹر فٹ  
ہے آپ کے دماغ میں؟  
ج: قدرتی آپ کے سر میں تو بھوسا بھرا ہے ناں۔  
س: بیوی کے لیے تو شوہر مجازی خدا اور شوہر کے لیے  
بیوی؟ ہوں ہوں بتائیے نا؟  
ج: سناری زندگی کی سزا۔  
س: آپ کی گرمیاں آ۔ نے والی ہیں پھر ٹینشن  
اوڈیڈنگ کی؟  
ج: تو اب بھی کون سا ٹینشن مافری ہیں ہم تم ہوتاں۔  
س: پروین افضل شہین..... بہاؤ لنگر  
س: میرے میاں جانی پرس افضل شاہین کی شکل  
دیکھتے ہی مجھے کے بچے رونے کیوں شروع کر دیتے ہیں؟  
ج: وہ ان کی چیزیں جو انہیں کرکھا جاتے ہیں تم  
کھانے کو جو نہیں دیتیں۔  
س: اپنی خوب صورت سہیلیوں کو اپنی میاں جانی سے  
کیسے دور رکھوں؟  
ج: سہیلیوں کے سامنے میاں کی جھوٹی تعریف کرنا  
چھوڑ دو۔  
س: جب وہ ہنستے ہیں نہ بھلا مجھے کیا شک ہونے  
لگتا ہے؟  
ج: کسی اور کو دیکھ کر ہنس رہے ہوں گے ورنہ مجھ میں تو  
ایسی کوئی بات نہیں۔  
س: شیریں گی..... ٹمن  
س: اپنا اتنے دنوں بعد برا آنا کیسا لگا؟  
ج: ہوا کے تازہ جھونکے کی طرح۔  
س: شام لگے آپ کی ہمیشہ اپنے ہی کیوں نقصان  
دیتے ہیں؟  
ج: لو بھی تمہیں اتنا بھی نہیں پتا غیر ہمیں جانتے  
جو نہیں۔  
س: میرے جسم پر خنجر تو بہت لگے تھے  
مراٹھا کر دیکھا تو اسنے کھڑے تھے  
ج: تھک گئے تمہاری فضول کی جگہ اس سن کر۔



نے بھی۔

ج: عائشہ پر تو..... کراچی  
س: آپ جی میں تھی ہوں، شکم کریں سو سال میں (عی  
عی)

ج: نئی نہیں آپ بہت پرانا ہو وہ بھی بہت۔  
س: سورج ہوا دم چاند چلنے لگا میں ٹھہرا رہا زمین  
چلنے لگی آپ کیا یہ میرا پہلا پہلا پیار ہے؟  
ج: کون پہلا پیار ہے یہ آتا تو بتاؤ۔  
س: لوگ ستارے چاند تو زلزلے کی بات کرتے ہیں  
سورج کیوں نہیں؟

ج: بہت گرم ہوتا ہے پھر کیسے لے کر آئیں گے ہاتھ  
اور منہ دونوں جل جائیں گے۔  
س: آپ یہ امی سب بچوں کو چندا ماما کیوں کہتی ہیں  
سورج ماما کیوں نہیں؟  
ج: کیونکہ ہر ماما کے سر پر چاند ضرور ہوتا ہے ویسے تم  
اپنے بچوں کو یہ بھی پڑھا دینا۔

فریحہ شبیر... شاہ کلڈر  
س: ہمیں اڑتی اڑتی خرملی تھی کہ آپ نے ہمیں  
باد کیا ہے؟  
ج: اس لیے کہتے ہیں کہ اڑتی خبر پر کان مت  
دھرا کرو۔  
س: میں تو سمجھتی تھی کہ آپ بھول گئی ہوں گی؟ یاد دلانا  
بھی مشکل ہوگا؟

ج: میں ہا دم کھاتی ہوں، نہاری طرح کچھ نہیں۔  
س: ویسے آپ بھولنے والوں کو یاد کیسے دلایا جائے؟  
ج: کوئی تحفہ دے کر اور وہ بھی مہنگا والا۔

❖

س: آپ جی نیا پاکستان کب بنے گا؟  
ج: پہلے اس کے قرض تو ادا ہو، پہلے ہی مقروض ہو۔  
س: ابھی سی وادے کر رخصت کریں؟  
ج: سدا مسکراتی رہو۔

عابد محمود..... ملکہ ہانس  
س: ڈیئر شاملہ آپ کی اکئی سالوں کے بعد آپ کی محفل  
میں حاضر ہوں امید ہے کسی کو نے میں جگہ ضرور ملے گی؟  
ج: جو ہے کے مل میں کھس کر بیٹھ جاؤ ارے مدامان  
گھنٹیں چلو میز کے نیچے بیٹھ جاؤ۔  
س: آپ جی بعض حادثے چپ چاپ گزر جاتے ہیں مگر  
ان کی کسک بعد میں کیوں بڑھ جاتی ہے؟  
ج: کون سے حادثے کی بات کر رہی ہو پہلے وہ بتاؤ۔  
س: ایسا! آج کل خلوص و وفا کو بھی دولت کے ترازو  
میں تولتا جاتا ہے؟  
ج: عام ترازو ان کا وزن برداشت نہیں کر سکتا  
اس لیے۔

کوثر خالد..... جڑانوالہ  
س: شاملہ! الیوں پر گوند جو چپکائی تو سوالات کی بارش  
امنڈ پڑی بتاؤ کتنے سوال کروں؟  
ج: سب کرو مگر اس طرح کے فضول سوال مت کرنا۔  
س: میری زندگی میں آنے والی پانچویں شاملہ ہیں  
آپ کیا خیال ہے بدشتہ پکا؟  
ج: پہلے چار سے فلرٹ کے بعد اب ہم پر لائن مارو گی؟  
آف اللہ۔

شرزابلوچ..... جھنگ صدر  
س: آج پھر تم پہ پیار آیا ہے بے حد اور بے شمار آیا  
ہے..... لو ہم بھی آگے بھڑکے پاس۔  
ج: ہمارے پاس آنے کی بجائے ہاتھ روم جا کر گانے  
کا شوق پورا کرلو۔

س: ہر ساس کو اپنی بہو اور ہر بہو کو اپنی ساس سے  
شکایت کیوں ہوتی ہے؟  
ج: کیونکہ ساس بھی کبھی بہو تھی ضرور یہ دیکھا ہوگا تم





بیمہ دیکھنا شروع کرنا

کا قد چھوٹا ہے عمر 18 سال ہے اس کے لیے بھی کوئی علاج بتائیں۔

محترم آپ CALCFLUOR-6X کی 4 گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور ہن کو قد بڑھانے کے لیے CALC PHOS-6X کی 4.4 گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور BHARIUM-CARB-200 کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن ایک بار پیا کریں۔

غلام مرید فیصل آباد سے لکھتے ہیں کہ میرا خط شائع کیے بغیر کوئی موثر علاج بتائیں۔

محترم آپ STAPHISGARIA-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

سیکنہ بی بی فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ مجھے بند نزلے کی شکایت ہے جو سردی کا موسم شروع ہوتے ہی ہو جاتا ہے اور میرے سر کے بال بھی ساقید ہو رہے ہیں۔

محترم AMMON CARB-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اس کے علاوہ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کر دیں۔ HAIR GROWER آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے بال سفید ہوتا اور گرتا بند ہوں گے بال بے گتے اور خوب صورت ہو جائیں گے۔

صبا مرزا فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ 20 سال سے مجھے کانوں کا مرض لاحق ہے دونوں کان بچتے ہیں اور سوراخ ہو گئے ہیں۔

محترم آپ TELLORIUM-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر 3 وقت روزانہ پیا کریں۔

سمیرا ثوبہ فیک سنگھ سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بہت زیادہ بال ہیں APHRODITE کا استعمال کیا ہے بالوں کو جلدی ختم کرنے کے لیے اس کے ساتھ کوئی

سدرہ بتول پیر محل سے لکھتی ہیں کہ چہرے کے بالوں کو ختم کرنے کے لیے آپ کا APHRODITE استعمال کیا تھا کافی حد تک بال ختم ہو گئے ہیں باقی بالوں کو ختم کرنے کے لیے مزید استعمال کرنا چاہتی ہوں اس کے علاوہ میرے کانوں کا مسئلہ ہے۔ بہت کم سنائی دیتا ہے اس کا بھی کوئی علاج بتادیں۔

محترمہ آپ کان کا مسئلہ کان کے ڈاکٹر کو دکھائیں ایفروڈائٹ استعمال کرنے کے لیے 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کر دیں جب تک مکمل طور پر بال نکلنے بند نہ ہو جائیں ایفروڈائٹ کا استعمال جاری رکھیں۔

عمران خان گوجران سے لکھتے ہیں کہ اچھی خوراک کے باوجود میں بہت کمزور اور دبلا پتلا ہوں کوئی خوراک میرے جسم کو نہیں لگتی میرے مسئلہ کا بھی کوئی حل بتائیں۔

محترم آپ ALFAFA-Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ جوابی لغافہ بھیج کر ضائع نہ کریں براہ راست جواب نہیں دیے جاتے۔

ایم ایچ گوجر خان سے لکھتے ہیں کہ 5 ماہ سے میرا پیشاب بند ہے ٹکلی لگی ہوئی ہے ڈاکٹر زاپریشن بتاتے ہیں کیا ہو میو پیسٹی میں اس کا کوئی علاج ہے۔

محترم آپ SABAL SERULITTA (Q) کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر 3 وقت روزانہ پیا کریں۔

ساریہ غنی فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ آپریشن سے بچے کی پیدائش کے بعد میرا پیٹ بڑھ گیا ہے کوئی ایسی دوا لکھیں کہ میرا پیٹ کچھ تو کم ہو جائے دوسرے میری بہن



دوا بھی بتائیں۔  
آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ تین چار بوتل کے استعمال سے  
آپ کے بالوں کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔  
حامد چوہدری لاہور سے، لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع  
کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترم آپ STAPHISGARIA-30  
کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت  
روزانہ پیا کریں اور ہینر گ۔ دو روز کی مزید تین چار بوتلیں  
استعمال کریں۔

سلاویہ خان ٹوبہ فیک ٹلمہ سے لکھتی ہیں کہ میری کمر  
میں درد رہتا ہے پھٹوں میں شدید کھنچاؤ رہتا ہے کافی  
علاج کروائے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا برائے مہربانی  
اس کا علاج بتادیں۔

محترم آپ RHUSTOX-3X کے 5,5  
قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ  
پیا کریں۔

مسز ایس علی سومر وحید آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ  
شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترم آپ نے بہت سی بیماریوں کا لکھا ہے آپ  
کلینک پر تشریف لائیں یا کسی مقامی ہومیو پیتھک ڈاکٹر  
سے رجوع فرمائیں۔

عائشہ شہناز فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ مجھے بار بار  
پیشاب آنے کی بیماری ہے میں بہت پریشان رہتی  
ہوں دوسرا میری امی کو دباؤ کی بیماری ہے اس کا بھی  
کوئی علاج بتائیں۔

محترم آپ CALISTICUM-30 کے 5  
قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ  
پیا کریں آپ کی امی کی باری سمجھ نہیں آئی ان کی مکمل  
کیفیت لکھیں یا کسی مقامی ہومیو پیتھک ڈاکٹر سے  
رجوع فرمائیں۔

بشری عطاء اللہ سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ میرے  
چہرے پر جھانیاں ہیں اور رنگ بھی سالوا لا ہے کوئی ایسا  
علاج بتائیں کہ رنگ صاف اور چہرہ شفاف ہو جائے۔

محترم آپ OLIMUM JAC-3X کی ایک ایک  
گولی تین وقت روزانہ کھائیں ایفروڈائٹ کا استعمال بھی  
جاری رکھیں۔

محمد عمر خوشپورہ سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر  
علاج بتائیں۔ دوسرے میرے دوست کا مسئلہ ہے کٹا بھی  
خوراک کھانے کے باوجود صحت نہیں بنتی۔ جسم بڈیوں کا  
ڈھانچہ ہے۔

محترم آپ ACIDPHOS-3X کے 5 قطرے  
آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

نوشین مشتاق لودھراں سے لکھتی ہیں کہ میرے بال  
گھٹے ہیں مگر لمبے نہیں ہوتے کیا HAIR  
GROWER کے استعمال سے میرے بال لمبے  
ہو جائیں گے مجھے کتنی بوتلیں استعمال کرنا پڑیں گی ہینر  
گر دور منگوانے کا طریقہ بھی بتائیں۔

محترم آپ مبلغ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک  
کے نام پتے پر ارسال فرمائیں HAIR  
GROWER آپ کے گھر پہنچ جائے گا تین چار بوتل  
کے استعمال سے آپ کے بال لمبے بھی ہو جائیں گے۔

حمیرا کیانی آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے  
پردانے ہیں جو داغ چھوڑ جاتے ہیں اس کا علاج بتادیں۔

محترم آپ GRAPHITES-30 کے 5  
قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا  
کریں۔

صبا طاہر ٹوبہ فیک ٹلمہ سے لکھتی ہیں کہ میرے سر کے  
بال بہت تیزی سے گر رہے ہیں اور چھوٹے پتلے کمزور  
ہیں۔ دوسرا میری بہن کا مسئلہ پیشاب بار بار آنے کا ہے۔  
کوئی دوا بتادیں۔

محترم آپ بہن کو CAUSTICUM-30 کے  
5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیا  
کریں اور آپ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے  
نام پتے پر ارسال کر دیں HAIR GROWER



آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس پر لکھی ہوئی ترکیب کے استعمال سے ان شاء اللہ ہاں ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے آپ کو چار پانچ یوٹل استعمال کرنا ہوں گی۔  
خالد عمران جھنگ سے لکھتے ہیں کہ میرا خط شائع کیے بغیر علاج تجویز کریں۔

محترم آپ STAPHISGARIA-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

آمنہ حامد خانوالہ سے لکھتی ہیں کہ میری امی کا پیٹ بہت بڑھ گیا ہے دوسرا سیرن بھانجی کا مسئلہ ہے اس کی عمر 12 سال ہے وہ اپنی عمر سے زیادہ کثرتی ہے اور بہت موٹی ہے۔ کوئی ایسی دوا تجویز فرمادیں جس سے وہ اسارٹ ہو جائے تیسرا مسئلہ میرا اپنا ہے میری عمر 25 سال ہے میرا ایک بیٹا بھی ہے دو سال کا میری چھاتی میں گٹھی بن گئی تھی جو بہت سخت تھی اور درد بہت ہوتا تھا آپ کی دوا کے استعمال سے اب ٹھیک ہو گیا ہے مگر بریسٹ کافی حد تک لٹک گئے ہیں اور تقریباً سارا جسم ہی بے ڈول ہو گیا ہے اور میرے سر کے بال بھی بہت تیزی سے گر رہے ہیں کیا میں BREAST BEAUTY استعمال کر سکتی ہوں اور

HAIRGROWER

محترمہ آپ CALC FLOUR-6X کی 4.4 گولی تین تین وقت روزانہ کھلائیں۔  
PHYTOLACCA BARRY (Q) کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پلائیں۔ آپ مبلغ 1250 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کر دیں یا بریسٹ بیوٹی اور میرا گروور آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے آپ کے دونوں مسئلے حل ہو جائیں گے۔

محمد عمران بھکر سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔ جس طرح آپ دہلی انسانیت کی خدمت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے آمین۔

محترمہ آپ BARBARIS AQUIF (Q) کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور JODUM-1M کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر 15 دن میں ایک بار پیا لیں۔

عاصمہ اقبال، سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترمہ آپ BARBARIS AQUIF (Q) کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور JODUM-1M کے 5 قطرے ہر 15 دن میں ایک بار پیا کریں۔

سماریہ ناز کھاریاں سے لکھتی ہیں کہ آپ میرے لیے کوئی دوا تجویز کریں میں بہت پریشان ہوں۔

محترمہ آپ نے جو لمبی کہانی لکھی ہے اس میں کسی مرض یا تکلیف کا کوئی ذکر نہیں ہے صرف فون پر باتیں کرنے سے کوئی بیماری لاحق نہیں ہوتی اس لیے آپ بے فکر رہیں یا کوئی اور معاملہ ہے تو صاف صاف بتائیں صبح 10 تا 6 بجے فون نمبر 021-36997059 پر رابطہ فرمائیں۔

ارسہ عرفان عارف والا سے لکھتی ہیں کہ میری بھانجی کی عمر 17 سال ہے قد چھوٹا ہے اس کی دوا بتادیں۔

محترمہ بھانجی کو آپ CALC PHOS-6X کی 4.4 گولی تین وقت روزانہ کھلائیں اور BHARIUM CARRB-200 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن ایک بار پلائیں۔

شہزادہ حمزہ شیخ پورہ سے لکھتے ہیں کہ میری بہن کے چہرے اور تھوڑی کے نیچے مردوں کی طرح موٹے موٹے بال نکلتے ہیں میری بہن کی شادی 4 ماہ بعد ہے پلیز اس کی دوا بتادیں۔

محترمہ آپ مبلغ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کر دیں۔ اپنا پتا وہ لکھیں جس پر آپ کو آسانی سے ڈاک مل جائے۔ APHRODITIE

آنچل مارچ ۲۰۱۵ء 319



کی تکلیف ہے پیشاب کر۔، کے باوجود قطرے گرتے رہتے ہیں ڈاکٹر آپریشن تجویز کرتے ہیں کیا ہومیو پیتھی میں اس کا کوئی مناسب علاج دوا کے ذریعے ہو سکتا ہے۔

محترم آپ CONIUM-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

عالیہ کراچی سے لکھتی ہیں کہ میرے یوٹرس میں رسولی ہے ڈاکٹر یوٹرس نکالنے کا مشورہ دیتے ہیں میں غیر شادی شدہ ہوں آپریشن نہیں کرانا چاہتی آپ کو بڑی امید سے خط لکھ رہی ہوں کہ آپ میرا مسئلہ حل کریں گے۔

محترمہ آپ AUR MUR کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کر رہا۔

صدف راولپنڈی سے لکھتی ہیں کہ مجھے سیلان کا پرانا مرض ہے اس کے ساتھ کمر میں شدید درد رہتا ہے میں کوئی محنت کا کام نہیں کر سکتی میرے لیے بھی کوئی مناسب علاج تجویز کر دیں تاکہ میں بھی صحت مند ہو سکوں

محترمہ آپ OVATESTA-3X کی ایک گولی تین وقت روزانہ کھائیں۔

یوسف حیدر آباد سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر مناسب علاج بتائیں۔

محترمہ آپ CALCICARB-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ ملاقات اور منی آرڈر کرنے کا پتا۔

صبح 10 تا 1 بجے شام 6 تا 9 بجے فون نمبر 021-36997059 ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک دکان نمبر 5-C کے ڈی اے فلیش فیز 4 شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر B-14 نارنگ پور کراچی 75850

خط لکھنے کا پتا آپ کی صحت، مہنامہ آن لائن پوسٹ بکس 75 کراچی۔

✍

محترم آپ STAPHISGARIA-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

منیر احمد کراچی سے لکھتے ہیں کہ مجھے کئی ایسی بیماریاں ہیں جو علاج کرانے کے باوجود ختم نہیں ہو رہی ہیں بڑی امید کے ساتھ آپ کو خط لکھ رہا ہوں آپ میرے مسائل کا حل بتائیں۔

محترمہ آپ صبح 10 تا ایک بجے یا شام 6 تا 9 بجے اپنی تمام رپورٹس کے ساتھ کلینک پر تشریف لائیں اللہ تعالیٰ شفا عطا فرمائے گا۔

نسیم بیگم ملتان سے لکھتی ہیں کہ مجھے پیشاب میں شدید جلن ہوتی ہے بہت سے علاج کرائے وقتی طور پر کی آتی ہے کیا میرا بھی کوئی علاج ہے؟

محترمہ آپ CANTHRIS-3X کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں گرم اشیا سے پرہیز کریں ان شاء اللہ شفا حاصل ہوگی۔

ڈاکٹر ذکیہ خان لاہور سے لکھتی ہیں کہ ایک مریض کی مکمل کیفیت لکھ رہی ہوں جو دوا میں استعمال کرائی ہیں وہ بھی لکھ رہی ہوں آپ اپنے تجربے کی روشنی میں کوئی مناسب دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ LEDUM PAL-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

ممتاز بیگم کراچی سے لکھتی ہیں کہ میں ہومیو پیتھی کالج میں تھریڈ ایئر کی طالبہ ہوں مجھے پریکٹس کرنے کے لیے اچھے ہومیو پیتھی ڈاکٹرز کی ضرورت ہے جو ہومیو پیتھی میں سنگل ریملڈی استعمال کرتے ہوں۔

محترمہ آپ میرے کلینک پر تشریف لا سکتی ہیں میرے کلینک پر ہومیو پیتھی فلائی کے خلاف کوئی دوا نہیں ملے گی میرے کلینک پر جو بھی ڈاکٹر زیکھنا آتے تھے سنگل ریملڈی کی کامیاب پریکٹس کر رہے ہیں۔

عبدالکریم ٹوبہ ٹیک سنگھ سے لکھتے ہیں کہ مجھے پیشاب



# لنگی باتیں

جناب احمد

## سردی اور الرجی

سردی عروج پر ہے بلکہ پاکستان کے کئی شہروں میں تو شدید سردی ہے۔ پاکستان پر قدرت کی یہ خاص عنایت ہے کہ اس کے مختلف حصوں میں ایک ہی وقت میں کئی طرح کے الگ الگ موسم ہوتے ہیں۔ جون جولائی میں اگر انڈیون سندھ اور بلوچستان کے کچھ حصوں میں شدید گرمی پڑتی ہے تو کراچی میں موسم کافی حد تک معتدل ہوتا ہے جبکہ پہاڑی علاقوں میں اچھی خاصی خشکی ہوتی ہے اور جن کے پاس وسائل ہوتے ہیں وہ "سیزن" گزارنے ان علاقوں کا رخ کرتے ہیں اسی طرح جب پہاڑی علاقوں پنجاب اور کوئٹہ وغیرہ میں شدید سردی پڑتی ہے تو کراچی میں سردی قابل برداشت ہوتی ہے بس کبھی کبھی کوئٹہ کی سرد اور خشک ہوائیں کراچی کا رخ کر لیتی ہیں تو ٹھنڈ بڑھ جاتی ہے اسی لیے کراچی کے شہری سہ ماہی کی سردی کہتے ہیں جو اسے کوئٹہ سے ملتی ہے اور موسم سرما کے دوران وقفے وقفے سے دو تین دن کے لیے آتی رہتی ہے۔

بہت سے لوگ بڑے اشتیاق سے موسم سرما کا انتظار کرتے ہیں لیکن بہت سے لوگوں کے لیے سردیوں کی آمد کچھ زیادہ خوش گوار نہیں ہوتی اور ان میں صرف سانس اور جوڑوں کے درد کے مریض ہی شامل ہوتے ہیں جن کے امراض موسم سرما میں عام دنوں کی نسبت ذرا شدت اختیار کر لیتے ہیں ان کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں پر موسم سرما کے کچھ ناخوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں اس میں خشک نہیں کہ لوگوں کی اکثریت کے لیے موسم سرما صحت کے کچھ مسائل لے کر آتا ہے جن میں کئی طرح کی الرجی سرفہرست ہے لیکن اگر آپ کچھ فروری باتیں اور تدابیر ذہن میں رکھیں تو ان پریشانیوں اور تکالیف سے بچ سکتے ہیں۔

طبی ماہرین کا کہنا ہے کہ سرد اور خشک موسم میں انسانی صحت میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ بارش ہونے سے ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے وہ مبارک باد دینے کے انداز میں خوشی خوشی ایک دوسرے سے کہتے ہیں "لو بھی

خشک سردی پڑی تھی لوگ بچا ہوا ہے تھے بارش ہو گئی اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

حقیقت یہ ہے کہ "خشک سردی" کی وجہ سے لوگوں کو جن مسائل کا سامنا ہوتا ہے، بارش کے بعد وہ ختم نہیں ہو جاتے صرف ان کی نوعیت تبدیل ہو جاتی ہے سردی خواہ خشک ہو یا تر..... بہر حال کمزور لوگ کسی نہ کسی زاویے سے اس کی لپیٹ میں ضرور آتے ہیں بہت سے لوگوں کو سردی کا سامنا کرتے ہی کسی نہ کسی قسم کی الرجی لاحق ہو جاتی ہے کوئی الرجی دسے کی صورت اختیار کر لیتی ہے کوئی موسمی بخار کی اور کسی الرجی کے نتیجے میں جلد پر سرخ سرخ دھبے نمودار ہو جاتے ہیں اس کے علاوہ فلو ہونا یا ناک کی پھلی میں سوزش پیدا ہو جانا بھی سردیوں کی عام الرجی ہیں۔

بند گھروں میں زیادہ وقت گزارنے والے لوگ بھی کسی نہ کسی قسم کی الرجی کا جلد شکار ہوتے ہیں کیونکہ وہ گھر کی محفوظ فضا میں رہنے کے زیادہ عادی ہو جاتے ہیں جب وہ گھر سے نکلتے ہیں تو انہیں مختلف نوعیت کی الرجی پیدا کرنے والی چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ مثلاً ٹریفک کا دھواں، گرد و غبار، شور اور ہوائیں اڑتے ہوئے مختلف چیزوں کے نادیدہ ذرات تاہم بند گھروں میں رہنے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ الرجیز یا بیماریوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں بند گھروں میں تازہ ہوا اور آکسیجن کی کمی سے بھی آپ صحت کے بعض مسائل کا شکار ہو سکتے ہیں۔

اگر بند گھر میں آپ ایئر کنڈیشننگ پر انحصار کرتے ہیں تب بھی آپ پر کئی طرح کی الرجیز اور بیماریوں کے حملے اور ہونے کا خطرہ موجود رہتا ہے۔ کیونکہ کئی طرح کے جراثیم ایئر کنڈیشنر یا ایئر کنڈیشننگ کے مرکزی نظام کے مختلف حصوں میں گھر کر لیتے ہیں۔ خاص طور پر جن گھروں میں پالتو جانور موجود ہوں یا جن کے گرد و پیش کا ماحول غیر صحت مندانہ ہو، وہاں ایئر کنڈیشنر میں مختلف اقسام کے جراثیم کی موجودگی کا امکان زیادہ ہوتا ہے اگر والدین میں سے کسی ایک میں بھی کسی طرح کی الرجی موجود رہی ہو تو اولاد میں بھی اس الرجی کی موجودگی ۳۰ فیصد امکان ہوتا ہے اگر الرجی والد یا والدہ دونوں میں موجود ہو تو پھر اولاد میں اس کی موجودگی کا امکان ۳۰ فیصد سے کافی زیادہ ہو جاتا ہے تاہم یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان صرف موروثی طور پر ہی الرجیز کا



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety1](https://twitter.com/paksociety1)



کرتا ہوگا جس سے آپ الرجک۔ ہیں۔ دونوں صورتوں میں بہر حال آپ کے مستقبل طور پر اس بیماری پائیدار رہنے سے چھٹکارا پانے کی امید کی جاتی ہے جو آپ کو کچھ خصوصیات دونوں میں آن گھیرتا ہے۔ مختلف قسم کی الرجی کے لیے بہت سی دعا میں موجود ہیں جو ان چیزوں کا راستہ روکتی ہیں یا انہیں بے اثر بناتی ہیں جو آپ کے جسمانی نظام میں الرجی کو بیدار کرتی ہیں۔

الرجی کی بعض دوائیں انجکشن کی صورت میں بھی دی جاتی ہیں کسی عیس میں صرف ایک انجکشن ہی کافی ہوتا ہے جو درحقیقت آپ کے جسم میں دفاعی نظام کو مضبوط بناتا ہے اس طریقہ علاج کو Immunotherapy کہا جاتا ہے لیکن یہ طریقہ علاج عام طور پر شدید قسم کی الرجی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ نالی اور معمولی الرجی میں پرہیز علاج سے بہتر رہتا ہے۔ یعنی جب آپ کو معلوم ہو جائے کہ آپ کو فلاں چیز سے الرجی ہے تو آپ اس سے پرہیز کریں اس سے بچیں زیادہ تر لوگوں کو دوا میں، گردوغبار، ٹھنڈی ہوا، فضا میں اڑتے ہوئے بعض مخصوص چیزوں کے ذرات یا کھانے پینے کی کچھ چیزوں سے الرجی ہوتی ہے ان سے بچنا پرہیز کرنا زیادہ مشکل نہیں بشرط یہ کہ تعین ہو جائے کہ آپ کو کس چیز سے الرجی ہے۔

بند گھروں اور دفاتروں میں موجود ناپیدہ مگر الرجی پیدا کرنے والے عناصر سے بچنے کے لیے دن میں کم از کم ۱۵ منٹ کے لیے ضرور کھڑکیاں کھول کر تازہ ہوا کو پورے گھر یا دفتر میں گزرنے کا موقع دینا چاہیے۔ اس سے الرجی کے خطرات کم ہو جاتے ہیں اس کے علاوہ آفس بلڈنگ یا گھر کے ایئر کنڈیشنرز مناسب وقفے سے صحت پر صفائی وغیرہ کراتے رہنا بھی ضروری ہے۔ خاص طور پر ان حصوں کی جن میں جراثیم کے گھر کر لینے کا امکان زیادہ ہوتا ہے الرجی کسی بھی قسم کی ہوا سے فلکسٹ دینا یا ڈاکٹر کی مدد سے اس کے خلاف اپنا بچاؤ کرنا قطعی مشکل نہیں بشرطیکہ اس کا صحیح سراغ لگایا جائے اس طرح آپ صرف موسم سرما سے ہی نہیں بلکہ ہر موسم سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

ماہِ ربیعِ ثول..... سرگودھ



شکار ہو کوئی بھی حصہ کسی بھی قسم کی الرجی کا دھار ہو سکتا ہے۔ سردیوں میں بہت سے لوگ آپ کو چھینکتے کھانٹتے یا ناک سے شل شل کی آوازیں نکالتے دکھائی دیتے ہوں گے بہت سے لوگوں کی ناک سردیوں میں اکثر بند رہتی ہے اور بعض لوگوں کی آنکھوں سے اکثر پانی بہنے لگتا ہے ضروری نہیں ہے کہ یہ کیفیات صرف وائرل انجکشن کی وجہ سے ہوں اس کی وجہ ہو سکتی ہیں یا بھی ہو سکتی ہیں عین ممکن ہے آپ نے کافی عرصے سے کہیں پیک کر کے رکھے ہوئے سردیوں کے کپڑے نکال کر پہنے ہوں تو ان سے بھی آپ کو الرجی ہوئی ہو۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ سردیوں کی آمد سے پہلے سردیوں کے کپڑوں، کپلوں اور لفافوں وغیرہ کو دھوپ لگوائی جاتی ہے یہ ایک بہت پرانا رواج ہے لیکن درحقیقت یہ نہایت سائنٹیفک طریقہ کار ہے ان چیزوں کو زیادہ سے زیادہ دیر کے لیے دھوپ لگوانے کے بعد نہ صرف ان میں سے مخصوص جہک ختم ہو جاتی ہے بلکہ اس بات کا اندیشہ بھی کم ہو جاتا ہے کہ ان کی وجہ سے آپ کو کسی قسم کی الرجی لاحق ہوگی۔

اگر آپ موسم سرما میں یا کسی بھی مخصوص موسم میں کسی بھی قسم کے مخصوص عارضے میں مبتلا ہوتے ہیں تو زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ آپ کسی قسم کی الرجی کا شکار ہیں اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ جلد از جلد آپ کسی ڈاکٹر سے رجوع کریں تاکہ وہ تعین کر سکے کہ آپ کو کس چیز سے الرجی ہے۔ اس کے بعد اس کا علاج قطعی مشکل نہیں ہوگا۔ ہمارے ہاں زیادہ تر لوگ اس قسم کے مسائل میں خود ہی اپنے ڈاکٹر بن جاتے ہیں اور آسانی سے مل جانے والی چھوٹی موٹی دوا میں استعمال کر لیتے ہیں جن سے وقتی طور پر افادہ ہو جاتا ہے لیکن درحقیقت علامات دب جاتی ہیں اور مسئلہ نہیں کا واپس رہتا ہے۔

اگر آپ ڈاکٹر کے پاس جائیں گے تو وہ الرجی کے سلسلے میں سب سے پہلے آپ کا ایک سادہ سائمیٹ لے گا جسے Patch Test کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ رفتہ رفتہ اس چیز تک پہنچ جائے گا جس سے آپ کو الرجی ہے اس کے بعد اگر اس سلسلے میں کوئی دوا موجودگی تو وہ تجویز کرے گا ورنہ آپ کو اس چیز سے خود کو بچانے کا کوئی طریقہ کار وضع